GOVERNMENT OF INDIA

DEPARTMENT OF ARCHAEOLOGY

CENTRAL ARCHAEOLOGICAL LIBRARY

CALL No. 854.54 Mah

D.G.A. 79.

تاریخ سلطنتِ خداداد

(میسور)

اقبال بکڈپو اولڈ پور ہوز روڈ نمبر ۱۰۴ معسکر بنگلور

محمود

نذر

آں شہیدانِ محبت را امام　　آبروئے ہند و چین و روم و شام

نامش از خورشید و مہ تابندہ تر　　خاکِ قبرش از منِ تو زندہ تر

عشق رازے بود بر صحرا نہاد　　تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین　　فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ

رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز

نوبتِ او در دکن باقی ہنوز　　علامہ اقبالؒ

اس حسنِ عقیدت و احترام سے

جو میرے دل میں ہے۔ اپنی اس ناچیز تصنیف کو تخیل کے ہاتھوں حضور سلطانی میں

جو "شہیدِ اکبر اور سلطان المجاہدین" ہے

پیش کرتا ہوں۔

محمود

5674.
5/3/57.
954.54/Mah.

مضمون	صفحہ
حیدر علی نائب سلطنت مغلیہ اور خطاب نواب	۶۰
سرچپرا کی تسخیر	"
حیدر علی کے خلاف سازش	۶۱
سابق وزیر نند راج کا خط	۶۳
مرہٹوں کی واپسی	"
حیدر علی کی سرنگاپٹم پر چڑھائی ۱۷۶۰ء	"
محاصرۂ سرنگاپٹم	۶۵
حیدر علی کا فرار	"
محل پر قبضہ	"
حیدر علی فرمانروائے میسور	"
حیدر علی کے غاصب سلطنت ہونے کی تردید	۶۶
فتح سندی	۷۰
فتح بدنور، بدنور کے حالات	"
حیدر علی کے خلاف سازش	۷۱
بدنور پر قبضہ	۷۲
ٹکسال اور سکہ	۷۳
حیدر علی اور پرتگیز	"
واقعات ملیبار	"
علی راجہ کی فتوحات	۷۴
ساحل ملیبار کے جزائر پر پرچم اسلام	"
ملیبار میں نائروں پر ظلم	"
ملیبار پر فوج کشی	۷۵
تسخیر کالی کٹ	۷۵
نائروں سے دوسری لڑائی	"
نواب کی دُور اندیشی	"
جنگ پونانی	۷۶
نواب کا اعلان	۷۷
اعلان کا اثر	۷۸
مرہٹوں کی لشکر کشی ۱۷۶۳ء	"
چتلدرگ پر فوج کشی ۱۷۶۳ء	"
شاہنور پر چڑھائی	"
مادھوراؤ پیشوائے پونا کی لشکر کشی میسور پر ۱۷۶۵ء	۷۹
مرہٹی فتوحات کا اثر	۸۰
مادھوراؤ سے صلح	۸۱
راجہ میسور کی وفات ۱۷۶۶ء	۸۲
انگریزوں سے پہلی جنگ	"
بالاگھاٹ پر اتحادیوں کا قبضہ	۸۵
مغربی محاذ پر لڑائی	"
حیدر علی مشرقی محاذ پر	۸۶
مرہٹوں اور نظام کی علیحدگی	۸۷
کرناٹک پر حملے	۸۸
کرنل اوڈ کا حملہ اور شکست	۹۰
استعانۂ مدراس پر دوسرا لشکر	۹۴

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سخن ہائے گفتنی	۱	حیدر صاحب کی وفات	۵۲
مقدمہ	۵	حیدر علی سرنگاپٹم میں	"
مسلمان میسور میں کب آئے	۱۹	حیدر علی کی دوسری شادی	"
تاریخ دکن وجنوبی ہند		حیدر علی کی اولاد	"
تاریخ میسور	۲۳	حیدر علی کا گورنر ڈنڈیگل مقرر ہونا ۱۷۵۵ء	۵۳
موجودہ حکمران خاندان میسور کی تاریخ	۲۵	واقعات کرناٹک ۱۷۵۵ء	"
تاریخ نوابان ارکاٹ	۳۰	نندراج کے خلاف سازش	۵۴
انگریز اور فرانسیسی	۳۳	حیدر علی اور محاصرۂ ترچناپلی ۱۷۵۳ء	"
مرہٹے، حیدرآباد اور نوابان ارکاٹ	۳۴	میسور پر حملے اور نیابت سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ۱۷۵۳ء	۵۵
ماخذ	۳۸	مرہٹوں کا میسور پر قبضہ ۱۷۵۵ء	"
نسب نامہ نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان	۴۲	سرنگاپٹم کو نندراج کی واپسی	۵۶
حیدر علی کی ابتدا	۴۶	حیدر علی سپہ سالار افواج میسور ۱۷۵۵ء	"
نواب حیدر علی کے آغاز کے وقت ریاست میسور کس حالت میں تھی؟	۴۹	مرہٹوں کی شکست ۱۷۶۱ء	۵۷
حیدر علیؒ		وزیر نندراج کے خلاف سازش	"
نام	۵۰	فرانسیسیوں کا حیدر علی سے امداد طلب کرنا ۱۷۶۰ء	۵۸
سنہ پیدائش	"	واقعات حیدرآباد۔ حیدر علی اور بسالت جنگ کے تعلقات ۱۷۶۱ء	۵۹
مقام پیدائش	"	بسالت جنگ اور حیدر علی کا معاہدہ	"
عہد طفلی	"	سفیر موسکوٹہ	۶۰
شہباز کی پہلی ملازمت	۵۱		

مضمون	صفحہ
پر اثر	۱۵۶
نواب حیدر علی کی تدفین	۱۵۸
نواب حیدر علی خاں کا حلیہ مشاغل، عادات و اطوار	
حلیہ، لباس وطرز گفتگو	۱۵۹
طرز گفتگو	"
زبان	"
دل و دماغ	۱۶۰
ادب شناسی	"
ملک داری	۱۶۱
خوراک	۱۶۲
روزانہ مشاغل	۱۶۳
عدل و انصاف	۱۶۴
شاہان مغلیہ کا طمطراق۔ سرنگاپٹم میں دسہرا کے تماشے	۱۶۵
اقوال	۱۶۶
لونڈی بچہ	"
شجاعت اور بہادری	"
فراست و قیافہ شناسی	۱۶۸
بے تعصبی اور مذہبی رواداری	"
سری رنگا تہ کا مندر	۱۷۰
رحمدلی	"

مضمون	صفحہ
تعمیرات	۱۷۱
اطاعت والدین	۱۷۲
تعلیم وتربیت اولاد	"
اقرارنامہ	۱۷۳
نواب حیدر علی کی بلند نظری اور اتحاد اسلامی کی کوششیں	۱۷۴
بحری طاقت	"
نواب حیدر علی کے متعلق مورخین کے آراء	۱۷۵
نواب حیدر علی کے مظالم کی داستان	۱۷۸
حیدر علی پر ایک نظر بازگشت	۱۸۵
ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان	
پیدائش	۱۹۴
بچپن	۱۹۵
جوانی اور ولی عہدی	۱۹۶
انگریزوں سے پہلی جنگ	۱۹۸
شادی	"
نظام اور مرہٹوں سے جنگ	۱۹۹
میسور کی دوسری جنگ	"
حیدر علی کی رحلت	"
سلطان کی تخت نشینی	۲۰۰
بغاوتیں	۲۰۲

مضمون	صفحہ
نظام الملک اور انگریز	۹۷
جنگ کے دوران میں انگریزی علاقہ کی حالت	۹۸
نواب حیدر علی کی مراجعت سرنگاپٹم	،،
مرہٹوں کا چوتھا حملہ حیدر پر ۱۷۷۰ء	۱۰۳
مرہٹی فوج	،،
نواب حیدر علی کا انگریزوں سے امداد طلب کرنا	۱۰۴
حیدر علی اور مرہٹوں کی پہلی آویزش	،،
مرہٹی فتوحات	۱۰۵
مادھوراؤ کی پونا کو واپسی	۱۰۶
ترمک راؤ کی فوج کشی	،،
حیدر علی کی پسپائی	۱۰۷
محمد علی کیدان کا کارنامہ	۱۰۹
نواب حیدر علی کا دوبارہ فوج جمع کرنا	۱۱۰
محاصرۂ سرنگاپٹم	،،
ترمک راؤ کی فراری	۱۱۲
پائین گھاٹ پر مرہٹی حملے۔	۱۱۳
مرہٹی فوج پر شبخون	۱۱۶
فتح کورگ ۱۷۷۳ء	۱۲۱
فتح ملیبار ۱۷۷۳ء	،،
واقعات پونا	۱۲۲
تسخیر بلاری ۱۷۷۵ء	،،

مضمون	صفحہ
فتح گُتی	۱۲۳
شہزادوں کی شادیاں ۱۷۷۴ء	۱۲۴
پونا میں پیشوائی کیلئے کش مکش ۱۷۷۴ء	۱۲۵
فتح بادامی، دہاڑواڑ و دیگر فتوحات ۱۷۷۶ء	۱۲۷
تنظیم مملکت و فوج۔	۱۳۲
امتحان وفاداری	،،
تسخیر کڑپہ ۱۷۷۹ء	۱۳۳
انگریزوں کی سازشیں۔	۱۳۶
انگریزوں سے دوسری جنگ ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک	۱۳۹
جنگ پولی پور ۱۷۸۱ء	۱۴۱
تسخیر ویلور وارکاٹ ۱۷۸۱ء	۱۴۴
انگریزوں کی جانب سے صلح کی درخواست	۱۴۸
فتح چندرگیری و چتور ۱۷۸۱ء	۱۴۸
جنرل سرائر کوٹ اور والاجاہ محمد علی کی گفتگو	۱۴۹
حیدری فوج کی شکست ۱۷۸۱ء	۱۵۰
مدراس گورنمنٹ میں رد و بدل ۱۷۸۱ء	۱۵۲
فرانسیسی جہاز حیدر علی کی کمک پر ۱۷۸۲ء	،،
میدان جنگ کی حالت	۱۵۳
حیدر علی کی وفات ۱۷۸۲ء	۱۵۴
نواب حیدر علی خاں کی آخری گھڑیاں	۱۵۵
نواب حیدر علی خاں کی وفات کا ہندوستان	

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
لارڈ ولزلی کا دوسرا کارنامہ	۲۷۹	زوال سلطنت خداداد پر انگریزوں کی خوشیاں	۳۴۹
ناگپور کے راجہ اور انگریزوں میں معاہدہ	۲۸۲	**زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب**	
زمان شاہ	۲۸۳	نواب محمد علی والاجاہ	۳۵۲
سلطنت خداداد سے انگریزوں کی چوتھی جنگ کے اسباب	۲۸۴	نواب نظام علی خاں۔ نظام الملک دوم	۳۵۳
سرنگاپٹم کا حملہ اور محاصرہ	۲۹۶	ایسٹ انڈیا کمپنی	۳۵۳
تسخیر سرنگاپٹم اور سلطان کی شہادت	۳۰۱	مرہٹے	"
قلعہ پر حملہ کے متعلق سازش	۳۰۵	میسور کا قدیم ہندو خاندان	۳۵۴
قلعہ پر حملہ اور سلطان کی شہادت کے متعلق مختلف بیانات	۳۱۰	پہلی سازش ۱۷۶۱ء	۳۵۵
قلعہ پر حملہ اور سلطانی محل کا محاصرہ	۳۱۳	دوسری سازش ۱۷۶۵ء	"
سلطان کی تدفین	۳۱۸	تیسری سازش ۱۷۶۸ء	"
شہادت کے بعد	۳۲۳	چوتھی سازش ۱۷۸۰ء	۳۵۷
ٹیپو سلطان کے محلات کو کیونکر لوٹا گیا۔ طلسمی دولت	۳۳۰	پانچویں سازش ۱۷۸۴ء	۳۵۸
مال غنیمت کی تقسیم اور ٹیپو سلطانؒ کا ہار	۳۳۳	میسور میں ہندو راج قائم کرنے کیلئے معاہدہ	۳۵۹
مئی ۱۷۹۹ء کے واقعات	۳۳۴	اسلامی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی کوششیں	۳۶۲
مال غنیمت میں حیدرآباد کا حصہ	۳۳۶	چھٹویں سازش ۱۷۸۳ء	۳۶۵
شہادت کے بعد دیگر واقعات	۳۳۸	ساتویں سازش ۱۷۸۸ء	۳۶۷
سلطنت خداداد کیسے مٹی؟	۳۴۲	آٹھویں سازش ۱۷۹۰ء	۳۶۹
		نویں سازش ۱۷۹۹ء	۳۷۹
		میر صادق	۳۸۰
		میر غلام علی (لنگڑا)	۳۸۲

مضمون	صفحہ
محمد علی سرنگاپٹم میں	۲۰۳
تسخیر حیدر نگر	۲۰۴
تسخیر نگر کے بعد محمد علی کمیدان کی موت	۲۰۵
کمیدان محمد علی کے صفات	۲۰۸
میسور کی دوسری جنگ کا سلسلہ	۲۰۸
تسخیری مہمات ۱۷۸۴ء	۲۱۰
بغاوت کورگ ۱۷۸۴ء	۲۱۲
برہان الدین کی شادی اور سادات و نائطہ کی مخالفت	۲۱۶
نائطہ	״
حیدر آباد اور مرہٹوں سے جنگ ۱۱۹۸ھ — ۱۷۸۶ء	۲۱۸
شاہنور کا میدان جنگ	۲۲۳
عزم سلطانی	۲۲۶
انتظام سلطنت	۲۲۷
ایسٹ انڈیا کمپنی اور ٹیپو سلطان	۲۲۸
سرکشان ملیبار کی بغاوت	۲۲۹
حیدر آباد	۲۳۳
مرہٹے	۲۳۷
انگریز اور فرانسیسی	۲۳۹
لارڈ کارنوالس	۲۴۲
سلطنت خداداد سے انگریزوں کی تیسری	

مضمون	صفحہ
جنگ کے اسباب	۲۴۴
سازشوں کا جال	۲۴۷
جنگ کا آغاز	۲۴۹
بنگلور پر انگریزی قبضہ	۲۵۰
دیون ہلی انگریزی قبضہ میں	״
بالاپور	۲۵۱
سلطان کی والدہ کا خط	״
سید صاحب سرنگاپٹم میں	۲۵۲
کشن راؤ کی بیوی کا افسانہ	״
سلطان کی سرنگاپٹم کو مراجعت	۲۵۵
حیدرآبادی و مرہٹی فوجوں کے فتوحات	۲۵۶
سرنگاپٹم کا محاصرہ اور سامان رسد کی تنگی	۲۵۸
واقعات ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء	۲۵۹
فریقین جنگ کی تعداد	״
خاتمہ جنگ اور شرائط صلح	۲۶۱
شرائط صلح	۲۶۳
واقعات مابعد جنگ	۲۶۶
عہدنامہ [illegible]	۲۶۸
انگریزوں سے چوتھی جنگ	۲۶۹
لارڈ مارننگٹن (مارکوئیس آف ولزلی)	״
لارڈ ولزلی کا ہندوستان میں پہلا کام	۲۷۲

مضمون	صفحہ
صنعت و حرفت	۴۹۱
معدنیات	"
مٹی کی مصنوعات	۴۹۳
لکڑی کا کام	"
چرم سازی	"
تیل اور تیل کے دیگر مصنوعات	"
صندل	"
رسی اور قالین	"
ہاتھی دانت کا کام	۴۹۴
نمک بنانا	"
زر	"
کاغذ پر سونے کا رنگ چڑہانا	"
اون	"
فنون لطیفہ	"
ریشم	"
روئی کی مصنوعات	"
ریشم اور روئی کی مصنوعات	۴۹۵
لوہے کی مصنوعات	۴۹۶
اقتباس از سفرنامہ بچانن	۴۹۹
سلطنت خداداد کے سکے	۴۷۳
محکمہ تعمیرات	۴۷۹

ٹیپو سلطان کا حلیہ، مشاغل عادات واطوار وغیرہ

مضمون	صفحہ
حلیہ	۴۸۲
لباس	"
طرز گفتگو و زبان	۴۸۳
غیرت و حمیت	۴۸۴
سادگی	"
روزانہ مشاغل	۴۸۵
سلطنت کا روزمرہ انتظام	۴۸۶
مکاتیب سلطانی	"
علمی قابلیت	۴۹۲
شوق ایجاد و اختراع	۴۹۸
مہینوں کے نام	۴۹۹
سالوں کے نام	۵۰۰
زہد و تقویٰ	۵۰۲
اطاعت والدین	۵۰۶
انسانی ہمدردی	"
ٹیپو سلطان اور انسداد غلامی	۵۰۷
رحمدلی	۵۰۸
رعایا پروری اور رعایا کے آرام و آسائش کا خیال	"
جنگی قابلیت	۵۱۰

مضمون	صفحہ
بدرالزماں خاں نائطہ	۳۸۵
سید معین الدین	۳۸۷
سید قمر الدین	۳۸۸
سید قاسم علی جنابخش میر نورالدین	۳۹۱
پورنیہ	۳۹۳
اصلاحات سلطانی	
ملکی اصلاحات	۳۹۸
مذہبی اصلاحات	۴۰۲
مسلمانوں کی اس وقت کی حالت	۴۰۳
زوال سلطنت کا ایک اور سبب	۴۰۷
آزادیٔ وطن کیلئے سلطان کی جدوجہد	״
فرانس اور ٹیپو سلطان کے تعلقات	۴۰۷
انتظام سلطنت خداداد	
انتظام ضلع و تعلقہ	۴۲۱
سول لسٹ	۴۲۲
اقتباس از دفتر کچہری جعفرآباد	״
محکمۂ پولس	۴۲۴
تصدیق باسم عامل کولار	۴۲۵
محکمۂ ڈاک	۴۲۷
مالگذاری مشیت	״
لگان کی وصولی	۴۲۸
تقسیم تنخواہ	״
رشوت کا سد باب	۴۲۹
عاملانِ حکومت کی مجلس مشاورت	״
عدالت وانصاف	۴۳۰
انتظام سلطنت کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ	۴۳۱
مجلس وطنی	״
فوجی انتظام	۴۳۳
بری فوج	״
کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین)	۴۳۶
بہادروں کے ترانے	۴۳۸
کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کا ضمیمہ ۔ نسخہ جات	۴۴۱
بحری فوج کا انتظام	۴۴۳
تجارت	۴۴۶
بنک	۴۴۹
زراعت	۴۵۰
کرشنا راج ساگرا	۴۵۴
کتبہ	۴۵۵
امرت محل	۴۵۸
خیمہ	۴۶۰
گھوڑے	״
ہاتھی	۴۶۱

فہرستِ تصاویر

مصنفِ کتاب	
نواب حیدر علی بحالت جوانی (بشکریہ جناب محمد ابراہیم صاحب بنگلوری)	۵۱
نظام علی خاں نظام الملک دوم (حیدر آباد)	۸۵
نواب والا جاہ محمد علی (ارکاٹ)	"
نواب حیدر علی دریا دولت باغ کی ایک تصویر سے	۱۰۱
عکسِ تحریرِ سلطانی	۱۴۳
" ۲ پلیٹ	
ٹیپو سلطان بحالت جوانی (عطیہ جناب لالہ امیر چند صاحب گپتہ خلف لالہ سری رام صاحب آنجہانی مصنف خمخانۂ جاوید دہلی)	۱۹۳
ٹیپو سلطان (انڈیا آفس لائبریری کی تصویر سے)	۲۲
میر غلام علی لنگڑا شہزادوں کو لارڈ کارنوالس کے سپرد کر رہا ہے۔	۲۶۳
لارڈ ولزلی	۲۶۱
وزرائے حیدر آباد (رکن الدولہ، ارسطو جاہ اور	۲۷۵
میر عالم)	"

سلطان کا آخری مقابلہ	۳۰۵
سلطان کی لاش ڈھونڈھ کر نکالی جا رہی ہے	۳۱۸
آخری سازش (دریا دولت باغ کی ایک تصویر کا عکس)	۳۸۲
مسجد میر صادق (")	۳۹۴
پورنیا (بشکریہ میتھک سوسائٹی جرنل)	"
کرشن راج ساگر پر سلطانی کتبہ کا عکس	۴۵۶
سلطنت خداداد کے سکے ۲ پلیٹ	۴۶۵
مسجد اعلیٰ سرنگاپٹم	۴۰۱
دریا دولت باغ	۴۰۴
دریا دولت باغ کی ایک تصویر کا عکس	۴۰۸
گنبد اعلیٰ سرنگاپٹم	۴۱۱
گنبد اعلیٰ کے اندر مزارات	۴۱۵
کمانِ رزاں	۴۲۰
دریا دولت باغ (بیرونی منظر)	"
نقشے	
(۱) یورپ سے ہندوستان کو راستے	۴۱۸
(۲) قلعۂ سرنگاپٹم	۵۱۵
(۳) گنبد	۴۱۴
(۴) آخری معرکہ کہاں ہوا	۴۲۲
(۵) سلطنت خداداد	۴۲۸

مضمون	صفحہ
شجاعت و بہادری	۵۱۲
جذبۂ جہاد	۵۱۳
خطبہ جمعہ	۵۱۶
ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری	۵۱۹
ٹیپو سلطان اور گروا پور کا مندر، اسلامی بے تعصبی	۵۲۰
ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ	۵۳۰
سلطان کی بے تعصبی کی ایک اور مثال	۵۳۲
ہندوستان اور ممالک اسلامیہ کو مغربی قوموں سے بچانے کیلئے سلطان کی جدوجہد	۵۳۴
اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کی خوشحالی و ترقی کیلئے سلطان کی مساعی جمیلہ	"
ترکی کی حالت	۵۴۶
سلطان سلیم فرمانروائے سلطنت عثمانیہ کا خط مورخہ ۱۳ ربیع الآخر ۱۲۰۳ھ بنام ٹیپو سلطان	۵۴۹
ٹیپو سلطان کی طرف سے سلطان سلیم کے خط کا جواب	۵۵۳
خط بنام کریم خاں زند فرمانروائے مملکت ایران	۵۵۴
خط زماں شاہ والی افغانستان بنام ٹیپو سلطان	۵۵۷
مقاصد حیات	۵۵۸
سلطان پر انگریزی مورخین کے اعتراضات	۵۶۲
سلطنت خداداد کی تباہی ہندی اور اسلامی	

مضمون	صفحہ
نقطہ نظر	۲۷۳
غداروں کا انجام	۵۸۳
مسجد قمر الدین	۵۸۶
مسجد معین الدین	۵۸۸
مسجد صادق	۵۸۹
ضمیمہ	
سرنگاپٹم	۵۹۳
موجودہ حالت	۵۹۸
سلطانی محل	۶۰۰
مسجد اعلیٰ	۶۰۲
دریا دولت باغ	۶۰۶
گنبد اعلیٰ	۶۰۹
مشہد سلطانی	۶۲۴
گنبد اور مسجد کا موجودہ انتظام	۶۲۵
مزار سلطان شہید پر عقیدت کے چند پھول	۶۲۹
خاتمۃ الکتاب	۶۵۳

دیباچۂ طبعِ ثانی

میرے وہم وگمان میں بھی کبھی یہ بات نہ گذری تھی کہ مجھ جیسے ہیچمدان ذرۂ ناچیز کی تصنیف اس قدر مقبولیت حاصل کریگی۔ کہ اس کی شہرت حدودِ ہند سے نکلکر یوروپ اور امریکہ تک پہونچ جائیگی۔ خودستائی ہوگی اگر میں یہاں ان تبصرات کا اعادہ کروں جو اس کتاب پر ہندوستان اور ممالک غیر کے اخبارات ورسائل میں شایع ہوچکے ہیں۔ ایک طرف جب میں اپنی بے بضاعتی اور دوسری طرف کتاب کی اس مقبولیت کو دیکھتا ہوں تو میرا سر بے اختیار اس خدائے جلِ جلالہٗ وعم نوالہٗ کی بارگاہِ صمدیت میں جھک جاتا ہے جو اپنے بندوں میں جس کسی کو چاہتا ہے۔ عزت بخشتا ہے۔

میں صمیم قلب سے ان تمام مدیرانِ اخبارات ورسائل اور مشاہیر ومورخین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے کتاب پر اپنے گرانبہا تبصرات سے مجھے ممنون فرمایا۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت ہی قلیل عرصہ میں ختم ہوگیا۔ مانگ برابر جاری تھی اور اصرار ہونے لگا کہ دوسرا ایڈیشن جلد از جلد شائع کیا جائے۔ لیکن میرا ارادہ تھا کہ اس سے پہلے سلطنتِ خداداد کے متعلق بقیہ حالات کو ایک دوسری جلد میں شائع کروں اس جلد کا حجم تقریباً ڈھائی سو صفحات ہوتا۔ لیکن جب پہلے ایڈیشن کی مانگ نے مجھے

مجبور کر دیا تو میں نے دوسری جلد کا ارادہ ترک کر کے اس کے مضامین کو اسی کتاب میں شامل کر دیا۔ اس سے سہولت یہ ہوئی کہ کتاب میں ایک تاریخ وار ربط پیدا ہو گیا۔ س لیے کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن پہلے یڈیشن سے بالکل مختلف ہے۔ البتہ "سخنہائے گفتنی" ور "مقدمہ" "جوش" وغیرہ صفحات میں ہیں۔ وہی رہنے دئے گئے جو پہلے ایڈیشن میں موجود تھے۔

ب تقریباً چار سال کے بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن ملک کے آگے پیش کیا جا رہا ہے۔ یا بالفاظ دیگر سلطنت خداداد کی مکمل تاریخ ایک ہی جلد میں شائع ہو رہی ہے اس دوسرے یڈیشن کیلئے میں نے جس قدر محنت کی ہے۔ اس کا اندازہ کتاب کے مطالعے سے ہو سکتا ہے۔ اگر ابنائے ملک نے اس سے کوئی سبق سیکھا اور فائدہ اٹھایا تو میں سمجھونگا کہ میری محنت مشکور ہو گئی۔

بنگلور، مورخہ ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۵۳۶ھ

ناچیز

محمود

سخن ہائے گفتنی

تاریخ سلطنتِ خداداد لکھنے سے پیشتر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ہندوستان کی آج کل کی مروجہ تاریخیں اور خصوصاً عہد عالمگیر اورنگ زیب سے آج تک کی تاریخ کچھ اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ صحیح حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ایک مورخ کو باوجود کوشش کے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جن واقعات کو لکھ رہا ہے۔ ان میں کس قدر صداقت ہے۔ آج کل جتنی تاریخیں مروج ہیں وہ تمام کی تمام ایک ہی رنگ میں اور ایک خاص مقصد کو لی ہوئی ہیں۔ یعنے ہندوستان کے قدیم طرز حکمرانی پر نکتہ چینی ہو اور دیسی حکمرانوں کی برائیاں کھول کھول کر دکھائی جائیں۔ اور واقعات پر کچھ اس طرح پردہ ڈالا گیا ہے کہ اصل اور نقل کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ مدارس میں پڑھانے کے لئے ہر سال نئے نئے مورخین کی تصانیف پیش کی جاتی ہیں۔ مگر وہ دراصل ایک دوسرے کی نقل ہوتی ہیں اور مصنفین کا مقصد تحقیق نہیں بلکہ جلب منفعت ہوتا ہے۔ ان تاریخوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضۂ ہندوستان کے متعلق جو نقش ایک ناظر کے دل پر بیٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان طوائف الملوکی اور لوٹ مار کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ انسانیت کے نام پر یہاں کے باشندوں کو اس ظلم و ستم سے بچانے کیلئے جن میں وہ گرفتار تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ اگر ہندوستان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو آج یہ ملک چند وحشیوں کی مامن گاہ بنا ہوا ہوتا۔ بلکہ آج بھی انگلستان میں یہی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان پر انگریزی قبضہ صرف ہندوستانیوں کی بھلائی کے

اور ایک دوسرا مورخ مسٹر کننگھم لکھتا ہے :-

"حکومت کے تاریخی کاغذات میں اس درجہ رد و بدل کیا جاسکتا ہے کہ وہ موجودہ عارضی سیاست پر چسپاں ہو سکے"۔

آگے چل کر یہی مورخ لکھتا ہے :-

"جعلی سندات بنائے گئے ہیں۔ جن پر وزارت کی مہر ہوتی ہے۔ تاکہ لوگوں کو یقین آجائے ہمیں اس سلسلہ فریب سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے"۔

ان مشکلات کا خیال کرتے ہوئے یہ کوشش نہیں کیجاتی کہ ایک صحیح تاریخ لکھی جائے۔ مگر کچھ نہ کئے جانے سے بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے اور اس کے لئے جو کچھ مواد مل سکتا ہے۔ وہ ان تاریخوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جن کو چند انصاف پسند مورخین نے لکھا ہے اور اسکے ساتھ ہی موجودہ تواریخ میں بھی بہت کچھ مواد ہے۔ اور ایک نکتہ رس نظر اس ذخیرہ میں بھی حق کو باطل سے علیحدہ کرسکتی ہے۔ تاریخ کے مرتب کرنے میں مقامی روایات بھی بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ اور ان کے انتخاب میں بھی احتیاط لازمی ہے۔ انہیں موانع کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی کوئی صحیح تاریخ لکھی نہیں جاتی۔ مگر ایک قوم کے لئے اس کی اپنی تاریخ کی جس قدر ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اس لئے امید ہے کہ ہندوستانی مورخ اس ضروری اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔

سلطنت خداداد میسور کی تاریخ بھی تاریخ ہندوستان کی ایک کڑی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں مورخ ہوں اور نہ ادیب۔ صرف ایک فرض منصبی اور تاریخ کی اہمیت کا خیال کرتے ہوئے میں نے اس کتاب کی تصنیف اپنے ذمہ لی۔ کتاب کا جہاں تک نواب حیدر علیؒ اور ٹیپو سلطانؒ سے تعلق ہے۔ مکمل ہے۔ اس میں صرف طوالت کے خیال سے

لئے ہے۔ اس لئے کمپنی اپنا روپیہ اور خون بہاکر ہندوستان کی نجات کا باعث ہوئی۔

اور دوسرا الزام دیسی حکمرانوں پر یہ دیا جاتا ہے۔ کہ ان میں حد درجہ مذہبی تعصب تھا جس کی بناپر انہوں نے غیر مذہب والوں پر تشدد کیا۔ اور اس سلسلہ میں علاوہ اور حکمرانوں کے عالمگیر اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان شہید خاص طور پر ہدف ملامت بنے ہوئے ہیں۔

دراصل یہ اسی قسم کی تاریخوں کا اثر ہے جو بچوں کے دل میں سرایت کر کے انہیں ایک دوسرے سے عناد رکھنے کے لئے بچپن ہی سے آمادہ کر دیتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی ایک صحیح اور اصل تاریخ لکھی جائے۔ اور واقعی اگر دیسی حکمرانوں میں برائیاں موجود ہوں تو انہیں واضح طور پر دکھایا جائے۔ تاکہ دوسرے حکمرانوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزوں کا دعویٰ کس حد تک حق بجانب ہے۔ اور انہوں نے ملک پر قبضہ کرنے کیلئے کن وسائل سے کام لیا۔ اس قسم کی ایک صحیح تاریخ لکھنے میں جو مشکل ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کا مسئلہ ابھی تک حدود سیاست کو چھوڑ کر باہر نہیں نکلا۔ اور خوف کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی کتاب راعی اور رعایا میں منافرت ڈالنے والی نہ سمجھ لی جائے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ وہ کاغذات جن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد کی تاریخ منضبط ہے۔ ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں انڈیا آفس یا پارلیمنٹ میں ہیں۔ جہاں آسانی سے رسائی نہیں ہو سکتی اور پھر جو کاغذات کہ وہاں بھی مل سکتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی خود انگریزی مورخ ہی لکھتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر جیمس مل لکھتا ہے :-

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اصلی واقعات کے چھپانے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔"

مقدمہ

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنت مغلیہ پارہ پارہ ہو گئی۔ تمام ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں اگر کسی بہادر سپاہی کے دل میں جس کے لئے قدرت نے خود راستے کھول دئے ہوں۔ اولوالعزمی جانبازی اور جہانگیری کے ولولے پیدا ہوں تو تعجب کی کونسی بات ہے؟ جنوبی ہندوستان کا یہ نامور ہیرو جس کے حالات زندگی ہم قلمبند کر رہے ہیں، ایک ایسے وقت میں پیدا ہوا جبکہ ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ اور تمام ملک ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک لوٹ مار، قتل و غارتگری کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اس افتراق انگیز صورت حالات سے ہر شخص متاثر ہوتا اور ایک معمولی سپاہی بھی جو ہتھیار باندھکر گھر سے نکلتا۔ اس کا منشا یہی ہوتا کہ کسی کو لوٹ کر بے شمار دولت حاصل کرے۔ اس زمانے میں لوٹ مار ایک معمولی بات تھی اور یہ کوئی مذموم حرکت نہ سمجھی جاتی تھی۔ اور ایسے وقت میں ایک اولوالعزم انسان کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اپنی شمشیر خارا شگاف کی مدد سے ملک پر قبضہ کر کے رفتہ رفتہ تاج و تخت کا مالک بنجائے۔ ہمارا یہ نامور ہیرو بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا۔ اور چونکہ اسکی رگوں میں سپہگرانہ خون دوڑ رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی اسکے دل میں اولوالعزمی اور ناموری کے جذبات بھی موجزن تھے۔ اس نے اپنی پوری قوت کو صرف کر دیا۔ کہ دنیا میں اپنا نام ایک جانباز سپاہی اور فاتح کی حیثیت میں چھوڑ جائے۔ اس بہادر سپاہی نے نہ تو انگریزوں کی طرح سیاسی چالوں سے کام لیا۔ اور نہ دوسرے صوبہ داروں کی طرح حرص اور فریب سے کام لیکر اپنے بادشاہی ملک پر قبضہ کیا۔ بلکہ اس نے محض اپنی بہادری۔ استقلال

ہر لڑائی کی تفصیل اور مختلف سپہ سالاروں اور سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی کارگذاریاں جو ہر لڑائی میں ان سے ہوئیں۔ چھوڑ دی گئی ہیں۔ مگر اس کے عوض یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس وقت کی سیاستِ ہندوستان کی تاریخ نہایت وضاحت سے دکھلائی جائے۔ تاکہ واقعات اور نتائج آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔ اس لئے کہیں کہیں ان واقعات کو دُہرایا بھی گیا ہے۔

اب اخیر میں صرف اتنا عرض کرنا باقی رہگیا ہے کہ اس تاریخ میں حیدرآباد۔ ارکاٹ۔ میسور وغیرہ کے واقعات بھی جن کا تعلق سلطنتِ خداداد سے رہا۔ دے گئے ہیں بحیثیت تاریخی واقعات ہونے کے ان سے گریز ناممکن تھا۔ واقعات تاریخی ہیں۔ اس لئے انہیں بھی اسی نظر سے دیکھا جائے۔ مٹنے والے مٹ چکے اور ان کے عیوب محاسن بھی انہیں کے ہمراہ چلا گئے۔ تاریخ صرف انہیں یاد دلاتی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان سے سبق حاصل کریں۔

محمود

کا حاشیہ چڑھایا۔

بہرصورت یہ ہمارا نامور ہیرو گوشۂ گمنامی سے نکلکر ناموری کی اس حد تک پہونچتا ہے جو اسکے لئے روز ازل سے مقدر ہوچکی تھی۔ وہ دنیا سے جس وقت متعارف ہوا تو معمولی سپاہی تھا اور جس وقت اسے آغوش لحد کے سپرد کیا گیا تو وہ ایک نامور فاتح اور مالک تاج و تخت تھا۔ اور اپنے پیچھے شجاعت اور بسالت کی دھاک کچھ اس طرح بٹھا گیا کہ آج جنوبی ہند کا بچہ بچہ اس کو حیدر علی کے نام سے نہیں بلکہ "بہادر" کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ بہادر ہی تھا۔ جنوبی ہندوستان نے بہادری کا ایسا بے مثل نمونہ کبھی نہیں دیکھا تھا اور یہی وجہ اس کے نام کی ہے۔

اس نامور ہیرو کی سوانح زندگی شروع کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ عام طور پر تاریخوں میں اسکی سخت گیری اور غارتگرانہ اقدامات کے متعلق جو اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان پر کچھ لکھوں اور انگریزی مورخین نے اسکو "غاصب سلطنت میسور" جو مشہور کر رکھا ہے اسکی کما حقہ تردید کروں۔

یہ صحیح ہے کہ نواب حیدر علی خاں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔ اور جب کبھی میدان جنگ میں اترتا تھا تو لوٹ مار کا حکم دیکر شہر اور دیہات تباہ کر دیتا۔ بلکہ کھیتیوں کو بھی جلا کر خاک سیاہ کر دیتا تھا۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص لوٹ مار اور غارتگری کو اپنی گذر اوقات کا وسیلہ سمجھتا تھا۔ نواب حیدر علی کو جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ اور شہروں اور دیہات میں بسنے والے لوگ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ جس طرف کا پلہ بھاری ہو۔ اس طرف ملجائیں۔ اور چونکہ نقل و حرکت اور وسائل حمل و نقل کے وہ وسیع ذرائع موجود نہیں تھے جو آج اس زمانہ میں موجود ہیں۔ اس لئے ان لوگوں پر قابو پانے کیلئے یہ ضروری تھا کہ انہیں

اولوالعزمی اور عزم بالجزم سے اپنے آپ کو ایک سپاہی کے درجہ سے تاج و تخت کے مرتبہ بلند تک پہنچایا۔ اسکی جنگی تدابیر اور اسکی شمشیر آبدار نے ایک طرف اگر مرہٹے اور نظام حیدرآباد کے قصر شاہی میں زلزلے ڈالدئے تو دوسری طرف نواب کرناٹک اور انگریزوں کے گھروں میں بھی صف ماتم بچھا دی۔

آج تاریخ ہند ماتم کر رہی ہے کہ باوجود اس جنگی فراست و دانائی کے ہمارے اس نامور میرو نے ایک ایسی فاش غلطی کی کہ جس کے باعث آج ہندوستان تسفل اور تعبد کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اگر مدراس کا عہدنامہ نہ لکھا جاتا تو ہندوستان کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی (انگریز) کے کارنامے داستان پارینہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جس کا نتیجہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

بہرحال نواب حیدر علی کی اس غلطی کو ہم اس لئے قابل معافی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سپاہی تھا جس کو اپنی تلوار پر بھروسہ تھا۔ اسکے علاوہ اسوقت اس نے بہتر یہی سمجھا کہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں انگریزوں کا رہنا بھی ملک میں ضروری ہے۔ اسکو کیا معلوم تھا کہ اسکی یہ کارروائی آئندہ چلکر تاریخ ہند میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیگی۔ کہ تمام ہندوستان ملکیوں کے قبضہ سے نکلکر غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا جائیگا۔ اور خود اسکی نسل تاج و تخت سے محروم کردیجائیگی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس دشمن کو اس نے شکست دیکر قابل اعتناء نہ سمجھا اور اس کے ساتھ

"افعی کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن"

کے مقولہ پر عمل کیا۔ اسی نے اسکی نسل کے ساتھ اس مقولہ پر

"کار خردمنداں نیست"

جائیں۔ لہلہاتے ہوئے کھیتیوں کو جلا کر خاک سیاہ کرنا آج بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح صدی دو صدی پیشتر تھا۔ مگر تعجب ہے کہ حیدر علی اپنی نافرمان رعایا کو سزا دے تو وہ سخت گیر اور ظالم کا نام پائے۔ اور مدعیانِ تہذیب اپنے فعل کو عین رحم و انسانیت قرار دیں

نواب حیدر علی کے مظالم کی تصویر کا ایک رخ دکھلانیوالے اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ میدانِ جنگ میں حیدر علی ایک تند مزاج، جبار و قہار سپہ سالار تھا، تو امن کے وقت وہ ایک نہایت حلیم، رحمدل اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اور جس وقت دشمن پر قابو پا جاتا تو پھر اس کا دل اس طرح موم ہو جاتا کہ تواضع اور مدارات کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ اس کا نامور امیر البحر علی راجہ جو اسکی بحری فتوحات کا باعث تھا۔ ایکوقت جب جزائر مالدیپ کے راجہ کو گرفتار کرکے اسکی آنکھیں نکلوا ڈالیں تو حیدر علی نے اسے فوراً معزول کر دیا۔ اور باوجود فاتح ہونے کے اپنے شکست خوردہ حریف راجہ سے معذرت خواہ ہوا۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ مدراس میں جس وقت انگریزوں کا وجود اور عدم اسکے اشارۂ چشم و ابرو کی ایک ادنیٰ جنبش پر منحصر تھا تو اس نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔

حیدر علی پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ:-

"غاصبِ سلطنتِ میسور"

ہے جس نے راجہ کی ملازمت میں رہکر اسی کے تاج و تخت پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ حیدر علی نے میسور کی زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر کن وجوہ کی بنا پر اس نے ایسا کیا؟ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ سلطنتِ میسور کی وسعت اور عظمت حیدر علی کے قوتِ بازو کی رہینِ منت ہے۔ اور باوجود اس عرق ریزی، جانفشانی اور وفاداری کے راجہ میسور سے اپنے

بے کس اور بے دست و پا بنا دیا جائے۔ کہ یہ لوگ موقع پاکر دشمن کے ساتھ ملکر فساد نہ کریں اور قوت مستلطہ کیلئے فتنہ کا باعث نہ ہوں اور اس کے علاوہ اسوقت چونکہ جنگ کی کامیابی کا انحصار غلّہ اور دوسرے اسباب معیشت پر تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ غنیم کو کوئی چیز ہاتھ نہ لگے۔ یہ ایک سخت غلطی ہے کہ ہم اس زمانہ کو موجودہ زمانہ کے ساتھ تطابق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریل۔ تار۔ ٹیلیفون جہاز اور طیاروں نے دنیا کی طنابیں کھینچکر رکھدی ہیں۔ اگر دنیا کے کسی ایک حصّہ میں جنگ ہو تو دنیا کے اطراف و اکناف سے ریل اور جہازوں کے ذریعہ سامانِ خورد و نوش اور سامانِ حرب لایا جاتا ہے۔ مگر اس زمانہ میں اس قسم کے ذرائع مفقود تھے۔ اور جو کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اسی محدود علاقہ میں حاصل کیا جاتا تھا۔ جہاں جنگ ہوا کرتی تھی۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے۔ تو حیدر علی نے جو کچھ کیا اس میں وہ حق بجانب تھا۔ انگریز مورخین سے بجا طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی فوجیں اس وقت کہاں سے رسد حاصل کیا کرتی تھیں؟ اور حیدر علی کو انگریزی علاقہ سے رسد نہ ملنے کیلئے انگریز کیا کرتے تھے؟ اس امر کو ہم ماننے کیلئے تیار ہیں کہ حیدر علی سخت گیر تھا اور ان قوموں سے جو اسکی اطاعت سے منحرف ہوتی تھیں سختی سے باز پرس کرتا تھا۔ دنیا کی تاریخ ایسے ہی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے یہی سلوک کرتی آئی ہیں۔ اگر نواب حیدر علی نے بھی اس قانون پر عمل کیا تو وہ ہدف مطاعن کیوں بنایا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں جس کو تہذیب و ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اور اخلاق و انسانیت کا وعظ ہمارے ناصحین مشفق اس شدومد سے دیا کرتے ہیں۔ دیکھیں کہ آج کل بھی یوروپین مدعیانِ تہذیب و انسانیت اپنی نافرمان و سرکش رعایا سے کیا سلوک کرتی ہیں۔ یہ تو اب ایک معمولی بات ہو گئی ہے کہ نہتی آبادیوں پر اثر در دم توپوں سے گولے اور عقاب پرواز طیاروں کے ذریعہ بم برسائے

کو لیا جائے اور ان کے بانیوں کی سوانحات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر بانیٔ حکومت دوسرے خاندان کی حکومت غصب کر کے ہی سر برآرا ہوا۔ اگر حیدر علی پر ہی یہ الزام آسکتا ہے تو اس کو سوائے تعصب کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

انگلستان میں کرامول، فرانس میں نپولین، روس میں لینن، ترکی میں مصطفےٰ کمال ایران میں رضا شاہ، افغانستان میں نادر شاہ، جنوبی ہند میں سلطنت وجیا نگر کا بانی ہری ہر اول اور آخر میں رام راج اور رملا جنکی شہرت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ کیا یہ تمام کے تمام غاصبان حکومت نہیں؟ لیکن الزام دینے سے پیشتر دیکھا جاتا ہے کہ اسوقت کے حالات کیا تھے، جن سے مجبور ہو کر انہوں نے ایسا اقدام کیا اور آیا انکی ذات ملک و قوم کیلئے فائدہ مند ہوئی یا نہیں؟ اگر حیدر علی پر غاصب کا الزام آسکتا ہے تو آج دنیا کے تمام حکمران خاندان بھی غاصبان حکومت ہی مانے جائیں گے۔ ورنہ شکم مادر ہی سے کوئی بھی تاج و تخت اپنے ساتھ نہیں لایا۔ اور نہ حکومت و سلطنت نے ہمیشہ کیلئے کسی خاندان میں بقا کا درجہ حاصل کیا ہے۔ اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر اس نظریئے کے ماتحت انصاف سے حیدر علی کو دیکھا جائے اور اسکے سلوک پر بھی نظر ڈالی جائے تو بہ نسبت اور بانیان سلطنت کے حیدر علی کا کیرکٹر نہایت ارفع و اعلےٰ ہے۔

اب اخیر میں صرف اس غلط فہمی کو دور کرنا باقی ہے جس میں ابھی تک ہمارے بہت سے بھائی مبتلا ہیں۔ ذات۔ پات۔ نسل اور خون کے امتیاز کو اسلام مٹا چکا ہے مگر باوجود اس کے وہ ابھی تک نواب حیدر علی اور اس کے خاندان کو اس بنا پر حقیر سمجھ رہے ہیں۔ کہ وہ ایک نایک تھا۔ اور لطف یہ کہ وہ لفظ نایک کو ایک خاندانی نام تصور کر بیٹھے ہیں حالانکہ نایک ایک فوجی عہدہ تھا۔ جو میسور میں فوجی افسر کو دیا جاتا تھا۔ اور چونکہ ہمارا ہیرو

سپہ سالار کو یہ صلہ دیتا ہے کہ اسکے قید یا قتل کرنیکا حکم جاری کرتا ہے۔ حالانکہ خود اسکے وزرا جب اسکے خلاف سازش کرکے محلات پر گولہ باری کرتے ہیں، تو وہ حیدر علی ہی تھا۔ جس نے تاج و تخت میسور کو بچایا۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ میسور کا راجہ اپنی رانیوں اور وزراء کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی تھا۔ اور جو اسکو سکھلایا جاتا وہی کرتا۔ اس حالت میں کہ جب وزراء خود نواب حیدر علی کے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان حکمرانوں نے خود اسکے خلاف سازش کرکے اسکی جان لینا چاہی، تو حیدر علی سا اولوالعزم سپاہی یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ اس کی قوت بازو سے حاصل کی ہوئی سلطنت اسقدر آسانی کے ساتھ دوسروں کے قبضہ میں چلی جائے۔ اس موقع پر اس نے وہی کیا جو ایک دانشمند انسان جو بار بار ٹھوکریں کھانے کے بعد کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حیدر علی نے زود زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر راجہ کو بطور ایک باجگذار والئی ریاست کے تین لاکھ کی آمدنی کا ملک دیکر اپنی نگرانی میں رکھا۔ راجہ کے اعزاز و مراتب وہی قائم رکھے گئے جو اسکو پہلے سے حاصل تھے۔

کیا موجودہ تہذیب و تمدن کی تاریخ اس قسم کا کوئی ثبوت پیش کرتی ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نوابان ارکاٹ و اودھ۔ راجگان ناگپور و ستارہ سے کس قسم کا سلوک کیا۔ اگر حیدر علی بھی یہی دل و دماغ لیکر آتا۔ تو اس کیلئے یہ آسان تھا کہ راجگانِ میسور کے خاندان کا نام و نشان مٹا دیتا یا اس کو شہر بدر کر دیتا۔

اسکے علاوہ دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ابتک جتنے حکمران خاندان ہوئے ہیں۔ ان میں بانیانِ حکومت ہمیشہ غاصب ہی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہی وجہ دنیا میں حکومتوں کے عزل اور نصب کی ہے۔ قدرت کا قانون ہمیشہ اٹل رہا۔ اور ابد بھی اسی طرح اٹل ہے۔ گذشتہ زمانہ کو چھوڑ کر اگر صرف موجودہ حکمران خاندانوں

دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ مشاہیر عالم کی ابتدا بالکل معمولی طریق پر ہوئی ہے۔ بعینہٖ حیدرعلی کا آبائی پیشہ بھی سپہ گری تھا۔ اور حیدرعلی بھی ابتدا میں معمولی سپاہی بنا میسور کو اب تک ناز ہے اور ہمیشہ رہیگا کہ اسکی خاک سے ایک ایسا سپاہی اٹھا جسکی شہرت ہندوستان سے نکلکر فرانس اور انگلستان کے قسطنطنیہ قاہرہ تک پہونچی اور اس کی تلوار کی جھنکار سے ہندوستان کی ریاستوں اور سلطنتوں میں تو ایک طرف سات سمندر پار انگلستان کے سر بفلک ایوانوں میں زلزلے پڑ گئے۔ ؎

اپنی قسمت پر تو لے میسور بے حد ناز کر
خاک سے اٹھا ہے تیری ایک فخر روزگار

خدا کی شان ہے کہ یہ بچہ جو ایک معمولی گھرانے اور ایک گمنام گاؤں میں پیدا ہوتا ہے۔ اپنے بے پناہ عزم و استقلال سے تخت میسور پر قابض ہو کر کل جنوبی ہندوستان پر حیدری جھنڈا لہراتا ہے۔ اور جنوبی ہندوستان میں شاہان مغلیہ کی حشمت و جلال کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ اور اسکی زبردست شخصیت یہاں تک تاریخ ہندوستان پر اپنا اثر ڈالتی ہے کہ اسکی وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹے جو اسوقت علاقہ بمبئی میں انگریزوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اور انگریزوں کی ہستی جنرل گوڈارڈ کی شکست سے انکے رحم پر منحصر ہو چکی تھی۔ ہتھیار ڈال کر صلحنامہ سالبئی پر دستخط کر دیتے ہیں۔ جسکی وجہ انگریزوں کے قدم علاقہ بمبئی میں نہایت مضبوطی سے جم جاتے ہیں۔

ہندوستان کا یہ نامور ہیرو اپنی بہت سی خصوصیات میں ظہیرالدین بابر بانی سلطنت مغلیہ سے ملتا جلتا ہے۔ شہنشاہ بابر میں جو خوبیاں تھیں وہ کم و بیش حیدرعلی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور جس طرح بابر پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ اسی طرح

بھی ابتداً میں فوجی افسر تھا۔ اسی لئے اسوقت اس کو نایک کا خطاب دیا گیا۔ اور یہی وہ خطاب ہے جس کو آج انگریزوں نے بھی اپنی فوج میں رائج کر لیا۔ آج انگریزی فوج ہی کی ترکیب دیکھئے کہ کس وضع سے ہوتی ہے۔ سپاہی۔ نایک۔ حوالدار، جمعدار اور صوبیدار ایک انگریزی پلٹن کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ انگریزوں نے یہ خطابات ملک کے مختلف حصوں سے لئے اور فوج میں رائج کر دے۔ نایک تو خاص فوجی خطاب تھا جو میسور میں رائج تھا حوالدار اور جمعدار دکنی سلطنتوں (بیجاپور وغیرہ) میں سیول عہدہ داروں کیلئے مخصوص تھے۔ جو آج افسران پولس اور جمع بندی یعنے سرکاری محصول وصول کرنیوالوں کو دیا جاتا ہے۔ یوں بھی تو آج ایک ضلع کے افسر کو جس کے فرائض اولین میں جمع بندی ہے۔ کلکٹر کہا جاتا ہے۔ جسے اردو میں جمعدار ہی کہہ سکتے ہیں سلطنت مغلیہ اپنے صوبوں کے سب سے بڑے افسر کو صوبہ دار کا خطاب دیتی تھی۔ اور یہی آج انگریزی فوج میں ایک ایسے افسر کو جو ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ لیتا ہو۔ دیا جاتا ہے اور اسکے ماتحت پچہتر یا سو سپاہی ہوتے ہیں۔

یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی تھی کہ تسخیر قلوب اس طریق سے کرے۔ کہ لوگ محض نام و نمود کی خاطر اسکی وفاداری کا دم بھرنے لگیں۔ اور بڑے بڑے خطابات کا اس طرح فوج میں دیا جانا ہی وہ راز ہے۔ جو اس وقت انگریزی دیسی فوج کی بھرتی کا سبب بنا۔

اس کلیہ کی تحت حیدر علی کی ترقی نایک سے ہوئی۔ اور چونکہ اس وقت میسور میں صوبہ داری رائج نہ تھی (کیونکہ ریاست ہی اس قدر چھوٹی تھی کہ بمشکل ایک تحصیل کہلا سکتی تھی) اس لئے صوبہ دار کس طرح ہو سکتے تھے ہم

تھے جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سلطان کا مخالف بنادیا ۔ اور اسی مخالفت نے اسکو تمام عمر جنگوں میں مصروف رکھا ۔ مگر باوجود اسکے سلطنتِ خداداد میسور نے صنعت و حرفت اور دیگر فنون میں جو ترقی کی وہ میسور کو کبھی حاصل نہ ہو سکی ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جان چکی تھی کہ اگر سلطان کو اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے دیدیا جائے ۔ تو پھر ہندوستان پر ہرگز قبضہ نہیں ہوسکتا اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدرآباد اور مرہٹوں کو اپنا لے کر جو کچھ کیا اس کی خود تاریخ شاہد ہے ۔ اس لحاظ سے کہ سلطان ہی وہ پہلا شخص ہندوستان میں گذرا ہے جو استعمار فرنگ سے ہندوستان کو آزاد اور محفوظ رکھنا چاہتا تھا ۔ یا بالفاظ دیگر ہند کا سچا خیر خواہ اور محب تھا ۔ اس لئے تاریخ میں اس کو ایک ایسا بلند مرتبہ حاصل ہے ۔ جو ہندوستان میں اب تک کسی حکمران کو نصیب نہیں ہوا ۔

دنیا کی تاریخ بمشکل ٹیپو سلطان کا نظیر پیش کر سکے گی ۔ کیونکہ سچے تاریخی حالات آج اسکا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسی عظیم الشان شخصیت ہندوستان میں کیا کرنا چاہتی تھی ۔ اگر زمانہ اس اولوالعزم سلطان کے ارادوں کو پورا ہونے دیتا تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی ۔ اگر لمحاتِ فرصت میں تاریخ پر اور ٹیپو سلطان کے حالات پر غور کیا جائے تو حسرت ہوجائیگی کہ سلطنتِ خداداد کے زوال سے کتنا بڑا انقلاب ہندوستان پر آیا ۔

ہندوستان پر سیادت کیلئے انگریز ۔ فرانسیسی ۔ نظام الملک حیدرآباد اور مرہٹوں میں کس طرح کی کشمکش تھی ۔ ان کو خاص سلطان کے حالات میں واضح کر دیا گیا ہے ۔ باوجود ان سخت مصائب میں مبتلا ہونیکے وہ ملک کی ترقی اور رعایا کی فارغ البالی سے بے خبر نہیں تھا ۔ چنانچہ پروفیسر جائیسر (جنہوں نے ریسرچ کی ہے) لکھتے ہیں کہ :-

" اس کے حریف ہمیشہ اس کے مٹانے پر آمادہ اور اندرون سلطنت اس کے خاص

حیدرعلی کو بھی مہالک و مخاطر کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم   گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

حیدرعلی کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں طور پر عزیز تھا۔ اسکے حالاتِ زندگی مسلمانوں نے بھی لکھی ہے اور انگریزوں اور ہندوؤں نے بھی۔ اور سبھی سب معترف ہیں کہ اسکی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں ایک تھے۔ اور اس کے دل میں ہر مذہب و ملت کیلئے احترام تھا اسکی حیرتناک ترقی۔ اسکے شجاعانہ کارنامے اسکی مذہبی بے تعصبی و رواداری کے افسانے آج بھی زبان زد خلائق ہیں۔

حیدرعلی کے بعد ابوالفتح ٹیپو سلطان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ علم و فضل اور دانشمندی کے لحاظ سے ٹیپو سلطان کا درجہ اسقدر اعلیٰ ہے کہ متعصب سے متعصب مورخ بھی تعریف کرتا ہے کہ خاک ہندوستان سے اُٹھکر سب سے پہلے جس شخص نے

"ہندوستان۔ ہندوستانیوں کیلئے ہے"۔

کا کلمۃ الحق بلند کیا۔ وہ سلطان ہے۔ اس کی وسیع النظری دیکھ چکی تھی کہ ہندوستان کی تباہی کا اصل راز یہاں کی مختلف قوموں کی نااتفاقی میں پنہاں ہے اور یہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستان کی نسبت کیا خیال ہے۔ اور آئندہ انکے منصوبے کیا ہیں۔ حیدرعلی بیشک ایک جنگجو سپاہی تھا۔ مگر اس میں رواداری بھی حد درجہ تھی۔ مگر سلطان کی عاقبت بین نظریں دیکھ رہی تھیں۔ کہ اس رواداری کا نتیجہ کیا ہونیوالا ہے۔ لہٰذا جس وقت عنانِ حکومت اسکے ہاتھ آئی تو اس نے اپنی پوری توجہ اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین الاقوام ہند پر صرف کر دی۔ ملک کی صنعت و حرفت پر پوری توجہ کی کہ ہندوستان کہیں غیر ممالک کا محتاج نہ ہو جائے۔ سلطان کے یہی عزم و ارادے

بندھیل کھنڈ پر انگریزوں کا قبضہ۔

آگرہ اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ

جیسور اور جودھپور پر انگریزوں کا قبضہ

گوالیار میں رزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۰ء:۔ مرانشس پر قبضہ

نیپال میں رزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۶ء:۔ شملہ۔ مسوری۔ نینی تال۔ لنڈھوری پر قبضہ

۱۸۱۶ء:۔ ناگپور پر قبضہ

۱۸۱۸ء:۔ پونا کے پیشوا کی معزولی اور ملک پر انگریزی قبضہ

۱۸۲۴ء:۔ آسام پر قبضہ اور برما میں رزیڈنٹ کا تقرر

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے۔ تاریخ اس کا ثبوت دے رہی ہے۔ واقعی انگریزوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ ۸ر فروری ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں جشن شان کا جلوس نکلا اور انگلستان میں جو خوشیاں منائی گئیں۔ وہ اس کا بین ثبوت ہیں۔ مسٹر جان اینس۔ ٹرو تھر جو اس وقت کلکتہ کا چیف جسٹس تھا۔ اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"ٹیپو کی طاقت ہی ہماری فوجوں کو شکست دینے کیلئے کافی تھی۔ یہ اس زمانہ میں خاص طور پر قابل توجہ تھی۔ اس کے مرتے ہی ہندوستان میں ہمارا (انگریزوں کا) قبضہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا۔"

کیا عجب ہے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد قدرت نے اہل ہند کو ایک اور سنہری موقع دیا ہو۔ کہ وہ حیدر علی اور اس کے فرزند ٹیپو سلطان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متمتع

افسر حبشیہ اس کے زوال کے لیے سازشیں کرتے رہے۔ مگر یہ سلطان ہی کا دل و گردہ تھا کہ سترہ سال تک ان سب کا نہایت خوبی اور کامیابی سے مقابلہ کیا"۔

سلطان نے بار بار کوشش کی کہ نظام الملک اس سے مل جائے۔ مگر افسوس کہ اس نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ غیروں سے مل کر اس شیر کو مٹا دیا جائے۔ نمک حرام وزراء کی غداری اور دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے آخر سلطنتِ خداداد صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اس شیر کی لاش پر جب جنرل ہارس آیا تو فرطِ خوشی سے پکار اٹھا کہ:-

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

ان الفاظ میں کتنی صداقت پنہاں تھی۔ ذیل کے واقعات اس کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اور ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ کہ کس طرح جنرل ہارس کا لفظ لفظ سچا ثابت ہوا ہے:-

سنہ ۱۷۹۹ء:- تسخیر سرنگاپٹم یعنی زوالِ سلطنتِ خداداد۔ الحاقِ جنوبی ہند۔ اور میسور میں رزیڈنٹ کا تقرر

سنہ ۱۸۰۰ء:- کڑپہ، کرنول، بلاری، اننت پور اور تنجاور پر انگریزی قبضہ۔

سنہ ۱۸۰۱ء:- کرناٹک سے نواب ارکاٹ کو نکال کر مدراس پہنچا دیا گیا۔ اور کرناٹک کا الحاق انگریزوں نے کر لیا۔

سنہ ۱۸۰۱ء:- صوبجاتِ اودھ پر انگریزی قبضہ۔

سنہ ۱۸۰۲ء:- مرہٹی سلطنت کا خاتمہ۔ سورت کا عہد نامہ۔ دربار پونا میں انگریزی رزیڈنٹ کا تقرر۔ بڑودہ پر قبضہ۔ اور گجرات کا الحاق

سنہ ۱۸۰۳ء:- حیدرآباد میں رزیڈنٹ کا تقرر۔ حیدرآباد انگریزوں کا باجگذار بن گیا۔ ناگپور میں رزیڈنٹ کا تقرر

مسلمان میسور میں کب آئے ؟

اس قدر زمانہ گذرنے کے بعد یہ ٹھیک طور پر پتہ نہیں لگایا جا سکتا کہ میسور میں مسلمان پہلے پہل کس زمانہ میں آئے! یوں تو جنوبی ہندوستان کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے۔ کہ ملکِ عرب میں جس وقت اسلام کا ظہور ہوا ۔ ملیبار و کوکن میں بھی اسی زمانہ میں اس مذہب کی داغ بیل پڑ گئی تھی ۔ ضلع ملیبار جنوب میں اور کوکن ملک میسور کے شمال میں واقع ہیں ۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ اولیاؔ اللہ اور دوسرے مبلغین اسلام کی کوششوں سے ملکِ میسور میں بھی کچھ لوگ اسلام لائے ہوں ۔

انکی موجودگی کا ثبوت مغربی سیاح ابن بطوطہ کی تحریر سے ملتا ہے کہ جب ملک کافور میسور پر حملہ آور ہوا تو راجہ بلالا دیو سوم کے پاس بیس ہزار مسلمان سپاہی موجود تھے ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

"راجہ بلال دیو (حاکم دھور سمند۔ میسور) کے پاس بیس ہزار مسلمانوں کی فوج تھی ۔
جن میں زیادہ تر جنگی قیدی اور غلام تھے۔" (ابن بطوطہ از مولوی محمد حسین ایم اے)

اب سوال یہ ہے کہ یہ جنگی قیدی اور غلام کہاں سے آئے ۔ ہوے سالا سلطنت کی تاریخ اس کا جواب دیتی ہے کہ بلالا دیو نے کوکن پر کئی بار فوج کشی کی تھی ۔ اور اس فوج کشی کے سلسلہ میں کوکن کے مسلمان قید ہو کر آئے ۔ اس لئے یہ ایک غلط خیال ہے کہ میسور میں مسلمانوں کی ابتدا ملک کافور کے حملہ سے ہوئی ۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ ان کو جو اہمیت حاصل ہوئی وہ ملک کافور کے حملہ کے بعد سے ہوئی ۔ اور اسی لئے مورخین نے میسور میں مسلمانوں

ہوں مگر یہ ملک کی بدقسمتی تھی کہ اس نے قدرت کے اس عطیہ سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے برباد کر کے چھوڑا۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان نہایت سختی سے انتقام لیتا تھا۔ مگر کیا آج حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لیا کرتیں؟ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ اسی جذبۂ انتقام سے دیوانہ ہوکر کچنر نے مہدی سوڈانی کی ہڈیاں تک قبر سے نکال کر جلا ڈالیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزی افسروں کے ہاتھوں جو کارروائیاں ہوئیں ان کی یاد ابھی دلوں سے محو نہیں ہوئی ہے۔ مگر تاریخ سلطنت خداداد میں ایک مثال بھی اس قسم کی دیوانگی کی نہیں ملتی۔

جس طرح نواب حیدر علی غیر متعصب تھے۔ اسی طرح ٹیپو سلطان کے دل میں بھی ہر مذہب وملت کے لئے عزت تھی۔ جس کا ثبوت آج تک کے تمام معابد و منادر دے رہے ہیں۔ گو مدارس کی مروجہ تواریخ لاکھ بھی پردہ ڈالنا چاہیں۔ مگر اصلی تاریخی واقعات اس طرح چھپانے سے نہیں چھپ سکتے۔ سرنگاپٹم، و سرینگری کے منادر و جاگیرات زبان حال سے سلطان کے الطاف وعنایات کا ذکر پکار پکار کر رہی ہیں۔ اور یہی وہ حسن سلوک تھا کہ اس کی شہادت پر بلا لحاظ مذہب وملت ہر ایک نے ماتم کیا۔

باپ اور بیٹے کے یہی وہ کارنامے تھے جو ان کے نام کو اس طرح زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ گویا وہ ابھی تک ہمارے درمیان ہیں۔ اور انہیں وہ بلند مرتبہ حاصل ہے۔ کہ آج بھی ان کے مزارات پر عقیدت واحترام کے پھول برسائے جاتے ہیں۔

محمود

ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت وجیا نگر کا خاتمہ تالیکوٹہ کی جنگ میں ہو گیا۔ ابتک تو مسلمان دریائے کرشنا کے شمال میں ہی تھے۔ فتح وجیانگر کے بعد انکے لئے جنوبی راستہ کھل گیا۔ بیجاپور کی اسلامی فوجیں ۱۵۸۰ء میں ہنگنڈہ تک پہنچ گئیں اور اس طرح میسور کے شمالی حصہ میں مسلمان آباد ہو گئے۔ اور یہاں انکی حکمرانی قایم ہو گئی۔ گو اسکے بعد مسلمانوں سے چھوٹے چھوٹے حملے اطراف میں ہوتے رہے۔ مگر ۱۶۳۶ء میں بیجاپور سلطنت مغلیہ کا باجگذار بن گیا۔ جس کے بعد ہی بیجاپور کی اسلامی فوج رن دولہ خاں کے ماتحت جنوب کی طرف بڑھی۔ اور تری کرہ بسواپن ۔ ہیری ہر پر قابض ہو گئی۔ کاولدرگ فتح کرنیکے بعد سرنگاپٹم پر حملہ ہوا۔ جو اس وقت پائے تخت تھا۔ سرنگاپٹم گو اس وقت فتح نہیں ہوا۔ مگر اسلامی فوج نے ۱۶۳۸ء میں ماگڑی بنگلور اور ساوندرگ پر اپنا قبضہ جما دیا۔ اب یہ افواج مشرق کی طرف بڑھیں۔ اور ۱۶۳۹ء میں کولار ہوسکوٹ، وبلور اور جنجی پر قابض ہو گئیں۔ پھر یہ فوجیں پائین گھاٹ سے میسور پر آئیں۔ دوڈبالاپور سرا اور چیلدرگ ۱۶۴۴ء میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ مفتوحہ علاقہ کو صوبہ کرناٹک۔ بالا گھاٹ کا نام دیا گیا۔ اور شہر سرا کو گورنر کا صدر مقام بنایا گیا۔ یہ وہ وقت ہے کہ مسلمان بیجاپور سے آکر یہاں آباد ہونا شروع ہو گئے۔ مشرق میں جو فتوحات ہوئی تھیں۔ ان کو پائین گھاٹ کا نام دیا گیا۔

اس موقع پر چونکہ سیواجی کا باپ شاہ جی اسلامی عساکر کے ساتھ تھا۔ اور عمدہ خدمات انجام دے چکا تھا۔ اس لئے بنگلور بطور جاگیر شاہ جی کو دیدیا گیا۔ اور اس طرح مرہٹے بھی آکر آباد ہونے لگے۔

چونکہ جنوبی ہند کی اسلامی ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ آمادۂ فساد رہتی تھیں۔ اور مرہٹوں نے ملکر سلطنت مغلیہ سے بغاوت کرتی رہتی تھیں۔ اس لئے

کی آمد ملک کافور کے زمانہ سے بتلائی ہے۔

میسور پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ ۱۳۱۰ء میں ہوا۔ اس وقت دہلی کے تخت پر سلطان علاؤ الدین خلجی داد سلطنت دے رہا تھا۔ اس زمانے میں انتہائے جنوب میں مدورا کے تخت کے لئے دو بھائی ویر پانڈے اور سندر پانڈے لڑ رہے تھے۔ ویر پانڈے کی تائید پر ہوے سالا راجہ بلالا سوم تھا جس کی راجدھانی ملک میسور میں تھی۔ اور اس کا پایۂ تخت دوار کا سمندرم یعنے موجودہ ہلے بید میں تھا۔ سندر پانڈے نے یہ دیکھکر سلطان علاؤ الدین خلجی سے مدد چاہی جس نے ملک کافور کو جنوب پر فوج کشی کرنے کیلئے بھیجدیا۔ ملک کافور نے مدورا آتے ہوئے راجہ بلالا سوم کے پایۂ تخت پر حملہ کیا۔ جنگ میں راجہ کو شکست ہوی۔ ملک کافور یہاں سے ٹکور بانا وار، بنگلور اور ہستور کے راستے سے مدورا پر بڑھا۔

کافور کے حملے کے بعد ۱۳۲۶ء میں پھر مسلمان اس ملک پر شہنشاہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں حملہ آور ہوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سال بعد ہوے سالا سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

اگرچہ مسلمانوں کے یہ دو حملے میسور پر ہوئے۔ مگر ان سے پتہ نہیں چلتا کہ کوئی مسلمان خاندان یہاں آباد ہوا ہو۔ ۱۴۰۶ء میں سلطنت وجیانگر کے راجہ دیورایا کی بیٹی کی شادی بہمنی سلطان فیروز شاہ سے ہوی۔ اس سلسلہ میں بعض مسلمان خاندان بہمنی سلطنت دکن سے نقل مکان کرکے وجیانگر کی فوجی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کا ایک قلیل حصہ اضلاع بلاری، کڑپہ وغیرہ میں پھیل گیا تھا اور ممکن ہے کہ موجودہ حدود میسور میں بھی کوئی خاندان آباد ہو گیا ہو۔ لیکن وجیانگر کے راجہ کرشنا دیورایا کے عہد میں ان تمام مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اسکے بعد میسور کا نام تاریخ میں ۱۵۶۵ء میں آتا ہے۔ جبکہ جنوبی

تاریخ دکن و جنوبی ہند

سلطنت خداداد میسور کو دکن اور جنوبی ہند میں جن طاقتوں سے واسطہ رہا ہے۔ جب تک ان کی ایک مجمل تاریخ نہ لکھی جائے۔ سلطنت خداداد کی سیاست یا ملک کی اس وقت کی تاریخ سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس لئے ذیل میں یہ تاریخ دی جاتی ہے۔

تاریخ میسور

موجودہ ریاست میسور جس کا رقبہ ۲۹۴۶۹ مربع میل ہے۔ اور جس کے حدود پر اضلاع بلاری۔ اننت پور اور علاقہ بمبئی شمال میں۔ اضلاع چتور و سیلم اور کوئمتور مشرق میں۔ نیلگری اور ملیبار جنوب میں۔ کورگ۔ کنارا اور علاقہ بمبئی مغرب میں ہے۔ اس کی تشکیل زوال سرنگاپٹم کے بعد ۱۷۹۹ء میں ہوئی۔ اس سے پیشتر ریاست میسور صرف اس علاقہ کا نام تھا۔ جو موجودہ دارالریاست میسور اور اس کے مضافات ۳۳ دیہاتوں پر مشتمل تھا اس لئے مورخین نے تاریخ میسور میں اس تمام رقبہ کو جو موجودہ حدود ریاست کے اندر ہے تاریخ میں شامل کر لیا ہے۔

اگرچہ راماین اور مہا بھارت میں اس سرزمین کا ذکر آیا ہے۔ مگر تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان یہاں حکمران تھا وہ موریا خاندان تھا۔ چندر گپتہ اور اشوکا کے زمانے میں شمالی ہند سے بدھ مذہب کے مبلغین جیش مسند لا آئے۔ اس زمانہ میں موجودہ

اورنگ زیب عالمگیر ۱۰۹۴ھ ۱۶۸۳ء میں جنوبی ہند پر حملہ آور ہوا۔ اور ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۶ء میں بیجاپور کی سلطنت کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام جنوبی ہند پر قابض ہو گیا۔ عالمگیر نے جنوب کے انتظام کیلئے دو صوبہ داریاں قائم کیں۔ ایک ارکاٹ کی اور دوسری سرا کی۔ سرا کا صوبہ بالا گھاٹ میں تھا جس میں میسور واقع ہے۔ سرا کا پہلا مغلیہ گورنر قاسم خاں تھا جس نے میسور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ذوالفقار خاں گورنر ہوا۔ اس کے عہد میں مسلمان میسور کے تمام اطراف واکناف میں پھیل گئے۔ بیجاپور کے مسلمان پہلے ہی سے کچھ آباد تھے۔ اور اب بیجاپور کے سقوط سے وہاں کی کثیر آبادی مغلیہ فوجوں کے ساتھ اضلاع بلاری، اننت پور اور میسور میں اُمڈ آئی۔ اس لئے میسور میں جس قدر بھی مسلمان آباد ہیں۔ ان میں قریباً نوے فی صدی آبادی بیجاپور کے مسلمانوں کی ہے۔

نوٹ:- سرا۔ بنگلور سے ۷۰ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ موجودہ آبادی قریب پانچ ہزار کے ہے۔ سلاطین بیجاپور و سلطنت مغلیہ کے صوبہ داروں کا دار الحکومت رہنے کے باعث اس زمانہ میں یہاں پچاس ہزار مکان آباد تھے۔ سلاطین مغلیہ کا اخیر صوبہ دار دلاور خاں کا محل نہایت شاندار اور مغلیہ طرز تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔ اب بھی اس جگہ ۱۵ مساجد کے آثار نظر آتے ہیں۔ عہد بیجاپور کی مسجد کے علاوہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی مسجد اور عیدگاہ اب بھی اچھی حالت میں باقی ہیں۔ یہاں عالمگیر اورنگ زیب کی ایک بیٹی کا بھی مزار ہے سوائے اس مسجد اور عیدگاہ کے تمام شہر اور مساجد وغیرہ ویران پڑے ہیں۔ اور جا بجا کھنڈر اور ٹوٹے پھوٹے مزار اور محلات ایک وسیع رقبہ میں نظر آتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

صرف ایک ریاست میسور جس پر خاندان اوڈیر حکمران تھا۔ اور جس کی راجدھانی سرنگاپٹم میں بھی باقی رہی۔ نواب حیدر علی کی ملازمت اسی خاندان میں ہوئی۔ اور اس حیثیت سے نواب اور ٹیپو سلطان ہمیشہ اس خاندان کو اپنا مربی سمجھتے رہے۔ اور یہیں سے انہوں نے ترقی کرتے کرتے سلطنت خداداد میسور کی بنیاد رکھی۔ جس کا رقبہ اسّی ہزار میل سے اوپر تھا سلطنت خداداد میں ریاست میسور کی حیثیت ایک باجگذار کی رہ گئی جس پر حیدر علی اور ٹیپو سلطان نگران تھے۔ مگر راجہ کے اعزاز و مناصب اسی طرح قایم رہے۔ جس طرح پہلے تھے۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس اسی شان و شوکت سے نکلتا تھا جس طرح پہلے نکلا کرتا تھا۔ اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا۔ اس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی نذر گذاری جاتی تھی۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے لئے یہ بالکل آسان تھا کہ اس ریاست کا نام و نشان مٹا دیتے۔ مگر بحیثیت مسلمان ہونے کے انہوں نے احسان کا بدلہ احسان ہی دیا۔ اور اسی سلوک کا نتیجہ ہے کہ آج بھی خاندان اوڈیر تخت میسور پر حکمران ہے مگر آج کل کی حکمت علی کو کیا کیا جائے کہ مورخین تعصب اور جلب منفعت کا شکار رہو کر حیدر علی کو غاصب سلطنت کہہ رہے ہیں۔

موجودہ حکمران خاندان میسور کی تاریخ

موجودہ حکمران خاندان اوڈیر کی ابتدا ۱۳۹۹ء سے ہوتی ہے۔ اس کے آگے میسور کی مختصر تاریخ

"تاریخ میسور"

والے مضمون میں دیگئی ہے۔ اس وقت یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس زمانے میں یاسنو

شہر میسور کا نام مہیش منڈلا تھا۔ تاریخ کے لحاظ سے یہ زمانہ اس قدر تاریک ہے کہ ۳۰۰ء بعد مسیح تک یہ پتہ بالکل نہیں چلتا کہ یہاں کے حکمرانوں کے نام کیا تھے۔ ۳۰۰ء بعد مسیح یکے بعد دیگرے اور بیک وقت اس سرزمین پر ستواناس مہاولی گنگا۔ چلوکیا، ہیسالا اور یڈوا خاندان حکمران ہوتے آئے ہیں۔ ۱۰۰۶ء میں موجودہ ریاست میسور کا رقبہ چھ ریاستوں پر منقسم تھا۔ ۱۳۳۶ء میں جنوبی ہندوستان کی وہ زبردست ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی جس کا نام تاریخ میں وجیانگر مشہور ہے۔ علاقہ میسور بھی اس سلطنت کے زیر اثر آگیا جنوبی ہندوستان اور میسور میں مسلمانوں کی آبادی کم ہونے کا باعث یہی سلطنت وجیانگر ہے جو تین سو سال یعنی ۱۵۶۵ء تک مسلمان حملہ آوروں کے درمیان حائل رہی۔ سلطنتِ وجیانگر کا ایک گورنر سرنگاپٹم میں مقیم رہتا تھا۔ جو مختلف ریاستوں پر نگرانی کرنے کے علاوہ ان سے خراج بھی وصول کرتا تھا۔ زوالِ سلطنتِ وجیانگر کے بعد اس تمام علاقہ پر سلاطین بیجاپور کا قبضہ ہوگیا۔ جن کے گورنر کا صدر مقام شہر سرا تھا۔ ۱۶۸۶ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی فوجیں بیجاپور کا خاتمہ کرکے اس علاقہ پر قابض ہوگئیں۔ چونکہ اس علاقہ کے علاوہ جنوبی ہندوستان کا بہت بڑا حصہ بھی عالمگیر کے زیر اثر آگیا۔ اس لئے جنوب میں ایک مستقل صوبہ قائم کیا گیا۔ اور اس صوبہ کا صدر مقام سرا تھا۔

شہنشاہِ عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب سلطنت مغلیہ کو زوال آنا شروع ہوا تو شہر سرا مرہٹوں اور مسلمانوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ اور چونکہ مرہٹے شہنشاہِ مغلیہ سے فرمان حاصل کرچکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان ریاستوں سے خراج وصول کرنا شروع کردیا۔

ان تمام ریاستوں کا نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے یکے بعد دیگرے خاتمہ کردیا

مگر انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ چونکہ اس وقت شہنشاہ ہندوستان عالمگیر اورنگ زیب جنوبی ہندوستان میں تھا۔ اس لئے راجہ چکدیوا راجا اوڈیر نے اپنا رسوخ بڑھانے کیلئے دربارِ عالمگیر سے اطاعت و وفاکیشی کے طور پر تحائف روانہ کئے جس کے صلہ میں دربارِ عالمگیر نے اس کو خطاب جگدیوا ملا۔ نوبت و نقارہ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور راجہ کے بیٹھنے کیلئے ہاتھی دانت کا ایک تخت بھی دیا گیا (جو ابھی تک میسور میں ہے) دلی کے انحطاط پر ایک طرف تو حاکم سرا نواب بن بیٹھا۔ اور دوسری طرف میسور کے راجہ خود مختار ہو گئے۔

۱۷۲۴ء میں ارکاٹ کا پہلا نواب سعادت اللہ خاں نواب سرا کی امداد سے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ زر نقد وصول کیا۔ اس کے دو برس بعد ۱۷۲۶ء میں مرہٹی فوجوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور بے شمار مال و متاع لیکر واپس ہوئے ان حملوں نے حکومت کو کمزور کر دیا۔ ۱۷۳۰ء میں راجہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وزراء نے اسکے ایک متبنیٰ لڑکے کو گدی نشین کیا۔ جو ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنکر رہا۔

اس راجہ کے بعد اس کا متبنیٰ لڑکا چامراج اوڈیر راجہ ہوا۔ اور اس نے وزیروں کو معزول کر دیا جس کی وجہ سے وزراء نے سازش کر کے راجہ کو قید کر دیا۔ اور ایک تین سالہ لڑکے کو اس کا متبنیٰ بنا کر اسی کے نام سے حکومت کرنے لگے۔ اس لڑکے کا نام کرشنا راجہ اوڈیر تھا۔ ۱۷۳۹ء میں وزیر ننجراج جو دراصل ڈکٹیٹر تھا مر گیا۔ اور اسکی جگہ کراچوری ننجراج وزیر بنا۔ اور اسی کے عہد میں نظام الملک ناصر جنگ سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا تھا۔ ۱۷۵۹ء میں پہلی دفعہ میسوری فوجیں حدودِ میسور سے نواب محمد علی والاجاہ کی امداد کیلئے باہر نکلیں اور جنگِ ترچناپلی میں حصہ لیا۔ حیدر علی بطور ایک افسر کے اس جنگ میں شریک تھے جس

کا عزل ونصب صرف حکمرانوں کی زندگی وموت سے وابستہ ہوتا تھا۔ موجودہ وقت ہڈناڈ اور کاروگ ہلی میسور کے قریب بالکل معمولی دیہات ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاستیں بالکل معمولی تھیں۔ بلکہ اس قدر چھوٹی کہ ان کو جاگیر کا خطاب دیا جاسکتا ہے مگر اس زمانہ میں دشمن سے حفاظت کرنے کے لئے یہ جاگیر دار جن کو پالیگار کہا جاتا ہے فوج بھی ملازم رکھتے تھے۔

تاریخ میسور سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۹۹ء میں دوارکا سے دو بھائی وجیارایا اور کرشنارایا جنوب کی طرف آئے۔ اور ہڈناڈ میں جو میسور کے قریب ہے۔ بنیاد ریاست ڈالی۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ ہڈناڈ کے راجہ کے مرنے کے بعد اسکی بیٹی دیواجی منی سے ایک قریبی علاقہ کاروگ ہلی کا راجہ شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر نیچ ذات ہونے کی وجہ سے رانی اس رشتہ پر راضی نہیں تھی۔ راجہ کاروگ ہلی نے ہڈناڈ پر قبضہ کر لیا اور جبراً شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ایسے وقت میں وجیارا اور کرشن رایا نے رانی سے سازش کر کے عین شادی کے موقع پر کاروگ ہلی کے راجہ کو قتل کر دیا۔ جس کے بعد کاروگ ہلی کی فوجیں منتشر ہو گئیں۔ اور وجیارایا سے اس لڑکی کی شادی قرار پائی۔ اور یہ ہڈناڈ کا راجہ بن گیا۔ اور اس طرح ہڈناڈ کی حکومت وجیارایا کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ سلطنت وجیانگر جب تک رہی۔ ہڈناڈ کی ریاست اسکی باجگذار رہی۔ مگر جب وجیانگر کا زوال ہوا اس وقت تمراج وڈیار نے علم آزادی بلند کر کے سرنگاپٹم کو ۱۵۹۹ء میں دار الحکومت بنایا اس کے بعد ہی میسور میں مسلمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اور ریاست میسور سلاطین بیجاپور کی باجگذار بن گئی۔ ۱۶۸۶ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور یہ ریاست سلطنت مغلیہ کی باجگذار بن گئی۔ ۱۶۹۶ء میں مرہٹے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوئے

۱۶	دوڈ کرشنا راجہ اوڈیر	سنہ ۱۷۱۵ء	سے	سنہ ۱۷۳۱ء	تک
۱۷	چامراجہ اوڈیر ہفتم	سنہ ۱۷۳۱ء	„	سنہ ۱۷۳۴ء	„
۱۸	کرشنا راجہ اوڈیر	سنہ ۱۷۳۴ء	„	سنہ ۱۷۶۶ء	„
۱۹	نجراجہ اوڈیر	سنہ ۱۷۶۶ء	„	سنہ ۱۷۷۰ء	„
۲۰	چامراجہ اوڈیر ہشتم	سنہ ۱۷۷۰ء	„	سنہ ۱۷۷۶ء	„
۲۱	چامراجہ اوڈیر نہم	سنہ ۱۷۷۶ء	„	سنہ ۱۷۹۶ء	„
۲۲	کرشنا راجہ اوڈیر سوم	سنہ ۱۷۹۹ء	„	سنہ ۱۸۳۲ء	„

نوٹ:۔ کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ کہ اوڈیر جمع ہے وڈیا کی۔ جو کنڑی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جسکے معنے صاحب یا مالک کے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت سلطنتِ وجیانگر میں یہ خطاب ایک چھوٹے ضلع کے گورنر کو دیا جاتا تھا۔ جس کے ماتحت ۳۳ دیہات ہوتے تھے۔ (تاریخ رئیس)

سلطنت خداداد کا خاتمہ سنہ ۱۷۹۹ء میں ہوگیا۔ راجہ کرشنا راجہ اوڈیر سوم کو موجودہ ریاست میسور دیوان پورنیا کی نگرانی میں دی گئی۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں راجہ کو معزول کر کے ویسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست کا انتظام ایک کمیشن کے سپرد کر دیا۔ یہ انتظام پچاس سال تک قایم رہا۔ اور اسکے بعد پھر ریاست اسی خاندان میں مہاراجہ چامراجہ اوڈیر کو تفویض کردی۔

کا بیان واقعاتِ حیدر علی میں آئیگا۔ ذیل میں آگاہی کے لئے خاندانِ میسور کا شجرہ دیا جاتا ہے۔

موجودہ حکمران خاندانِ میسور کا سلسلۂ نسب

۱۔	یڈورایا وجیا	سنہ ۱۳۹۹ء	سے	سنہ ۱۴۲۳ء	تک
۲۔	چام راج اوڈیر اول	سنہ ۱۴۲۳ء	"	سنہ ۱۴۵۸ء	"
۳۔	تمراجہ اوڈیر اول	سنہ ۱۴۵۸ء	"	سنہ ۱۴۷۸ء	"
۴۔	چامراجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۴۷۸ء	"	سنہ ۱۵۱۳ء	"
۵۔	چامراجہ اوڈیر سوم	سنہ ۱۵۱۳ء	"	سنہ ۱۵۵۳ء	"
۶۔	تمراجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۵۵۳ء	"	سنہ ۱۵۷۱ء	"
۷۔	چامراجہ اوڈیر چہارم	سنہ ۱۵۷۱ء	"	سنہ ۱۵۷۶ء	"
۸۔	چامراجہ اوڈیر پنجم	سنہ ۱۵۷۶ء	"	سنہ ۱۵۷۸ء	"
۹۔	راجہ اوڈیر اول	سنہ ۱۵۷۸ء	"	سنہ ۱۶۱۷ء	"
۱۰۔	چامراجہ اوڈیر ششم	سنہ ۱۶۱۷ء	"	سنہ ۱۶۳۷ء	"
۱۱۔	راجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۶۳۷ء	"	سنہ ۱۶۳۸ء	"
۱۲۔	کنٹی روا نرسم راجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۳۸ء	"	سنہ ۱۶۵۹ء	"
۱۳۔	ڈوڈ دیوراجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۵۹ء	"	سنہ ۱۶۷۲ء	"
۱۴۔	چک دیوا راجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۷۲ء	"	سنہ ۱۷۰۴ء	"
۱۵۔	کنٹی رو اوڈیر	سنہ ۱۷۰۴ء	"	سنہ ۱۷۱۵ء	"

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب نے جب جنوبی ہندوستان کو فتح کیا، تو جنوبی ہند میں دو صوبہ داریاں قائم کیں۔ ایک سرا کی اور دوسری ارکاٹ کی۔ سنہ ۱۷۱۰ء تک ارکاٹ اور سرا ایک ہی صوبہ دار کے ماتحت تھے۔ لیکن اس سال انتظامی نکتہ نظر سے سرا پر ایک دوسرے صوبیدار کا تقرر ہوا جس کا نام امین خاں تھا۔ سعادت اللہ خان جو ارکاٹ اور سرا دونوں صوبوں کا صوبیدار تھا۔ اس تقرر کے خلاف تھا۔ مگر امین خاں اپنی زندگی تک سرا کا صوبیدار رہا۔ اس کے بعد اس کے جانشین کمزور نکلے۔ اس وقت نظام الملک آصف جاہ صوبیدار دکن نے دخل دیکر سرا کی صوبیداری بھی سعادت اللہ خان کو تفویض کر دی۔ اور طاہر خاں سعادت اللہ کی جانب سے سرا کا صوبہ دار مقرر ہوا۔

سعادت اللہ خان کا خاندان سنہ ۱۷۴۳ء تک ارکاٹ میں حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کے آخری سالوں میں یعنی سنہ ۱۷۴۲ء میں محمد سعید نامی ایک صغیر سن لڑکا نواب بنا۔ لیکن اس کے اہل خاندان نے اسکی مخالفت کی۔ ان مخالفتوں سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرے شخص انوار الدین نامی نے آصفجاہ نظام الملک اول کی تائید سے ارکاٹ کی امارت حاصل کر لی (یہی انوار الدین خاندان والا جاہی کا بانی ہے) انوار الدین کی مخالفت پر محمد سعید کا ایک رشتہ دار حسین دوست عرف چندا صاحب تھا۔ سنہ ۱۷۴۸ء میں جب نظام الملک اول کا انتقال ہوا تو تخت کیلئے ناصر جنگ اور مظفر جنگ میں جنگ چھڑ گئی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انوار الدین نے ناصر جنگ کا ساتھ دیا تو چندا صاحب نے مظفر جنگ کا مظفر جنگ ارکاٹ کو آیا۔ کہ چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی دلائے سنہ ۱۷۴۹ء میں آمبور کی جنگ میں انوار الدین کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا محمد علی والاجاہ فرار ہو کر ترچناپلی میں مقیم ہوا۔ اسکے بعد جب ناصر جنگ محمد علی کی مدد کیلئے جنوب میں آیا تو مظفر جنگ نے ہتھیار ڈالدیئے۔ اور محمد علی والا جاہ ترچناپلی سے نکلکر ارکاٹ کو آیا۔ اب چندا صاحب

تاریخِ نوابانِ ارکاٹ

خاندانِ نایطہ

نواب محمد سعید عرف سعادت اللہ خاں
سنہ ۱۷۱۰ء سے سنہ ۱۷۳۲ء

دوست علی (برادر زادۂ نواب سعادت اللہ خاں)
سنہ ۱۷۳۲ء سے سنہ ۱۷۴۰ء

صفدر علی
سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۲ء

محمد سعید
سنہ ۱۷۴۲ء سے سنہ ۱۷۴۴ء

دختر
اس لڑکی کی شادی حسین دوست خاں عرف چندا صاحب سے ہوئی۔

خاندانِ انوری

انوار الدین
سنہ ۱۷۴۴ء سے سنہ ۱۷۴۹ء

محفوظ خاں

محمد علی والاجاہ
سنہ ۱۷۴۹ء سے سنہ ۱۷۹۵ء

عمدۃ الامراء
سنہ ۱۷۹۵ء سے سنہ ۱۸۰۱ء

عبدالوہاب خاں

"آزادی کا خواب دیکھنے والے خود محکوم بن گئے۔ اور اپنے ساتھ کل ہندوستان بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی طوق غلامی پہنا گئے۔"

انگریز اور فرانسیسی

یورپ سے ہندوستان میں جو قومیں آئیں۔ ان میں جرمن فلمش۔ ڈچ اور پرتگیزیوں کو اس قدر کامیابی نہیں ہوئی۔ جس قدر انگریزوں اور فرانسیسیوں کو ہوئی۔ حیدر علی کو ان موخرالذکر دو قوموں سے تعلق رہا ہے۔ ان دونوں قوموں نے ہندوستان کی نااتفاقی اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر یہ وطیرہ اختیار کیا۔ کہ ملک کے راجاؤں اور نوابوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھار کر مال و زر کے عوض اپنی فوجوں سے مدد دینا شروع کی۔ جس کی وجہ سے ان کے قدم ملک میں جم گئے۔ جس زمانہ کی تاریخ ہم لکھ رہے ہیں۔ اس وقت انگریزی کمپنی کا انتظام وارن ہیسٹنگس کے ہاتھ میں تھا۔ اور فرینچ کمپنی ڈوپلے کے ماتحت تھی۔

فرانسیسیوں نے اپنی تمام توجہ جنوبی ہندوستان پر مرکوز کر دی۔ مگر انگریز بنگالہ بمبئی جنوبی ہند میں ہر طرف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال پر مرہٹے اور نظام الملک کی معرکہ آرائیاں بنگالہ میں میر قاسم و میر جعفر کی ریشہ دوانیاں ۱۷۴۸ء میں نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدرآباد کی سازشیں اور کرناٹک میں نواب کا خواب آزادی ان تمام واقعات نے مل ملا کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے ایک وسیع اور کھلا میدان مہیا کر دیا جس میں دونوں قومیں فراخدلی سے اس خوان یغما پر

"چہ دشمن چہ دوست"

فرار ہوکر پانڈیچری میں پناہ گزین ہوا۔ لیکن اس عرصہ میں کڑپہ کے پٹھانوں نے غداری کر کے ناصر جنگ کو شہید کر دیا۔ مظفر جنگ کو رہائی نصیب ہوئی۔ چندا صاحب پھر ارکاٹ کا نواب بنا۔ اور محمد علی ترچناپلی کو فرار ہوگیا۔ چندا صاحب نے ترچناپلی کا محاصرہ کر لیا۔ محمد علی نے مدراس کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدد مانگی۔ یہ امداد چندا صاحب اور حیدرآباد دونوں کے خلاف تھی۔ اس امداد کے صلے میں ملک کرناٹک کا ایک بہت بڑا حصہ کمپنی کو تفویض کر دیا گیا۔ ہندوستان میں اب تک کمپنی کی کوئی زمین نہیں تھی۔ یہی علاقہ کرناٹک ہے، جہاں کمپنی کی حکومت کی اوّل بنیاد پڑی۔

جنگ جس قدر طول پکڑتی گئی کمپنی بھی نواب کو روپیہ قرض دیتی رہی۔ نواب والاجاہ محمد علی کا خیال تھا کہ چندا صاحب کو مٹا کر آپ خود ایک مستقل حکمران بنجائے۔ اس لئے اس نے مظفر جنگ (حیدرآباد) کے خلاف بھی سازش کی۔ جسکی وجہ سے حیدرآباد میں پھر سازشوں کا بازار گرم ہوگیا۔ اور حکمرانوں کا عزل ونصب شروع ہوا۔ یہانتک کہ ۱۷۶۱ء میں بسالت جنگ کو معزول کر کے نظام علیخاں تخت نشین ہوا۔ مگر عین اسی وقت میسور میں ایک نئی طاقت ظہور میں آئی جو حیدر علی کی تھی اب نواب بسالت جنگ نے سرا کی صوبہ داری بھی اسکے تفویض کر دی تھی۔ اب محمد علی کی توجہ حیدرآباد سے ہٹ کر حیدر علی کی جانب ہوگئی۔ کمپنی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ حیدر علی کے مقابل صف آرا ہو اس لئے حیدرآباد کو بھی شامل کر لیا گیا۔

ہندوستان کی آزادی کا ستارہ ڈوب رہا تھا۔ اور قسمت گردش میں آچکی تھی۔ محمد علی والاجاہؒ اور نظام الملک میر نظام علی خاں انگریزی بساط سیاست کے دو مہرے تھے۔ انہوں نے عمریں بھی طویل پائیں تاکہ ان کے ہاتھوں سلطنت خداداد مٹ جائے۔ اور ہندوستان پر اغیار کا تسلط ہوجائے۔ محمد علی کا انتقال ۱۷۹۵ء میں ہوا۔ اور نظام علیخاں کی وفات ۱۸۰۳ء میں ہوئی لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ

قبضہ کرلیا۔ بڑی مشکل اور خونریز جنگوں کے بعد نظام الملک نے مرہٹوں کو اس ملک سے بے دخل کرتے ہوئے میر انوارالدین کو ارکاٹ کی نوابی پر مقرر کیا۔ مگر اس کے چند دن بعد ہی نظام الملک کی وفات ہوگئی۔ اور حیدرآباد کے تخت کیلئے بھائیوں ہی میں آویزش شروع ہوگئی۔ یہ پیشتر لکھا جاچکا ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر حسین دوست خاں عرف چندا صاحب نے مظفر جنگ کی حمایت میں ارکاٹ کی نوابی کا دعویٰ کردیا۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں نے مل کر ارکاٹ پر چڑھائی کی۔ اور آمبور میں انوارالدین کا خاتمہ ہوگیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ان لڑائیوں میں کس قدر حصّہ لیا۔ یہ صحیح ہے کہ فرانس والے اس وقت مظفر جنگ اور چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ لیکن کس لئے؟ اسکے جواب میں انگریزی تاریخیں خاموش ہیں۔ لیکن خود محمد علی والاجاہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ انوارالدین شروع ہی سے انگریزوں کا طرفدار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انوارالدین کے والد نے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز میں حج کا سفر کیا تھا تو انگریزوں نے نہایت خاطر تواضع کی تھی۔ اس تواضع کا جواب انوارالدین نے اس طرح دیا کہ اس کے نواب مقرر ہونے پر جب انگریز اور فرانسیسی دونوں نے دعوت دی تو اس نے صرف انگریزوں کی دعوت قبول کی۔ نواب والاجاہ محمد علی اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے:۔

"والد من نظر بر ہمہ رابطہ دیرین اول دعوت انگریزاں قبول فرمودند نزد انگریزاں رفتند و اخلاص این قوم منظر داشتند۔"

یہی نہیں بلکہ مدراس کے قریب میلاپور کی جاگیر بھی دیدی۔ اور جب فرانس والوں اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی تو انوارالدین نے انگریزوں کی تائید بھی کی۔ انگریز و فرانسیسی جب سے

جھکرا اتر آئے۔ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی لکھی ہوئی تھی۔ انگریز کامیاب ہو گئے۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں فرانسیسی اقتدار کا ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور اب صرف انگریز ہی مرد میدان رہ گئے۔ اب بنگالہ میں میر قاسم و میر جعفر، علاقہ بمبئی میں چند مرہٹہ ریاستیں دکن اور جنوبی ہند میں حکمران۔ حیدرآباد اور محمد علی نواب ارکاٹ نے ان کے اشارہ چشم و ابرو پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ اور اس طریق پر اپنی غلامی کے محضر پر اپنے ہاتھوں سے دستخط ثبت کر دیئے۔

مرہٹے۔ حیدرآباد اور نوابان ارکاٹ

زوال سلطنت مغلیہ پر مرہٹے اور نظام الملک حیدرآباد نے شہنشاہی کے حصول کیلئے قسمت آزمائی شروع کر دی جس میں اول الذکر اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ایک وقت پنجاب سے لیکر بنگالہ تک اور جنوبی ہندوستان میں تنجاور تک ان کا اقتدار قایم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۷۶۰ء میں نظام الملک کے قبضہ میں صرف حیدرآباد اور اس کے مضافات رہ گئے۔ اگر اس کے دوسرے ہی سال میدان پانی پت میں مرہٹوں کی قسمت کا فیصلہ نہ ہو جاتا تو عجب نہیں کہ کل ہندوستان میں مرہٹی سلطنت قایم ہو جاتی۔

جنوبی ہندوستان (صوبہ کرناٹک) میں نوابان ارکاٹ شاہان مغلیہ کی نیابت کرتے تھے۔ مگر جب تک مرکزی سلطنت دہلی میں کچھ نہ کچھ قوت باقی تھی۔ اس وقت تک نوابان ارکاٹ کی نامزدگی صوبہ دار دکن ہی کرتا تھا۔ مگر دہلی کی رہی سہی قوت بھی ۱۷۳۹ء میں نادرشاہ کے ہاتھوں ٹوٹ گئی۔ اور ادھر نظام الملک حیدرآباد مرہٹوں سے دست بگریباں ہو گیا۔ ۱۷۴۰ء میں نظام الملک کی وفات سے چند سال پیشتر مرہٹوں نے کرناٹک پر

چونکہ اس زمانہ میں حکومتوں کا انحصار پایہ تختوں کے انہدام یا استقلال پر ہوتا تھا۔ لہٰذا مدراس کے انگریزی گورنر کو یہ سوجھی کہ اگر کسی طرح چندا صاحب کے پایۂ تخت ارکاٹ پر قبضہ کرلیا جائے۔ تو چندا صاحب ترچناپلی کا محاصرہ اٹھا لیگا۔ اور اس کی نوابی خطرہ میں پڑجائیگی۔

چنانچہ انگریزی فوج نے کلایو کے ماتحت ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد چندا صاحب اور فرانسیسیوں کو کسی جنگ میں کامیابی نہیں ہوی۔ بلکہ چندا صاحب اس کے دوسرے سال ہی سازشوں کا شکار ہوکر شہید ہوگیا۔

محمد علی انگریزوں کی حمایت یا انکی بندوقوں کے سایہ تلے ارکاٹ کا نواب بن گیا۔ اور نگرانی کیلئے میجر لارنس بطور ریزیڈنٹ مقرر ہوا۔ محمد علی کو انگریزوں کی دوستی اور خاطر اس قدر منظور تھی کہ جب بنگالہ میں انگریزوں کی ہستی نواب سراج الدولہ کے رحم پر منحصر ہوگئی تو اس نے اپنی فوجوں کو بنگالہ بھیجا۔ صاحب "قصر والاجاہی" نے لکھا ہے :-

"ہمگی فوج بندگان عالی متعینہ قلاع ومقامات کرناٹک سوائے فوج مایحتاج

قلعہ بہتر نگر ہمراہ مستر کلیت ب بسواری جہازات برائے مہم کلکتہ روانہ شدہ بود۔"

محمد علی کی ان خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے بھی کوشش کرکے مغلیہ سلطنت سے اسکے لئے کرناٹک کا فرمان حاصل کیا۔ اسکے بعد نظام الملک نظام علی خاں سے بھی فرمان حاصل کرلیا گیا۔ ان فرمانوں کی وجہ سے محمد علی کا دماغ آسمان تک پہونچ گیا۔

"ماڈرن میسور" کا مصنف لکھتا ہے :-

"ان فرمانوں کے حاصل ہونے سے وہ اپنے آپ کو کرناٹک کا واحد مالک سمجھنے لگا۔ اب

اسکی نظریں میسور پر اٹھیں۔ جہاں اس کا ایک حریف پیدا ہوچکا تھا۔ اور یہی وجہ ان جنگہا

ہندوستان میں تجارت کیلئے آئے تھے۔ ان میں تجارتی رقابت کی وجہ سے اکثر جنگیں ہوا کرتی تھیں لیکن ان جنگوں کا اثر صرف انہیں تک محدود رہتا تھا اور اس میں ملکی حکمران حصہ نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح فرانسیسیوں نے چاہا کہ انوارالدین ان جنگوں میں حصہ نہ لے چنانچہ ڈوپلے نے جو پانڈیچری کا گورنر تھا۔ اپنے ایک خط میں انوارالدین کو لکھا:۔

"آں مشفق را لازم است کہ نفع ونقصان ہر دو فرقہ مساوی دارند۔ وباعانت یکطرفہ نہ پردازند" (تحفۃ الاخبار)

لیکن اس کے بعد جب انوارالدین نے انگریزوں کو مدد دی۔ تو فرانس والوں نے چندا صاحب کی حمایت کی۔ آمبور کی جنگ میں چندا صاحب اور مظفر جنگ کی فتح اور انوارالدین کی شکست وموت نے فرانسیسیوں کے اقتدار کو بہت بڑھا دیا۔ یہ دیکھکر انگریزوں نے ناصر جنگ اور محمد علی کا ساتھ دینا چاہا۔ بلکہ خود محمد علی نے ان سے مدد مانگی تھی۔ لیکن ناصر جنگ انگریزوں کے بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ اسکی دُوررس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس قوم کے عزائم ولارادے کیا ہیں۔ اس نے کڑپہ کے پٹھان نواب کو حکم دیا کہ مدراس پر حملہ کرکے انگریزوں کو ملک بدر کردے۔ لیکن محمد علی کی عیاری اور چالاکی نے اس وقت انگریزوں کو بچا لیا۔ ناصر جنگ اسی سال شہید ہوگیا۔ اور مظفر جنگ رہا ہو کر تخت نشین ہوا۔ جسکی وجہ سے فرانسیسی اقتدار اور ترقی کر گیا۔ معلوم تو ایسا ہو رہا تھا کہ انگریز چند دن کے مہمان ہیں۔ لیکن اسی وقت والاجاہ محمد علی نے جو ترچنا پلی میں پناہ گزین تھا۔ ان سے مظفر جنگ اور چندا صاحب کے خلاف مدد مانگی۔ اور دوسری طرف فرانس کی گورنمنٹ نے اپنے اولوالعزم گورنر ڈوپلے کو واپس بلا لیا جس کی وجہ سے فرانسیسی اقتدار ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا۔ اس امداد کے عوض والاجاہ محمد علی نے کرناٹک کے پندرہ تعلقات کمپنی کو دینا منظور کئے۔

۱۲۔ ایمپائر ان ایشیا۔ از میجر ٹارنس ایم۔ پی۔ (ممبر پارلیمنٹ)

ان کے علاوہ چند اور بھی انگریزی کتب ہیں۔ جن کا ماخذ پہلی سات کتابیں ہیں ان میں سے دو کتابیں خاص ٹیپو سلطان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بقیہ سات میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے مشترکہ حالات ہیں۔ تاریخ میسور۔ از کرنل ولکس ایک نہایت ضخیم کتاب ہے۔ اور مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ وہ جس وقت میسور کا کمشنر تھا تو زوال سلطنت خداداد پر چند ہی سال گذرے تھے۔ اس لئے بہت سے ایسے لوگ زندہ تھے جنہوں نے اس عہد کے حالات دیکھے اور سنے ہوئے تھے۔ اس لئے اس کی کل کتاب تقریباً ان سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے۔

تاریخ حیدر علی مصنفہ لیون بی بورنگ کا ماخذ زیادہ تر کرنل ولکس کی تاریخ میسور اور دو انگریزی کتابیں ہیں۔ اور فارسی و اردو میں جو کتابیں اس موضوع میں شائع ہوئیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱ کارنامۂ حیدری۔ بزبان فارسی۔ مصنفہ عبدالرحیم کلکتہ

۲۔ حملات حیدری۔

۳۔ چارجنامہ تصنیف ملافیروز (نظم بزبان فارسی)

۴۔ تاریخ حمید خانی۔ از منشی حمید خاں۔ میر منشی لارڈ کارنوالس

۵۔ فتوحات حیدری۔ از لالہ کھیم نرائن دہلوی

۶۔ نشان حیدری۔ از مورخ میر حسین علی کرمانی۔ تصنیف ۱۸۰۲ء بمقام کلکتہ۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔ تاریخ نشان حیدری شہادت ٹیپو سلطان کے سات سال بعد کلکتہ میں جہاں شہزادگان ٹیپو سلطان مقیم تھے۔ مورخ دربار سلطانی سے

(۷) حیدر علی و ٹیپو سلطان از مولانا اشہری مرحوم دہلوی۔

کی ہے۔ جو حیدر علی و ٹیپو سلطان اور انگریزوں میں ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ محمد علی کی نظریں حیدر آباد پر بھی تھیں۔ جہاں اس نے سازشوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ غرضیکہ اس طرح محمد علی کے ہاتھوں سرزمین ہند میں غلامی کا بیج بویا گیا۔ اور ہندوستان غلام بنکر رہگیا۔

ماخذ

نواب حیدر علیخان بہادر بانی سلطنت خداداد میسور اور ٹیپو سلطان کے حالات جن کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر انگریزوں کی تصانیف ہیں۔ جن کے نام ذیل میں دیتے جاتے ہیں۔

۱۔ برٹش ملٹری بیاگرافی مطبوعہ لنڈن سنہ ۱۸۲۱ء
۲۔ آتھنٹک میموریس آف ٹیپو سلطان مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۴۰ء
۳۔ مارکوئس آف ولزلی۔ ڈسپاچز " کلکتہ سنہ ۱۸۳۶ء
۴۔ ہسٹوریکل اسکیچ آف سوتھ انڈیا
۵۔ تاریخ حیدر علی۔ مصنفہ لیون بی بورنگ
۶۔ تاریخ میسور۔ از کرنل ولکس
۷۔ تاریخ میسور۔ مصنفہ موسیو ولمٹ مطبوعہ لنڈن سنہ ۱۸۱۰ء
۸۔ تاریخ میسور۔ از لوئیس رئیس
۹۔ سفرنامہ بچانن۔
۱۰۔ ماڈرن میسور۔ از مسٹر شاما راؤ ایم اے سابق انسپکٹر جنرل محکمۂ تعلیم میسور مطبوعہ میسور سنہ ۱۹۳۳ء
۱۱۔ سیاحت نامہ کیپٹن لٹل۔ از ایڈورڈ مور۔ مطبوعہ لنڈن سنہ ۱۷۹۴ء

امکان میں تھا۔ انکے متعلق تحقیق و تفتیش کا کوئی پہلو چھوڑا نہیں گیا۔ اور جب تک کافی یقین نہیں ہو گیا۔ ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔

حوالجات کے سلسلہ میں جن اردو و فارسی کتابوں کے نام اوپر دیئے گئے ہیں ان میں دو اور کتابوں کے نام چھوٹ گئے ہیں۔ ان میں ایک کا نام "نظام علیخاں" اور دوسری کا "میر عالم" ہے یہ کتابیں تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شایع ہونیکے بعد حیدرآباد میں شایع ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدرآبادی ہیں۔ میں نے بالاستیعاب ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان سے بھی اس دوسرے ایڈیشن میں مدد لی گئی ہے۔

کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں چند نئی تصاویر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان میں حیدرآباد کے میر عالم اور سلطنت خداداد کے غدار وزیر پورنیا کی تصاویر کے علاوہ سلطان کی آخری عمر کی بھی ایک تصویر ہے۔ اس تصویر کا عکس انڈیا آفس لائبریری کی تصویر سے لیا گیا ہے اور یہ یقین کرنیکے کافی وجوہ ہیں کہ بہ نسبت دوسری تصاویر کے جو عام طور پر تاریخی کتب میں ہیں یہ تصویر سلطان کے اصلی خد و خال سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔ نواب حیدر علی کی جوانی کی ایک تصویر پہلے ایڈیشن میں موجود ہے۔ لیکن آخری عمر کی کوئی تصویر اب تک نہیں ملی تھی۔ عام طور پر بازاروں میں یا تاریخی کتب میں جو تصویر ہے وہ اصلیت سے بالکل تعلق نہیں رکھتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی کے کارنامے سنکر کسی مغربی مصور نے ایک فرضی تصویر کھینچدی۔ گھنی داڑھی اور مونچھوں کے علاوہ ایک مضحکہ خیز پگڑی بھی بتلائی گئی ہے۔ تمام مورخین متفق الرائے ہیں کہ نواب بہادر کے داڑھی تھی نہ مونچھ۔ اب کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں دریا دولت کی مغربی دیوار پر جو نقش ہے اسکا ایک عکس دیا جاتا ہے۔ اسمیں نواب بہادر کا جلوس اور انہیں ہاتھی پر سوار دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر چونکہ سلطان کے عہد میں کھینچی گئی تھی۔ اسلئے اسکے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

لکھائی گئی۔ اور اس کے چالیس سال بعد حملات حیدری کلکتہ ہی میں مرتب ہوئی۔
میں نے ان سب کتابوں کو دیکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ چند قلمی نسخے بھی میری نظر سے گذرے ہیں۔ ان میں ایک نامۂ حیدری ہے۔ جو کسی نے اس وقت کی دکنی زبان میں بمقام فرنچ راکس (جو سرنگاپٹم کی شمالی جانب ہے) زوال سلطنت کے ایک سال بعد لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ یہ بالکل اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور ایک نا تمام کتاب بزبان فارسی ہے۔ جس میں حیدر علی کے حالات تو ہیں مگر ٹیپو سلطان کے حالات صرف میسور کی تیسری جنگ تک ہیں اور مصنف کا نام درج نہیں۔ تحفت خوان حیدری ایک اور کتاب ہے۔ جس میں اگرچہ تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ لیکن ان میں مصنف کی حسن عقیدت کو بہت بڑا دخل ہے۔ اور بعض جگہ مذہبی رنگ بہت زیادہ غالب ہے۔
اپنی اس کتاب کی تصنیف کیلئے میں نے جہاں مذکورۂ بالا کتابیں مطالعہ کیں۔ وہاں قریب قریب وہ تمام لٹریچر بھی میری نظر سے گذرا ہے۔ جو مختلف اوقات میں بعد تحقیق و تفتیش ملک کی مختلف ادبی انجمنوں میں پڑھا گیا۔ جس میں زیادہ تر متفرق سوسائٹی کے کاغذات ہیں۔
ان کے علاوہ میں نے انگریزی تاریخوں میں تاریخ رولرس آف انڈیا۔ تاریخ ہند مصنفہ سنکلیر۔ تاریخ ہند مصنفہ مارسڈن۔ تاریخ ہند از ڈی لاتوسی۔ تاریخ ہند از شاستری۔ تاریخ ہند از تھامپسن اور رٹیبز آف کریچن پورٹن انڈیا بھی دیکھی ہے اور جبتک فارسی۔ اردو۔ اور انگریزی تاریخوں میں کسی واقعہ کی صحت کا اطمینان نہیں کر لیا گیا۔ کوئی واقعہ نہیں لکھا گیا۔ اور باوجود اسکے جہاں کہیں اختلاف باقی رہا۔ وہاں حوالہ دیدیا گیا ہے۔
ان تمام امور کے علاوہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے اوصاف، عادات و اقوال کے متعلق مقامی روایات سے بھی جو لوگوں کو بھی تک از بر یاد ہیں۔ مدد لیگئی ہے۔ اور جہاں تک

اور چار لڑکے تھے۔ زوال بیجاپور کے بعد اس خاندان نے کولار کی طرف نقل مکان کیا۔ جہاں محمد علی کے بہت سے شناسا مقیم تھے۔ (مصنف نشانِ حیدری لکھتا ہے کہ بیجاپور سے صرف تین لڑکے آئے۔ اور چھوٹا لڑکا کولار میں پیدا ہوا۔ اور اس کی والدہ قصبہ کولار ہی کی ایک سیدہ لڑکی تھی)

کولار میں شیخ محمد علی کا جب انتقال ہوگیا۔ تو یہ لڑکے تلاش معاش میں نکلے۔ شیخ محمد الیاس اپنی بی بی اور فرزند حیدر کو کولار میں چھوڑ کر تنجاور چلا گیا۔ دوسرے بھائی شیخ ولی محمد اور شیخ امام کرناٹک جا کر وہیں ملازم ہوگئے صرف چوتھا بھائی فتح محمد کولار میں رہا۔ چند سال کے بعد حیدر صاحب بن شیخ الیاس نے راجہ میسور کی ملازمت حاصل کر لی۔ بھتیجے کے ملازم ہونے کے بعد شیخ فتح محمد بھی راجہ میسور کی فوج میں عہدۂ نائکی پر مقرر ہوئے۔ حیدر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور فتح محمد میسور سے کولار واپس آ گیا۔ جہاں ۱۱۳۰ھ و ۱۱۳۲ھ میں اس کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک شہباز دوسرا ولی محمد۔ ولی محمد چند دن میں انتقال کر گیا۔ اور شیخ فتح محمد دوبارہ تلاش ملازمت میں سرا پہنچا۔ جہاں صوبہ دار سرا نے اسے بالاپور کی قلعہ داری پر مقرر کیا۔ اس ملازمت کے دوران میں بمقام بودی کوٹہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام حیدر علی رکھا گیا۔

حیدر علی کی والدہ کے نسب کے متعلق تاریخوں میں اختلاف ہے۔ نشانِ حیدری میں لکھا ہے۔ کہ حیدر علی کی والدہ سید برہان الدین پیرزادۂ تنجاور کی لڑکی ہے۔ انکے بطن سے تین لڑکے ہوئے۔ ایک بچپن ہی میں انتقال کر گیا۔ اور دوسرے کا نام شہباز اور تیسرے کا نام حیدر علی ہے۔ ان کی سے فتح حیدر کی شادی کولار میں ہوئی تھی۔ لیکن حملاتِ حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ حیدر علی کی والدہ کا نام مجیدہ بیگم ہے۔ جو فتح محمد کی دوسری بی بی ہیں۔ اور یہی دوسری روایت صحیح ہے۔

نسب نامہ نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان

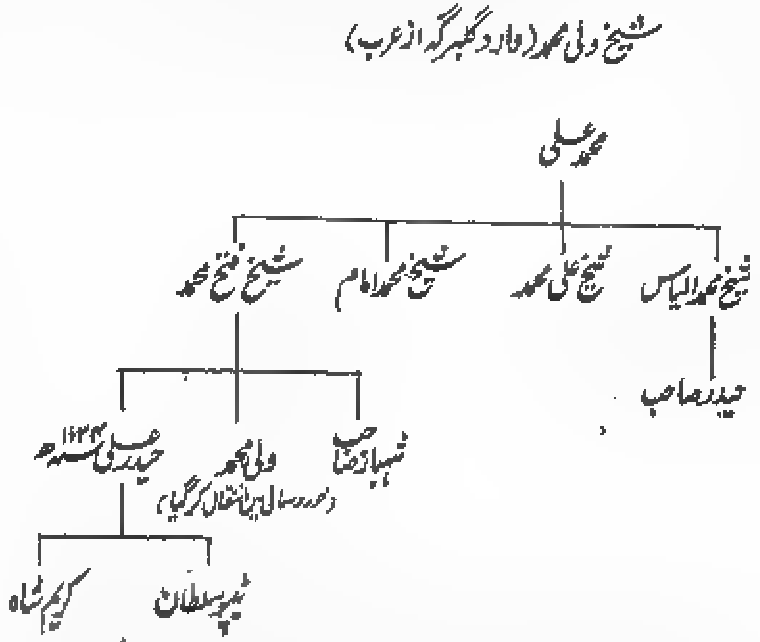

کرنل ولکس اپنی کتاب تاریخ میسور میں لکھتا ہے۔ کہ حیدر علی کے آبا و اجداد پنجابی تھے بعض مورخین انہیں افغانی النسل کہتے ہیں۔ صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں۔ کہ حیدر علی کے ابا و اجداد صحیح النسل عرب اور قبیلہ قریش سے تھے۔ اس خاندان کا ایک بزرگ مکہ سے چلکر بغداد میں آبسا۔ اور وہاں سے تلاش معاش میں ہندوستان آیا۔ بغداد سے دہلی کو جو بری راستہ ہے۔ وہ ایران اور پنجاب سے ہوکر گذرتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ دوران سفر میں وہ پنجاب میں بھی ٹھہرا ہو۔ اور اس وجہ سے اس کے پنجابی ہونے کی غلط فہمی پیدا ہوئی ہو۔ دہلی سے چلکر وہ گلبرگہ آیا۔ جہاں اس کے بیٹے محمد علی کی شادی حضرت شاہ بندہ نواز کی درگاہ کے متولی کی بیٹی سے ہوئی۔ اور اسی جگہ ولی محمد کا انتقال ہوا۔ محمد علی گلبرگہ سے چلکر بیجاپور آکر ٹھہرا۔ اب اسکے ساتھ اس کی بیوی

کی۔ وہ نام نہاد عالی نسبی و ذات کے دعویدار تھے۔ اور انکے نزدیک سلطان کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ اپنے ایک عزیز کا رشتہ ایسے خاندان سے کرنا چاہتا تھا جسے اپنی عالی نسبی پر نہایت فخر اور غرور تھا۔ اللہ اللہ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ایک حبشی زادے کو، ایک غلام کو صحابۂ کرامؓ بلکہ خاص خاندان نبوت بھی اپنی بیٹیوں کو مناکحت میں دیتے تھے!

اسلام دنیا میں اس لئے آیا کہ ذات، نسل اور خون کے امتیاز کو مٹا کر تمام بنی نوع انسان کو ایک سطح پر کھڑا کر دے۔ مگر اسلام کے نام لیوا آج جس طریقہ پر اس تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ اسکا بین ثبوت نہ صرف سلطنتِ خداداد بلکہ اور اسلامی سلطنتوں اور حکومتوں کی بربادی سے بھی ملتا ہے۔ مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی و افتراق میں بھی اسی ذات و نسب کے امتیاز کو ایک بہت بڑا دخل رہا ہے۔ ایک طرف تو ان میں سے چند لوگوں کو گھمنڈ ہے۔ کہ وہ اشراف خاندانوں سے ہیں اور ان میں نجابت و شرافت کا خون دوڑ رہا ہے۔ دوسری طرف اگر انکے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کچھ بھی شک نہیں رہتا۔ کہ اس لحاظ سے انکا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ انکے خون میں عرب کے ممتاز قبائل کے مورثین اعلیٰ بولہب، بوجہل اور ابی عبداللہ منافق کے خون کا اثر بہ نسبت اور دوسرے اثر کے زیادہ ہے۔ اور نسل میں خون کا اثر لازمی ہے۔

حیدر علی و ٹیپو سلطان عرب ہوں یا پنجابی یا دکھنی لیکن ان کے مسلمان ہونے میں شک نہیں۔ اور اسی لحاظ سے تاریخ اسلام اور مسلمان ان پر ناز کرتے ہیں اور ہمیشہ کریں گے شرافت و نجابت کا انحصار خون و نسب پر نہیں۔ بلکہ ہر انسان کے اپنے اعمال و اخلاق پر ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:-

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

نواب حیدر علی خاں کی والدہ مجیدہ بیگم میر اکبر علیخان زمیندار سرا کی لڑکی ہیں۔ صوبہ دار سرا نے میر اکبر علی خان کو زمین کی واجب الادا رقم کی ادائیگی کیلئے لکھا۔ انہوں نے چھ ماہ کی مہلت طلب کرتے ہوئے تمسک لکھدیا۔ اور چھ ماہ ہونے کے پیشتر ہی انکا انتقال ہوگیا۔ بعد چھ ماہ کے وصولی رقم کے لئے سرا سے طلبی آئی تو میر اکبر علی خاں مرحوم کی بیوی اس رقم کو ادا نہ کرسکیں۔ طلبی رقم کیلئے شیخ فتح محمد ہی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھکر پیغام دیا کہ اگر مجھ کو دامادی میں قبول کرو تو میں یہ رقم اپنی جانب سے ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ میر اکبر علیخاں کی بیوہ نے قبول کرلیا اور اس طرح مجیدہ بیگم فتح محمد کے نکاح میں آئیں۔

لارڈ ولنشیا لکھتا ہے کہ حیدر علی عربی النسل تھے۔ مگر بورنگ جو کہ حد درجہ متعصب مورخ ہے لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں جب کوئی بڑے درجے کو پہونچ جاتا تو اس کا نسب نامہ تیار ہوجاتا ہے۔

ان تمام امور سے قطع نظر ہم صرف یہ کہیں گے کہ سلطان اور حیدر علی مسلمان تھے۔ اور حسب و نسب میں کسی اعتبار سے کم نہیں تھے۔ مگر ہمارے چند مسلمان بھائی ہیں جو ابھی تک ذات و نسب کو طغرائے امتیاز سمجھ رہے ہیں۔ اور آج بھی نواب حیدر علی اور سلطان کے نسب نامہ پر لے دے کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ قوم نایک سے تھے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کرتے کہ نایک کونسی قوم ہے اور کہاں ہے اور اسکی تاریخ کیا ہے؟ میسور میں فوج کے سپہ سالار کو نایک کہا جاتا تھا۔ اس وجہ سے نواب حیدر علی کے نام کے ساتھ نایک مشہور ہوگیا۔ ورنہ یہ کسی قوم کا نام نہیں ہے۔

زوال سلطنت خداداد کے اسباب میں یہ بھی ایک بڑا سبب تھا کہ اہل نوائط سلطان کے خلاف ہوگئے تھے جبکہ سلطان اپنے نسبتی برادر کی شادی بدر الزماں خاں نائطہ کی بیٹی سے کرنا چاہتا تھا۔ ذات و نسب کے امتیاز کا جنون یہاں تک بڑھا کہ ایک اسلامی سلطنت کی بربادی بھی انکے نزدیک ایک بالکل بے حقیقت شئے تھی سلطان کے جن امراء و وزراء نے لارڈ ولزلی سے سازش

کی لڑکی تھی۔ اس کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اسی کی چھوٹی بہن سے فتح محمد نے شادی کی۔ اور حیدر علیؒ اسی کے بطن سے ہیں۔ ان لڑکیوں کا قصہ اس طرح ہے۔ کہ اہلِ نوایط کا ایک خاندان تلاشِ معاش میں کوکن سے ارکاٹ جا رہا تھا۔ جبکہ راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر تریکرہ کے قریب حملہ کر کے سب کو قتل کر دیا۔ صرف ایک لڑکا دو لڑکیاں اور ان کی ماں بچ نکلیں۔ جو نہایت عسرت و تنگدستی کی حالت میں کولار پہنچے۔ فتح محمد نے یہاں بڑی لڑکی سے شادی کا پیغام دیا۔ جو قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد اس لڑکی کی والدہ اور چھوٹی بہن فتح محمد ہی کے پاس رہنے لگیں۔

صوبہ داریٔ سرا کیلئے جب عبدالرسول خاں اور طاہر خاں میں جنگ ہوئی تو فتح محمد اور ان کا بڑا لڑکا مارے گئے۔ اس وقت فتح محمد کی تیسری بیوی مع اپنے دونوں بچے شہباز اور حیدر کے ڈوڈبالا پور میں رہتی تھیں۔ عباس قلی خاں جو طاہر خاں کا فرزند تھا۔ ڈوڈبالاپور کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے فتح محمد پر یہ الزام لگایا کہ حکومت کی بہت سی رقم ان پر واجب الادا ہے۔ اور اس کی ادائگی کے لئے شہباز۔ حیدر علی اور انکی والدہ پر ظلم کرنے لگا جس سے تنگ آکر یہ بنگلور آگئے۔ جہاں شہباز اور حیدر علی کے ماموں ابراہیم صاحب بنگلور کے قلعہ دار کے ملازم تھے شہباز کے بڑا ہونے پر انہیں بھی وہاں ایک معمولی ملازمت مل گئی۔

اس کے بعد ہی شہباز کو دیون ہلی جانا پڑا۔ راجۂ میسور کی فوج دیون ہلی کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ اس کی کمک کیلئے بنگلور کے قلعہ دار نے بھی فوج روانہ کی شہباز اس فوج میں ملازم تھا۔ گو حیدر علی فوج میں ملازم نہیں تھے۔ مگر اپنے بھائی کے ساتھ رہتے تھے۔ دیون ہلی ہی وہ جگہ ہے جہاں انکا نیر اقبال چمکا۔ دیون ہلی کا محاصرہ نو مہینے تک رہا۔

حیدر علیؒ کی ابتدا

(از تاریخ رئیس - اس تاریخ کا ماخذ کرنل ولکس کی تاریخ ہے)

حیدر علی کے آباؤ اجداد پنجابی تھے۔ ان میں محمد بہلول نامی ایک شخص پنجاب سے نکل کر گلبرگہ میں آیا۔ اور وہاں اقامت اختیار کی۔ یہاں اسکے دو لڑکے محمد علی اور محمد ولی کی شادی ہوئی۔ جس کے بعد یہ سرا آکر محکمہ محصول میں ملازم ہوگئے۔ یہاں سے پھر یہ دونوں بھائی کولار چلے گئے۔ جہاں محمد علی کا انتقال ہوگیا۔ جس پر چھوٹے بھائی نے تمام اثاث البیت پر قبضہ کرکے بھاوج کو گھر سے نکالدیا۔ مگر ایک شخص جو محکمہ محصول میں نایک تھا۔ اس نے اس غریب بیوہ کو پناہ دی۔ اور جب شہباز جو محمد علی کا لڑکا تھا۔ بڑا ہوگیا تو اس کو بھی اسی محکمہ میں ملازمت دلادی ایک موقع پر جبکہ گنجی کوٹہ کے محاصرہ میں سرا کی اسلامی فوج کو شکست ہوی تھی تو شہباز نے اپنی جوانمردی سے قلعہ کی دیوار پر چڑھکر علم نصب کردیا جس سے شکست فتح میں بدل گئی۔ اس کارگذاری سے خوش ہو کر صوبہ دار سرا نے شہباز کو فوج میں نایک کے درجہ پر ترقی دیدی۔ جب سرا کی صوبہ داری میں رد و بدل ہوا تو شہباز پچاس سواروں اور چودہ سو پیادہ لیکر ارکاٹ چلا گیا۔ یہاں اسکی حسب خواہش ملازمت نہ ملی تو وہ فوجدار چتور کے پاس ملازم ہوگیا۔ چند دن یہاں ملازمت کرکے پھر سرا واپس آیا تو اس کو فتح محمد خاں کا لقب دیکر کولار کا فوجدار بنا دیا گیا۔ اور بودی کوٹہ کی جاگیر ملی۔ اس جگہ اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام شہباز اور حیدر علی رکھا گیا۔ یہ لڑکے فتح محمد خاں کی تیسری بیوی سے تھے۔ فتح محمد کی پہلی بیوی کولار میں انتقال کر گئی تھی۔ اسکی دوسری بیوی جو ایک اہل نائط

نواب حیدر علی کے آغاز کے وقت ریاست میسور کس حالت میں تھی۔

تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ حیدر علی ابتدائی تیس سال کی عمر تک میسور کے راجہ کے ایک معمولی ملازم تھے بسنہ ۱۷۵۵ء میں وہ ڈنڈیگل کے گورنر مقرر ہوئے۔ اس وقت ریاست میسور کی وسعت شمال میں بابا بڈہن کی پہاڑیوں تک، مشرق میں صوبہ سیرا کو چھوڑ کر بنگلور تک، جنوب مشرق میں بارہ محل اور سیلم کا کچھ علاقہ۔ جنوب میں کوئمبتور تک، اور مغرب میں موجودہ حدود میسور پر مشتمل تھی۔ پوری ریاست میں ہر جگہ پالیگار حکومت کر رہے تھے۔ اور یہ کبھی مطیع رہ کر راجہ کو خراج دیتے تھے اور کبھی خود سر ہو جاتے تھے۔ بہر طور ان علاقوں پر راجہ کی سیادت مانی جاتی تھی بسنہ ۱۷۵۵ء میں گوپال راؤ صوبہ دار سیرا نے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کے پاس صرف سرنگا پٹم اور اس کے مضافات جو ۲۲ دیہات پر مشتمل تھے۔ رہ گئے۔ نواب حیدر علی جب سنہ ۱۷۵۵ء میں ڈنڈیگل سے واپس آئے۔ تو انہوں نے ان تمام علاقوں کو از سر نو فتح کیا۔

نوٹ

نہ صرف علاقۂ میسور بلکہ دریائے کرشنا سے لیکر جنوب میں مدورا تک ہر جگہ پالیگاروں کی حکومتیں قائم تھیں۔ جن میں بعض تو اس قدر چھوٹی تھیں۔ کہ دو چار میل سے بڑھ کر نہیں تھیں۔ اور بعض کی وسعت تیس چالیس میل تک تھی۔ پالیگاروں میں جو سب سے طاقتور ہوتا تھا وہ راجہ کہلاتا۔ اور دوسرے پالیگار اس کی اطاعت کرتے تھے۔ اس طرح تمام ملک میں پالیگاروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔

اس عرصہ میں حیدر علی نے اپنے بھائی کے ساتھ ملکر جوانمردی کے وہ جوہر دکھلائے کہ وزیر نندراج نے خوش ہو کر ان کو میسوری فوج میں بعہدۂ نایک داخل کر لیا۔ اور حیدر علی کے زیر کمان پچاس سوار اور دو سو پیادے دئے گئے۔

نوٹ: مذکورۂ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

کرنل ولکس اور رئیس کا مقصد صرف یہ ہے کہ حیدر علی کے خاندان کو باپ اور ماں دونوں جانب سے گم نام دکھایا جائے۔ (محمود)

نواب حیدر علیؒ

حیدر علی رحؒ

نام حیدر علی۔

"حملاتِ حیدری" کا مصنف، اِس نام کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حیدر علی کے والد فتح محمد نے ایّامِ حمل میں اپنی بی بی مجیدہ بیگم کو حیدر علی شاہ درویش کی خدمت میں بھیجا اور فرزند کی دعا چاہی۔ حیدر علی شاہ نے دعا دی کہ انشاء اللہ فرزند بلند بخت پیدا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر رکھا جائے۔

سنہ پیدائش ۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۲ء ہے۔ اس سنہ پیدائش پر سوائے مصنف کارنامۂ حیدری کے کل مورخین کا اتفاق ہے۔ جو سنہ پیدائش ۱۱۲۹ھ بتلاتا ہے۔ مگر رفتارِ واقعات کے لحاظ سے ۱۱۳۴ھ ہی صحیح ہے۔ بودی کوٹہ میں جو کتبہ قلعہ میں لگا ہوا ہے۔ اس میں بھی ۱۱۳۴ھ ہی لکھا ہوا ہے۔

مقام پیدائش بودی کوٹہ۔ ضلع کولار۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ضلع کولار میں کولار شہر کے قریب واقع ہے۔

عہدِ طفلی جس وقت حیدر علی پیدا ہوئے تو ان کے والد شیخ فتح محمد صوبہ دار سرا عابد خاں کے ماتحت منصب دو ہزار پیادہ اور پانچسو سوار مع فیل و نقارہ و علم پر سرفراز تھے۔ اس لئے حیدر علی کا عہدِ طفلی نہایت آرام و آسایش سے گزرا مگر یکایک زمانہ نے پلٹا کھایا جس وقت حیدر علی کی عمر قریب پانچ سال کی ہوئی تو

سرا میں صوبہ داری کیلئے عبدالرسول خاں بن عابد خاں اور نواب طاہر محمد خاں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی شیخ فتح محمد عبدالرسول خاں کے طرفدار تھے۔ اس جنگ میں عبدالرسول خاں کو شکست ہوئی۔ فتح محمد مارے گئے۔ اس وقت اہلیہ فتح محمدؒ اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ (جن میں بڑے لڑکے شہباز کی عمر دس سال کے قریب تھی۔ اور حیدر علی جن کی عمر پانچ سال کے قریب تھی) بالاپور میں رہتی تھیں۔ حاکم بالاپور عباس قلی خاں جو نواب طاہر محمد خاں کا طرفدار تھا۔ فتح محمد کے مارے جانے کی خبر سن کر حیدر علی کی والدہ سے اٹھارہ ہزار روپیہ اس بنا پر طلب کیا کہ فتح محمد کی طرف سے یہ رقم سرکار کو واجب الادا ہے۔ لیکن جب اس رقم کی ادائگی نہ ہو سکی تو اس نے گھر کا تمام اثاثہ لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ کپڑے اور اناج بھی نہ چھوڑا۔ اور فتح محمد کے دونوں لڑکوں کو یعنے شہباز اور حیدر علی کو دو بڑے بڑے نقاروں میں بند کر کے اوپر سے چمڑا منڈھوا دیا۔ ہوا جانے کیلئے نقارہ میں سوراخ کر دئے۔ اس مصیبت سے رہائی پانے کیلئے حیدر علی کی والدہ حیدر صاحب سے جو فتح محمد کا بھتیجا اور راجہ میسور کی ملازمت میں تھا۔ طالب امداد ہوئیں۔ حیدر صاحب نے روپیہ بھیجکر ان بچوں کو قید سے چھڑا لیا۔ اور ان تمام کو اپنے پاس سرنگا پٹم بلا لیا۔ اس زمانہ کی طرز معاشرت کے مطابق بچوں کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ چند ہی سال میں یہ بچے فنون سپہ گری تیغ زنی، بنکٹ افگنی، اسپ تازی اور تفنگ اندازی وغیرہ میں ایسے مشاق ہو گئے کہ بڑے بڑے سپاہیوں کی نگاہیں ان پر پڑنے لگیں۔ یہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص کے لئے بجائے علم کے فن حرب حاصل کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا بجائے مکتب یا مدرسہ میں بٹھانے کے حیدر علی کو فنون جنگ کی تعلیم دی گئی۔

شہباز کی پہلی ملازمت جس وقت شہباز اور حیدر علی جوان ہوئے تو حیدر صاحب

سے ۲۰ ذی الحجہ بروز شنبہ ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۵۰ء میں بمقام دیونہلی ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ٹیپو سلطان رکھا گیا۔ خدا کی قدرت کہ اس فرزند کے پیدا ہوتے ہی حیدر علی کی ترقی کا آغاز ہوا۔

حیدر علی کا گورنر ڈنڈیگل مقرر ہونا ۱۷۵۵ء

ریاست میسور کے علاقہ پائین گھاٹ میں شورش ہوئی تو وزیر نند راج حیدر علی کو ساتھ لیکر اس شورش کے فرو کرنے کو روانہ ہوا۔ ان معرکوں میں حیدر علی سے ایسے بہادرانہ کام ظہور پذیر ہوئے۔ کہ وزیر میسور نے حیدر علی کو گورنر ڈنڈیگل مقرر کر دیا۔ اور کارہائے نمایاں کے صلہ میں ہاتھی نقارہ اور پالکی دی گئی۔ حیدر علی کے منصب کو ترقی دیکر چار ہزار سپاہی اور ڈیڑھ ہزار سوار کا افسر مقرر کر دیا۔ اور اس زمانہ کے رواج کے مطابق حیدر علی کو اپنی خاص فوج بھرتی کرنے کا حکم بھی ملا۔ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے :-

"یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت میسور میں حیدر علی سے بڑھکر منتظم اور جری افسر کوئی نہیں تھا"

واقعات کرناٹک ۱۷۵۵ء

ابھی مذکورۂ بالا واقعات کو چند ہی مہینے گذرے تھے کہ کرناٹک میں ابتری پھیل گئی۔ نظام الملک ناصر جنگ والی حیدرآباد نے میسور کے راجہ اور دوسرے پالیگاروں کو چندا صاحب اور فرانسیسیوں کے خلاف طلب کیا۔ میسوری فوجوں میں حیدر علی کی فوج بھی شامل تھی۔ یہ تمام متحدہ فوجیں میدان کارزار میں شریک ہوئیں۔ لیکن اتفاق سے نظام ناصر جنگ سازش کا شکار ہو کر شہید ہو گیا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی تمام پالیگار اور میسوری فوجیں واپس ہو گئیں۔ مگر عام طور پر یہ روایت مشہور ہے کہ حیدر علی نے اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر حیدرآباد کے خزانے پر جو اونٹوں پر لدا ہوا حیدرآباد

نے ان دونوں کو میسور کے وزیر نند راج کے پاس لیگئے نند راج نے شہباز کو شو پیادہ اور پچاس سوار کی افسری پر مقرر کر دیا۔ اور حیدر علی کو بوجہ کم عمری ایک چھوٹے دستہ فوج پر افسر مقرر کرکے سرنگاپٹم میں ہی رکھ لیا۔

حیدر صاحب کی وفات

حیدر صاحب چند دنوں کے بعد دیونہلی کے محاصرے میں زخمی ہوکر انتقال کر گئے۔ اور حیدر صاحب کے منصب پر شہباز مقرر ہوا۔

حیدر علی سرنگاپٹم میں

حیدر علی نے سرنگاپٹم میں وہ سلامت روی اور خود داری اختیار کی۔ کہ ہر شخص انکی خوش عادات اطوار کا گرویدہ ہوگیا۔ چنانچہ حیدر علی اپنی اعلےٰ صفات کے باعث باڈی گارڈ کے افسر مقرر ہوئے۔ تاریخ میسور میں یہ وہ زمانہ تھا جبکہ راجہ مثل کٹ پتلی کے تھا اور تمام اختیارات وزیروں کے ہاتھ میں تھے۔ وزیر نند راج حیدر علی کے عادات و اطوار سے نہایت خوش تھا۔ اس لئے جب حیدر علی کی عمر انیس سال کی ہوئی تو اس نے پیرزادہ شاہ میاں ساکن سرا کی لڑکی سے حیدر علی کی شادی اپنے خرچ پر کر دی۔

حیدر علی کی دوسری شادی

حیدر علی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی لیکن بعض بے احتیاطیوں کی وجہ سے اس بیوی کو فالج ہوگیا۔ اور جب بیماری نے طول کھینچا۔ تو اس نے اپنے شوہر کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دیدی۔ حیدر علی نے میر علی رضا خان کی ہمشیرہ فاطمہ بیگم عرف فخر النسا کو اپنی دوسری شادی کیلئے منتخب فرمایا۔ اور حیدر علی کی شادی اس لڑکی سے ہوگئی۔

حیدر علی کی اولاد

حیدر علی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی ہوئی۔ دوسری بیوی یعنی فاطمہ بیگم

انگریزوں سے امداد طلب کی۔ اور اس امداد کے عوض ترچناپلی میسور کو اور کرناٹک کا ایک حصہ انگریزوں کو دینا قبول کیا۔ راجہ کی مخالفت کے باوجود وزیر نندراج نے حیدر علی اور افواج میسور کو ساتھ لیکر ترچناپلی کی طرف بڑھا۔ حیدر علی نے ان لڑائیوں میں وہ جوہر دکھائے کہ فرانسیسی اور چندا صاحب بالکل تنگ آ گئے۔ کیونکہ افواج حیدری ہمیشہ شبخون مارا کرتی تھیں اور جو کچھ ملتا تھا لوٹ لیتی تھیں۔ اس طرح فرانسیسیوں کی متعدد توپیں حیدر علی کے ہاتھ آئیں۔ جب چندا صاحب کے قتل سے ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا تو محمد علی نے ترچناپلی دینے سے صاف انکار کر دیا۔

میسور پر حملے اور نیابت سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ۱۷۵۵ء

نزاکت وقت کا خیال کرتے ہوئے نندراج واپس پلٹا۔ مگر بجائے میسور کے ستی منگل میں مقیم ہو گیا۔ ادھر نظام الملک کی فوجوں نے میسوری فوجوں سے بدلہ لینے کیلئے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایک معقول زر معاوضہ لیکر واپس ہوگئیں۔ یہ ابھی واپس ہی ہوئی تھیں کہ ایک اور زبردست دشمن بالاجی باجی راؤ پیشوائے پونا اپنی مرہٹی فوجوں کو لیکر خراج وصول کرنے کیلئے آیا۔ مگر یہاں خزانہ میں رکھا ہی کیا تھا کیونکہ صلابت جنگ کی فوجوں نے خزانہ کا صفایا کر دیا تھا۔ راجہ نے ایک کروڑ روپیہ دینے کا اقرار کیا۔ اور بطور ضمانت ملک کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی کفالت میں دیدیا۔ مرہٹے واپس ہوتے ہوتے صوبہ داری سرا کا بھی خاتمہ کر گئے۔ نواب دلاور خاں صوبہ دار کو کولار میں جاگیر مل گئی۔ بلونت راؤ مرہٹہ صوبہ دار مقرر ہوا۔ راجہ میسور کی حکومت سرنگاپٹم اور اسکے مضافات تک محدود ہو گئی۔

مرہٹوں کا میسور پر قبضہ ۱۷۵۵ء

اس سال سرا میں بلونت راؤ کے عوض گوپال راؤ

واپس جا رہا تھا، چھاپہ مارا۔ اور اپنے فوجی اخراجات وضع کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہا وہ راجہ کے خزانے میں داخل کر دیا۔

نندراج کے خلاف سازش

وزیر نندراج کی غیر حاضری میں ریاست میسور میں پھر ایک دفعہ شورش چھپی جسکی وجہ یہ تھی کہ راجہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وزراء کی حکمبرداری سے آزاد ہونا چاہا۔ لیکن نندراج کے بھائی دیوراج نے محل پر گولہ باری شروع کر دی۔ جس سے رانیوں میں گھبراہٹ پھیل گئی اگرچہ اس وقت راجہ اور رانیوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وزیروں کی اطاعت کرلیں مگر سازشوں کا بازار پھر بھی گرم رہا۔ اور اس پر طرفہ یہ کہ جو میسوری فوجیں کرناٹک سے واپس آئیں تو انہوں نے بھی فوجدار کنگارام کی زیر قیادت وزیروں کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور جلد ہی تمام ملک میں یہ شورش پھیل گئی۔ ایسے وقت پر ملک کو اس بدنظمی سے بچانے اور وزراء کو اپنا اقتدار قائم رکھنے کیلئے سوائے حیدر علی کے اور کوئی شخص نظر نہ آیا۔ جیسا کہ ہم آگے بتلا چکے ہیں۔ وزیر نندراج حیدر علی کا محسن و مربّی تھا۔ اس لئے اس نے شہباز اور حیدر علی کو اس شورش کے فرو کرنے کیلئے روانہ کیا۔ حیدر علی فوج لیکر نکلے۔ اور دو مہینوں کے عرصہ میں باغیوں کے تمام مقامات فتح کر لئے۔ کنگارام قید ہو گیا۔ شاہباز صاحب اور حیدر علی نئے قلعےدار مقرر کئے۔ نندراج اس کارگذاری سے بے انتہا خوش ہوا۔

حیدر علی اور محاصرہ ترچناپلی
۱۷۵۳ء

پہلے صفحات میں ارکاٹ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ ناصر جنگ کے مارے جانے سے چندا صاحب کی بن آئی۔ اسوقت صلابت جنگ اور فرانسیسی اسکی حمایت پر تھے۔ متواتر شکستوں کے بعد نواب والاجاہ محمد علی قلعہ ترچناپلی میں محصور ہو گیا۔ اور اس نے نندراج وزیر میسور او

مرہٹی فوج سیرا کی طرف پیچھے ہٹ گئی۔ کہ پونا سے کمک حاصل کرکے پھر پیش قدمی کرے۔ لیکن پھر اس کو یہ موقع حاصل نہیں ہوا۔

مرہٹوں کی شکست ۱۷۶۱ء

یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹوں کا نیر اقبال احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں میدانِ پانی پت میں ڈوب چکا تھا۔ بالاجی باجی راؤ اس صدمہ سے انتقال کرگیا۔ علاقہ میسور میں جس وقت یہ خبر میدانِ جنگ میں پہونچی۔ تو گوپال راؤ نے تمام فوج کو مجتمع کرکے سیرا میں قلعہ بند ہوگیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حیدرعلی نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا جو مرہٹوں کے زیرنگین آچکے تھے۔ اس نمایاں فتح وکامیابی کے بعد حیدرعلی سرنگاپٹم واپس ہوئے۔

وزیر نندراج کے خلاف سازش

جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں۔ راجہ کے محلات میں سازش ہورہی تھی۔ کہ کسیطرح وزیروں کو ہٹاکر راجہ خود مختار ہوجائے۔ انہوں نے دیکھا کہ حیدرعلی کی زبردست شخصیت تمام فوج پر حاوی ہوچکی ہے تو رانی دیواجی منی نے حیدرعلی کے پرائیویٹ سکریٹری کھنڈے راؤ کی معرفت حیدرعلی سے استدعا کی کہ راجہ کو وزیروں سے نجات دلائے۔ حیدرعلی نے نہایت آسانی اور حکمتِ عملی سے نندراج اور اسکے بھائی سے اسنادِ وزارت لیکر راجہ کے حوالے کردیں۔ نندراج اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حیدرعلی نے جس آشتی وصلح سے نندراج سے وزارت لی۔ اس سے نندراج کو حیدرعلی سے۔ بجائے رنج کے اور زیادہ محبت ہوگئی۔ جس کا ذکر آگے آئیگا۔ اور دوسری طرف راجہ اور اس کا خاندان حیدرعلی کا نہایت ممنونِ احسان ہوا۔ اور اسکے صلے میں حیدرعلی کو فرزند ارجمند کا خطاب عطا کیا گیا۔ انگریزی تاریخ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے۔

صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے راجۂ میسور سے ایک کروڑ روپیہ کا مطالبہ کیا اور جب رقم نہ ملی تو مرہٹی افواج نے باضابطہ طور پر ان علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ جو بطور ضمانت دئے گئے تھے۔

سرنگاپٹم کو نندراج کی واپسی

وزیر میسور نندراج ستی منگل ہی میں تھا اور سرنگاپٹم کے حالات اس تک پہونچتے تھے۔ اور وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح ایک کروڑ روپیہ حاصل کر کے سرنگاپٹم کو واپس آئے۔ کہ وہ داغ بدنامی جو ترچناپلی کے حاصل نہ ہونے سے لگ چکا تھا دھل جائے۔ حیدر علی ساتھ تھے۔ قریب دو سال کے عرصہ میں حیدر علی نے ستی منگل کے اطراف و جوانب کے علاقوں کو لوٹ کر ایک کروڑ روپیہ سے زائد جمع کر لیا۔ نندراج نے یہ روپیہ راجۂ میسور کو روانہ کر دیا۔ اور چند دن بعد خود بھی سرنگاپٹم آگیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹے ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔

حیدر علی سپہ سالار افواج میسور
۱۷۵۸ء

حیدر علی کی اس کارگذاری سے راجہ بہت خوش ہوا۔ اور انھیں سپہ سالار افواج میسور کے عہدے پر ترقی دیتے ہوئے "فتح حیدر بہادر" کا خطاب دیا۔ اور حیدر علی کو کامل اختیارات دئے گئے۔ کہ مرہٹوں سے معاملہ طے کریں۔ مگر بجائے صلح کرنے کے حیدر علی اپنی فوج لیکر بڑھے کہ گوپال راؤ سے مقابلہ کریں۔ ادھر مرہٹی فوجیں حیدر علی کی آمد سنکر سرنگاپٹم کی طرف بڑھیں دونوں فوجیں چن پٹن کے قریب مقیم ہوئیں۔ اسی شب کو حیدر علی نے مرہٹوں پر شبخون مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹی فوج اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ حیدر علی چن پٹن سے کوچ کر کے بنگلور کے قریب آگئے۔ چن پٹن کی شکست سے مرہٹی فوج بددل ہو چکی تھی۔ اور اب حیدر علی کے حملے نے گوپال راؤ کو مجبور کر دیا کہ اپنا تمام اسباب چھوڑ کر فرار ہو جائے۔

سال کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یعنی اسی سال شمالی ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ گو اسکے بعد پونا کے پیشواؤں نے اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کیلئے بہت کوشش کی مگر ناکامیاب رہے۔

جنوبی ہند میں نواب والا جاہ محمد علی اور انگریزوں کی متفقہ کوششوں سے فرانسیسی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور محمد علی جو خواب آزادی دیکھتا تھا ہمیشہ کیلئے انگریزوں کا محکوم بنکر رہ گیا۔ اور جنوبی ہندوستان میں انگریزوں کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔

میسور میں راجگان کی مطلق العنانی ختم ہو گئی۔ اور انتظام ریاست نواب حیدر علی کے ہاتھ آیا۔ جنہوں نے آگے چلکر ایک زبردست سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔

واقعات حیدرآباد، حیدر علی اور بسالت جنگ کے تعلقات ۱۷۶۱ء

حیدرآباد میں آپس کی سازشوں کی وجہ سے صلابت جنگ قید ہو گیا۔ اور اسکے دوسرے دو بھائی میر نظام علیخاں اور بسالت جنگ حکمران ریاست ہوئے۔ جس میں دریائے کرشنا کے جنوب کا بڑا حصہ بسالت جنگ کے قبضہ میں آیا۔ اور اس کا مستقر ادھونی تھا۔ میدان پانی پت میں مرہٹوں کی شکست کا حال سنکر بسالت جنگ صوبہ سرا کو مرہٹوں سے واپس لینے کیلئے نکلا اور قلعہ ہوسکوٹہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کشائی کے ڈھنگ سے ناواقف ہونے کی وجہ محاصرہ نے نہایت طول کھینچا جس پر بسالت جنگ نے حیدر علی سے امداد چاہی۔

بسالت جنگ اور حیدر علی کا معاہدہ

فریقین میں ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے (۱) قلعہ کا سامان و آلات جنگ بسالت جنگ کو ملیں (۲) ہوسکوٹہ اور اسکے مضافات حیدر علی کو ملیں (۳) بسالت

"حیدر علی نے اس وقت ایک محسن و مربی کے طور پر کام کیا۔ ورنہ یہ یقینی تھا کہ راجہ کا خاندان مٹ جاتا۔ حیدر علی نے دونوں طرف کی لاج رکھ لی۔"

نندراج کے ستی منگل چلے جانے سے راجہ کے کوئی وزیر نہیں رہا تھا۔ اور اس نے حیدر علی سے درخواست کی کہ کھنڈے راؤ کو راجدھانی کا وزیر بنا دیا جائے۔ اس درخواست کو حیدر علی نے منظور کر لیا۔

فرانسیسیوں کا حیدر علی سے امداد طلب کرنا ۱۷۵۹ء

اس سے آگے لکھا جا چکا ہے کہ کرناٹک میں فرانسیسی چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ اسکا انتقام لینے کے لئے نواب والا جاہ محمد علی نے انگریزوں کے کہنے پر پانڈیچری پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسیوں نے حیدر علی سے امداد طلب کی۔ اور اسکے صلہ میں بیجی اور تیاگرد ھ کے علاقے دینا قبول کئے۔ حیدر علی نے اپنے نسبتی برادر سید مخدوم کی سرداری میں ایک فوج پانڈیچری کو روانہ کی۔ دوران سفر میں معلوم ہوا کہ آنیکل میں پالیگار کی سختی سے رعایا میں ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ سید مخدوم نے آنیکل پر حملہ کر دیا۔ اور پالیگار کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیجدیا۔ یہاں کا انتظام کر کے یہ فوج بارہ محل میں اتری۔ جہاں عزیز خاں حاکم (درملازمت نواب والا جاہ محمد علی) سے اسکی فوج بگڑی ہوئی تھی۔ اور رعایا بھی نالاں تھی۔ سید مخدوم نے بارہ محل پر قبضہ کر کے عزیز خاں کو کڑپہ کی طرف بھگا دیا۔ اس طرح علاقہ بارہ محل اور آنیکل پر قبضہ کرتے ہوئے سید مخدوم پانڈیچری کی طرف بڑھے۔ راستہ میں خبر ملی۔ کہ نواب والا جاہ اور انگریزوں نے پانڈیچری فتح کر لیا ہے۔ جنوری ۱۷۶۱ء میں حیدری افواج مراجعت کیلئے ارکاٹ کے قریب خیمہ زن ہوئیں۔

۱۷۶۱ء ـ ۱۷۶۱ء میں جو انقلابات کہ ہندوستان میں رونما ہوئے اس اعتبار سے اس

حیدر علی کے خلاف سازش

جس وقت فرانسیسیوں کی کمک کیلئے افواج حیدری پانڈیچری روانہ ہو گئیں تھیں تو میدان خالی پا کر کھنڈے راؤ راجہ اور رانیوں میں سازش ہوئی۔ کہ جس طرح نندراج کو علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح حیدر علی کو بھی علیحدہ کر دیا جائے۔ آخر تجویز یہ ٹھہری کہ حیدر علی کو دفع کرنے کیلئے مرہٹوں سے مدد لیجائے۔ چنانچہ دربار پونا کو ایک خفیہ چٹھی لکھی گئی۔ کہ میسور کا سپہ سالار حیدر علی راج دھانی پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اور اس طرح یہ ہندو ریاست مسلمانوں کے قبضہ میں چلی جائیگی۔ اگر سلطنت پونا اس معاملہ کو ہاتھ میں لیکر اس وقت امداد کرے تو یہ ہندو ریاست قایم رہ سکتی ہے۔ بلکہ یہ ریاست ہمیشہ ممنونِ احسان اور باجگذار رہیگی۔ اور اخراجات جنگ کیلئے ایک معقول رقم بطور پیش کش دی جائیگی۔

اسلامی فارسی تاریخوں میں اس سازش کے متعلق اسطرح لکھا گیا ہے کہ :۔

"مرہٹے ملک سے جا چکے تھے۔ سابق نندراج کی حکومت سے راجہ اور اس کے خاندان کو رہائی مل چکی تھی۔ راجہ نے خیال کیا کہ اب حیدر علی کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لئے راجہ۔ رانی دیو اجی منی اور کھنڈے راؤ نے حیدر علی کو دفع کرنے کی سازش کی"۔

لیکن ماڈرن میسور کا ہندو مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر لکھتا ہے :۔

"وزیر نندراج اور راجہ کے معاملات میں جب حیدر علی نے رانی کی درخواست پر مداخلت کی تو نندراج نے سرنگاپٹم چھوڑ کر میسور میں اقامت اختیار کی۔ لیکن راجہ اور رانی کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ نندراج کسی اور جگہ چلا جائے۔ لیکن نندراج نہ مانا۔ اس پر حیدر علی نے نندراج پر فوج کشی کی۔ نندراج مجبور ہو کر کونورکوجو نجنگڈھ کے قریب ہے چلا گیا اس جنگ کے اخراجات کیلئے حیدر علی نے جاگیر طلب کی۔

جنگ دربار دہلی میں صوبہ داری سرا کیلئے حیدر علی کی سفارش کرے (۴) قلعہ گرم کنڈہ جو اب تک حیدر آباد کے ماتحت تھا آئندہ حیدر علی کی ملکیت قرار دی جائے۔

تسخیر ہوسکوٹہ

حیدر علی کی فوجوں نے چند ہی دنوں میں ہوسکوٹہ کو فتح کر لیا۔ اور بموجب معاہدہ تمام سامان قلعہ بسالت جنگ کے حوالے کر دیا گیا۔ اور ہسکوٹہ اور اس کے مضافات مملکت میسور میں شامل کر لئے گئے۔ (میسور میں مشہور ہے۔ کہ بسالت جنگ نے تمام سامان حیدر علی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جس کے سبب سے اکثر نواب حیدر علی بسالت جنگ کو تاجر کے لقب سے یاد کرتے تھے)

حیدر علی نائب سلطنت مغلیہ اور خطاب نواب

شہنشاہ ہند کا سفیر حیدر علی کے نام فرمان صوبہ داری سرا لیکر آیا۔ اور اسکے ساتھ شہنشاہ کی جانب سے شمشیر مرصع کار، پالکی جواہر نگار، ماہی مراتب اور نقارہ ونشان معہ خطاب نواب عنایت ہوئے۔ (انگریزی مورخین کو اعتراض ہے کہ حیدر آباد میں میر نظام علیخاں کے نظام دکن ہوتے ہوئے بسالت جنگ کو اختیار نہیں تھا کہ حیدر علی کے لئے خطاب نواب کی سفارش کرتا۔ مگر جب شہنشاہ ہندوستان نے بسالت جنگ کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے حیدر علی کو نظامت سرا پر مقرر کر دیا تو انگریزی مورخین کا مذکورۂ بالا اعتراض کسی طرح معقول اور مدلل نہیں کہا جا سکتا)

صوبۂ سرا کی تسخیر

بسالت جنگ کے جانے کے بعد حیدر علی نے مڑگ سرا، مدگری آبتس نگر اور سرا پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی طرح قریب قریب کل صوبۂ سرا پر حیدر علی کا تسلط ہو گیا۔ اور تمام پالیگار سرداروں نے حیدر علی کو خراج دینا منظور کر لیا۔

تھا۔ ادھر صبح ہوتے ہی خبر اڑی کہ حیدر علی شب ہی میں فرار ہو گئے ہیں۔ مرہٹے تعاقب کے لئے نکلے۔ اور حیدر علی کی گرفتاری کا انعام مشتہر کیا گیا۔ حیدر علی نے بنگلور پہونچتے ہی سید مخدوم کو جو فرانسیسوں کی مدد کیلئے پانڈیچری جارہے تھے۔ خط لکھا کہ فوراً واپس آئیں۔ (یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید مخدوم نواح ارکاٹ میں مقیم تھے)

سرنگاپٹم میں راجہ میسور، وزیر کھنڈے راؤ اور مرہٹہ سردار الیسا جی نے تجویز کی کہ فوراً بنگلور پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا جائے۔ کہ حیدر علی کو مہلت نہ ملے۔ کھنڈے راؤ کے ماتحت زبردست فوج روانہ ہوئی۔ اور ادھر حیدر علی بھی غافل نہیں تھے۔ جس وقت یہ فوج بنگلور پہونچی تو حیدر علی نے قلعہ سے نکلکر ایک ایسا زبردست حملہ کیا کہ میسوری اور مرہٹی فوج ہزار ہا زخمی اور مقتولوں کو چھوڑ کر منتشر ہو گئی۔ کھنڈے راؤ اور حیدر علی کو معلوم تھا کہ اس جنگ کے فیصلہ پر ان کی آئندہ قسمت کا انحصار ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی جوانمردی دکھائی ہو وہ تعجب خیز نہیں۔ حملات حیدری میں میدان جنگ کی جو تصویر مصنف حملات حیدری نے کھینچی ہے۔ وہ بجنسہٖ ذیل میں دی جاتی ہے:-

"دونوں مہا بھارت دلیں جیسے ساون بھادوں کے گھنگھور بادل چاروں طرف سے اٹھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ پہلے تو دونوں سے گولیاں اور گولے، تگرگ اور اولے کی طرح دونوں طرف سے برسنے لگے۔ گولوں کی گڑگڑاہٹ اور گولیوں کی کڑکڑاہٹ بادل کی گرج اور رعد کی کڑک تھی۔ رہکلے کا اڑنا، ہتابی کا چمکنا برق کی جھلک اور بجلی کی چمک، ادھر ادھر سے توپوں کے ہنگامے محشر کا پیدار تھا۔ اور دھمک سے اس کے زلزلت الارض آشکار۔ جب دونوں فوجیں بڑھتے بڑھتے نزدیک آئیں اور نوبت کوتہ یراق کی پہنچی۔ تب تو تیغ و تبر، خنجر، جمدھڑ، پستول،

لیکن کھنڈے راؤ نے جو اس وقت راجہ کی ملازمت میں تھا۔ اس مطالبہ کی مخالفت کی لیکن آخر میں چار تعلقے دینا منظور کیے۔ اس معاملہ میں حیدر علی اور کھنڈے راؤ میں جو گفتگو ہوئی۔ اس کی وجہ سے کھنڈے راؤ کے علاوہ راجہ اور رانی کے دل میں بھی حیدر علی کی طرف سے دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے رنگناتھ سوامی کے مندر میں بت کے آگے رازداری کی قسم کھاتے ہوئے حیدر علی کے خلاف کاروائی کرنے کی سازش کی اور تجویز ہوئی کہ مرہٹوں سے بھی تائید لی جائے۔"

مرہٹوں کو خط لکھا گیا۔ اس خط کے پہونچتے ہی مادھو راؤ نے ایساجی پنڈت وینی کو میسور روانہ کیا۔ دربار میسور نے اس فوج کی نقل و حرکت سے حیدر علی کو بالکل بے خبر رکھا حیدر علی کو اس وقت خبر ہوئی۔ جب یہ فوج سرنگا پٹم کے قریب آگئی۔ تو یہ راز کھلا کہ حیدر علی کی گرفتاری مقصود ہے۔ شام کا وقت تھا اور ایک ایک لحظہ کی دیر سوہان روح بنی ہوئی تھی اور اس پر مشکل یہ کہ سرنگاپٹم کی مقیم فوج سے انہیں یہ امید بھی نہیں تھی کہ اس اڑے وقت کام آئیگی۔ اسکے علاوہ بیوی اور بچے سرنگاپٹم ہی میں تھے۔ چند رفقا کو حقیقت حال سنا کر حیدر علی نے شب کے پردے میں فرار ہونے کا تہیہ کر لیا۔

حیدر علی کو معلوم ہو گیا کہ جاسوس انکی نقل و حرکت پر نگراں ہیں۔ اور وہ ان راستوں سے جا نہیں سکتے جو عام گذرگاہ ہیں۔ اس لئے جس وقت رات زیادہ ہوئی اور دنیا پر اندھیری چھائی ہوئی تھی وہ اپنے گھر سے نکلے۔ اور سید حا دریا کا دیری پہ پہنچے۔ اندھیری رات اور بارشوں کی وجہ سے دریا زوروں پہ تھا۔ اور دوسری طرف عزت اور جان پہ بنی ہوئی تھی ہمت کر کے دریا میں کود ے اور پار نکل گئے۔ صبح ہوتے ہوتے سرنگاپٹم سے بہت دور ہو گئے۔ اور صرف بیس گھنٹوں کے عرصہ میں بنگلور پہنچے۔ جہاں انکی خاص فوج کا ایک حصہ موجود

سرنگاپٹم سے ایک خفیہ چٹھی حیدرعلی کو ملی۔ جس میں چند رانیوں نے لکھا تھا کہ ملک کی بدنظمی بڑھتی جارہی ہے۔ اور قریب ہے کہ ریاست ہی ہمارے ہاتھوں سے چھن جائے۔ اس لئے ہمیں تباہی سے بچانے کیلئے آپکا سرنگاپٹم آنا ضروری ہے۔ جب سید مخدوم کی فوج واپس آگئی۔ تو حیدرعلی سرنگاپٹم پر چڑھائی کے ارادے سے نکلے۔ اور راستے میں اپنے محسن وزیر نندراج سے مشورہ حاصل کیا۔

محاصرۂ سرنگاپٹم

حیدرعلی کی فوج جب سرنگاپٹم پہنچی تو حیدرعلی نے حکم دیا۔ کہ محل پر گولہ باری کیجائے۔ اور ساتھ ہی کھنڈے راؤ کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ راجہ اور رانیوں نے بہت کچھ حیلے حوالے کئے۔ مگر آخر کار اس شرط پر کھنڈے راؤ کو حوالے کردیا کہ اس کی جان بخشی جائے۔ اور اسکے ساتھ اچھا سلوک ہو۔

حیدرعلی کا طوطا

حیدرعلی نے اپنا اقرار قایم رکھتے ہوئے کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے پنجرے میں بند کردیا۔ اور دودھ، چاول اسکی غذا مقرر کردی۔ کل مورخین کا اتفاق ہے کہ حیدرعلی نے کھنڈے راؤ کو اس کی موت تک اسی طرح رکھا۔ اور اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ میرا طوطا ہے۔ جو پال رہا ہوں۔

محل پر قبضہ

دوسرے دن حیدرعلی نے راجہ کی نذر کیلئے چند تحائف بھیجے اور باریابی کی اجازت چاہی۔ اور بعد اجازت چند منتخب سردار و سپاہ کو لیکر محل میں گئے۔ دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ راجہ سے مطالبہ کیا گیا کہ انتظام ریاست حیدرعلی کو تفویض کردے۔

حیدرعلی فرمانروائے میسور

راجہ کے مصارف کیلئے تین لاکھ کی جاگیر علیحدہ کرکے حیدرعلی نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں

طمنچے، چھڑی، کٹاری، بھالے، برچھی کی بوچھاریں چلتی تھیں۔ اور لہو کی پھواریں اڑتی تھیں۔ ایک لمحے میں خون کی ندیاں اور نالے بہنے لگے۔ اور ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، گاؤ، بچھڑے ایسے مانند اس میں نظر آتے۔ فیلوں کے سر حباب کے مانند تیرتے پھرتے تھے۔ اور کشتیوں کے مانند لاشیں موجوں کے مارے بہہ بہہ کر کنارے لگتے تھے۔ آخر کار نواب رستم شوکت اسفند یار صولت نے راجہ میسور کے لشکر کو ہزیمت فاش دی۔" (حملات حیدری)

جب اس شکست فاش کی خبر سرنگاپٹم پہنچی تو محل میں ایک کہرام مچ گیا۔ اور ایساجی سپہ سالار مرہٹہ سے آئندہ تدابیر کے متعلق رائے لی گئی۔

سابق وزیر نندراج کا خط

نندراج کو جس وقت اپنی جاگیر پر حیدرعلی کا حال معلوم ہوا۔ تو اس نے ایساجی سپہ سالار افواج مرہٹہ کو ایک خط لکھا۔ جس میں کھنڈے راؤ کی سازشوں کا پورا پورا حال درج تھا۔ کہ کس طرح اس نے خود اس کو (نندراج کو) سازش کر کے نکالا تھا۔ اور ایساجی کو آگاہ کیا کہ وہ کھنڈے راؤ کے فریب میں نہ آئے۔

مرہٹوں کی واپسی

اس خط کے دیکھتے ہی ایساجی نے حیدرعلی کو لکھا کہ اگر حیدرعلی اخراجات جنگ ادا کردیں تو مرہٹی فوج واپس ہو جائیگی۔ حیدرعلی نے روپیہ کے عوض بارا محل کا علاقہ انہیں لکھکر دیدیا۔ مرہٹی فوج بارا محل پر قبضہ کرنے کیلئے سرنگاپٹم کو اس کی حالت پر چھوڑ کر چلی گئی۔

حیدرعلی کی سرنگاپٹم پر چڑھائی ۱۷۶۱ء

حیدرعلی کو اب سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ سرنگاپٹم پر قبضہ کرلیں۔ ابھی حیدرعلی اس تجویز ہی میں تھے کہ

پنجرے میں بند کرکے دودھ اور چاول دیکر اپنے اقرار کو لفظ بلفظ پورا کیا۔"

بورنگ اپنی تاریخ حیدر علی میں لکھتا ہے :-

" دغا باز کھنڈے راؤ جو صرف حیدر علی کی عنایت سے وزیر بنا تھا حیدر علی کے مقابلہ پر آمادہ ہو بیٹھا۔ اس نے حیدر علی کو بہت تکلیف دی۔ لیکن حیدر علی نے اس پر فتح پائی۔ پھر حیدر علی نے اس دغا بازی کا انتقام لینے کیلئے سرنگا پٹم پر لشکر کشی کی۔ اور راجہ کے مصارف کا انتظام کرکے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ لی۔ رانیوں کی سفارش پر کھنڈے راؤ کی جان بخشی کرکے اس کو لوہے کے پنجرے میں رکھا گیا۔ اور تمام عمر اسکو دودھ اور چاول کھلائے گئے۔"

حیدر علی نے جن حالات اور واقعات سے مجبور ہو کر میسور پر قبضہ کیا اور انگریز مورخین نے اسکے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود چند متعصب مورخین انہیں راجہ کا نمک حرام ملازم اور غاصب سلطنت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ الزام کسی طرح بھی جائز اور درست نہیں۔

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ حیدر علی نے تاج و تخت کیلئے راجہ کے خلاف قطعاً کوئی سازش نہیں کی۔ بلکہ سازش کی ابتدا خود راجہ سے ہوئی جب مرہٹوں کی مدد سے اس وفادار سپہ سالار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کردینا چاہتا تھا۔ حیدر علی کو اس سازش کا علم اس وقت ہوا جب مرہٹے عین سر پر آپہنچے۔ حیدر علی بمشکل تمام جان بچاکر بنگلور کو فرار ہوئے۔ اور آخرکار مدافعت میں جنگ لڑی۔ فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ اور وہ کامیاب و بامراد ہوئے۔ اب اگر اس موت و حیات کی بازی کھیل چکنے کے بعد حیدر علی سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو آخر ان کیلئے اور چارۂ کار ہی کیا تھا۔ راجہ اور اس کے وزراء

لی. اور اعلان کر دیا کہ وہ آج سے حکمران میسور ہیں۔

حیدر علی کے غاصب سلطنت ہونے کی تردید

مذکورہ الصدر واقعات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حیدر علی کن حالات کی تحت میں اور کن مجبوریوں کی وجہ سے تخت میسور پر قابض ہوئے۔ اور اس واقعہ کے متعلق خاص انگریزی مورخین کی آراء درج کی جاتی ہیں۔ کہ جو کچھ بھی شکوک ہوں وہ رفع ہو جائیں۔

تاریخ رولرس آف انڈیا میں صفحہ ۱۹۳ پر مورخ جی ڈی اسول لکھتا ہے :-

"رانی اور کھنڈے راؤ نے (جو حیدر علی کا گزار تھا) مرہٹوں سے سازش کی۔ اور حیدر علی اپنی جان بچاکر بنگلور بھاگا۔ اس کا فرار ہونا بھی نہایت حیرت انگیز اور تاریخی یادگار ہے۔ کہ صرف بیس گھنٹوں کے اندر تن تنہا بنگلور پہونچا ہے۔ حیدر علی کی فطرتی چالاکیوں نے بہت جلد فوجوں کو مجتمع کر لیا۔ اور ایک خونریز جنگ میں اسکے دشمن کھنڈے راؤ کو شکست ہوئی۔ حیدر علی کی فوجیں نہایت سرعت کے ساتھ سرنگا پٹم پہونچ گئیں۔ جہاں حیدر علی نے محل پر قبضہ کر لیا۔ رانیوں کی سفارش پر اس نے وعدہ کیا کہ کھنڈے راؤ کو بطور ایک طوطے کے پالیگا۔ چنانچہ کھنڈے راؤ کو اسکی موت تک ایک لوہے کے پنجرے میں بند رکھ کے دودھ اور چاول دیتا رہا۔"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۹۹ پر لکھتا ہے :-

"۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے سرنگاپٹم پر قبضہ کر کے کھنڈے راؤ کو قید کر لیا مگر اقرار کیا کہ اس کو ایک طوطے کی طرح پالیگا۔ کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے

کے ماتحت تھا۔ لیکن اسکے باوجود اس نے اپنے راجہ کی ہمیشہ عزت کی۔ باوجودیکہ راجۂ میسور تینتیس ۳۳ گاؤں کا مالک تھا۔ اور حیدر علی کے زیر نگین اسّی ہزار میل مربع ملک تھا۔ لیکن وہ راجۂ میسور کو اپنا آقا سمجھتا تھا۔ اور اسکی ہر ممکن خدمت کیلئے ہر وقت کمربستہ رہتا تھا۔ اس لئے کئی بار میسور کو تباہی سے بچایا۔ لیکن جب راجہ کے غدار وزیروں نے راجہ کو بالکل مفلوج کر دیا اور خود وفادار حیدر علی کے خلاف سازشیں کرنے لگے تو اس نے مجبور ہو کر جاگیر میسور کی زمام خود اپنے ہاتھ میں لیلی۔ اور راجہ کو ایک باجگزار والئ ریاست کی حیثیت سے اپنی نگرانی میں رکھا۔ حیدر علی کیلئے آسان تھا کہ وہ اسی طرح جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ارکاٹ، اودھ، ناگپور، اور ستارہ کے شاہی خاندانوں کو بے نشان کر دیا۔ میسور کے شاہی خاندان کو جلا وطن کر دیتا۔ لیکن نہیں۔ بدنام حیدر علی نے راجۂ میسور کے اعزاز و مناسب کو بدستور قایم رکھا۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس نہایت شان و شوکت کے ساتھ نکلتا تھا۔ اور اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا۔ اس میں حیدر علی اور اس کے لڑکے ٹیپو سلطان کی جانب سے راجہ کی خدمت میں نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ کیا اسکے بعد بھی حیدر علی کو غدار اور نمک حرام کہا جا سکتا ہے؟!

حیدر علی نے ۱۷۶۳ء میں صوبہ سرا کے انتظام سے فارغ ہو کر بالاپور خورد اور نندی گڑھ کی طرف توجہ کی۔ بالاپور کا پالیگار پنگنڈہ کے راجہ مراری راؤ سے طالب امداد ہوا۔ میدان نندی میں ان دونوں متحدہ فوجوں کا حیدر علی کی فوج سے مقابلہ ہوا جس میں مراری راؤ پنگنڈہ کی طرف فرار ہوا۔ حیدری فوج اس کے تعاقب میں نکلی۔ پہلی لڑائی گوری بندہ پہ

پر انہیں کوئی اعتماد نہ رہا تھا۔

صرف یہی نہیں بلکہ جب مغلیہ شہنشاہ ہند کی طرف سے حیدر علی کو سرا کی صوبیداری تفویض کردیگئی تو انکا راجۂ میسور سے بحیثیت ملازم کوئی واسطہ نہ رہا تھا۔ بلکہ اب راجۂ میسور ان کا ماتحت ہوچکا تھا ریاست میسور سلطنت مغلیہ کی باجگذار تھی۔ اور اس لئے یہاں کا راجہ صوبہ دار سرا کے تابع فرمان ہوتا تھا۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر نواب حیدر علی کو کیونکر غاصب سلطنت کہا جا سکتا ہے؟

مشہور ہندو مصنفہ سیتا دیوی اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں:۔

"حیدر علی پر سب سے پہلا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کرکے اس کا ملک چھین لیا۔ اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اگر تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ الزام بالکل غلط نظر آئیگا۔ حیدر علی کے عروج سے پہلے میسور ایک بہت ہی معمولی ریاست تھی۔ جس میں صرف ۳۳ گاؤں تھے۔ یہاں کے راجہ پہلے بیجاپور کے مسلمان بادشاہوں کے باجگذار تھے۔ اس کے بعد ۱۶۸۷ء میں یہ شہنشاہ اورنگ زیب کے باجگذار ہو گئے۔ چند سال بعد اورنگ زیب نے میسور کے راجہ چک وڈیر کو جگدیو کا خطاب دیکر نوبت اور نقارہ رکھنے کی اجازت دیدی۔ میسور کی جاگیر سرا کے مغل گورنر کے ماتحت تھی۔ حیدر علی راجۂ میسور کی ملازمت میں سپہ سالاری کے عہدہ تک پہنچا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد مغل شہنشاہ ہند نے حیدر علی کو سرا کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور اسے شاہانہ مراتب اور نقارہ و نشان معہ خطاب نوابی دربار مغلیہ سے عطا ہوئے۔ اس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حیدر علی اب راجۂ میسور کے ماتحت نہ رہا تھا۔ بلکہ راجۂ میسور اس

بالاپور اور چنگنڈہ کی فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی سیرا میں مقیم تھے۔ کہ ایک نوجوان حضوری میں آکر طالب داد ہوا۔ کہنے لگا کہ میں راجہ بدنور کا متبنیٰ ہوں۔ راجہ کے مرنے پر رانی نے ایک برہمن وزیر سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے ہیں۔ اور دونوں نے مجھ کو میرے جائز حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اور خود حکمران بنگئے ہیں۔ رات دن سوائے عیش و عشرت کے انہیں اور کوئی کام نہیں۔ رعایا بددل ہو گئی ہے۔ اور ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے رانی کو ان باتوں پر ہر چند توجہ دلائی۔ مگر بے سود۔ رانی اور دیوان نے سازش کر کے رات کے وقت میرے مار ڈالنے کیلئے چند آدمیوں کو مقرر کیا۔ اور وہ میرا گلا گھونٹ کر مجھ کو ایک مندر میں دفن کر گئے۔ لیکن میری زندگی ابھی باقی تھی۔ مندر کے ایک جوگی نے مٹی ہٹا کر مجھے باہر نکالا۔ اور میرا علاج کیا۔ اور مجھے نصیحت کی کہ بھیس بدلکر نکل جاؤں۔ اب میں آپکے پاس آیا ہوں اور انصاف چاہتا ہوں کہ راجہ کی جگہ مجھے دلائی جائے۔ جس کے عوض میں ہمیشہ خراج ادا کرتا رہونگا۔ نواب حیدر علی تمام حالات راستہ وغیرہ دریافت کر کے اپنی فوجوں کو لیکر بدنور کی طرف بڑھے۔ راستے میں کہیں مزاحمت نہیں ہوئی۔ کیونکہ تمام لوگ اس نوجوان سے جس کا نام مہابدی تھا۔ واقف تھے۔ اور حیدری افواج نے بھی اس صورت سے سفر طے کیا کہ جبتک وہ بدنور نہ پہونچ گئیں۔ رانی پر حال نہ کھلا۔ قلعہ کے باہر پہونچکر نواب حیدر علی نے رانی کو طلب کیا۔ مگر اس نے آنے سے انکار کی۔ لہٰذا حیدری فوج نے چڑھائی کر دی۔ آخر سخت جنگ کے بعد رانی گرفتار ہو کر حیدر علی کے سامنے لائی گئی۔ رانی سے قول و قرار کر کے مہابدی کو تخت نشین کیا گیا۔ اور رانی رہا کر دی گئی۔ اسکے صلہ میں بندرگاہ منگلور معہ مضافات نواب حیدر علی کو دیا گیا۔ چنانچہ نواب منگلور پر قبضہ کرنے کیلئے آگے بڑھے۔

حیدر علی کے خلاف سازش

نواب حیدر علی کیلئے منگلور سے واپسی کا راستہ بدنور ہی

ہوئی۔ جس میں راجہ کو ہزیمت ہوئی۔ دوسری لڑائی بنگندہ پر ہوئی۔ جس کا محاصرہ ایک مہینہ تک قایم رہا۔ آخر راجہ نے اپنے آپ کو حیدرعلی کے سپرد کر دیا۔

فتح نندی

نواب حیدرعلی خاں نے میرعلی رضا خان کے ماتحت ایک دستۂ فوج نندی پر روانہ کیا۔ جہاں بعد محاصرہ کے حیدری افواج غالب آئیں راجا اور اس کے متعلقات کو اسیر کر کے بنگلور روانہ کیا گیا۔ جن میں راجہ کے دو لڑکے مسلمان ہو گئے۔ علاقہ نندی پر بدرالزماں خاں کو جو اہل نوائط سے اور ملازمت حیدری میں داخل تھا، بطور قلعہ دار مامور کیا گیا۔

فتح بدنور۔ بدنور کے حالات

بدنور۔ میسور کے شمال میں مغربی سرحد پر ہے جو بمبئی میں ضلع کیانرا کے قریب ایک زرخیز و مستحکم ہندو ریاست تھی۔ جس کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ بھی مشہور تھا کہ ۱۵۶۴ء میں سلطنت وجیانگر کے زوال پر وہاں کا خزانہ بدنور کو لایا گیا۔ بدنور کے مال و دولت کی داستانیں ابھی تک لوگوں کی زبان پر ہیں تمام ملک کو ہستانی ہے۔ جس میں قیمتی لکڑی کے گھنے جنگل اور دشوار گذار پہاڑیاں ہیں۔ سوائے ایک تنگ راستہ کے جس پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے قلعے محافظت کیلئے تھے۔ اور کوئی راستہ بدنور تک پہونچنے کا نہیں تھا۔ اور یہ قلعے تقریباً آٹھ میل عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ پایہ تخت اس قدر خوبصورت تھا۔ کہ اکثر شعراء نے اسکی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ شہر میں اس وقت نصف لاکھ (۵۰۰۰۰) کی آبادی تھی۔ لیکن شہر بہت وسیع و فراخ تھا۔ ہر مکان کے ساتھ ایک وسیع باغ موجود تھا۔ شاہراہوں پر دو رویہ درخت لگے ہوئے تھے۔ اور میٹھے پانی کی نہریں بہتی تھیں۔ کوچوں میں سنگریزوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

جدید تعمیرات کی بنیاد ڈالی

ٹکسال اور سکہ

نواب حیدر علی نے اس خداداد فتح پر مسرور ہو کر بدنور میں ٹکسال قایم کی۔ اور اپنے نام کا سکہ ضرب کرایا۔

حیدر علی اور پرتگیز

بدنور کے چند علاقوں پر پرتگیزی گوا سے نکل کر قابض ہوگئے تھے۔ نواب حیدر علی نے گوا پر چڑھائی کی۔ اور قلعۂ راما تک پہونچ گئے۔ لیکن اس کے بعد صلح ہوگئی۔ جس کی رو سے پرتگیزوں نے تمام علاقہ کا روار نواب حیدر علی کے سپرد کر دیا۔

واقعاتِ ملیبار

ملیبار ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر ایک زرخیز خطہ ہے جو کرالا (چیرالا) بھی کہلاتا ہے۔ اس ملک میں آغاز اسلام ہی سے بغرض تجارت عربوں کی آمد و رفت رہی ہے۔ ان تاجروں کی بدولت بہت سے خاندان مسلمان ہوگئے۔ اور ماپلہ کہلانے لگے۔ بلکہ چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی مسلمان ہوگئیں تھیں جن کا ذکر مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کی شہرت فتح بدنور کی وجہ سے دُور دُور پھیل گئی۔ تو ملیبار کے مسلمان جو اپنے ہمسایوں کی روز روز کی لڑائیوں سے سخت تنگ آگئے تھے۔ نواب حیدر علی سے طالب امداد ہوئے۔ اور اسکے ساتھ ہی کنانور میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ وہاں کے نائر راجہ کی لڑکی ایک مسلمان رئیس زادہ پر جس کا نام علی تھا۔ عاشق ہوگئی۔ اور جب اس عشق کا حال کھلا تو راجہ کنانور نے باوجود اپنی قوم کی مخالفت کے اپنی بیٹی کی شادی علی سے کر دی۔ اور اس کو وارث تخت و تاج بنایا۔ اس وجہ سے قوم نائر اس قدر برافروختہ ہوئی کہ مسلمانوں پر زندگی حرام ہوگئی۔ علی راجہ کی جانب سے بھی حیدر علی کو ایک عرضی موصول ہوئی۔ نواب حیدر علی کو معلوم تھا کہ ماپلہ قوم جہاز رانی میں نہایت مشتاق

سے تھا۔ حیدر علی جب بدنور گئے۔ تو رانی نے مہابدی کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ اور کہا کہ ایک ہندو ریاست کو تباہ کرنے کیلئے تو ایک مسلمان کو لایا ہے۔ جو ضرور واپسی پر تجھ کو تخت و تاج سے محروم کر کے بدنور پر قابض ہو جائیگا۔ اس سے بہتر ہے کہ جب وہ واپس ہو تو اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ حیدر علی جس مقام پر پہلے مقیم ہوئے تھے۔ اسی جگہ سرنگیں بچھا کر بارود بھر دی گئی۔ اور زمین کے اندر ہی اندر ایک مندر کی طرف راستہ نکالا گیا۔ تجویز یہ تھی کہ حیدر علی جب یہاں آ کر ٹھہریں تو مندر کے راستہ سے سرنگوں میں آگ لگا دیجائے۔

بدنور پر قبضہ

نواب حیدر علی منگلور پر قبضہ کر کے واپس ہوئے۔ اور بوقت داخلہٴ بدنور ایک برہمن نے جو سازش کے راز سے آگاہ تھا۔ نواب حیدر علی کو اس سے خبردار کر دیا۔ نواب حیدر علی نے بغرض تحقیق اس مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور کھدوا کر دیکھا تو سازش کا پورا حال کھل گیا۔ لہٰذا رانی اور اس کے آشنا برہمن دیوان کو قتل کر دیا گیا۔ مہابدی گرفتار ہو گیا۔ اور ملک پر نواب کا قبضہ ہو گیا۔ نواب حیدر علی کو اس قدر خزانہ ملا کہ جس کا اندازہ بارہ کروڑ روپیہ کیا جاتا ہے۔

بورنگ اپنی تاریخ حیدری میں لکھتا ہے :۔

"اس فتح کی خوشی میں نواب نے اپنی تمام سپاہ و نیز باہر کے قلعداروں کو ڈیڑھ ڈیڑھ سال کی تنخواہ بطور انعام تقسیم کی۔ اور تخت بدنور پر بحیثیت بادشاہ کے اجلاس جلوہ فرما ہوا۔"

دوسرے انگریزی مورخین لکھتے ہیں :۔ کہ حیدر علیخاں کو یہ خداداد فتح ایسی حاصل ہوئی کہ اس نے حیدر علی خاں کو دفعتہً کرسی سے تخت پر بٹھا دیا۔ تخت نشین ہو کر نواب نے بدنور کا نام اپنے نام پر حیدر نگر رکھا۔ اور اس کو پائے تخت بنانے کے خیال سے

ملیبار پر فوج کشی

سفارت کا بیان سنکر نواب حیدر علی بیس ہزار سوار فوج لیکر ملیبار کیطرف بڑھے۔ کنانور کے قریب علی راجہ نے استقبال کیا۔ اور نواب کے رکاب کو بوسہ دیا۔ نواب نے اسکی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ کنانور کے قریب ندی کے کنارے ناٹروں کی فوج جمع تھی۔ دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی جس میں حیدری افواج غالب آئیں۔ ناٹر پسپا ہو کر پیچھے ہٹے۔ اور حیدری افواج تسخیر کالی کٹ کے خیال سے آگے بڑھیں۔

تسخیر کالی کٹ

نواب حیدر علی کی فوج جب کالیکٹ کے قریب پہنچی تو وہاں کے راجہ زامرن نے شہر سے باہر نکلکر آپ کا استقبال کیا اور نہایت قیمتی تحائف پیش کئے۔ اس طرح کالیکٹ بغیر کسی لڑائی کے نواب کے قبضہ میں آگیا۔ نواب قلعہ میں فروکش تھے۔ کہ زامرن اپنے محل کو واپس گیا۔ وہاں اس کے لوگوں نے اس کو سخت غیرت دلائی جس کے باعث اس نے محل کو آگ لگادی اور جلکر مر گیا۔

(نوٹ:۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ راجہ کی کارروائی سے برافروختہ ہو کر اس کے رشتہ داروں نے آگ لگادی تھی)

ناٹروں سے دوسری لڑائی

ناٹروں کو اپنی پہلی شکست کا بہت غصہ تھا۔ اور اب جو راجہ کے مرنے کی خبر پھیلی۔ تو انہوں نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ کالی کٹ پر حملہ کیا۔ مگر معمولی مقابلے کے بعد بھاگ نکلے۔ نواب حیدر علی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعہ پونانی پر حملہ کیا۔ تسخیر کالی کٹ کے بعد کوچین کی طرف بڑھے۔ راجہ کوچین نے بھی اطاعت قبول کرلی۔

نواب کی دور اندیشی

چونکہ بارشوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا۔ اور ملیبار میں کثرت

ہے۔ اس لئے علی راجہ کی مدد سے نواب کو ایک بحری طاقت رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ نواب نے فوراً ماپلاؤں کی سفارت کو شرف باریابی بخشا۔ اور علی راجہ کو اپنا امیر البحر مقرر کر دیا۔ اس اعلان کا نتیجہ ملیبار پر اچھا پڑا۔ جس کی وجہ سے ناشر خود بخود سیدھے ہو گئے۔

علی راجہ کے فتوحات

علی راجہ اب کنارا کا مستقل حکمران بنگیا۔ اور امیر البحر سلطنت حیدری ہو کر ایک زبردست جنگی جہازوں کا بیڑا تیار کر کے ساحل ملیبار کے ان جزائر پر حملہ آور ہوا۔ جو اب تک اسلامی فاتحین کے حملوں سے بچے ہوئے تھے اور اسلام کا پرتو بھی ان پر نہ پڑا تھا۔ یہاں کے لوگ سواحل ملیبار پر آ کر ماپلاؤں پر ظلم کرتے تھے۔ علی راجہ نے ان جزیروں پر حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کی دونوں آنکھیں نکلوا ڈالیں۔

ساحل ملیبار کے جزائر پر پرچم اسلام

راجہ کے گرفتار ہوتے ہی تمام جزائر پر علی راجہ کا قبضہ ہو گیا اور اس نے ہر جگہ حیدری علم نصب کر دیا۔ امیر البحر علی جب راجہ کو لیکر منگلور پہنچا۔ تو نواب حیدر علی خان کو راجہ کی بدنما معلوم ہوئی۔ حیدر علی نے راجہ سے معافی مانگی اور ایک معقول جاگیر اسکے ضروری مصارف کیلئے مقرر کر دی۔ اور علی راجہ سے منصب امیر البحر واپس لے لیا گیا۔

ملیبار میں ماپلاؤں پر ظلم

ماپلاؤں نے صرف دو یا تین مہینے آرام و اطمینان کی زندگی بسر کی تھی۔ کہ علی راجہ کی معزولی کی خبر ملیبار میں آگ کی طرح پھیل گئی ناشروں نے سمجھا کہ نواب حیدر علی ماپلاؤں سے دست کش ہو گئے ہیں۔ لہٰذا قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ ماپلاؤں کی ایک زبردست سفارت منگلور پہنچی جہاں حیدر علی مقیم تھے

نواب کی ملازمت میں تھا) کے ماتحت ایک حصہ فوج کا تھا۔ نواب کے فرانسیسی ملازموں کی فوج بطور محفوظ پیچھے رکھی گئی۔ سب سے پہلے داہنی طرف کی فوج نے حملہ کیا۔ اور یہ انگریز افسر خندق تک جا پہنچا۔ گولیاں چل رہی تھیں۔ مگر معلوم نہیں ہوتا تھا کہ لکڑیوں کی دیوار کے پیچھے نائروں کا کیا نقصان ہو رہا تھا۔ ادھر حیدری سپاہ کثرت سے گر رہی تھی۔ پھر بائیں طرف کی فوج بڑھی تو اس کا بھی یہی حال ہوا۔ یہ حال دیکھ کر نواب کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ مگر خندق کو عبور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محفوظ فوج کے فرانسیسی افسر نے نواب سے عرض کی کہ اگر مجھ کو حکم ہو تو آگے بڑھوں۔ نواب نے حکم دیدیا۔ یہ فوج آگے بڑھی اور باوجود گولیوں کی متواتر بارش ہونے کے خندق میں داخل ہو گئی۔ اور اس کو عبور کر کے لکڑیوں کے حصار پر پہنچی۔ تختے توڑ ڈالے گئے۔ اور نائروں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ یہ فوج کچھ اس بے جگری سے لڑی کہ ہزاروں نائر قتل ہو گئے۔ مورچہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور شہر کو آگ لگا دی گئی۔ یہ حالت دیکھ کر بقیۃ السیف نائر بھاگ نکلے۔ قدردان نواب نے فرانسیسی افسر کو ایک دم دس ہزار کا سپہ سالار اور افسر توپ خانہ بنا دیا۔ اس فتح سے نواب کی ہیبت ملک پر چاروں طرف چھا گئی۔ اور نائر اپنے اپنے دیہات خالی کر کے بھاگ نکلے۔ نواب نے اعلانِ امن کرتے ہوئے برہمنوں کو روانہ کیا کہ لوگوں کو اپنے اپنے گھروں پر واپس لائیں۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ جس پر نواب نے دوسرا اعلان جاری فرمایا۔

نواب کا اعلان

(۱) نائروں کا درجہ برہمنوں کے بعد تھا۔ لیکن وہ آئندہ اور کم درجہ میں گنے جائیں۔

(۲) نیچ اقوام نائروں کے جلوس میں دوڑتی تھیں۔ یہ رسم موقوف کی گئی۔

(۳) پہلے صرف نائر ہتھیار باندھتے تھے۔ آئندہ نیچ اقوام بھی ہتھیار باندھیں۔

سے بارش ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت نواب حیدر علی نے یہی مناسب سمجھا کہ بارش کا موسم ختم ہونے تک ملیبار سے باہر رہیں۔ یہ سوچکر کوئمتور کی طرف کوچ کیا کہ فوج کو آرام ملے اور ملیبار کے نزدیک بھی رہیں۔

نواب حیدر علی کے مراجعت کرنے کے بعد نائروں نے موسم بارش سے فائدہ اٹھا کر از سر نو ماپلاؤں پر ظلم و ستم کرنا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ ان کی حمایت پر راجہ ٹراونکور اور دوسرے سرداران ملک بھی تھے تمام نائروں نے مجتمع ہو کر شہر کالی کٹ اور قلعہ پونانی کا محاصرہ کر لیا۔ نواب کے متعدد عامل مار ڈالے گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اس موسم برسات میں حیدر علی ادھر آنے کی جرأت نہ کرینگے۔ نواب حیدر علی کی افواج مقیم کالی کٹ اور پونانی سے قاصد خفیہ طور پر کوئمتور پہنچے۔ اور دوسری جانب یہی خبر میر علی رضا خان کو جو مدگری میں مقیم تھے۔ پہنچی۔ وہ فوراً اپنی فوج کو لیکر مدافعت کالی کٹ کیلئے پہونچ گئے۔ دوسری طرف سے نواب حیدر علی اپنے پندرہ ہزار سوار اور پیادہ فوج لیکر جس میں فرانسیسی اور پرتگیزی سپاہی بھی تھے ایک آندھی کی طرح ملیبار کے طوفانی موسم برسات میں ندی نالوں اور پہاڑ کو عبور کرتے ہوئے پونانی کے قریب پہنچے۔ سواروں کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر زین نہ رکھیں پیادوں کو موم جامے اور چھتریاں دی گئیں تھیں۔ نواب حیدر علی بھی فوج کے ساتھ بغیر کسی خدم و حشم اور عنان و شوکت کے ایک معمولی سپاہی کی طرح ساتھ تھے۔

جنگ پونانی

نائروں کی فوج ایک بہت چوڑی اور گہری خندق میں مورچہ بند تھی۔ گولیاں چلانے کیلئے لکڑیوں کا ہالہ (دیوار) بنا ہوا تھا۔ اور ایک اونچے ٹیلے پر توپ خانہ نصب تھا۔ نواب حیدر علی نے مقام کی مضبوطی کو دیکھکر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ داہنے طرف پرتگیز افسر تھا۔ بائیں جانب ایک انگریز افسر جو

لڑتے ہوئے افغانی فوج کو حیدری فوج کی کمینگاہ تک لے آئیں. پنڈاری فوج لڑتی ہوئی بظاہر مغلوب ہو کر پیچھے ہٹی ۔ افغان تعاقب میں بڑھے ۔ جہاں حیدر علی کی فوجوں نے انہیں نہایت آسانی کے ساتھ کاٹ کر رکھدیا ۔ نواب عبدالحکیم خاں والی شاہنور نے اس خبر کو سنتے ہی فرار ہو کر قلعہ شاہنور میں پناہ لی ۔ جس کا حیدری افواج نے محاصرہ کرلیا ۔ جب نواب عبدالحکیم خاں کو معلوم ہو گیا کہ نواب حیدر علی کسی طرح ٹلنے والے نہیں ہیں تو طالب صلح ہوا ۔ اور ایک کروڑ روپیہ دینا منظور کر کے مضافات شاہنور کے چند قلعوں پر بھی حیدر علی کو قبضہ دیدیا ۔ یہاں کا انتظام کرنے کے بعد حیدر علی نے اطراف و جوانب کے پالیگاروں اور راجاؤں پر فوجیں بھیجیں ۔ چنانچہ مرزا حسین علی بیگ نے بسواری درگ فتح کر لیا ۔ وہاں کے راجہ نے نواب حیدر علی کی خدمت میں یاقوت و مروارید اور جڑاؤ زیورات سے بھرے ہوئے بیس صندوق بطور پیش کش روانہ کئے ۔

مادھو راؤ پیشوائے پونا کی لشکر کشی میسور پر ۱۱۷۵ھ

واقعات ۱۱۷۱ھ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب حیدر علی نے مرہٹی سپہ سالار ایساجی کو بارہ محل کا علاقہ تفویض کر دیا تھا ۔ جب ایساجی بارہ محل پہنچا تو حیدری قلعہ داروں نے قلعہ جات حوالے کرنے سے انکار کر دیا ایساجی ابھی کچھ کارروائی کرنے نہ پایا تھا کہ پانی پت میں مرہٹوں کے شکست کی خبر پہنچی ایساجی پونا واپس ہو گیا بالاجی باجی راؤ کے مرنے پر مادھو راؤ پیشوا ہوا ۔ اور اس نے از سر نو مرہٹی سلطنت کی تنظیم شروع کر دی ۔ اس وقت جب حیدر علی بدنور ، ملیبار ، شاہنور پر قابض ہو گئے ۔ تو پیشوا کو ایک نئی طاقت کا ابھرنا نہایت شاق گذرا ۔ مادھو راؤ خود اپنی کمان میں ایک لاکھ سوار ، ساٹھ ہزار پیادے پچاس ہزار تیرانداز اور ایک بڑا توپ خانہ لیکر علاقہ میسور پر بڑھا ۔ اس قدر فوج کے

(۴) جو نائر مسلمان ہوگا۔ اسکے خاندان پر تمام حقوق قدیمہ بحال و برقرار رہیں۔

(۵) جو شخص بھی مشرف بہ اسلام ہو۔ اس کو وہی حقوق حاصل ہوں جو نو مسلم نائروں کو دئے جاتے ہیں۔

اعلان کا اثر

نواب حیدر علی کے اعلان کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

مرہٹوں کی لشکرکشی ۱۷۶۳ء

بدنور والوں نے جب دیکھا کہ نواب حیدر علی ملیبار میں مصروف ہیں تو انہوں نے مرہٹوں سے درخواست کی کہ اس ہندو مملکت کو نواب کے قبضہ سے چھڑا لئے۔ اس درخواست پر مرہٹوں کا ایک لشکر بدنور پر حملہ آور ہوا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوئی تو وہ میر علی رضا خاں کو ملیبار کا انتظام سپرد کرکے بدنور روانہ ہوئے۔ بدنور نواب کو جملہ شہروں سے عزیز تھا۔ نواب کے پہنچنے تک مرہٹوں نے بدنور پر قبضہ کرلیا تھا۔ مگر بارش کا موسم شروع ہوجانے سے وہ خود بخود واپس چلے گئے۔

چتلدرگ پر فوج کشی ۱۷۶۴ء

مرہٹوں کی واپسی کے بعد نواب حیدر علی نے علاقہ جات چتلدرگ پر فوج کشی کی۔ مضافات چتلدرگ پر قبضہ ہوگیا۔ مگر غرض قلعہ چتلدرگ باوجود پانچ مہینے محصور رہنے کے فتح نہ ہوسکا۔ اس لئے نواب نے محاصرہ اٹھالیا۔

شاہنور پر چڑھائی

جس وقت مرہٹوں نے بدنور پر چڑھائی کی تھی۔ تو نواب شاہنور نے اپنی افغانی فوج مرہٹوں کی کمک کے لئے روانہ کی تھی۔ اس کا انتقام لینے کیلئے نواب حیدر علی نے ایک دستہ فوج کو بہ ہیبت جنگ کے ماتحت روانہ کیا اور خود بھی فوج لیکر آگے بڑھے۔ پنڈاروں کو مقرر کیا گیا کہ کسی طرح

کو بھی احساس ہوا کہ سرنگاپٹم پر مرہٹوں کا قبضہ ہوتے ہی ان کی سلطنت کا خاتمہ ہے۔ اسوقت لوگ علانیہ کہہ رہے تھے۔ کہ میسور میں مرہٹی سلطنت قایم ہو جائے گی اور مادھوراؤ کی فتوحات ہندو دل میں نہایت فخر و مباہات سے بیان کی جاتی تھیں۔ مادھوراؤ نے چنتامنی کو اپنا صدر مقام مقرر کرکے ایک بھاری توپ خانہ اور پچاس ہزار کی فوج سرنگاپٹم کی طرف روانہ کی۔ نواب حیدر علی بھی اپنی خداداد جسارت سے کام لیکر باگڑی کے جنگل میں مرہٹوں کی ہراولی فوج کا انتظار کرنے لگے۔ جس وقت نصف شب گذری۔ تو اس فوج پر شبخون مارا۔ اور یہ حملہ کچھ اس غضب کا تھا کہ قریب قریب کل مرہٹے کٹ گئے۔ اور جو باقی بچے وہ تمام اسباب و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ دوسری طرف مرہٹی فوج کا ایک چھوٹا دستہ بارہ محل پر پڑھ رہا تھا۔ اس پر بھی حیدری پنڈاروں نے شبخون مار کر اس کو واپسی پر مجبور کر دیا۔ جب مادھوراؤ کو ان دونوں شکستوں کی خبر پہنچی تو اس نے جنتاسنی سے اٹھ کر امباجی درگ میں کیمپ قایم کیا۔

مادھوراؤ سے صلح

ایک جانب تو مادھوراؤ کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی۔ کہ اس طرح شکست کھا کر واپس جائے۔ اور دوسری طرف فوج کی کمی نے اس کو مزید پیش قدمی سے روک دیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نواب حیدر علی نے سات لاکھ روپیہ مادھوراؤ کے پاس بھیجا۔ اور پچاس لاکھ دینے کا وعدہ کیا۔ اور لکھا کہ مرہٹوں کی کثیر فوج نے تمام ملک کو پامال کر دیا ہے باوجود اس کے مجھے جنگ جاری رکھنے سے عار نہیں ہے چونکہ رعیت تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ اس نذرانہ کو قبول کرتے ہوئے واپس ہو جائیں۔ مادھوراؤ نے اس کو ایک خداداد فتح خیال کرتے ہوئے پونا کی طرف واپسی منظور کر لی۔ اسکے بعد نواب حیدر علی نے از سر نو سلطنت کے

علاوہ پنڈاروں کی بے قاعدہ فوج بھی اس کے ساتھ تھی۔ مادھوراؤ کے آتے ہی شاہنور کا نواب عبدالحکیم خاں، اور چیلدرگ کا راجہ اس سے مل گیا۔ مادھوراؤ سرا پر بڑھا۔ یہاں چند دن کی لڑائی کے بعد میر علی رضا خان نے قلعہ حوالے کرکے اس کی نوکری منظور کرلی۔ تسخیر سرا کے بعد مرہٹی فوجوں نے مدگری فتح کرلیا۔ جس وقت یہ خبریں نواب حیدر علی کو پہنچیں تو انہیں فکر ہوئی کہ کس طرح اس زبردست غنیم کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر بجائے ہمت ہار کر بیٹھ جانے کے جو کچھ فوجیں جمع ہوسکتی تھیں، ساتھ لیکر سرنگاپٹم سے بنگلور آئے اور یہاں قلعہ کے استحکام میں مصروف ہوئے۔ سواروں اور پنڈاروں کو حکم دیا کہ صحرائے ماگڑی میں چھپ کر ہمیشہ مرہٹی فوج پر شبخون مارا کریں۔ مادھوراؤ قلعہ ماگڑی کی طرف بڑھا مگر وہاں کے حاکم سردار خاں نے نہایت شجاعت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ چار دن اس لڑائی میں گذرے۔ مگر قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ جس پر چیلدرگ کے راجہ نے پوشیدہ راستوں سے اپنے آدمیوں کو قلعہ پر چڑھا دیا۔ سردار خاں نے دیکھا کہ مرہٹے قلعہ پر قابض ہوچکے ہیں تو اپنے رفقا کے ساتھ صرف تلوار سے لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام سپاہی لڑتے لڑتے مرگئے۔ اور سردار خاں زخمی ہوکر گرفتار ہوگیا۔ اس عرصہ میں اسکی فوج جو جنگل میں چھپی ہوئی تھی کئی شبخون ماری۔ مگر مرہٹوں کی بے شمار فوج میں چند ہزار آدمیوں کے قتل سے کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ماگڑی پر قابض ہوکر مادھوراؤ، بالاپور، کڑپہ، کولار، ملباگل گرم کنڈہ پر قبضہ کرتا ہوا سرنگاپٹم کی طرف بڑھا۔

مرہٹی فتوحات کا اثر

مادھوراؤ کی فتوحات نے ملک پر اس قدر اثر ڈالا کہ تمام پالیگار اور راجہ جو حیدر علی کے زیر اثر تھے۔ حیدر علی سے منحرف ہوگئے۔ اور معلوم بھی ایسا ہوتا تھا کہ سلطنت حیدری اب کوئی دم کی مہمان ہے۔ ادھر حیدر علی کو

لکھتے ہیں کہ ابتدا حیدر علی سے ہوئی۔ اس لیئے کہ انہوں نے حیدر آباد کے علاقہ پر چھاپہ مارا تھا۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ یہاں چند انگریزی تاریخوں ہی سے اس جنگ کے اسباب پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مورخ ذیلاتوسی اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۲۱ پر لکھتا ہے:۔

"فتوحات حیدری سے خوف زدہ ہو کر نظام الملک اور مرہٹوں نے انگریزوں سے اتحاد کیا۔ اور کرنل اسمتھ کے ماتحت یہ متحدہ فوجیں بغیر کسی وجہ کے میسور پر بڑھیں"

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۱۰ پر رقمطراز ہے:۔

"۱۷۶۶ء میں مدراس میں انگریزوں کو معلوم ہوا کہ حیدر علی فرانسیسیوں سے سازش کر رہے ہیں، کہ انگریزوں کو ہند سے نکالدیں۔ انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں سے مدد مانگی۔ اور یہ تینوں فوجیں، جن میں نواب محمد علی والا جاہ کی فوجیں بھی شامل تھیں، میسور پر حملہ آور ہوئیں"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہند صفحہ ۲۹۸ پر لکھتا ہے:۔

"نظام الملک ہمیشہ حیدر علی کا حاسد رہا۔ اس کو حیدر علی سے اس درجہ نفرت تھی۔ کہ وہ اس کو ہمیشہ حیدر علی کو غاصب سلطنت سمجھتا تھا۔ لہٰذا انگریز، مرہٹے اور نظام الملک نے متحد ہو کر حیدر علی پر چڑھائی کی"

تاریخ رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۹۸ پر تحریر ہے:۔

"حیدر علی کے خوف سے نظام الملک انگریزوں سے مل گیا۔ اور ایک مرہٹی سردار کے ساتھ مل کر انہوں نے میسور پر فوج کشی کی"

مذکورہ بالا انگریزی تاریخوں کے حوالہ جات سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس جنگ

انتظام پر توجہ کی۔

راجہ میسور کی وفات
۱۷۶۶ء

۱۷۶۶ء میں راجہ میسور کی وفات ہوگئی۔ اور چونکہ اس کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ لہٰذا حیدر علی نے اسی خاندان کے ایک اور لڑکے کو متبنیٰ بناکر مسندِ راجگی پر بٹھا دیا۔

تاریخ رولرس آف انڈیا کا مصنف لکھتا ہے :-

"اس موقع پر حیدر علی نے خاندان کے تمام لڑکوں کو محل میں جمع کرکے چند کھلونے ان کے آگے ڈال دیئے۔ لڑکے اپنی اپنی پسند کی چیز اٹھانے لگے۔ ایک لڑکے نے تلوار اور لیموں اٹھا لیا۔ حیدر علی نے کہا کہ یہی بچہ راجہ ہونے کے لائق ہے۔ چنانچہ اسی کو راجہ بنایا گیا۔"

انگریزوں سے پہلی جنگ
۱۷۶۷ء تا ۱۷۶۹ء

انگریزی تاریخوں میں یہ جنگ "میسور کی پہلی جنگ" کے نام سے موسوم ہے۔ انگریزوں اور نظام علی خاں نظام الملک کو نواب حیدر علی کی فتوحات خار کی طرح کھٹکتی تھیں۔ مادھو راؤ پیشوائے پونا کے حملوں کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی طاقت بالکل شکستہ اور کمزور ہوگئی ہے اس لئے ان دونوں طاقتوں نے اتحاد کرلیا اور ان کے ساتھ ایک مرہٹی سردار بھی دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مل گیا۔ جو دکن میں ادھر اُدھر چھاپے مارتا پھر رہا تھا۔

انگریزی فوج جس میں زیادہ تر نواب والاجاہ محمد علی کی فوجیں تھیں۔ کرنل اسمتھ کی ماتحت تھیں۔ حیدرآبادی فوجوں کی کمان خود نظام الملک کے ہاتھ میں تھی۔ اور مرہٹی سردار علیحدہ تھا۔ یہ متحدہ فوجیں علاقہ میسور پر بڑھیں۔ بعض انگریزی مورخین

نواب میر نظام علیخاں نظام الملک آصفجاہ ثانی

والاجاہ محمد علی نواب کرناٹک

کی اصل وجہ کیا تھی ۔ اب خاص حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخی کتب ملاحظہ ہوں :-

"چونکہ اس زمانہ میں کمپنی کو حیدرعلیخان کی روزافزوں قوت سے اندیشہ تھا۔ اور وہ آئے دن کرناٹک اور انگریزی کمپنی کے علاقے پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ اس واسطے کمپنی کو یہ لازم تھا کہ اس کا کوئی معقول بندوبست کرتی۔ اور ساتھ ساتھ اس امر کا انتظام بھی ضروری تھا کہ دکن کے ان رئیسوں کو فراہم کرلے جن کے ساتھ متفق ہوکر حیدرعلی خان اپنی قوت میں اضافہ کرسکتے تھے ۔ ان امور پر نظر کرتے ہوئے کمپنی نے بندگان عالی کو حیدرعلی خان کے خلاف کھڑا کردیا"

(نظام علی خان حصہ دوم از سراج الدین طالب صفحہ ۲۴ مطبوعہ حیدرآباد)

توزک آصفیہ میں شاہ تجلی علی لکھتے ہیں :- (صفحہ ۱۷۷)

"بندگان حضرت اگرچہ در تحصیل مقصد آں قوم دنا بود بہانا در استیصال حیدرنایک استیلائے اہل فرنگ مندرج بہ تخریب ملک او آبادی معمورہائے ایں قوم مندرج ست ۔ معہذا بپاس خاطر رکن الدولہ منظور داشتہ دست رد بسینہ ملتمس او نگذاشتہ ۔ چہ مسلمت آنہا بمحاشہ حسن قبول رنگین فرمودند"

سچ تو یہ ہے کہ نظام علی خاں کو ایک اور اسلامی طاقت کا ابھرنا گراں گذر رہا تھا۔ مگر اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ خود حملہ کرتا ۔ دوسری طرف مدراس میں انگریزوں کو خوف ہو چلا تھا کہ کہیں حیدرعلی کی بڑھتی ہوئی طاقت انہیں ہندوستان سے نکال دے۔ سازشیں دونوں جانب شروع ہوئیں۔ اور ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے نظام الملک نے علاقہ شمالی سرکار انگریزوں کے حوالے کردیا ۔ اور اپنی فوج لیکر انگریزوں کے ساتھ علاقہ میسور پر حملہ آور ہوا ۔ محمد علی والاجاہ تو پہلے ہی سے انگریزوں کا بندۂ بے دام تھا ۔ اسلئے مورخین نے اسکے نام کو نظر انداز کردیا ہے۔

بہر طور یہ متحدہ فوجیں علاقہ بالاگھاٹ پر بڑھیں۔ حیدر علی نے بھی تیاریاں شروع کیں۔ حیدری فوج مختلف دستوں پر منقسم ہوئی۔ جس میں ایک پر ٹیپو سلطان کمان کر رہے تھے دوسرے پر محمد علی کمیدان۔ تیسرے دستے پر بخشی ہیبت جنگ۔ چوتھے پر میر علی رضا خاں۔ مقرر ہوئے۔ اور باقی فوج خاص نواب حیدر علی کے ماتحت تھی۔

یہ فوجیں مدافعت کی غرض سے بڑھیں۔ اور انہوں نے متحدہ فوجوں کو رسد نہ ملنے کیلئے ملک کو لوٹ کر فوجوں پر شبخون مارنا شروع کر دیا۔ جس پر انگریزوں نے یہ چال چلی کہ حیدر علی کی توجہ ہٹانے کیلئے علاقہ بمبئی سے ایک فوج ساحل منگلور پر اتار دی۔ کہ بڑھکر بدنور پر قبضہ کرلے نواب کو خبر ہوئی تو انہوں نے ٹیپو سلطان کو اس طرف بھیجدیا۔ اور بعد میں میر علی رضا خاں اور محمد علی کمیدان کو مشرقی محاذ سپرد کرکے خود بھی بدنور کی جانب بڑھے۔

بالاگھاٹ پر اتحادیوں کا قبضہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے چلے جانے سے اتحادیوں کی فوجوں کو پیش قدمی کا کافی موقع مل گیا۔ اور انہوں نے وانمباڑی، ترپاتور، کنگن گڈھ، چکدیں دھرم پوری کولار اور ہوسکوٹہ فتح کرلیا۔ ان فتوحات سے مسرور ہوکر والا جاہ نواب محمد علی نے کولار کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اور مراری راؤ حاکم گتی کو ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام کیلئے اپنے پاس بلا لیا۔ نواب محمد علی والا جاہ کا خیال تھا کہ حیدر علی کے مولد و مسکن پر قبضہ کرنے سے حیدر علی مطیع ہو جائیں گے۔

مغربی محاذ پر لڑائی

ٹیپو سلطان نے جاتے ہی منگلور کا محاصرہ کرلیا۔ مگر فوجوں کی کمی کے باعث کوئی زیادہ کارروائی نہ کرسکے۔ اس عرصہ میں حیدر علی بھی آپہنچے۔ مگر ان کے پاس بھی فوج زیادہ نہ تھی۔ حیدر علی نے آٹھ ہزار چیدہ

تھی جس وقت یہ فوج کیلنگا ڈ پر پہونچی ۔ تو حیدری افواج نے اس پر سختی سے حملہ کیا ۔ کہ انگریز پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے ۔ جنرل اسمتھ کولار کی طرف واپس لوٹ گیا ۔ اور نواب حیدر علی نے زرعی پور میں قیام کیا ۔ اس عرصہ میں انگریزی فوج کیلئے مدراس سے سامان رسد آرہا تھا ۔ حیدر علی کی فوج نے ہرتن پلی کے قریب اس کو بھی لوٹ لیا ۔

مرہٹوں اور نظام کی علیحدگی

اس لوٹ مار اور شبخون کا سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا کہ اتحادیوں کی فوج خصوصاً نظام کی حیدرآبادی اور مرہٹی فوج سخت تنگ آ گئی ۔ جس کی وجہ سے مرہٹی سردار اپنی فوج کو یہاں سے لیکر دوسری جانب چلا گیا ۔ اس کے جاتے ہی حیدرآبادی فوجوں میں دہشت چھا گئی اور وہ سب بھاگنے پر آمادہ ہوئی جنرل اسمتھ نے نظام کو بہت کچھ تسلی دی ۔ مگر تیسرے دن خبر آئی کہ مرہٹی سردار حیدر علی سے سمجھوتہ کر کے پونا چلا گیا ۔ اب تو نظام علی خاں بالکل سرد ہو گئے ، اور کچھ ایسی دہشت غالب ہوئی کہ اپنے امیروں سے واپسی کی صلاح پوچھنے لگے ۔

موسیو مڈلٹ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :-

" نواب نظام علی خاں کے ساتھ گنتی گنانے کو ایک لاکھ سوار و پیادوں کی جمعیت تھی لیکن ان میں شاید دو ہزار بھی اچھے بندوقچی اور جانباز نہ تھے ۔ نظام کے ماتحت سرداروں میں ایک رام چندر مرہٹہ اور تین نواب شاہزادے کڑپہ اور کانور کے بھی شامل تھے ۔ نظام کے کیمپ میں ارباب نشاط یعنے رقاصہ عورتوں کی کوئی کمی نہ تھی ۔ نواب رکن الدولہ دیوان نظام نے حیدر علی سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی ۔ اس صلح نامہ میں طے پایا کہ :-

(۱) نواب محفوظ خاں (برادر کلاں نواب محمد علی والا جاہ) کی بیٹی ٹیپو سلطان سے

بندوقیں تیار کر کے آٹھ ہزار سپاہی نوکر رکھے۔ اور اس نمائشی فوج کو رنگ برنگ کے علم اور نشان دیکر منگلور پر بڑھا دیا گیا۔ جس وقت انگریزی سپہ سالار نے دیکھا۔ کہ بے شمار فوج انکے مقابل آ رہی ہے۔ تو قلعہ چھوڑ کر واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو سواروں کا رسالہ لیکر فوراً قلعہ پر حملہ کر دیا۔ اور ادھر سے توپ خانہ گولے برسا رہا تھا۔ انگریزی فوج نہایت سراسیمگی کی حالت میں اپنا تمام سامان چھوڑ کر جہازوں پر سوار ہو کر بمبئی واپس ہو گئی۔

حیدرعلی مشرقی محاذ پر

اس فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدرعلی مشرقی محاذ پر آئے۔ اس وقت انگریزی فوج نرسی پور میں مقیم تھی۔ اور اس کے بازو پر مراری راؤ کا کیمپ تھا۔ نواب نے اچانک اس پر شبخون مارا۔ اور بہت سا مال اور اسباب لوٹ کر سات گڑھ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدراس سے انگریزی فوجوں کے ایک دوسرے دستہ نے نکلکر جنوب میں ڈنڈیگل، کوئمتور، دھاراپور وغیرہ پر قبضہ کر لیا اس خبر کے پاتے ہی ٹیپو سلطان کو جنرل اسمتھ کے مقابلے میں چھوڑ کر حیدرعلی دھرمپوری کی طرف بڑھے۔ راستے میں انگریزی فوجوں کیلئے چار ہزار بیلوں پر سامان رسد جا رہا تھا۔ اس کو لوٹ لیا گیا۔ دھرمپوری پر چڑھائی ہوئی۔ اور معمولی جنگ کے بعد دھرمپوری فتح ہو گیا۔ دوسری طرف محمد علی کیدان نے ہستور فتح کر لیا۔ دھرمپوری کی فتح کے بعد نواب حیدرعلی ہوسکوٹہ پر بڑھے۔ اور جب جنرل اسمتھ کو معلوم ہوا تو وہ کولار سے نکلکر ہوسکوٹہ کی مدافعت کیلئے آیا۔ مگر راستے ہی میں ٹیپو سلطان اور محمد علی کیدان نے اس کو روک لیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد قلعہ ہوسکوٹہ فتح ہو گیا تسخیر قلعہ کی خبر پر ٹیپو سلطان نے انگریزی فوجوں کو بنگلور تک بڑھکر آنے کی راہ دیدی۔ جہاں ایک کمینگاہ میں حیدری فوج انکے انتظار میں

تمام ملک لوٹ کر تباہ کر دیا گیا۔ شاہزادہ ٹیپو سلطان نواح مدراس کی طرف بڑھا۔ میر علی رضا خان تنجاور پر، غازی خان چتور پر اور مہا سیرزا تنجور پر۔ ان تمام سرداروں کو حکم تھا کہ لوٹ مار کر کے ان علاقوں کو ویران کر دیا جائے۔

جس وقت حیدری افواج نے پائین گھاٹ کو لوٹ کر ویران کرنا شروع کر دیا۔ اور حیدر علی کا شہروں پر قبضہ ہوتا گیا۔ تو اس وقت نواب محمد علی والا جاہ اور جنرل اسمتھ کی آنکھیں کھلیں۔

ایک جانب تو رسد بند ہو گئی۔ اور دوسری جانب حیدری فتوحات سے خوف پیدا ہو گیا تھا کہ نوابی ارکاٹ کا خاتمہ ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ انگریزی اور والا جاہی فوجیں بالا گھاٹ خالی کر کے پائیں گھاٹ میں اتر آئیں۔ محمد علی کو افسوس تھا کہ بنگلور پر قبضہ نہ ہو سکا۔ اور اس نے مدراس کو لکھا کہ جنرل اسمتھ کی تاخیر سے متوقع فتوحات نہ ہو سکیں۔ جس پر مدراس گورنمنٹ نے جنرل اسمتھ کو مدراس طلب کیا۔ اور والا جاہ محمد علی بھی مدراس گیا۔ کہ آئندہ تدابیر جنگ پر غور کرے۔ جنرل اسمتھ تو مدراس سے کلکتہ چلا گیا۔ کرنل اوڈ کو کل فوج کی کمان دی گئی۔ اور محمد علی مدراس میں مقیم تھا۔ کہ ٹیپو سلطان کی فوجیں نواحی مدراس میں لوٹ مار کرتی قلعہ سنٹ جارج پر پہونچیں۔ اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔

اتفاق سے ایک گولہ اس جگہ گرا۔ جہاں محمد علی اور گورنر مدراس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ انگریزوں پر اس قدر دہشت چھا گئی۔ کہ گورنر مدراس ساحل کی طرف بھاگا۔ اور جہاز میں پہنچکر پناہ لی۔ اس پریشانی میں گورنر کی ٹوپی اور تلوار وہیں میز پر دھری رہ گئی جہاں وہ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ نواب محمد علی والا جاہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اور اپنے محل میں پناہ گزیں ہوا۔ ٹیپو سلطان کا ارادہ تھا۔ کہ بڑھکر قلعہ مدراس پر قبضہ کر لے۔ مگر انگریزوں

بیجا پنی جائے۔

(۲) نواب محفوظ خاں بحیثیت میر انوار الدین کے بڑے بیٹے ہونے کے صوبہ دار کرناٹک قرار پائیں اور وہ اپنا حق ٹیپو سلطان کو تفویض کر دیں۔

(۳) نواب حیدر علی اور نظام الملک ہمیشہ ایک دوسرے کے حلیف رہیں گے۔

(۴) حیدر علی اور نظام الملک متفقہ طور پر محمد علی کو معزول کرنے کی کوشش کرینگے۔"

صلحنامہ مرتب ہو کر حیدر علی خاں اور نظام الملک کے دستخط ثبت ہوئے۔ جس کے بعد نواب حیدر علی نے اپنے وکیل سنیاجی پنڈت کے ذریعہ مدراس کے گورنر کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں نواب محمد علی کا تمام کچا چھٹا بیان تھا کہ کس طرح اسکی سازش سے یہ جنگ ظہور میں آئی ہے۔ مدراس کے انگریز تو جانتے ہی تھے کہ یہ آگ خود انکی اپنی لگائی ہوئی ہے۔ اس لئے انہوں نے حیدر علی کو دبتا دیکھکر ایسی شرائط پیش کیں جنہیں حیدر علی نے ٹھکرا دیا۔ حیدر علی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ چالباز محمد علی اپنی جوڑ توڑ میں کامیاب ہو۔ اور کسی طرح فوقیت لیجائے۔ اس پر انگریزوں کو آئندہ جنگ جاری رکھنے کی فکر ہو گئی۔ لہذا انہوں نے کرنل اوڈ کے ماتحت بنگلور پر قبضہ کرنے کیلئے ایک فوج روانہ کی۔

کرناٹک پر حملے

نواب حیدر علی نے جب دیکھا کہ انگریزوں کے قدم ان کے ملک میں مضبوطی سے جم رہے ہیں۔ اور والاجاہ محمد علی کولار میں بیٹھا ہوا جوڑ توڑ میں مصروف ہے۔ تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ پائیں گھاٹ پر اتر کر محمد علی کے علاقوں پر قبضہ کر لیں۔

برق و باد کی طرح حیدری افواج پائیں گھاٹ پر بڑھیں کشنگری، ترپاتور، وانمباڑی، آمبور، ساتگڑھ، ویلور، ڈھونی گڈھ، کبیر پٹن اور ترچناپلی پر قابض ہو گئیں۔

قبضہ کرلیا۔

اس کے پیچھے خود نواب حیدرعلی ایک جرار فوج معہ توپ خانہ لیکر روانہ ہوئے۔ اور ضلع کوئمتور میں داخل ہوکر کرور پر قابض ہوگئے۔ اور ایروڈ کی جانب بڑھے۔ راستہ میں کپتان نکسن سے مقابلہ ہوگیا۔ اور اسے شکست فاش ہوئی۔ اس کی فوج میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو یا تو مارا نہ گیا ہو اور یا زخمی نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد نواب حیدرعلی نے ایروڈ کو فتح کرلیا۔ انگریزی افسر جو وانمباڑی کا کمانیر تھا۔ اس نے پچھلے سال نواب حیدرعلی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ انکے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیگا۔ لیکن اب جو کمانیر پایا گیا تو نواب حیدرعلی نے وانمباڑی کی تمام فوج کو معہ کاویری پورم کی فوج کے گرفتار کر کے سرنگاپٹم کو روانہ کردیا۔ پھر نواب حیدرعلی نے گھاٹوں کے جنوب میں ان تمام اضلاع کو فتح کرلیا۔ جو انگریزوں نے ان سے چھین لئے تھے۔ اسکے بعد حیدرعلی مدراس کی طرف متوجہ ہوئے اس فوج کشی پر مدراس کی گورنمنٹ بہت سراسیمہ اور پریشان ہوئی۔ اور کپتان بروک کو صلح کی گفت وشنید کے لئے نواب حیدرعلی کی خدمت میں بھیجا۔

نواب حیدرعلی نے صلح پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن انہوں نے، رشتہ کے دغاباز نواب محمد علی کو کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کردیا۔ نواب حیدرعلی نے انگریزی سفیر سے کہا کہ "میں خود مدراس آرہا ہوں اور وہاں ان شرائط کو سنوں گا جو کہ گورنر اور کونسل پیش کرنا چاہتی ہے۔"

انگریزی سفیر کو مدراس رخصت کر کے نواب حیدرعلی اپنی بے باک جرأت وہمت سے جس کیلئے وہ ممتاز تھے۔ وہ تدابیر اختیار کیں کہ مدراس گورنمنٹ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ یعنے حیدرعلی نے اپنی فوج کے اصلی حصہ کو اتھور درہ سے ہوکر مغرب کی جانب کوچ کرنے کا

نے ایسا چکمہ دیا کہ سلطان دھوکہ میں آگیا۔ حیدر علی کی طرف سے ایک فرضی قاصد سلطان کے نام یہ فرمان لایا کہ ترنا ملے کی شکست کی وجہ سے فوراً تمہاری مدد درکار ہے۔ لہٰذا سلطان کو لوٹ مار سے جو کچھ حاصل ہو سکا وہ لیکر ترنا ملے واپس ہو گیا۔

کرنل اوڈ کا حملہ اور شکست

کرنل اوڈ اپنی فوجیں لیکر باگلور کے راستے سے ہسّو پر بڑھا کہ کسی طرح بنگلور پر قبضہ ہو جائے۔ نواب حیدر علی نے خبر پاکر راستہ روکا۔ اور کرنل اوڈ کی فوج کو شکست دیکر بھاری توپوں اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اب پیچھے ہٹنے سے کرنل اوڈ کو معلوم ہوا کہ حیدری لشکر نے ان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

لیون بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"بدقسمتی سے اس موقع پر حیدر علی کی توپوں سے انگریزی فوج کو بہت ہی مصیبت ناک بربادی میں مبتلا ہونا پڑا آخرکار میجر فیسنر جیرلڈ جو وینکٹ گری میں متعین تھا کرنل اوڈ کی مدد کو بھیجا۔ اور پیچھے سے آکر کرنل اوڈ کی فوج کو تمام و کمال برباد ہونے سے بچا لیا۔ اس بدقسمت جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ کرنل اوڈ بھی واپس کر لیا گیا۔ اور کرنل لینگ اس کی جگہ بھیجا گیا۔"

اِدھر تو انگریز بنگلور فتح کرنے کی بیکار کوششیں کر رہے تھے۔ اُدھر حیدر علی نے اپنے نائب فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کو نئی فوجیں بھرتی کرنے کیلئے سہرنگا پٹم روانہ کیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو چکیں تو حیدر علی نے نومبر ۱۷۶۷ء میں فضل اللہ خان ہیبت جنگ کو ایک بڑی زبردست فوج اور توپ خانہ دیکر انگریزوں سے انتقام لینے کیلئے درۂ گجل ہٹی کی طرف روانہ کیا۔ جو اس وقت انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ ہیبت جنگ کے جاتے ہی اس پر

اور ممبران کونسل حیدر علی کے آگے اپنے زانوؤں پر بیٹھے ہیں۔ اور حیدر علی ایک ممبر کی ناک جو ہاتھی کے سونڈ کے مشابہ بتلائی گئی ہے۔ پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ جس میں سے اشرفیاں گر رہی تھیں۔ کرنل اسمتھ ایک طرف صلحنامہ ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی تلوار توڑ کر رکھ رہا ہے۔"

جنگ کے نتیجہ پر انگریزی مورخین کی رائیں۔ بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ اپنی نقل و حرکت سے جو اس صلح سے عمل میں آئی۔ میسور کے سردار حیدر علی نے اپنی سلیقہ شعاری اور مادر زاد تدبر و ذکاوت کے اعلیٰ صفات کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف اس کے مدراس کی گورنمنٹ نے کم فہمی اور اپنے بودے پن کا ثبوت دیا۔ اور نادانی سے دغاباز محمد علی پر بھروسہ کیا۔ مگر حیدر علی نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے محمد علی کی فریب دہی کا پورا پورا اندازہ کر لیا تھا۔"

مسٹر الفرڈ لائل لکھتا ہے:۔

"اگر جنگ کی ابتدا ایک سیاسی غلطی تھی تو خاتمہ اس سے بھی بدتر نکلا"

ڈی لاوسی اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۷۰ پر لکھتا ہے:۔

"جنگ کا خاتمہ شکست اور بے شرمی پر ہوا"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۲۷۰ پر لکھتا ہے:۔

"حیدر علی کرناٹک کو ویران کر رہا تھا۔ انگریزی فوجیں اس کے پیچھے رینگ رہی تھیں۔ حیدر علی طوفان باد کی طرح مدراس کے دروازوں پر نمودار ہوا۔ گورنر اور ممبران کونسل پر اتنا ہراس چھا گیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں اور باغیچوں میں چھپ گئے حیدر علی کے پیش کردہ شرائط پر ۱۷۶۹ء میں صلح ہو گئی۔"

حکم دیا۔ اور چھ ہزار چیدہ سوار اور کچھ پیدل فوج لیکر وہ خود جانب مدراس روانہ ہوئے اور ساڑھے تین دن میں ۱۳۰ میل کا سفر طے کرکے کوہ سینٹ تھامس پر جو مدراس سے پانچ میل پر ہے، جا پہنچے۔ انگریزوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور انہوں نے فوراً سر اطاعت خم کر دیا۔

نواب حیدر علی اگر اس وقت چاہتے۔ تو مدراس پر بآسانی قبضہ کرکے جنوبی ہند میں انگریزی اقتدار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے انگریزوں کے ساتھ اس قدر نرمی کا برتاؤ کیا کہ ایک مغلوب دشمن کو اپنے فاتح سے کبھی ایسی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ نواب حیدر علی نے حسب ذیل شرائط پیش کیں۔ جنہیں قبول کرنے کیلئے انگریز مجبور تھے۔

(۱) آئندہ فریقین ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔

(۲) فریقین اپنے اپنے مقبوضات کو جو دوران جنگ میں انہوں نے فتح کئے تھے، اور نیز اپنے اپنے قیدی ایک دوسرے کو واپس کر دیں۔

(۳) علاقہ کرور جو محمد علی والاجاہ کی ملکیت تھی آئندہ نواب حیدر علی کی ملکیت قرار پائے۔

ان شرائط کو انگریزوں نے قبول کر لیا۔ فرنچ مورخ موسیو مذلٹ ان شرائط پر یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ والاجاہ محمد علی نے سالانہ چھ لاکھ روپیہ بطور نعلبندی حیدر علی کو ادا کرنا منظور کیا۔ ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو اس صلحنامہ پر دستخط ہوئے۔ اور اس کی یادگار میں ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج مدراس کے دروازے پر حیدر علی کے حکم سے لگایا گیا۔ جس کے متعلق مسٹر الفرڈ لائل لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنی فتح کی یادگار مدراس میں اس طرح چھوڑی کہ اسکے حکم سے انگریزوں نے ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج کے دروازے پر لگایا۔ جس میں بتلایا گیا کہ گورنر مدراس

اس وقت حیدر علی کے رحم و کرم پر منحصر تھی۔ مگر اس نے انکی بے بسی سے فائدہ اٹھانیکی کوئی کوشش نہیں کی۔ آہ! یہی عفو بیجا سلطنتِ خداداد کے زوال کا بھی باعث ہوئی۔ اگر اسے نواب حیدر علی کی سیاسی غلطی سے تعبیر کیا جائے۔ تو اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ بدقسمت ہندوستان کے باشندے باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اور ایک دوسرے کے اقتدار کو دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مرہٹوں کو یہ فکر تھی کہ ایک اسلامی طاقت کا آغاز انکے سدِ راہ ہے ادھر نظام الملک کو حسد تھا کہ حیدر علی کا وجود اس کے لئے پیغامِ مرگ ہے۔ حیدر علی بھی ابتدا سے دیکھ رہا تھا کہ اس حسد و نفاق کے سبب مرہٹے، اور نظام ہمیشہ اس کی طاقت کو فنا کرنے کیلئے پے در پے حملے کر چکے ہیں۔ اور کر رہے ہیں۔ اس لئے اسکو ایک ایسے حلیف کی ضرورت تھی۔ جو وقت ضرورت مدد دے سکے۔ اور اس نے اس صلحنامہ کے ذریعہ ایک حلیف پیدا کر لیا مگر اس حلیف یعنے انگریزوں نے جس ایمانداری سے اس عہد کو نبھایا۔ خاص انگریزی مورخین کی زبانی سنئے۔

تاریخ ہند از ڈی. لا. نوسی صفحہ ۱۸۰:-

"جب آزمایش کا وقت آیا تو انگریز اپنے عہد پر پورے نہیں اترے"

رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۶۰:-

"عہدنامہ کچھ ایسے الفاظ میں مرتب تھا کہ جسکے مختلف معنے ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا کر حیدر علی کو جس وقت مدد کی ضرورت تھی۔ کمک نہیں دی۔ اور اس طرح ایک عمدہ دوست کو دشمن بنا لیا"

سنتکلیر لکھتا ہے:-

"جب حیدر علی کو ضرورت تھی تو بموجب عہدنامہ کے انگریزوں نے مدد نہیں دی"

کرنل مالیسن اپنی تصنیف "ہندوستان کی فیصلہ کن لڑائیاں" میں رقمطراز ہے :۔

" اس وقت حیدرعلی کل سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ مدراس شہر کی قسمت اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی آمد کا رعب اتنا غالب ہوا تھا۔ کہ مدراس کا قلعہ بھی اس کے ہاتھ آ جاتا۔ ایسی حالت میں انگریزوں کو اس کی تمام شرائط پر سر تسلیم خم کرنا پڑا "

اس شکست کی خبریں انگلستان میں پہونچتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصص کی قیمت ساٹھ فی صدی کم ہوگئی۔ یہ عہدنامہ نواب حیدرعلی اور شاہ انگلستان کے درمیان لکھا گیا۔ اسیے کہ نواب نے کمپنی کو فریق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

صلحنامہ مدراس پر دو نظریے

پہلا نظریہ :۔ اسلامی نقطہ نظر سے حیدرعلی کی یہ رواداری اس قابل ہے کہ اس پر مسلمان جس قدر بھی ناز کریں۔ بجا ہے۔ اس نے :۔

" زندہ رہو اور زندہ رہنے دو "

کے مقولہ پر عمل کر کے اپنی سچی اسلامی بہادری کا نمونہ دنیا کے آگے پیش کر دیا۔ حیدرعلی کے ظلم و ستم پر اعتراض کرنیوالے دیکھیں کہ باوجود فاتح ہونے کے حیدرعلی نے اپنے شکست خوردہ حریف سے کیا سلوک کیا ہے۔ وہ یہی وجہ ہے کہ تمام انگریزی مورخین اسکی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ کہ حیدرعلی نے انگریزوں پر اعتماد کر کے اپنی عقل و فرزانگی کا ثبوت دیا۔

دوسرا نظریہ :۔ ہندوستان اس صلحنامہ پر جتنا بھی ماتم کرے۔ بجا ہے۔ ایک فاتح جنرل اپنے مغلوب دشمن سے شرائط صلح یوں طے کرتا ہے۔ کہ اسکے تمام مقبوضات اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور آیندہ صرف دوستی کا حلف لیکر بغیر کسی معاوضہ کے ہی پلٹ جاتا ہے۔ انگریزوں کی ہستی

کے سایہ میں ایک صلح نامہ لکھا یا، جس میں ایک شرط یہ تھی، کہ وقت ضرورت کمپنی اس کو سات پلٹنوں سے کمک دے۔ لیکن اس معاہدہ پر کمپنی نے جس طرح عمل کیا وہ بعد کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔"

نظام الملک اور انگریز

نظام الملک میر نظام علی خاں کو توقع تھی کہ اس کے علیحدہ ہو جانے سے دونوں حریفوں (یعنے انگریز اور حیدر علی) میں سے ایک نہ ایک مغلوب ہو جائیگا۔ اگر حیدر علی مغلوب ہو جائیں تو وہ خار جو اس کے پہلو میں کھٹکتا اور جو اس کے خواب شہنشاہیت میں سنگ گراں ثابت ہو رہا ہے۔ دور ہو جائیگا۔ اور انگریز مغلوب ہوں تو ان کا نام و نشان مٹ جائیگا۔ اور اس طرح اس کے وہ مقبوضات جن پر انگریز قابض تھے۔ واپس ملنے کے علاوہ کرناٹک پر بھی اس کا قبضہ ہو جائیگا۔

"تاریخ نظام علیخاں مطبوعہ حیدر آباد کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۵۹ پر لکھتا ہے:۔

(میر نظام علی خاں نے فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ متفق ہونے کی نسبت میرا منشا پہلے ہی نہیں تھا۔ ہم کو لازم نہیں تھا کہ نصاریٰ کی استدعا پر حیدر علی خاں سے جو ان غاصبان سلطنت کے تباہ و برباد کرنے میں مشغول ہیں جنگ کرتے۔ اصولاً تو ہم کو چاہئے یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی مدد نہ کرتے۔ یہاں تک کہ آپس میں لڑتے لڑتے کوئی ایک غالب ہو جاتا۔ جس کے بعد حکمت عملی سے اس غالب پر قابو پانا ہمارے لئے آسان تھا۔"

مگر جنگ کا نتیجہ اس کے حسب خواہش نہیں نکلا۔ کیونکہ دونوں حریف ایک دوسرے کے دوست بنکر میدان جنگ سے واپس ہوئے۔ اس لئے نظام نے پھر یہی بہتر سمجھا کہ حیدر علی

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے :-

"انگریزوں نے جب عہد نامہ پر دستخط کئے۔ تو ان کا یہ ارادہ ہی نہیں تھا کہ اس پر عمل درآمد بھی کریں۔ اور اس پر لطف یہ کہ انہوں نے نواب والا جاہ محمد علی کا علاقہ کرور بھی حیدر علی کو دیدیا کہ ہمیشہ ان دونوں میں چلتی رہے"

میجر ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب "ایمپائر ان ایشیا" میں لکھتا ہے :-

"کمپنی کو حیدر علی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ لیکن کمپنی نے نظام حیدرآباد سے اضلاع شمالی سرکارس کے متعلق معاہدہ کیا تھا۔ جس کے معنے یہ تھے کہ نظام کو حیدر علی کے خلاف مدد دی جائے۔ سرنگاپٹم اور حیدرآباد کی رقابت مشہور تھی۔ ایک ایسے وقت جب مرہٹوں کے حملوں نے حیدر علی کو کمزور بنا رکھا تھا۔ حیدرآباد اور کمپنی کی فوجوں نے اس پر حملہ کردیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک بھی جبتک کمپنی کی فوجیں سرحد میسور پر نہ پہونچیں کمپنی اور حیدر علی میں دوستی تھی۔ لیکن اس دوستی کی حقیقت کیا ہے جو ایک کمزور اور طاقتور کے درمیان ہو۔ حیدر علی اس وقت کمزور تھا۔ کمپنی طاقتور تھی۔ وہ اپنے کمزور دوست کو مہلت دینا نہیں چاہتی تھی۔ کہ وہ طاقتور ہو جائے۔ اس لئے کمپنی کی فوجیں بارا محل کے ملک پر بڑھیں۔ جو انکے مقبوضات کے قریب تھا۔ لیکن جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہی کہ مشرقی جنگوں میں جس طرح ہوتا آیا ہے۔ وہی یہاں بھی ہوا۔ حیدر اپنے دشمنوں مرہٹوں اور نظام سے بھگت کر اپنی پوری طاقت کے ساتھ انگریزوں پر برس پڑا۔ وہ میسور سے ایک طوفان کی طرح اٹھا جس کی تندی کے آگے حملہ آور بھنے کو پہنچے، اور شدید نقصان اٹھاتے ہوئے یہاں تک بھاگے کہ قلعہ سنٹ تھامس موونٹ میں پہونچے یہاں حیدر نے مدراس کے قلعہ کی دیواروں

ایک فرنچ مورخ نے اس طرح لکھی ہے :-

" جس وقت جلوس سرنگا پٹم پہنچا۔ تو اس میں پچیس ہزار چیدہ سوار۔ اسّی ہزار پیادے۔ اور چار ہزار بندوقچی شامل تھے۔ سکے علاوہ توپ خانہ اور باڈی گارڈ کی تعداد علیحدہ تھی۔ جس کی ترکیب اس طرح تھی "

(۱) سب سے آگے سواران فرنگستان کا خوبصورت رسالہ تھا۔ جنکی خوشنما وردیاں اور اونچی اونچی ٹوپیاں اور ان کے زرق برق اسلحہ۔ و تنومند گھوڑوں سے عجب جاہ و احتشام ظاہر ہوتا تھا۔

(۲) ان کے پیچھے تین سو شتر سوار نامور ساز وسامان سے آراستہ علاوہ کوہان والے اونٹوں پر چمکدار بھالے لئے ہوئے نظر آتے تھے۔

(۳) انکے پیچھے دو ہاتھی نہایت سربلند نشان بردار ہوتے تھے۔ یہ نشان نیلے رنگ کے ریشمی اور زرکار پھریروں سے آراستہ تھے۔ اور ایک نشان پر آفتاب کی صورت۔ دوسرے پر چاند اور ستاروں کی صورت زرّین کام سے بنی ہوئی تھی۔

(۴) انکے بعد ایک سب سے اونچے ہاتھی پر ایک بڑی نقارہ کی رکھی تھی۔ اور نقارہ نواز بجاتے جاتے تھے۔

(۵) پھر قرنا بجانے والے سواروں کا ایک غول تھا۔ اس قرنا کے ذریعہ سے جو شیلے راگ فوج کو سنائے جاتے تھے۔ اور سپہ سالاروں کے احکام بھی انہیں کے ذریعہ سے تعلیم یافتہ فوج کو پہنچائے جاتے تھے۔

(۶) ان کے بعد چار ہاتھی اور تھے۔ ان پر چوبیس ارباب نشاط بیٹھے ہوئے موسیقی کے ساز بجاتے جاتے تھے۔

سے قطع تعلق کرکے انگریزوں سے جا ملے۔ دوسری طرف انگریز بھی اپنے سلسلہ عیاری کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ کہ کسی طرح نظام علی خاں کو اپنے دام فریب میں لے آئیں۔ اور جن لوگوں نے اس میں سب سے بڑھکر حصہ لیا۔ وہ دیوان رکن الدولہ اور میر عالم تھے۔ جنہوں نے نظام کو انگریزوں سے دوستی بڑھانے پر مائل کیا۔ اور میر عالم سفیر ہو کر انگریزوں کے آستانے پر مدراس حاضر ہوا۔ اور ایک عہدنامہ پر دستخط ہوئے۔ جس کی رو سے نواب محمد علی والاجاہ کو سند نوابیٔ ارکاٹ دوبارہ مل گئی۔ اور کرناٹک پر سے حیدرآباد کی سیادت کا تعلق منقطع ہوگیا۔ (سنڈس انڈر ٹیپو)

جنگ کے دوران میں انگریزی علاقے کی حالت

انگریزی عملداری کے متعلق انگریز مورخ [illegible] لکھتا ہے کہ "انگریزوں کی فوج نے ملک کے اکثر حصہ کو لوٹ کر تباہ کر دیا تھا۔ رعیت بھوک سے مر رہی تھی۔ اور انگریزی عمال اپنی حکومت کا یہ حال تھا کہ باربرداری کیلئے جو مویشی لئے جاتے تھے ان کی قیمت یا کرایہ تک ادا نہ کرتے تھے" (نواب حیدر علی پر لوٹ مار کا الزام لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ حیدر علی کے مہذب حریف کس طرح دھکا دے رہے تھے۔ اور خود ان کا ملک کس امن و راحت میں تھا؟)

نواب حیدر علی کی مراجعت سرنگا پٹم

یوں تو نواب حیدر علی کی سواری کا شاہانہ کروفر، فتح بدنور، کنارا و ملیبار کے بعد بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔ اور جس وقت فتح ملیبار کے بعد نواب حیدر علی سرنگا پٹم آ گئے۔ تو ان کے شاہانہ جلوس کی شان و شوکت مدت العمر لوگوں کو یاد رہی۔ لیکن جب صلحنامہ مدراس کے بعد نواب حیدر علی مراجعت فرمائے سرنگا پٹم ہوئے تو انکے جلوس کی چشم دید کیفیت

نواب حیدر علیؒ

(۷) اسکے بعد پانچ ہاتھی اور تھے۔ جن پر طلائی مرصع کار عماریاں رکھی ہوئی تھیں
یہ ہاتھی اس لیئے ساتھ ہوتے تھے۔ کہ لڑائی کے وقت نواب مع سرداروں کے سوار
رہیں۔ مگر نواب نے سوائے گھوڑے کے کبھی ان ہاتھیوں پر بیٹھنا پسند نہیں کیا۔

(۸) ان کے بعد چار اور ہاتھی تھے۔ ان پر زریں ہشت پہلو ہودے کسے ہوئے تھے
ان ہودوں پر چھ چھ جوان زرۂ فولاد و چار آئینہ و جوشن بکتر پہنے ہوئے سوار
تھے۔ اور بھری ہوئی بندوقیں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ جو ادنیٰ اشارہ پر
گراب مارنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

(۹) اسکے بعد دو رسالے حبشیوں کے تھے۔ ان کے ہتھیار نہایت چمکدار تھے جن
کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ ان کے خوردوں کے اوپر سرخ و
سیاہ پر نہایت لطف دیتے تھے۔ انکے ہاتھوں میں چمکدار نیزے تھے۔ اور گھوڑوں
کے ریشمی زینوں میں خوبصورت آویزے عجب بہار دکھاتے تھے۔

(۱۰) ان کے پیچھے کافروں کا ایک عجیب قشون تھا۔ یہ ایک چادر اوڑھے اور گھٹنوں
کے اوپر تک جانگئے پہنے اور کمر میں بجتا ہوا گھنٹہ باندھے سر پر شتر مرغ کے پر
لگائے مستانہ چال چلتے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں لمبے نیزے تھے۔

(۱۱) ان کے بعد ایک لمبی قطار جھنڈی برداروں کی تھی۔ انکی جھنڈیوں میں
سرخ اطلس کے پھریرے تھے۔ ان جھنڈیوں کے اوپر فولادی تیز بھال لگی ہوئی تھی۔

(۱۲) اسکے بعد دولت حیدری کے شاہزادے اور جمعدار اور دوسرے افسر اور
جاں نثار تھے۔ جو سر سے پاؤں تک غرق فولاد نظر آتے تھے۔ عربی گھوڑوں پر سوار
شمشیر زریں نیام کمر سے لگی ہوئی۔ لباس نہایت خوشرنگ و زرکار۔ خود داں پر

جڑاؤ کلغیاں لگی ہوئی تھیں۔ بعض شوقین زرہ مینا کار پہنے رواں تھے۔ گھوڑوں کے سروں پر جڑاؤ کلغیاں اور موتیوں کی جھالریں آویزاں تھیں۔ اس جماعت خاص میں کم و بیش چھ سو آدمی تھے۔

(۱۳) اس جماعت کے بعد اسی سو شکاری یکہ تاز تھے۔ ان کے گھوڑے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کے عربی اور خوبصورت سامان سے آراستہ تھے۔

(۱۴) اس کے بعد بارہ گھوڑے سواری خاصہ کے چھل بل دکھاتے ہوئے کوتل چلتے تھے۔ یہ گھوڑے بہت ہی قیمتی اور شائستہ تھے۔ اور انکے زرین اور مرصع زین و لگام بھی لاکھوں روپیہ کی لاگت کے تھے۔

(۱۵) ان گھوڑوں کے پیچھے ایک فوج پیادوں کی تھی۔ جو سنہری ملمع کا ایک لمبا سیاہ رنگ عصا لئے ہوئے تھی۔

(۱۶) اسکے بعد بارہ نقیب ترکی گھوڑوں پر سوار سونے کے عصائے مرصع ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔

(۱۷) ان کے بعد سب منصب دار خانگی۔ جیسے خانساماں، سرگروہ نقیبان اور سلحدار حیدری وغیرہ۔ انکے گلوں میں طوق زرین انکی شناخت کا پڑا ہوا تھا۔

(۱۸) اس کے بعد میر صدقات کا ہاتھی تھا۔

(۱۹) اسکے سلسلہ کے بعد نواب حیدر علی کا فیل ابیض (سفید ہاتھی) جھوم جھوم کر خراماں خراماں آتا تھا۔ اس خوش نصیب ہاتھی کے اگلے پاؤں میں چاندی کے حلقے اور گلے میں سونے کی زنجیریں پڑی تھیں۔ یہ ہاتھی سب ہاتھیوں سے زیادہ بلند اور تنومند تھا۔ اس کی عماری جس میں نواب حیدر علی بیٹھے تھے۔ سوائے چار کلس طلائی

چکے تھے۔

(۲۳) ان کے بعد حبشیوں کی پلٹن آئی۔ ان کا لباس قرمزی رنگ کا تھا۔ گلے میں چاندی کے طوق پڑے تھے۔ ہاتھوں میں نیزے لئے ہوئے تھے۔

(۲۴) پھر اور ایک چالاک اور جاں نثار سپاہیوں کا غول تھا۔ جو دو دو مل کر چلتے تھے۔ ان کا لباس ریشمی تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک نیزہ چودہ چودہ ہاتھ کا لمبا سیاہ وارنش سے چمکتا ہوا نظر آتا تھا۔"

نواب حیدر علی کا یہ شاہانہ جلوس جہاں جہاں سے گذرتا تھا تماشائیوں کو جاہ وجلال دکھاتا جاتا تھا جس کا ذکر مہینوں ہوتا رہتا۔ اور درمیان میں جو راجے اور نواب تھے۔ وہ بڑے شوق سے اس کے استقبال اور اس کے فوجی احتشام کو دیکھنے آتے بالغرض نواب کا یہ جلوس سرنگاپٹم کے قریب پہنچا۔ تو میر مخدوم علیخاں نے بہت ہی دھوم دھام سے مع امراء وسرداران دارالامارت شہر سے چند میل آکر استقبال کیا۔ اور تمام امراء و سردار اور سب اہل فوج بعد دربار کے اپنے گھروں کو گئے۔

مرہٹوں کا چوتھا حملہ میسور پر ۱۱۹۰ھ

نواب حیدر علی خان کی فتوحات اور صلحنامہ مدراس کی کیفیت جس وقت پونا پہنچی۔ تو پیشوا مادھوراؤ اپنی فوجوں کو جمع کر کے میسور پر اس لئے حملہ آور ہوا کہ نواب نے پچاس لاکھ روپیوں کا جو وعدہ کیا تھا۔ اس کو مع چوتھ وصول کرے۔ نیز اسوقت مرہٹوں کا مقصد خاص یہ بھی تھا کہ صوبہ تسرا پر بھی اپنی عملداری قائم کر کے جنوبی ہندوستان میں پھر ایکبار مرہٹی طاقت کو شہنشاہیت کے رتبہ پر پہنچا دے۔

مرہٹی فوج

مادھوراؤ پیشوا کے ساتھ اس کا وزیر نانا فرنویس اور سپہ سالار تریک راؤ

کے اور کوئی زینت خانہ نہ رکھی تھی۔ اور دو تیر سونے کی زنجیروں سے بندھے عماری کی دونوں طرف لٹکتے تھے۔ یہ دونوں تیر راجہ زامرن حاکم ملیبار کی عماری میں رہتے تھے۔ جب نواب نے اس پر فتح پائی تو وہ تیر نواب کی عماری میں لٹکائے جانے لگے۔ اس ہاتھی کی مصطک پر ایک زرین سپر لگی ہوئی تھی۔ اور خواصی میں دو چنور بردار بیٹھے مورچل جھیلتے تھے۔ اس مورچل سے نہایت عمدہ خوشبو نکلتی تھی۔ اور دور دور تک کی ہوا کو معطر کر دیتی تھی۔

(۲۰) نواب کے ہاتھی کے بعد دو سو ہاتھیوں کی قطار تھی جو دو دو ہاتھی برابر رکھکر قایم کی جاتی تھی۔ ان پر طرح طرح کے نقرہ و طلائی، مرصع ہودے اور عماریاں کسی ہوئی تھیں۔ ہر ہودہ پر ایک سردار بیٹھا ہوتا تھا۔ اور اس کا خدمتگار اسکی خواصی میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ہاتھیوں کی پوزیشن اور جھولیں زربفت و زردکار کی مغرق ہوتی تھیں۔ اور جن ہودوں یا عماریوں میں شاہزادے یا اکابر دولت سوار تھے۔ وہ جواہر بیش قیمت سے مرصع تھیں۔ جھولوں میں سچے موتیوں کی جھالریں نظر آتی تھیں۔

(۲۱) اس قطار کے بعد پانچ اور سربلند ہاتھی تھے۔ ان میں ایک ہاتھی پر طلائی مسجد رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے ہاتھی پر تین مچھلیاں جن کے خول جواہر سے بنائے گئے تھے۔ اور بعض جگہ مینا کاری کی ہوئی تھی۔ چوتھے ہاتھی پر دو دیگچیاں سونے کی دو سنہری چوبوں میں رکھی تھیں۔ پانچویں ہاتھی پر ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک چوکی رکھی ہوئی تھی۔

(۲۲) انکے بعد دو رسالے حبشیوں کے اسی ساز و سامان سے آئے جیسے پہلے نکل

کی تھی۔ کہ حیدری فوج قریب قریب کل کٹ چکی۔ اور جو باقی تھی وہ بھاگ نکلی۔ نواب حیدر علی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اس حالت کو دیکھکر خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے۔ کہ ایسے میں چند طنبورچی سامنے سے نکلے۔ نواب نے طنبور بجانے کا حکم دیا۔ طنبورچیوں نے اس زور سے طنبور بجایا کہ اس کی آواز سارے جنگل میں گونج گئی۔ مرہٹوں نے جب یہ آواز سنی تو سمجھا کہ حیدر علی کی کمک کیلئے تازہ دم فوج آگئی ہے۔ اس لئے وہ جنگ موقوف کر کے پیچھے ہٹ گئے۔ اسی دن شام کو ہیبت جنگ تازہ دم لشکر لیکر آپہنچا۔ مگر حیدر علی نے یہی مناسب سمجھا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ اس لئے وہ بنگلور کی طرف چلے۔ اور چلتے ہوئے تمام ملک کو ویران کرتے گئے۔ کہ مرہٹوں کو رسد نہ ملے۔ بنگلور پہنچکر حیدر علی نے صلح کیلئے وکیل بھیجا۔ مگر مادھو راؤ نے ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ایسی سخت شرطیں لگائیں۔ کہ حیدر علی نے صلح کرنے سے جنگ جاری رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

مرہٹی فتوحات

دامن دریائے تنگبھدرا سے نکلکر مرہٹی فوج سرنگاپٹم کی طرف بڑھی۔ اور تمام شمالی و مشرقی اضلاع فتح کر لئے۔ یہانتک کہ بنگلور سے تیس میل پر چنگل کے مقام پر آپہنچے۔ جہاں انکا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا۔ ایک طرف تو اس کثیر فوج کو ملک کی تباہی و بربادی کے باعث رسد ملنا دشوار ہو گیا تھا۔ حیدر علی نے پہلے ہی تمام علاقہ کو ویران کر دیا تھا دوسری طرف ایک پہاڑی کی آڑ سے حیدری فوج ہر شب شبخون مارنا شروع کر دیا۔ اور تیسری طرف قلعہ چنگل کی حیدری فوج اس بے جگری سے مدافعت کر رہی تھی۔ کہ باوجود فوج کی اس کثرت کے مادھو راؤ اس کو فتح نہ کر سکا۔

تھا۔ جن کی زیر کمان ایک لاکھ سوار اور سات ہزار پیادے۔ پچاس ہزار بندوقچی۔ اور ایک بہت بڑی تعداد پنڈارے سواروں کی تھی۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا توپ خانہ بھی ساتھ تھا۔ شاہنور کا نواب عبدالحکیم خاں اور چیلدرگ کا راجہ بھی انکے ساتھ شامل تھا۔ اس قدر کثیر فوج تھی کہ سرزمین میسور نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ مرہٹی فوجوں نے دریائے تنگبھدرا کو عبور کرکے سرزمین میسور پر سب سے پہلے کیا مپ چرولی، نوزلی اور چراگی کے مقام پر قایم کئے۔ یہ بے شمار فوج کوسوں تک پھیلی پڑی تھی۔

نواب حیدرعلی کا انگریزوں سے امداد طلب کرنا

مرہٹوں کی اس زبردست یورش کو دیکھکر نواب حیدرعلی نے بموجب عہدنامہ مدراس انگریزوں سے مدد مانگی۔ مگر انہوں نے انکار کردیا۔ انگریزوں کو یقین ہوچلا تھا کہ اس وقت حیدرعلی کی خیر نہیں ہے۔

حیدرعلی اور مرہٹوں کی پہلی آویزش

نواب حیدرعلی بھی اپنی فوج لیکر آگے بڑھے۔ پانچ چھ دن کے بعد جنگ کا آغاز ہوگیا۔ مادھوراؤ کی فوجوں نے اپنے زبردست توپخانے سے زمین پر زلزلہ ڈالدیا۔ حیدرعلی کی فوج کو بری طرح شکست ہوئی۔ لیکن حیدرعلی نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ میدان جنگ سے ہٹ کر ایک کمینگاہ میں اس لئے پناہ لی کہ دوسری شب مرہٹوں کے توپخانہ پر شبخون مارا جائے۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے جنگل سے نکلتے نکلتے صبح ہوگئی۔ اور ادھر پھر مرہٹوں نے حملہ کردیا۔ اب نواب حیدرعلی کیلئے بجز فرار اور کوئی صورت نہ تھی۔ آخرکار وہ پیچھے ہٹے۔ اور انہوں نے اپنے توپخانہ کو حکم دیا کہ مرہٹی فوج پر گولہ باری کیجائے مگر اتفاق سے توپیں چلنے سے رہ گئیں۔ مرہٹی فوج کی یورش اس غضب

حیدر علی کی پسپائی

جب حالت یہاں تک پہونچی تو حیدر علی سرنگاپٹم کو واپس ہونے کے خیال سے اپنا توپخانہ لیکر اندھیری رات میں نکلے۔ بارش کی وجہ سے راستے بالکل خراب ہو چکے تھے۔ اس لئے مشکل سے تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا کہ رات آخر ہو گئی۔ اور اتفاق سے ایک توپ چل گئی۔ جس سے مرہٹی فوج حیدر علی کی فراری سے خبردار ہو گئی۔ تریمک راؤ نے فوراً ایک زبردست فوج روانہ کی کہ حیدر علی کو روک لیا جائے۔ مرہٹی فوج نے پیچھے سے سخت حملہ کرنا شروع کر دیا۔ گولے اور گولیاں برس رہی تھیں۔ مگر حیدر علی آگے ہی بڑھ رہے تھے۔ جب موتی تالاب پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ سامنے سے راستہ بند ہے۔ اور مرہٹے تالاب کے بند پر آٹھ توپیں رکھے ہوئے گولے برسا رہے تھے اب نہ آگے بڑھنے کا راستہ تھا۔ اور نہ پیچھے جانے کا۔ اس وقت اپنی خداداد جرأت سے کام لیکر حیدر علی نے ایک منتخب دستے کے ساتھ موتی تالاب کے بند پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ مرہٹے توپیں اور سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ یہاں حیدر علی نے تھوڑا توقف کر کے اپنی منتشر فوج کو جمع کیا۔ اور چونکہ رات سے تمام فوج اور خود انہوں نے بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس لئے یہاں ناشتہ کیا گیا۔ چند سرداروں نے مشورہ دیا کہ آج کی شب یہیں قیام کیا جائے۔ مگر نواب نے کوچ کا حکم دیدیا۔ فوج اگرچہ بالکل تھک گئی تھی۔ مگر نواب کے ہمراہ چل پڑی۔ اس عرصے میں یکایک مرہٹوں کی بڑی توپیں آگئیں۔ اور مرہٹوں نے ان سے نہایت شدت سے گولے برسانا شروع کیا۔ اتفاقاً ایک گولہ حیدر علی کے اس اونٹ پر پڑا جس پر بان لدے ہوئے تھے۔ بانوں میں آگ لگ گئی۔ اور یہ آگ ایک اونٹ سے دوسرے اونٹوں پر پھیل گئی۔ جس کے باعث خود حیدری فوج میں انتشار پھیل گیا۔ اس سے بڑھکر مصیبت یہ پیش آئی کہ بانوں کے اڑنے سے بارود کی گاڑیوں میں آگ لگ گئی۔ بارود

مادھوراؤ کی پونا کو واپسی

ابھی یہ ہنگامے روز و شب ہو رہے تھے کہ بارش کا موسم شروع ہو گیا۔ اور ادھر مادھوراؤ سخت بیمار ہو کر پونا واپس ہو گیا۔ ترمک راؤ نے کل فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور مرہٹی فوج کی از سر نو تنظیم کرنے کے خیال سے پیچھے ہٹا۔ اور اپنی کمک کیلئے۔ رتنگری میرج، ونکٹ گری، نرگسی اور کانستری کے راجاؤں کے علاوہ مراری راؤ حاکم گتی کو بھی طلب کیا۔

ترمک راؤ کی فوج کشی

ترمک راؤ سامان رسد وغیرہ کا انتظام کر کے اپنی ٹڈی دل فوجوں کے ساتھ سرنگاپٹم پر بڑھا۔ یہ حملے کچھ اس غضب کے تھے۔ کہ حیدری فوج جو راستوں میں قلعوں پر تھی، کچھ بھی نہ کر سکی۔ اس لشکر عظیم کا جس طرف سے گذر ہوتا تھا۔ وہاں کی تمام کھیتیاں پامال کر دی جاتی تھیں بلکہ مرہٹوں نے دیہاتیوں کے جھونپڑوں کی خشک گھاس تک کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس طرح مرہٹی فوج کا یہ طوفان بڑھتا ہوا سرنگاپٹم کے قریب پہنچ گیا۔ نواب حیدر علی سرنگاپٹم کی مدافعت کیلئے تھوڑی سی فوج چھوڑ کر چن پٹن کی راہ سے ماگڑی کے جنگل میں آئے۔ کہ جب مرہٹے دارالحکومت کا محاصرہ کریں تو پشت پر سے ان پر حملہ کیا جائے مگر ترمک راؤ بھی نواب کی اس حرکت سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ وہ سرنگاپٹم کو چھوڑ کر حیدر علی کے تعاقب میں میرن کٹہ پہنچا۔ اور آتے ہی اس پہاڑی کا محاصرہ کر لیا۔ چند دن روزانہ معمولی لڑائیوں میں گذرے۔ جس میں حیدر علی کی فوج شبخون مارتی تھی ان شبخونوں سے تنگ آکر ترمک راؤ نے فیصلہ کن جنگ کیلئے میرن کٹہ کی پہاڑی کا ایک سخت اور تنگ محاصرہ کر لیا۔ جس کے باعث حیدری فوج کو رسد ملنا بند ہو گئی۔

درگاہ پر آ پہنچا۔ بیٹے کو دیکھکر نواب بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوئے۔ اور انہیں ہمراہ لیکر سرنگاپٹم داخل ہوئے۔

ادہر میدانِ جنگ میں محمد علی کمیدان نے جب دیکھا کہ نواب کا پتہ نہیں ہے تو جو کچھ سپاہی مل سکتے تھے۔ لیکر ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور مرہٹی فوج کو آگے بڑھنے سے شام تک روکے رکھا۔ مرہٹوں کی زبردست فوج کے آگے محمد علی کی یہ مدافعت چند گھنٹوں سے بڑھکر کام نہ دے سکی۔ شام کے قریب مرہٹوں نے اس پہاڑی کو بھی فتح کرلیا اور محمد علی کمیدان گرفتار ہوکر ترمک راؤ کے سامنے لایا گیا۔ جہاں ترمک راؤ نے اسکی جوانمردی کو دیکھتے ہوئے پیشوائے پونا کی ملازمت پیش کی۔ کمیدان محمد علی مصلحتِ وقت سمجھکر فوراً راضی ہوگیا۔ اور اپنے اہل وعیال کو سرنگاپٹم سے لیکر آنے کی اجازت چاہی جس کی ترمک راؤ نے منظوری دیدی۔

دن ختم ہوکر رات آچکی تھی۔ مرہٹوں نے اسی میدان میں کیمپ قایم کردیا۔ جو سرنگاپٹم سے صرف پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ انہیں یقین تھا کہ مرہٹی فوج کے پہونچتے ہی قلعہ دار سرنگاپٹم کا قلعہ حوالے کردے گا۔ ان کے خیال میں نواب حیدر علی ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے۔ اس لئے مرہٹوں نے یہاں چند دن آرام لینے کے خیال سے توقف کیا۔

محمد علی کمیدان کا کارنامہ

دوسرے دن کمیدان محمد علی نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ جنہیں مرہٹوں نے نہتا کردیا تھا لیکر اپنے اہل وعیال کو لانے کے بہانے سے باہر نکلا۔ اور جب زیادہ رات آگئی تو راستے میں اس مقام پر ٹھہرا۔ جہاں مرہٹوں کا ہراولی دستہ اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کیمپ

اور گولے اڑھنے شروع ہوگئے۔ جس کے باعث صدہا سپاہی جلکر مرگئے۔ اور اس قدر دھواں چھاگیا تھا کہ فوج بالکل پریشان ہوگئی۔ اس سے فائدہ اٹھاکر مرہٹی سواروں نے حملہ کردیا اور حیدری فوج کے قلب میں آگھسے۔

اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں حیدری فوج کو اپنا بچاؤ مشکل ہوگیا۔ لالہ میاں جو نواب حیدر علی کے بھائی شہباز کے داماد تھے۔ شہید ہوگئے۔ میر علی رضا خاں اور علی زماں خان سرداران فوج زخمی ہوکر گرفتار ہوگئے۔ مرہٹے حیدر علی کو گرفتار کرنے کے لئے ڈھونڈتے پھر رہے تھے کہ ایک جانب حیدر علی کا سپہ سالار یاسین خاں (جو ونجی گدے یاسین خاں کے نام سے مشہور ہے) لڑ رہا تھا۔ یہ بھی زخمی ہوکر گرفتار ہوا۔ چونکہ اس کی شکل وشباہت حیدر علی سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ مرہٹوں نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ یاسین خاں نہایت ہشیار تھا۔ سمجھ گیا کہ مرہٹوں کا مقصد کیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو حیدر علی ظاہر کیا۔ جس پر اس کو مرہٹوں نے نہایت ہی احترام واعزاز کے ساتھ تریک راؤ کے پاس بھیج دیا۔

نواب حیدر علی نے دیکھا کہ قسمت پلٹ چکی ہے۔ فوج منتشر ہو چکی ہے۔ سرداران فوج میں سے کسی کا پتہ نہیں۔ اور آپ اکیلے رہگئے ہیں۔ دشمنوں کی کثرت اور اس قیامت خیز ہنگامہ میں کسی کا ملنا بھی دشوار ہے تو تن تنہا فرار ہوئے۔ اور جبتک سرنگاپٹم نہیں پہونچ گئے۔ دم نہیں لیا۔ سرنگاپٹم میں پہونچکر درگاہ قادر ولی میں ٹھہرے۔ اور بارگاہ خداوندی میں اپنی فوج اور اپنے فرزند ٹیپو سلطان کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے۔ اسلئے کہ شہزادہ میدان جنگ میں دشمنوں کی کثرت سے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب شہزادہ ٹیپو سلطان بھی دو تین سواروں کے ساتھ مرہٹی لباس میں سرنگاپٹم میں آگئے۔

میں یاسین خاں کو قید کر رکھا ہے۔ اور یہ بھی احساس ہوا کہ اس نے سرنگا پٹم پر چڑھائی نہ کر کے ایک سنگین غلطی کی تھی۔ مگر اب سوائے سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کے دوسرا گذر نہیں تھا۔ اس لیے اس نے فوج کو محاصرہ کرنے کا حکم دیدیا۔ اور ہر نواب حیدر علی نے ہر نئے بھرتی ہونیوالے سپاہی کو اس قدر تنخواہ دینا شروع کیا کہ ترمک راؤ کی فوج سے کئی سردار و سپاہی حیدری فوج میں آ آ کر ملنے لگے۔ اور چند ہی دن میں نواب حیدر علی کے پاس بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے جمع ہو گئے۔ اور اب نواب حیدر علی نے کھلے میدان میں ترمک راؤ سے مقابلے کی ٹھان لی۔ اس وقت مرہٹے کوہ کری گٹ پر قابض ہو کر قلعہ پر گولہ باری کرتے تھے۔ جس سے حیدری فوج کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

جب محمد علی کمیدان کو نواب کا ارادہ معلوم ہوا تو اس نے نواب سے اجازت چاہی کہ پہلے اس کو ترمک راؤ سے نبرد آزمائی کرنے کی اجازت دی جائے۔ نواب نے یہ بات منظور کر لی۔ محمد علی کمیدان اپنی چیدہ سپاہ کو مرہٹی لباس پہنا کر نکلا اور کوہ کری گٹ کے پیچھے گھنے جنگل سے پہاڑ پر آیا۔ اور یہاں پہلے مورچہ پر اطلاع دی کہ ترمک راؤ نے مقیم فوج کے عوض دوسری فوج روانہ کی ہے۔ جس کو سن کر مورچہ والوں نے اس کو جگہ دیدی۔ مورچہ پر قبضہ ہوتے ہی باقی کارروائی آسان تھی۔ حیدری فوج بے خبر مرہٹوں پر تلواریں لیکر گری اور تھوڑے ہی عرصہ میں کری گٹ ہاتھ آ گیا۔ مگر غنیم کی بے شمار فوج کو دیکھتے ہوئے یہاں پر ٹھہرنا ناممکن تھا۔ محمد علی نے رات ہی رات چھوٹی توپیں سرنگا پٹم روانہ کر دیں۔ اور بڑی توپیں بیکار کر دی گئیں۔ اور مورچہ بھی توڑ دیا گیا۔ صبح ہوتے ہی پہلے کری گٹ خالی کر کے محمد علی کمیدان سرنگا پٹم واپس آ گیا۔

ترمک راؤ کو جب کری گٹ کی خبر پہنچی تو اس نے پنڈاری سواروں کو حکم دیا کہ تاراج

ڈالے ہوئے تھا۔ محمد علی نے ٹھہرنے کی اجازت چاہی۔ رات ہونے کی وجہ سے مرہٹوں نے اجازت دیدی۔ جب رات بہت زیادہ آئی اور مرہٹے غافل ہوکر سو گئے۔ تو محمد علی نے اپنے نہتے سپاہیوں سے انکی چند بندوقوں اور تلواروں پر قبضہ کرکے مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ اور تمام کو قتل کرکے انکے تمام ہتھیار وسامان لیکر سرنگا پٹم جا پہنچا۔ اور نواب حیدر علی سے مل گیا۔

تریک راؤ کو جب محمد علی کی خبر پہونچی تو اس نے حیدر علی کے دوسرے سرداروں سے جو اس کی اسیری میں تھے۔ سختی سے پیش آیا۔ اور انہیں پونا روانہ کردیا گیا۔ اور اسی شام کو یسین خاں کے خیمے میں پہونچکر جس کو وہ نواب سمجھے ہوئے تھا بہت کچھ تسلی وتشفی دیتے ہوئے کہا کہ میدان جنگ میں فتح وشکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے آپ صبر کرتے ہوئے اپنے پردہ نشینان حرم، اور شاہزادوں کو بلا لیجئے۔ کہ پونا پہونچکر جس طرح پیشوا کی رائے ہو عمل کیا جائے۔ یاسین خاں بھی غضب کا چلتا پرزہ تھا۔ تریک راؤ کی باتوں کا کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ تریک راؤ بھی مقتضائے وقت کے لحاظ سے خاموش ہو رہا۔

نواب حیدر علی کا دوبارہ فوج جمع کرنا

نواب حیدر علی نے سرنگا پٹم پہنچکر اپنے آنے کی خبر بالکل پوشیدہ رکھی۔ سوائے چند سرداروں کے کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ نواب سرنگا پٹم میں موجود ہیں۔ یہاں پھر نواب حیدر علی نے فوج جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور اس قدر روپیہ دینے لگے کہ چند ہی دن میں کافی فوج جمع ہوگئی۔

محاصرہ سرنگا پٹم

باوجود سخت رازداری کے آخر یہ خبر پھیل کر ہی رہی کہ نواب حیدر علی سرنگا پٹم میں موجود ہیں۔ اور پھر فوج جمع کر رہے ہیں۔ تریک راؤ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے نواب حیدر علی کے دھوکے

ٹیپو سلطان نے اپنی کمینگاہ سے نکلکر ایک ایسا سخت حملہ کیا۔ کہ مرہٹی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مرہٹوں کی بڑی جمعیت جب اس طرح سے دور ہوگئی۔ تو محمد علی کمیدان نے تربک راؤ کے خاص باڈی گارڈ پر حملہ کر دیا۔ اور دوسری طرف نواب حیدر علی اپنی کمینگاہ سے نکلے اس فوج کو دیکھتے ہی مرہٹوں میں پریشانی پھیل گئی۔ اور انہوں نے فرار ہونا شروع کر دیا۔ عین اس موقع پر حیدری فوج نے گولے برسانا شروع کئے۔ جس سے مرہٹوں کے نشان اور نقارول کے ہاتھی مارے گئے۔ تربک راؤ اس حال کو دیکھکر ڈیرا سے نکلا۔ اور اسی طرح بھیگی دھوتی سے جس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے بھاگا۔ تمام فوج تتر بتر ہو چکی تھی۔ حیدری پنڈارے اور ٹیپو سلطان کی فوجیں کیمپ لوٹ رہی تھیں۔ تربک راؤ نے موتی تالاب پر جو سرنگاپٹم سے تیس میل دور ہے۔ جا کر دم لیا۔ یہاں پھر اپنی پریشان فوج کو جمع کرنے لگا۔ حیدری فوج کے ہاتھوں کئی ہزار سپاہی مارے گئے۔ اور سات ہزار سپاہی اسیر ہو چکے تھے۔ اب تربک راؤ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ پھر سرنگاپٹم پر بڑھے۔ اس لئے اس نے اپنی فوج کو پائین گھاٹ و بالا گھاٹ پر بڑھا دیا۔ کہ ان پر قبضہ کر لے۔ تاکہ رسد نہ ملنے کی وجہ سے خود نواب عاجز آجائے۔ یہاں مرہٹے ملک کو کچھ اس طرح ویران کرنے لگے۔ کہ گھاس تک بھی باقی نہ چھوڑی۔ مگر حیدری فوج کے دستے بھی ساتھ ساتھ تھے۔ اور جب کبھی موقع پاتے شبخون مارتے تھے۔

پائین گھاٹ پر مرہٹی حملے

تربک راؤ کے رخصت ہوتے ہی نواب نے شہزادہ ٹیپو سلطان اور کمیدان محمد علی کو پائین گھاٹ کی طرف روانہ کیا۔ اور یہاں ٹیپو سلطان نے رتے کوٹہ میں کیمپ قایم کیا۔ اور کمیدان محمد علی کشنگری میں مقیم ہوا۔ محمد علی کو خبر ملی کہ تربک راؤ کا خزانہ کنکدری کی راہ سے

سرنگاپٹم کو لوٹ کر اس طرح ویران کردیں کہ حیدر علی تک رسد بالکل نہ پہونچ سکے۔

اتفاقاً دو دن بعد ہندوؤں کی عید آگئی۔ اور تمام مرہٹے اس دن غسل کرکے عید منانے میں مصروف ہوگئے۔ سپہ سالار ترمک راؤ بھی اتصال دوآبہ کا دیری پر غسل کرنے کو سعادت سمجھکر فوج کے ساتھ پہونچا۔

ترمک راؤ کی فراری

نواب حیدر علی نے پہلے ہی سے یہاں ایک کمینگاہ تیار کر رکھی تھی۔ اور فوج لیکر مرہٹوں کے منتظر تھے۔ دوسری طرف ایک خشک نالے میں شاہزادہ ٹیپو سلطان اپنی فوج کے ساتھ رات ہی سے بیٹھ گیا تھا۔ محمد علی کیدان اور غازی خاں سردار پنڈارہ کو حکم تھا کہ جب ترمک راؤ اتصال دوآبہ پر پہنچے تو حملہ کردیں۔

نوٹ:۔ "اس زمانے میں پنڈارے کثرت سے ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ ہر حاکم کے پاس انکی ایک بے قاعدہ فوج ہوتی تھی۔ پنڈارے لوٹ مار میں مشہور ہیں اس لئے جب کبھی جنگ ہوتی تو روپیہ دیکران کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں"

ترمک راؤ جو اس حال سے بے خبر تھا آکر غسل کرنے میں مصروف ہوا۔ اور اسکی فوج پیچھے پہرہ پر متعین تھی کہ اتنے میں محمد علی کیدان نے اس پر حملہ کردیا۔ مرہٹوں کی ایک دوسری بڑی جمعیت بطور حفظ ماتقدم اور پیچھے تھی۔ بندوقوں کی آواز سن کر وہ آگے بڑھے۔ مگر غازی خاں کی پنڈارہ فوج نے راستہ ہی میں اس کو روک لیا۔ مرہٹی فوج نے غازی خاں کے ساتھ صرف سو سواروں کو دیکھکر اسپر حملہ کردیا اور پنڈارے اس طرح بھاگے کہ انہیں حقیقت میں شکست ہوگئی ہے۔ اس تھوڑی سی فوج کے تعاقب میں مرہٹی فوج یہاں تک آگے بڑھی۔ جہاں ٹیپو سلطان کی کمینگاہ تھی۔ مرہٹی فوج کا یہاں تک پہنچنا ہی تھا کہ

کردیا۔ خانخانہی میں محمد علی نے رات کا وقت قلعہ کی دیوار پر اپنی فوج کے کپڑے پکڑ دیوں پر لگا دیئے۔ اور قلعہ کے اندر آگ سلگا دی۔ جس سے مرہٹی فوج کو اطمینان ہو گیا کہ حیدری فوج قلعہ میں رہ گئی۔ مگر جب نصف شب گذری تو اپنی فوج کو صحیح وسالم قلعہ کے پیچھے گھنے جنگل سے اتار کر لے گیا۔ صبح کو جب مرہٹے قلعہ پر حملہ آور ہوئے تو قلعہ خالی تھا۔

تربک راؤ نے میں کوٹہ میں کیمپ قائم کیا۔ اس کیلئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی۔ کہ اسکی کثیر فوج کو ملک کی تباہی و ویرانی کے باعث سامان ورسد نہیں مل سکتا تھا۔ گھوڑوں اور بیلوں کو گھاس ملنا بھی دشوار تھی۔ اور اسکے ساتھ ساتھ ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان کے شبخون نے مرہٹوں کا قافیہ تنگ کر دیا تھا۔ مگر فوج کی کثرت کی وجہ سے انہیں ان نقصانات کا احساس بالکل نہیں ہوتا تھا۔ تربک راؤ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح حیدر علی سے کھلے میدان میں مقابلہ ہو جائے۔ اور ادھر حیدر علی کو معلوم تھا کہ اس کثیر فوج سے جم کر مقابلہ کرنا کس حد تک خطرناک ہے۔ لہذا انکی فوج یا تو دن کو چھپکر حملہ کرتی تھی یا رات کو شبخون مارتی تھی۔

جس وقت تربک راؤ نے میل کوٹہ میں کیمپ قائم کیا۔ تو حیدر علی نے صلح کی درخواست بھیجی۔ مگر مرہٹی سپہ سالار نے اس بناء پر انکار کر دیا کہ جب تک حیدر علی کامل طور پر اطاعت نہ کرلیں۔ صلح نہیں ہو سکتی۔ لہذا حیدر علی کے سفیر واپس ہو گئے۔ تربک راؤ کسی طرح حیدر علی کو کھلے میدان میں مقابلہ کیلئے لانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے تجویز کی کہ بدنور پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس لئے مرہٹی فوج بدنور پر بڑھی۔ اور ادھر نواب نے بھی محمد علی کمیدان کو چھ ہزار بندوقچی اور بارہ ہزار سوار اور ایک زبردست توپ خانہ دیکر مرہٹوں پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ محمد علی کی فوج کورگ کے جنگلوں سے بدنور کی طرف بڑھی۔ مگر جنگلات گھنے

جارہا ہے۔ محمد علی رات کے وقت کشنگری سے نکلکر کوہ ماث کے دامن میں چھپ گیا۔ جب مرہٹوں کا خزانہ میدان سے نکلکر درہ کوہ میں داخل ہوا تو محمد علی کمیدان نے ان پر حملہ کیا۔ مرہٹے اس اچانک حملے سے بھاگ نکلے۔ کچھ ایک قتل ہو گئے۔ اور تمام نقد و جنس محمد علی کے ہاتھ آئی۔ جس کو لیکر محمد علی کشنگری پہنچ گیا۔ جب یہ خبر ترنبک راؤ کو معلوم ہوئی۔ تو اس نے اپنا کیمپ تیپور گھاٹ سے اٹھا کر قصبہ اوتا بیگری میں قایم کیا۔ دوسرے دن محمد علی نے ٹیپو سلطان کو اطلاع دی کہ مرہٹی فوج اوتا بیگری سے دھرمپوری پر حملہ کرنے والی ہے۔ ٹیپو سلطان اپنی فوج لیکر دھرمپوری طرف بڑھے۔ دیکھا کہ مرہٹے دھرمپوری کے اطراف میں لوٹ کر کے گھوڑوں پر سامان لادرہے ہیں۔ ٹیپو سلطان نے بھی مرہٹوں کو دھوکہ دینے کے خیال سے مرہٹی لباس میں خود بھی ایک طرف لوٹنا شروع کیا۔ اور جب سب سامان گھوڑوں اور بیلوں پر لد چکا تو مرہٹے اوتا بیگری واپس ہوے۔ یہاں راستے میں ٹیپو سلطان کی فوج کا ایک حصہ کمینگاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جنہوں نے مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ اور خود مرہٹی فوج کے اندر تلوار چلنا شروع ہو گئی۔ ٹیپو سلطان کی فوج مرہٹی لباس پہنے ہوئے ان میں ملی ہوئی تھی۔ اب تو مرہٹوں کو سوائے فرار ہونے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس لوٹ میں ٹیپو سلطان کے ہاتھ چار ہزار گھوڑے، صدہا بیل اونٹ اور بیس ہاتھی ہاتھ لگے۔ ترنبک راؤ ان پے در پے حملوں سے حواس باختہ ہو گیا۔ اوتا بیگری سے کیمپ اٹھا کر کاویری پٹن پہنچا۔ ٹیپو سلطان نے کوہ کنگن گڈھ میں کیامپ قایم کیا۔ اور محمد علی کمیدان کی فوج خانخان ہلی کے قلعہ کو روانہ ہو گئی۔

مرہٹے کاویری پٹن میں چند دن قیام کر کے خانخاہلی پر حملہ آور ہونے۔ یہاں محمد علی کمیدان کی فوج قلعہ گیر تھی۔ ترنبک راؤ نے ایک فوجی دستہ بھیجکر قلعہ کا محاصرہ

فوجوں سے آکر مل گئے۔ اور ایک زبردست شبخون مارنے کا انتظام کرنے لگے۔ نواب حیدرعلی کی خوش قسمتی سے یہ موقع بہت جلد حاصل ہوگیا۔ مرہٹوں کی تمام فوج ایک گھنے جنگل کے کنارے کیمپ ڈالے ہوئے پڑی تھی۔

مرہٹی فوج پر شبخون

نواب حیدرعلی نے ان تمام بیلوں کو جو تریک راؤ کی فوج سے ملے تھے۔ جمع کیا۔ اور اطراف واکناف سے بھی قریب دس ہزار بیل جمع کیے گئے اور ان تمام بیلوں کی سینگوں پر کپڑے لپیٹ کر انہیں تیل سے تر کر دیا گیا۔ جس وقت رات بہت زیادہ آئی تو حیدری فوج نے چاروں طرف سے تریک راؤ کی کیمپ کا محاصرہ کرتے ہوئے بیلوں کی سینگوں کو آگ لگا کر کیمپ کی طرف ہانک دیا۔ مرہٹی فوج جاگ اٹھی اور جب خیموں سے باہر نکلی تو دیکھا کہ تمام جنگل چراغاں بنا ہوا ہے۔ اور ہر طرف چراغ نظر آرہے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ حیدرعلی کی زبردست فوج حملہ کرنے کیلئے آگئی ہے۔ وہ ابھی تیاری میں ہی تھے کہ بیل آگ کی گرمی سے پریشان ہوکر ہر چہار طرف دوڑنے لگے۔ جسکی وجہ سے مرہٹوں کے خیموں پر آگ لگ گئی۔ اور خود انکی سواری اور باربرداری کے جانور گھبرا کر رسیاں تڑا کر بھاگ نکلے۔ اور دوسری طرف اطراف سے حیدری فوج جنگل میں چھپی ہوئی گولیاں برسا رہی تھی۔ یہ ایک ایسا ہنگامہ تھا جس کو فرو کرنے سے مرہٹے عاجز تھے۔ اگر غنیم کی فوج انکے آگے آجاتی تو وہ اور بات تھی۔ مگر یہاں غنیم کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اندھیری رات تھی اور کیمپ جل رہا تھا۔ اور خود انہیں کے بیل، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ ہر چہار طرف دوڑ دوڑ کر قیامت برپا کر رہے تھے۔ اس حالت میں محمد علی کمیدان کی فوج نے گولے اور بان برسانا شروع کر دیئے۔ مرہٹوں کو اب سوائے فرار ہونے کے اور دوسری راہ نظر نہیں آتی۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کسطرف جائیں

ہونے کا باعث توپ خانہ کا لیجانا مشکل تھا۔ اس بھاری توپ خانہ کو واپس کر دیا گیا۔ ترنبک راؤ کو جب محمد علی کمیدان کی خبر پہنچی تو اس نے ایک زبردست فوجی دستہ کو اسکی طرف روانہ کیا۔ اور انعام بھی مشتہر کر دیا کہ کسی طرح یا تو محمد علی کو زندہ پکڑ لائیں۔ یا اسکا سر لائیں۔ اتفاق سے دونوں فوجوں کا مقابلہ ایک کھلے میدان میں ہوگیا۔ جہاں دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ دوسرے دن مرہٹوں نے ترنبک راؤ سے مدد مانگی۔ جس پر ترنبک راؤ خود توپخانہ لیکر میدان میں آپہنچا۔ یہاں حیدری فوجوں نے مرہٹی مقتولین کو جمع کر کے حفاظت کے لئے دمدمہ تیار کیا۔ اور اسی کی پناہ لیکر بندوقیں چلاتے رہے۔ اپنے مقتولین کی یہ حالت دیکھکر مرہٹی فوج میں ایک قسم کی سراسیمگی چھا گئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ترنبک راؤ کو اور بھی طیش آگیا۔ شام تک معمولی لڑائی ہوتی رہی۔ اور اس عرصہ میں ترنبک راؤ کا توپ خانہ میدان جنگ میں مناسب مقامات پر جما دیا گیا۔ جب شب ہوی اور لڑائی تھم گئی تو محمد علی اپنے زخمیوں کو بھی میدان جنگ میں چھوڑ کر جنوب کی طرف چل نکلا۔ مگر زخمیوں سے یہ کہہ گیا۔ کہ مقام استارہ پر بیچ پچکران کیلئے ڈولیاں بھیجی جائیں گی۔ صبح کو جب مرہٹوں نے دیکھا تو میدان خالی تھا۔ زخمیوں سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ محمد علی آستارہ کو چلا گیا ہے۔ مرہٹے بھی شمال کی طرف استارہ پر بڑھے۔ یہاں محمد علی کا پتہ نہیں تھا۔ ترنبک راؤ اور اسکی فوج کا بڑا حصہ رائے پٹن کی ندی کے کنارے تھا۔ جس پر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے صحرائے ماگڑی درگ سے نکل کر شبخون مارا۔ جس میں بہت سا سامان حیدری فوج کے ہاتھ آیا۔

ترنبک راؤ نے محمد علی کے نہ ملنے سے مایوس ہو کر اپنی فوج کو اور آگے بڑھایا۔ اور ادھر نواب حیدر علی بھی فوج لیکر ماگڑی درگ کے گھنے جنگلوں میں محمد علی اور ٹیپو سلطان کی

روان خون تھا مانند دریائے آب | سرِ پہلواناں تھے مثلِ حباب
جوانمرد جتنے تھے اس فوج کے | سبھی وفعتہً واں پہ مارے گئے
ہوئے کشتہ اعدا بہت وقت جنگ | زمیں خوں سے یکسر ہوئی لالہ رنگ
کوئی لوٹتا تھا پڑا خاک پر | کوئی کھا کے نیزہ گرا آہ کر
ہوئے کشتہ کتنے کروں کیا بیاں | سوا لاش کے کچھ نہ واں تھا عیاں

مظفر ہوئی غازیوں کی سپاہ
ہوئی فوج یوناں سراسر تباہ"

مگر سب سے دلچسپ ملا فیروز کی وہ فارسی نظم ہے۔ جو انہوں نے اپنی تاریخ جارج نامہ میں لکھی ہے۔ ملا فیروز اپنی تاریخ جارج نامہ جیسے فتوحات برطانیہ انگریزی تاریخوں سے مرتب کی ہے اس کتاب میں انہوں نے اس جنگ کا پورا نقشہ کھینچکر رکھدیا ہے جس کا اقتباس ناظرین کی دلچسپی کیلئے یہاں دیا جاتا ہے۔

اس وقت جب حیدر علی کو موتی تالاب پر شکست ہوئی۔ اور وہ تن تنہا سر نگا پٹم فرار ہوئے تو حیدر علی کی زبان سے ملا فیروز لکھتے ہیں:۔

اگر سوخت باروت بان و شتر | ازاں جنس وارم بسے قلعہ پر
چو باشد بعالم خدا مہرباں | ندارم غم از سوخت باروت و باں
نباشد اگر خیمہ ام نیست ننگ | بود خیمہ ام آسماں روز جنگ
دگر فرش نبود ازاں ننگ نیست | بمردان بسیط زمیں تنگ نیست
بہ حور بہشتی مرا نیست کار | عروس ظفر بایدم در کنار

اور پھر جب ٹیپو سلطان اور سرداران فوج آکر ملے اور نئی فوج کی بھرتی شروع

ہر شخص جدھر راستہ نظر آیا. بھاگنا شروع کر دیا۔ توپیں لیجانے کیلئے باربرداری کے جانور بھی نہیں تھے ۔اس سراسیگی اور پریشانی کی حالت میں ترمک راؤ اور دوسرے مرہٹہ سردار بھی جان بچاکر بھاگ نکلے۔ اسوقت حیدری فوج کے پنڈاروں نے کیمپ لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ اور انکے ساتھ خود مرہٹی فوج کے پنڈارے بھی شامل ہوگئے ۔دوست دشمن کی تمیز اڑ گئی۔ اور آپس میں تلوار چلنے لگی. ترمک راؤ فرار ہوا۔ اورجب تبلیغ کو اس میدان سے ہٹ کر دس میل دور قیام کیا۔ تو اسکے پاس سوائے چند ہزار سپاہیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اب اس نے یہاں پھر اپنی فوج کو جمانا شروع کیا۔ اور پونہ سے امداد کا طالب ہوا۔

نواب حیدر علی کا نیر اقبال روز روز پر تھا۔ پونا میں پیشوا مادھو راؤ کا انتقال ہو گیا اور تخت نشینی کیلئے نارائن راؤ اور رگھوبا میں کشمکش شروع ہوگئی تھی اس موقع سے حیدر علی نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور ایک سفیر کو ترمک راؤ کے پاس بھیجدیا کہ صلح کر لیجائے۔ ترمک راؤ بھی پونا کی حالت کو دیکھتے ہوئے اور اپنی موجودہ کمزوری کا احساس کرتے ہوئے فوراً صلح پر راضی ہو گیا۔ اور مطالبہ کیا کہ حیدر علی اخراجات جنگ ادا کریں. مگر یہاں حیدر علی نے ملک کی تباہی و بربادی کا حوالہ دیتے ہوئے انکار کر دیا۔ آخر بہت سے رد و قدح کے بعد چھتیس لاکھ روپیہ پر معاملہ طے ہو گیا۔ اور ترمک راؤ پونا واپس چلا گیا۔ اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہوا اس جنگ کا آغاز ۱۷۷۰ء سے شروع ہوا تھا۔ اور اور ۱۷۷۲ء میں خاتمہ ہوا۔

مرہٹوں کی مذکورۂ بالا جنگ کے متعلق بہادر نامے میں لکھا ہے :۔

"کروں کیا بیاں ماجرائے ستیز کہ برپا تھی اس جا پہ اک رستخیز

سروں سے تھی مردان جنگ آزما نثار دم خنجر و تیغ تھا

فتح کورگ ۱۷۷۳ء

جب مرہٹے پونہ واپس چلا گئے۔ تو نواب حیدر علی کو اپنا خزانہ بھرتی کرنے کیلئے نئے فتوحات کی سوجھی۔ اور نواب کی خوش قسمتی سے ملک کورگ میں تخت کیلئے خانہ جنگی برپا تھی۔ اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا (کورگ موجودہ وقت میں ریاست میسور کی مغربی جانب ایک چھوٹا انگریزی صوبہ ہے۔ جس کا رقبہ ۱۵۸۰ مربع میل اور آبادی پچپیں ہزار کے قریب ہے) جس میں ایک طرف مرکیرے کا راجہ تھا۔ اور دوسری طرف بیل کا راجہ تھا۔ حیدر علی بیل کے علاقے کی طرف بڑھے۔ راجہ نے قلعہ بند ہو کر نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ چند دن بعد اپنے اہل و عیال کو قلعہ سے نکال کر اندرون ملک میں کسی مقام کو روانہ کر دیا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ خبر ملی تو ایک فوجی دستہ لیکر جنگل میں راجہ کے خاندان پر حملہ کیا۔ اور اچانک تمام سپاہیوں اور راجہ کی عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ اس حال کے معلوم ہوتے ہی بیل کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ نواب حیدر علی قلعہ پر قبضہ کر کے مرکرا پر بڑھے۔ یہاں کے راجہ نے بہت سا مال و زر دیکر نواب کی اطاعت قبول کر لی۔

فتح ملیبار ۱۷۷۳ء

نواب۔ فتح کرگ سے واپس ہو کر ملیبار کی طرف بڑھے۔ بہادر علی راجہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ استقبال کیا۔ ملیبار کے جنوبی حصہ میں اس وقت مختلف راجاؤں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ نواب حیدر علی نے چیر کل پر حملہ کر دیا۔ لڑائی میں راجہ مارا گیا۔ اور اس کا ایک ہفت سالہ فرزند قید ہو گیا۔ جس کو نواب نے مسلمان بنا کر ایاز خاں نام رکھا۔ اور بطور اپنے ایک فرزند کے اس کی پرورش کی۔

نوٹ :۔ آگے چلکر یہی ایاز خاں بیہاں کا نواب بنا۔

کی تو فرماتے ہیں :-

امیران من نیک خواہ من اند | ہوادار فرقِ کلاہ من اند
خزائن بمن دادہ حق بے شمار | بپاسم بفرق فلاں وقت کار
چو یکدل شناسیم در روز جنگ | شود دشمن ما دو دل بے درنگ

فوج اور سرداران لشکر کو نئے حملہ سے پیشتر یوں مخاطب فرماتے ہیں :-

الا اے سواران شمشیر زن | جوانان شیر افگن و پیل تن
سواری بر اسپان تازی کنید | ز فرق عدو گوئے بازی کنید
حرام است آرام در روز جنگ | بر آئید از خانہ با چوں خدنگ
بفوج عدو تیر باراں کنید | ہوا را چو ابر بہاراں کنید
بہ پیلاں بہ بندید کوس و درائے | کہ تا گاؤ و ماہی بجنبد زجائے
چو سر بر کشید آفتاب بریں | من و ترک و تیغ میدان کیں

پھر خاتمۂ جنگ پر اس طرح فرمایا جاتا ہے :-

چو بود مراد خزائن کمی | فراہم بزرمی شود آدمی
چناں رخنہ سندیم بر بد سگال | کہ ترک چو کرمک شود پائمال
چو شمشیر ما برق ریزاں شود | بہ پونا چو دوناں گریزاں شود"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"پونا میں پیشوا مادھوراؤ کی وفات کے باعث حیدر علی سے ترک راؤ نے چھتیس لاکھ روپیہ لیکر صلح کرلی ۔ اور حیدر علی نے مادھوگری اور گرم کنڈہ کے اضلاع مرہٹوں کو دیدیئے"

ہوا۔ بلاری کے پالیگار نے حیدر علی سے امداد طلب کی۔ حیدر علی اپنی فوج لے کر بلاری کی طرف بڑھے۔ اور بسالت جنگ کی فوج پر جو موسیو ڈی لالی کے زیر کمان تھی اچانک حملہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے حیدر آبادی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ اور نواب حیدر علی کا بلاری پر قبضہ ہو گیا۔ اور بلاری کا راجہ بجائے نظام الملک کے نواب حیدر علی کا خراجگذار بن گیا۔

فتح گتی ۱۷۷۶ء

گتی جنوبی ہندوستان کا ایک مشہور قلعہ ہے۔ جہاں عرصہ دراز سے مرہٹے حکمران ہوتے چلے آئے تھے۔ گتی کے راجہ اس قدر زبردست ثابت ہوئے تھے۔ کہ اطراف واکناف میں انکی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ اور آج تک بھی ضلع اننت پور اور بلاری میں راجگان گتی کے کارنامے اور گتی کی عظمت کی داستانیں لوگ ذوق وشوق سے بیان کرتے ہیں۔ نواب حیدر علی نے بلاری کی فتح سے فارغ ہو کر انتقام لینے کیلئے گتی پر چڑھائی کی۔ کیونکہ یہاں کا راجہ مراری راؤ ہمیشہ مرہٹوں سے ملکر میسور پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اور انگریزوں سے جو پہلی جنگ ہوئی تھی۔ اس میں بھی نواب والاجاہ محمد علی کے ساتھ تھا۔ نواب حیدر علی نے گتی کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کی مضبوطی کی وجہ سے محاصرہ نے نہایت طول کھینچا۔ آخر کار جب سخت محاصرہ کی وجہ سے رسد پہنچنا بند ہو گئی۔ اور قلعہ کے اندر تالاب وباؤلیاں سوکھ گئیں۔ تو راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ راجہ اور اس کے عورتوں کو سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔ اور حیدر علی تمام مضافات گتی پر قابض ہو گئے۔ جن میں کنچی کوٹہ اور بینی کنڈہ اور سندور شامل ہیں۔ گتی کے فتح ہونے سے گرم کنڈہ کے قلعہ دار نے بھی اپنا قلعہ خود بخود نواب حیدر علی کے حوالے کر دیا۔

تسخیر بلاری سے متاثر ہو کر نظام الملک مرہٹوں سے مل گیا۔ اور ادھر مرہٹوں کو بھی گتی کے ہاتھ سے نکل جانے سے حیدر علی سے رنجش پیدا ہو گئی تھی۔ پیشوا رگھوبا نے ۱۷۶۹ء میں

یہاں کے انتظام سے فارغ ہو کر نواب نے کوچین کی بندرگاہ پر چڑھائی کی۔ کوچین کا راجہ انتالیس[۴۰] ہاتھی اور سات لاکھ روپیہ نقد دیکر نواب کا مطیع ہو گیا۔ ان فتوحات سے مغربی پورا جنوبی کیانرا، ملیبار، کوچین، واشناڈ اور نیلگری نواب کے قبضہ میں آچکے تھے۔ اس لئے نواب نے ان تمام علاقوں کو صوبہ کنارا کے نام سے ایک صوبہ بنا کر سردار خاں کو صوبہ دار مقرر کیا۔

واقعات پونا

مادھو راؤ کی وفات کے ساتھ ہی پونا میں واقعات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ رگھوناتھ راؤ عرف رگھوبا اور نارائن راؤ میں پیشوا کے منصب کیلئے کش مکش شروع ہو گئی۔ جس سے مرہٹے مختلف پارٹیوں میں منقسم ہو گئے۔ اور آپس میں لڑائی شروع ہو گئی۔ رگھوبا قید کر دیا گیا۔ اور نارائن راؤ پیشوا بنا۔ مگر بعد میں نارائن راؤ سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ اور رگھوبا پھر قید سے چھوٹ کر پیشوا بنا۔ مگر مرہٹوں کی ایک جماعت نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کو پیشوا بنانے پر تُلی ہوئی تھی۔ اس لئے رگھوبا نے انگریزوں سے سازش شروع کی ۔ اور دوسری طرف نارائن راؤ کے بچے کی حمایت پر نانا فرنویس اور دوسرے مرہٹہ سردار تھے۔ مرہٹوں کی اس خانہ جنگی کے اسباب میں انگریزوں کا ہاتھ کس قدر تھا۔ اس کیلئے ایک علیحدہ تفصیل کی ضرورت ہے۔ اور اس کے علاوہ سوانح حیدر علی سے اس کو زیادہ تعلق بھی نہیں۔ بہر طور مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی ۔ اور اس حالت کو دیکھتے ہوئے نواب حیدر علی نے اپنا کھویا ہوا ملک دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

تسخیر بلاری ۱۷۷۴ء

یہ موقع انہیں اس طرح حاصل ہوا کہ بسالت جنگ[5] ناظم ادہونی نے اس وقت بلاری پر حملہ کیا۔

کی شادی اپنی مرضی سے امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے، اور خواتین محل کی مرضی کے مطابق رقیہ بانو سے کی۔ رقیہ بانو لالہ میاں شہید چرکولی کی دختر تھیں۔ خواتین محل کو پہلی نسبت اسلئے پسند نہ تھی کہ وہ خاندان کی لڑکی نہ تھی۔ مگر نواب حیدر علی کو اپنی بات قائم رکھنے پر اصرار تھا۔ اگر مقامی روایات پر یقین کیا جائے تو یہ شادی جو امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے ہوئی۔ اس قدر دور رس نتائج رکھتی ہے۔ کہ ٹیپو سلطان کے زوال سلطنت میں اسکا بہت بڑا دخل ہے۔ اس رشتہ سے ناراض ہو کر ذیل نوائطہ نے انگریزوں سے سازشیں شروع کردی تھیں۔ نائطہ کو اپنی شرافت و نسب پر حد درجہ غرور تھا۔ اور اس شادی کو وہ اپنی توہین سمجھ رہے تھے۔ اور در پردہ انتقام کی فکر میں تھے۔ ٹیپو سلطان کی شادی کے بعد حیدر علی کی صاحبزادی کا نکاح حافظ سید علی سے ہوا۔ اور شاہباز صاحب کی دولڑکیوں کا نکاح بھی تربیت علی خان نائطہ اور یاسین صاحب سے ہوا۔ ان شادیوں کا جشن سرنگاپٹم میں ایک ماہ تک ہوتا رہا۔

پونا میں پیشوائی کیلئے کش مکش ۱۷۷۴ء

پونا میں واقعات بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے۔ اور حالات یہاں تک پہونچ گئی کہ رگھو با پونا چھوڑ کر فرار ہوا۔ اور جنوب میں میسور میں آکر حیدر علی سے مدد مانگی اور اس کے عوض وہ تمام علاقہ جو دریائے کرشنا سے جنوب کی طرف جو مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ حیدر علی کو لکھکر دیدیا۔ مگر اس کی فوجوں میں پھوٹ پڑگئی۔ اور ایک کثیر حصہ اس کو چھوڑکر پونا چلا گیا۔ جس کی وجہ سے رگھو با علاقہ میسور چھوڑکر گجرات کی طرف چلا گیا۔ چونکہ رگھو با کی کارروائیوں میں انگریزوں کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اس لیئے دوسری طرف نانا فرنویس نے انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کیلئے تمام سرداران

ہزار کی ایک فوج نظام الملک کی کمک کے لئے بھیجدی۔ نواب حیدر علی نے ان دونوں فوجوں کے ملنے سے پیشتر ہی مرہٹی فوج کو رشوت دیکر ان میں پھوٹ ڈالدی۔ جس کی وجہ سے آپس میں لڑ کر وہ واپس ہو گئے۔ حیدر آباد کی جانب سے ابراہیم خاں دہونسہ آیا ہوا تھا۔ جس کی سرکوبی کیلئے نواب نے محمد علی کمیدان کو دہونسہ کے مقابل گھونسہ کا خطاب دیکر بھیجا۔ اور نواب برق سرعت سے راہ طے کرتے ہوئے تیسرے دن اچانک حیدر آبادی فوجوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس جنگ میں گولوں کے عوض بان مارے گئے۔ اور حیدر آبادی فوج پریشان ہو کر بھاگ نکلی۔ اور کہا جاتا ہے کہ دہونسہ برہنہ سر ہو کر فرار ہو گیا اور فرنسیسوں کے دستہ فوج میں جا کر پناہ لی۔ مرہٹوں کے چلے جانے سے حیدر آبادی فوجیں بے دل ہو کر گولکنڈہ طرف واپس چلی گئیں۔ نواب حیدر علی انکا تعاقب کرتے ہوئے ادہونی پہنچکر اسکا محاصرہ کرلیا۔ اور اپنے ایک سفیر کو بسالت جنگ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ دارالامارت سرنگاپٹم دور ہونے سے سپاہیوں کی تنخواہ دو مہینوں سے نہیں دیگئی ہے۔ اس لئے ضروری مصارف کیلئے دس لاکھ روپیہ بھیجدیا جائے۔ بسالت جنگ نے اسکو غنیمت جانکر فوراً روپیہ پیش کردیا۔

"ادہونی کے متعلق مقامی روایت ہے کہ نواب حیدر علی نے قلعہ کا محاصرہ کرکے چند گولے قلعہ پر برسائے۔ جس کی وجہ سے بسالت جنگ کی حرم سرا میں کہلکہ پڑگیا تو بسالت جنگ نے خود بخود ایک بڑی رقم نواب حیدر علی کو دیکر آئندہ دوستی کا وعدہ کرکے رخصت کردیا۔"

شہزادوں کی شادیاں ۱۱۸۳ھ

شمالی اضلاع کی فتح سے فارغ ہو کر نواب سرنگاپٹم واپس پہنچے۔ اور انہیں دنوں میں شہزادہ ٹیپو سلطان

کریم شاہ کی شادی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کی بیٹی سے کردی گئی۔

اس شادی کے بعد نواب اپنی فوجوں کو سرہٹی، تواَل اور کوپل کے راستے سے بادامی اور دھاڑواڑ پہ بڑھایا ۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ افواج میسور خاص مرہٹہ واڑی پر حملہ آور ہوئیں۔

فتح بادامی۔ دھاڑواڑ ودیگر فتوحات ۱۱۷۸ھ

بادامی ایک معمولی جنگ کے بعد فتح ہو گیا۔ مگر قلعہ دھاڑواڑ نہایت مضبوط تھا۔ اور اس کی حفاظت پر مرہٹوں کی ایک زبردست فوج متعین تھی۔

فتح دھاڑواڑ کے متعلق سرآلفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنی فوج کے ایک حصہ کو مرہٹی لباس پہنا کر دھاڑواڑ پر روانہ کیا اور قلعہ دار کو ایک جعلی خط بھیجا کہ اسکی کمک کیلئے مرہٹی فوج آرہی ہے۔ چونکہ حیدر علی فوا ج دھاڑواڑ میں تھے۔ مرہٹی قلعہ دار نے اس کو سچ سمجھ لیا۔ حیدر علی کی یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی۔ اس وقت قلعہ دھاڑواڑ پہنچی۔ جب حیدر علی اپنی فوج کے دوسرے حصہ سے قلعہ پر حملہ کر رہے تھے۔ اب یہ فوج جو مرہٹہ لباس میں پہنچی، تو حیدر علی نے مصنوعی طور پر خالی کارتوس چلانا شروع کر دئے۔ ادھر تو یہ مصنوعی لڑائی ہونے لگی۔ اور ادھر یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی قلعہ پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔ اور اسی طرح لڑتے ہوئے دروازے پر پہونچگئی۔ جہاں قلعہ دار نے اپنی ہی مرہٹی فوج سمجھ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ یہ فوج قلعہ کے اندر داخل ہوگئی اندر داخل ہونیکے بعد قلعہ پر قبضہ کرنا ایک معمولی بات تھی۔ اس طرح دھاڑواڑ پہ نواب حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔"

ملک کو مجتمع کرنا شروع کیا۔ اور اس سلسلہ میں نواب حیدر علی کو بھی لکھا کہ انگریزوں پر حملہ کرے۔ مگر حیدر علی نے مقتضائے وقت کے لحاظ سے کچھ جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس کی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ نواب حیدر علی شروع سے دیکھ رہے تھے کہ کس طرح بے وجہ مرہٹے حملے کر کے میسور کو تباہ و برباد کرتے رہے ہیں۔

بعض ہندو مورخین نواب حیدر علی پر معترض ہیں کہ انہوں نے نانا فرنویس کا وہ راز جو انگریزوں کو ملک سے نکالنے کیلئے تھا۔ انگریزوں پر ظاہر کر کے اپنے تدبر اور حب الوطنی کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کیا مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۲ء تک مرہٹوں نے میسور پر چار حملے کئے۔ اور ہر وقت انکی یہی خواہش رہی کہ کسی طرح حیدر علی کو مٹا دیا جائے۔ مادھوراؤ اور تریمک راؤ کے اخیر حملے کچھ اس غضب کے تھے کہ اگر قسمت حیدر علی کا ساتھ نہ دیتی تو انکے مٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ نواب حیدر علی کی درخواست صلح کو بھی مرہٹے ٹھکرا چکے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے حیدر علی نے مرہٹوں کے راز کو انگریزوں پر ان سے دل برداشتہ ہونے کی وجہ سے منکشف کر دیا۔ تو ان پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ حیدر علی نے جو کچھ کیا۔ وہ اقتضائے وقت، نزاکت حالات، حفاظت خود اختیاری اور مجبوری کی وجہ سے تھا۔

اس کے بعد نواب حیدر علی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خان کی سرکوبی کے لئے نکلے۔ شاہنور کا نواب مرہٹوں سے سازش کر رہا تھا۔ اسلئے نواب حیدر علی نے اس پر چڑھائی کی۔ اور شاہنور کی فوجوں کو شکست دے کر عبدالحکیم خان کو اسیر کر لیا۔ جس پر اس نے اپنی خاص سواری اور نشان کے ہاتھی و نیز ڈیڑھ لاکھ روپیہ حیدر علی کی نذر کر دیا۔ اور ہمیشہ اطاعت گذار رہنے کا وعدہ کیا بمصلحت وقت جان کر شہزادہ

ہمیشہ مرہٹے۔ والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کے ساتھ ملکر ملک پر تاخت کرتے رہتے تھے۔ جب حیدری فوج سوا دکڈپہ پہونچی تو حاکم کڈپہ نواب عبدالحلیم خاں نے پانچ لاکھ روپیہ نقد اور دو ہاتھی بطور پیش کش بھیجکر خراج گذار رہنے کا وعدہ کرلیا۔ نواب حیدر علی نے پیش کش قبول کرلی۔ اور بنگن پلی طرف کوچ فرمایا۔ یہاں ایک معمولی مقابلہ ہوا جس میں حیدری افواج غالب آئیں بنگن پلی کے نواب نے سات لاکھ روپیہ پیش کش دیکر اپنی جان بچالی۔ اور خراجگذار رہنے کا بھی وعدہ کیا۔ یہاں سے حیدری افواج کرنول طرف بڑھی۔ نواب کرنول مقابلہ کیلئے آیا۔ اس کے ساتھ ایک پیر مسکین شاہ نامی تھے۔ جنہوں نے اس کو یقین دلایا تھا کہ :-

"میرے ہوتے ہوئے کرنول کی فوج کو شکست نہ ہوگی"

مگر جب مسکین شاہ نے نواب حیدر علی کے جلال و جبروت کو دیکھا تو آپ خود لاپتہ ہوگئے۔ انکے علیحدہ ہوتے ہی نواب منور خاں حاکم کرنول نے پچاس لاکھ روپیہ نقد بطور نذر دے کر خراجگذار اور مطیع رہنے کا اقرار کیا۔

اب نواب حیدر علی کے مقبوضات قلعۂ دھاڑواڑ سے لیکر مشرق میں کرنول تک اور جنوب میں کوچین تک پھیلے ہوئے تھے۔ صرف ایک چتلدرگ کا علاقہ باقی تھا۔ یہاں کا راجہ نہایت زبردست فوج اور قلعے رکھتا تھا۔ نواب حیدر علی پیشتر بھی اس علاقہ کو فتح کرنیکی غرض سے اس پر تاخت کرکے قلعۂ چتلدرگ کا محاصرہ پانچ ماہ تک کرچکے تھے۔ مگر ناکامیاب رہے۔ چتلدرگ کا راجہ ہمیشہ مرہٹوں سے ملکر حیدر علی کا مخالف رہا۔ اسلئے اب حیدری افواج بغرض انتقام چتلدرگ پر بڑھیں۔ یہاں راجہ کی فوج نے ایک ایک قدم پر انکا مقابلہ کیا جس کی وجہ سے نواب حیدر علی کو قلعۂ چتلدرگ تک پہنچنے کیلئے کئے مہینے لگے۔ آخرکار نواب حیدر علی نے چتلدرگ کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ چتلدرگ کے اطراف میں گھنا جنگل تھا۔ اور

حیدر علی وھاڑواڑے سے نکلکر اناگندی پر آئے۔ سلطنت وجیانگر کے زوال کے بعد وہاں کے راجہ کا خاندان اناگندی میں مقیم تھا۔ اور اس وقت وہاں کا حاکم تمراج نامی راجہ تھا۔ جسکی نسبت مشہور ہے کہ دستور کے موافق کسی کو سلام نہ کرتا تھا۔ راجہ نے ایک لاکھ ہن (تین لاکھ روپیہ) بطور پیشکش اپنے بیٹے کے ہاتھ سے روانہ کیا۔ اور حاضری سے معافی کا خواستگار ہوا۔ نواب نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ یہاں سے نکلکر نواب حیدر علی تنگاپٹن کی راہ سے ہاکل واڑی پہنچے۔ یہاں کا راجہ اپنی سخاوت اور حماقت کے لئے مشہور تھا۔ کئی کوٹھیاں افیون سے بھری پڑی تھیں۔ مگر اس کی حرص کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ

"کاش یہ پہاڑ جو میرے شہر میں ہے۔ افیون کا بن جاتا"

کبھی کبھی باغ کی سیر کو نکلتا۔ تو باغ میں اونگھتا ہوا پھرتا۔ اور خادموں سے دریافت کرتا کہ ہم کو محل سے نکلے ہوئے کئی روز ہوئے۔ خدام کہتے کہ آپ جلد چلیں۔ محل نزدیک ہی ہے۔ یہ سن کر ہنستا ہوا جواب دیتا کہ جلد چلنا جانوروں کا کام ہے۔ محل میں رانی کے پاس تو جاتا ہی نہیں تھا۔ رانی کے خدام زبردستی اٹھا کر لیجاتے۔ نواب حیدر علی نے ہاکل واڑی پہونچکر راجہ کو حضوری میں طلب کیا۔ اور اس کے علاقے اور حال کی کیفیت پوچھی۔ اور یہ بھی دریافت کیا۔ کہ آپ مجھے کیا نذر دیں گے۔ راجہ نے جواب دیا کہ آپ کے اقبال سے کئی سو من افیون بھری پڑی ہے۔ اور دودھ پینے کے لئے صدہا گائیں موجود ہیں۔ اور کنیزی کیلئے میری رانی موجود ہے۔ جس کے پاس زیور بھی ہے۔ یہ جواب سنکر نواب مسکرا دیئے۔ اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! "یہ ہیں خلق خدا کے محافظ اور رعایا کے جان و مال کے نگہبان" بعد ازاں وہاں اپنا ناظم مقرر کر دیا اور راجہ کے خرچ کیلئے ایک گاؤں جاگیر دیدی۔

یہاں سے نواب حیدر علی کڑپہ اور کرنول کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں کے نواب

چھوڑ کر بھاگ نکلی آخر کار جب راجہ نے دیکھا کر فوج کے اکثر سپاہی بھاگ رہے ہیں۔ اور اکثر وفادار مرچکے ہیں۔ تو وہ نہایت طمطراق سے مسلح ہو کر مقابلہ کیلئے باہر نکلا۔ مگر میدان محمد علی کی فوج کمینگاہ میں چھپی ہوئی تھی۔ جس نے پیچھے سے حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔ راجہ کے گرفتار ہوتے ہی قلعہ پر محمد علی کا قبضہ ہو گیا۔ جس میں راجہ کے حرم سرا اور دوسرے معتمد و مخلص تھے۔ ان سبکو گرفتار کر کے نواب حیدر علی کے پاس بھیج دیا گیا راجہ اور اس کے خاندان کو ایک زبردست دستہ فوج کی حفاظت میں سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ چیتلدرگ کی جنگ میں افواج حیدری نے بڑی دلیرانہ شجاعت اور جانفزا کوششیں کی تھیں اس لئے ہر ایک سپاہی کو معقول انعام دیا گیا۔ اور چیلدرگ کا انتظام دولت خاں کے سپرد ہوا جو نواب حیدر علی کا ایک لے پالک لڑکا تھا۔ اور یہ لڑکا نواب کو تیتی منگل میں وزیر نند راج کے یہاں کام کرتا ہوا ملا تھا۔ نواب نے اسکی ہوشیاری و فرزانگی سے خوش ہو کر اس کی پرورش کی تھی۔

فتح چیلدرگ کے متعلق لیون بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"چیلدرگ ناہموار اور ویران کوہستان کے دامن میں کئی میل تک آباد تھا۔ اور جنگلوں کی طولانی قطار سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں کا سردار مرہٹوں سے ملا ہوا تھا۔ حیدرعلی جب چیلدرگ پر بڑھے۔ تو اس سردار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر اس کی فوج میں تین ہزار مسلمان بھی تھے۔ جن کو حیدر علی نے اپنی طرف ملا لیا۔ یہ دیکھکر مدکیری نایک پالیگار (راجہ) نے مجبور ہو کر حیدر علی کے قدموں پر سر رکھدیا۔ حیدرعلی نے اس مقام کو لوٹ کر راجہ اور اس کے خاندان کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیجدیا۔ اور اس کی قوم کے بیس ہزار باشندے گرفتار کر کے ان کو جبراً مسلمان بنالیا۔ ان میں سے لڑکوں کو تربیت دیکر سپاہی بنایا گیا۔ یہ جماعت ٹیپو سلطان کے زمانہ میں بہت

نواب کو معلوم تھا کہ مدافعت بہت سخت ہوگی۔ اس لئے انہوں نے پہلے جنگل چھانٹنا شروع کر دیا اور توپ خانہ ایک اونچی پہاڑی پر چڑھا دیا گیا۔ جس سے قلعے پر گولے برسائے جاتے تھے۔ دن بھر میں جتنا نقصان دیوار قلعہ کو پہونچتا تھا۔ اس کو شب میں چیلدرگ والے درست کر لیتے تھے۔ کیونکہ فصیل قلعہ کے اطراف بھی جنگل نہایت گھنا تھا۔ نواب حیدر علی نے محمد علی کمیدان کو ایک دستہ فوج دیکر حکم دیا کہ کسی طرح قلعہ کی ایک بازو پر حملہ کرکے قابض ہو جائے۔ کمیدان محمد علی اپنی فوج لیکر رات کو وقت آگے بڑھا۔ رات نہایت اندھیری تھی لئے نہایت ہوشیاری اور جرأت سے ایک سنگین اور پختہ مکان پر قابض ہو گیا۔ جو دیوار قلعہ سے باہر کی طرف تھا۔ اس مکان سے جنگل میں ہر سمت مخفی راہیں گئی ہوئی تھیں۔ دوسرے دن نواب حیدر علی سات ہزار پیادے اور ایک ہزار سوار لیکر قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اسپر حیدر علی نے راجہ کو کھلے میدان میں لانے کیلئے محاصرہ اٹھا کر بارہ میل پیچھے ہٹ گئے۔ جب تقدیر یاور ہوتی ہے تو بگڑی ہوئی بھی بنجاتی ہے۔ حیدر علی کے طالع اقبال سے ایکدن چیلدرگ کے راجہ کے دو سالے قلعہ سے باہر مندر میں پوجا کرنے کیلئے گئے تھے۔ ادھر غمازوں نے راجہ سے کہدیا کہ یہ نواب حیدر علی کے پاس گئے ہیں۔ راجہ نے فی الفور اپنے خسر کو قتل کرکے اسکا مکان لوٹ لیا۔ ادھر یہ خبر جب راجہ کے سالوں کو پہونچی تو وہ جان کے خوف سے نواب حیدر علی کے کیمپ میں آگئے۔ اور سارا حال بیان کیا۔ جس پر نواب حیدر علی نے راجہ ہرپن ہلی کی معرفت سے انہیں بلا کر خلعت فاخرہ اور جواہر گراں بہا سے سرفراز فرمایا۔ نیز ان کو جاگیر دینے کا وعدہ فرمایا۔ ان دونوں نے راجہ سے انتقام لینے کی غرض سے حیدری فوج کو ایک تنگ مخفی راستہ پہاڑ کی چوٹی تک دکھلا دیا۔ جہاں سے گولے قلعے کے اندر پہونچ سکتے تھے۔ حیدری فوج نے پہاڑ کی چوٹی پر قابض ہو کر سات دن تک قلعہ پر گولے برسائے۔ جس کی وجہ سے راجہ کی فوج قلعہ

قایم رکھیں۔ اور ایک فرضی تابوت بناکر سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔ اور مشہور کر دیا کہ نواب حیدر علی کا جنازہ جارہا ہے۔ اس تجویز کے مطابق نواب ایک خیمہ میں خلوت گزین ہوگئے۔ رفقا نے ایک نہایت آراستہ تابوت، زرتار دوشالہ ڈالکر زرین شامیانے کے زیر سایہ سرنگاپٹم کو روانہ کیا۔ جنازہ کے سامنے عود وعنبر کی انگیٹھیاں اور آگے پیچھے حفاظ آیات قرانی پڑھتے جاتے تھے۔ بدرقہ کے لئے سپاہی ساتھ تھے۔ جو کہ فی الواقع اپنے آقا کے غم میں سوگوار روتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب اس واقعہ کی خبر مشتہر ہوی تو تمام ملک میں ایک تہلکہ اور تلاطم برپا ہوگیا۔ اور حیدری فوج بوجہ اپنی خاص عقیدت ومحبت کے نہایت غمگیں ہوگئی۔ جس طرح دوستوں کو رنج پہنچا۔ اسی طرح دشمنوں اور منافقوں میں خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ چنانچہ نواب عبدالحلیم خاں حاکم کڈپہ نے حیدر علی کے وفات کی خبر سنکر لوگوں میں شیرینی تقسیم کی۔ اور مجلس عیش ترتیب دیکر خوشی کے شادیانے بجائے۔ اور حیدر علی کے پرچہ نویس کو جو بطور ریزیڈنٹ کڈپہ میں مقیم تھا شہر بدر کر دیا۔ جب تمام ملک کی حالت معلوم ہوگئی۔ تو نواب حیدر علی نے اپنے خلوت کدہ سے نکلکر ایک بہت بڑا دربار اور جشن شاہانہ منایا۔ اس کے چند دن بعد ایک زبردست فوج اور توپ خانہ لیکر کڈپہ کی جانب کوچ فرمایا۔ اس خبر کے سنتے ہی نواب عبدالحلیم اپنا ایک سفیر بھیجکر معافی کا خواستگار رہا۔ مگر نواب بہادر نے اسکو بے نیل ومرام واپس کر دیا۔

تسخیر کڈپہ ۱۱۷۹ھ

اب نواب کڈپہ کو سوائے جنگ کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اپنے دو بھتیجوں کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی۔ اس فوج کا کڈپہ سے بارہ میل پر حیدری فوج سے مقابلہ ہوا جو میر علی رضا خاں کی کمان میں تھی۔ اس لڑائی میں افغان غالب آگئے جس پر نواب حیدر علی نے اپنی پوری

ترقی کر گئی تھی۔ ور یہ فوج جیلوں کی فوج یا فوج مردان کہلاتی تھی"۔

تاریخ رولرس آف انڈیا میں بھی اسی روایت کو دھرایا گیا ہے۔

انگریزی مورخین کی یہ فطرت ہے کہ وہ دیسی حکمرانوں کو بدنام کرنے کیلئے ایک نہ ایک الزام تراش لیتے ہیں۔ کسی پر مذہبی دیوانگی اور تعصب کا، کسی پر فضول خرچی وعیاشی کا۔ اور کسی پر ظلم وستم شعاری کا۔ اگر بالفرض نواب حیدر علی اور انکے جانشین فرزند ٹیپو سلطان شہید تلوار کے ذریعہ اشاعت اسلام کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت ایسا کرنے سے انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ اور آج جنوبی ہندوستان میں خصوصاً علاقہ میسور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادی کا جو تناسب نظر آتا ہے۔ وہ یہ نہ رہتا۔ آج ریاست میسور کی ساٹھ لاکھ آبادی میں صرف چار لاکھ مسلمان ہیں۔ اگر جبریہ اشاعت اسلام ہوتی تو مسلمانوں کی کثرت ہونا لازمی تھا۔ پایہ تخت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے۔ اور آج بھی یہاں کے کثیر مندر زبان حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ یہاں کے مسلمان حکمران کس قدر بے تعصب، رحمدل اور رعایا پرور تھے۔

تنظیم مملکت و فوج

فتح چیتلدرگ سے فارغ ہو کر نواب نہایت جاہ و حشتام کے ساتھ سرنگاپٹم واپس آئے۔ اور تنظیم مملکت و فوج پر توجہ کی۔

امتحانِ وفاداری

انتظام مملکت و فوج سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی نے سوچا کہ اپنے امیروں اور دوسرے نوابوں راجاؤں اور پالیگاران ماتحت کی وفاداری کا امتحان لیا جائے۔ چند خاص رفقا کے ساتھ نواب حیدر علی سرنگاپٹم سے حیدر نگر کی طرف گئے۔ راستے میں ان رفقا کو بلا کر سمجھا دیا کہ تمام انتظام بطور خود

دیئے جائیں معافی نہیں مل سکتی۔ لہذا یہ تمام افغان سپاہی باہر نکال دیئے گئے۔ نواب حیدر علی کی فوج اندر جاکر قلعہ پر قابض ہو گئی۔ عبدالحلیم خاں اپنے دیوان خاص میں مسند امارت پر بیٹھا ہوا تھا۔ حیدری فوج کے چند افسروں نے اندر مسند کے روبرو پالکی لیجا کر رکھدی۔ حلیم خاں سمجھ گیا۔ اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر پالکی میں سوار ہو گیا۔ نواب حیدر علی نے حلیم خاں اور اسکے حرم کو نہایت حفاظت و عزت کے ساتھ سرنگا پٹم بھیجدیا جہاں گنجام میں انکے رہنے کا بندوبست اور انکے مصارف کا خاطر خواہ انتظام کر دیا گیا۔ چند دن بعد نواب عبدالحلیم خاں کا انتقال ہو گیا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں الحاق کڈپہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنے نسبتی بھائی میر علی رضا خاں کو نواب کڈپہ کے مطیع کرنے کیلئے روانہ کیا مگر علی رضا خاں مضبوط اور جفاکش افغانوں کو مطیع نہ کر سکا۔ اور مقابلہ نہایت سخت ہوا۔ حیدر علی فوج لیکر کمک کو جا پہنچے۔ کڈپہ کے شمال میں مقام گھوڑ میں افغانوں سے جنگ ہوئی۔ افغانوں کو حیدری فوج کثیر نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس لئے وہ اطاعت پر مجبور ہوئے۔ اور حیدر علی نے ان لوگوں کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ جنہوں نے اپنی نمک حلالی کی ضمانت دیدی۔ لیکن ان میں اسّی سوار ایسے بھی تھے جو ضمانت نہ دے سکے۔ اور ہتھیار دینے سے بھی انکار کر دیا۔ حیدر علی نے بھی انکی جوانمردی کا پاس کرکے ان کو ہتھیار دینے کیلئے مجبور نہ کیا۔ اور وہ ہتھیار سمیت ٹھہرائے گئے۔ مگر افغانوں کی دغابازی مشہور ہے وہ آدھی رات کو اٹھے اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مار کر حیدر علی کے خیمے تک جا پہنچے۔ لیکن آہٹ پا کر حیدر علی چونک پڑے ... اپنے بستر پر تکیے وغیرہ رکھکر ان پر چادر اڑھادی

فوج کے ساتھ رات کو افغانوں پر شبخون مارا۔ پٹھان منتشر ہو کر کڈپہ کی طرف بھاگے۔ نواب حیدر علی نے انکا تعاقب کیا۔ افغانوں نے پھر ایک جگہ مجتمع ہو کر مقابلہ کیا۔ دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ جس میں حیدری فوج کے دو ہزار آدمی کام آئے۔ حیدر علی نے توپخانہ کو آگے بڑھایا۔ اور قلعہ کی دیوار میں تھوڑے ہی وقت میں رخنے پڑ گئے۔ حیدر علی کے خاص دستہ باڈی گارڈ نے شہر کڈپہ میں گھس کر افغانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے افغانوں کی وہ فوج جو دوسری طرف نہایت جوانمردی سے لڑ رہی تھی، ہتھیار رکھدی۔ شہر کڈپہ مسخر ہو گیا۔ نواب عبدالحلیم خاں اور اس کے دونوں بھتیجے علیحدہ علیحدہ قید کر دیئے گئے۔ نواب حیدر علی نے حکم دیا کہ تمام افغانوں سے ہتھیار لے لیئے جائیں۔ جس پر بعض افغانوں نے جو نواب عبدالحلیم خاں اور اس کے بھتیجوں کے ساتھ تھے، ہتھیار دینے سے انکار کر دیا۔ اور نواب نے بھی انکی بہادری کی قدر کرتے ہوئے ہتھیار دینے پر مجبور نہ کیا۔ یہ افغان جب آدھی رات گذری تو اٹھے اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مغلوب کر کے قتل کر دیا۔ اور چند افغانی حیدر علی کے خیمے تک جا پہنچے۔ آواز سن کر حیدر علی چونک پڑے اور اپنے بستر پر تکئے وغیرہ رکھکر اس پر چادر ڈالدی۔ اس طرح کہ کوئی سو رہا ہو۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر نکل گئے۔ اب پورا کیمپ جاگ اٹھا۔ افغان چن چن کر قتل ہونے لگے۔ اس ہنگامہ میں نواب عبدالحلیم خاں سدھوٹ بھاگ گیا۔ نواب حیدر علی نے ایک دستہ فوج قلعہ گنجی کوٹہ کو روانہ کیا۔ اور خود سدھوٹ پر بڑھکر اسکا محاصرہ کر لیا۔ میر علی رضا خاں نے گنجی کوٹہ فتح کر لیا۔ یہ سن کر حلیم خاں اپنے وکیل محمد غیاث کو حیدر علی کے پاس معافی مانگنے کیلئے روانہ کیا۔ حیدر علی نے کہا کہ جبتک قلعہ کے تمام سپاہی باہر نہ نکال

دیکھ رہے تھے اور انکے دل میں بھی انگریزوں کی طرف سے عناد پیدا ہو چکا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے ۱۷۶۹ء میں صلحنامہ مدراس کی رو سے امداد کا وعدہ کیا تھا۔ مگر جس وقت مرہٹے میسور پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے مدد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسیطرح نواب حیدرعلی کو نظام الملک پر بھی بالکل بھروسہ نہیں تھا۔ ان کی مسرور بین آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ کہ حیدرآباد میں انگریزوں کا کس قدر رسوخ ہے۔ خود نظام الملک اور انکا وزیر رکن الدولہ کس قدر طوطا چشم ہیں۔ اور حیدرآبادی فوجیں کہاں تک صعوبات جنگ کی متحمل ہو سکتی ہیں۔ ابھی پونا و حیدرآباد سے نامہ و پیام جاری ہی تھا۔ کہ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں پانڈیچری فتح کر لیا۔ اور بندرگاہ ماہی پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھے۔ یہ بندرگاہ ملیبار میں واقع ہے۔ اور تمام ملیبار حیدرعلی کے زیر حکومت تھا۔ انگریزی فوج نے ماہی پر چڑھائی کی۔ اور باوجود حیدرعلی کی مخالفت کے ان کے ملک سے گذری۔ اس پر فرانسیسیوں نے حیدرعلی سے مدد مانگی۔ اور چونکہ وہ حیدرعلی کے ملک میں تھے۔ اس لحاظ سے وہ حیدرعلی کی ہی حمایت میں تھے۔ اور انکی امداد کرنا حیدرعلی پر فرض تھا۔

سر آلفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"فرانسیسیوں کی حمایت کے علاوہ حیدرعلی کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں۔ کہ ہندوستان کی کمزوری کی اصل وجہ ہندوستان کی بحری طاقت کا فقدان ہے۔ اور بحری طاقت ہی کی وجہ سے یوروپین اقوام ہندوستان پر تسلط جما رہی ہیں۔ اس خیال سے حیدرعلی نے بھی بحری طاقت کا انتظام شروع کر دیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ماہی بندر حیدرعلی کے لئے یوروپ سے رسل و رسایل قایم رکھنے اور انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں سے سامان جنگ حاصل کرنے کیلئے ایک عمدہ بندرگاہ تھا۔

گویا کہ حیدر علی بے خبر سو رہے ہیں۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر نکل گئے لشکر میں سب جاگ اٹھے۔ اور ان افغانوں کا قتل شروع ہو گیا۔ اور کچھ گرفتار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ اور ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر انہیں تمام کیمپ میں گھسیٹا گیا۔ کڈپہ کا نواب سدہوٹ کی طرف بھاگ گیا۔ جو کڈپہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ لیکن چند دن کے بعد جب اسکی جان، ناموس اور عزت کی ضمانت دیدی گئی تو اس نے اطاعت قبول کر لی۔ اور اس کو سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔ وہاں جاکر اس کی حسین ہمشیرہ سے حیدر علی نے شادی کر لی۔ وہ بخشی بیگم کے نام سے سرفراز ہوئی؟

انگریزوں کی سازشیں

یہ آگے لکھا جا چکا ہے کہ پونا میں مرہٹوں میں نااتفاقی اور پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اور مرہٹے دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک جماعت رگھوبا کی حمایت پر تھی۔ اور دوسری جماعت پیشوا نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کی حمایت پر۔ اور یہ جماعت نانافرنویس وزیراعظم کے ماتحت تھی۔ اس جانشینی کے مسئلہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ انگریز رگھوبا کی حمایت میں جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جب جنگ نے طول کھینچا تو نانافرنویس نے حیدر علی سے مدد مانگی اور اس کو بتلایا کہ کس طرح انگریز دن بدن اپنی چیرہ دستیوں سے ہندوستان پر قبضہ کر رہے ہیں۔ تحفظ وطن کی خاطر اب ضروری ہے کہ دیسی حکمرانان ملک متحد ہو کر انگریزوں کو ملک سے نکالدیں۔ اسی طرح نظام علیخان نظام الملک نے بھی نواب حیدر علی سے مدد طلب کی۔ اسلئے کہ انگریز اس کے علاقہ گنتور پر بغیر اسکی مرضی کے قابض ہو چکے تھے۔ اور انکا اثر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ نواب حیدر علی بھی ان واقعات کو

فرانسیسیوں کی ایک بندرگاہ تھا۔ حیدر علی کو فرانسیسیوں کی حمایت اور دوستی لازمی تھی" (تاریخ ہند از تھامپسن)

یہی مورخ آگے چلکر لکھتا ہے :۔

"نواب حیدر علی سے اگر انگریز اپنا وعدہ ایفا کرتے تو وہ انکا بہترین دوست ثابت ہوتا کیونکہ اس کو انگریزوں پر کامل اعتماد تھا"

مورخ ڈی لا فوسی لکھتا ہے :۔

"انگریزوں نے اپنی وعدہ شکنی اور چیرہ دستی سے حیدر علی کو اپنا دشمن بنا لیا"

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے :۔

"نواب حیدر علی خان کو خیال ہوا کہ انگریز بد عہد ہیں ۔ اور نظام علی خاں خود غرض ہے ۔ اس لئے اس نے اپنے پرانے دوست فرانسیسیوں کو پھر شریک حال بنانا چاہا ۔ اس خیال سے اس نے فرانسیسیوں کی طرف توجہ کی"

رسالہ انگلش ملٹری بیاگرافی میں تحریر ہے :۔

"انگریزوں کو نواب حیدر علی خان کے ساتھ بموجب عہد نامہ ۱۷۶۹ء دوستی اور اتفاق رکھنا مناسب تھا ۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا ۔ مرہٹے جب بار بار اس کے ملک پر حملہ آور ہوئے تو اس نے متعدد مرتبہ انگریزوں سے مدد مانگی لیکن انہوں نے نہیں دی ۔ جب نواب نے انگریزوں کے قول و فعل میں یکسانیت نہیں دیکھی تو وہ فرانسیسیوں کی حمایت کرکے انکی دوستی کا متلاشی ہوا"

انگریزوں سے دوسری جنگ
۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک

انگریزوں کو جسوقت نانا فرنویس نظام الملک اور حیدر علی کے نامہ و پیام کی خبر ملی ۔ تو

حیدر علی کو پہلے ہی سے انگریزوں سے بدظنی تھی۔ اور جبکہ انگریزوں نے ماہی پر قبضہ کر لیا۔ تو اس نے پوری قوت کے ساتھ انگریزوں پر حملہ کر دیا۔"

اس حملہ کے ہوتے ہی انگریزوں نے اپنی قدیم روایات سے کام لیکر حیدر آباد میں سازش شروع کر دی۔ اور یہ جھوٹی خبر مشہور کر دیگئی۔ کہ شہنشاہ ہندوستان دکن کی صوبہ داری نواب حیدر علی کو تفویض کرنیوالا ہے۔ اسکے ساتھ ہی گنٹور کا علاقہ نظام الملک کے حوالے کر دیا گیا۔ نظام الملک اس خبر سے گھبرا گیا۔ مگر انگریزوں نے تسلی دی کہ حیدر علی سے وہ خود سمجھ لیں گے۔ جس پر نظام الملک خاموش رہ گیا۔ نواب محمد علی والا جاہ نے جس کو نواب حیدر علی سے حد درجہ حسد تھا۔ اس سازش میں بہت بڑا حصہ لیا۔

"انگریزوں نے عہد نامہ مدراس کو ردی کا کاغذ سمجھ کر پھینک دیا۔ اور جب حیدر علی کو امداد کی ضرورت تھی۔ تو انہوں نے مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ نواب والا جاہ محمد علی کے تمام ملک پر یہ قبضہ کر چکے تھے۔ جو حیدر علی کیلئے تشویش کا باعث بن گیا۔ دوسری طرف انگریزوں نے گنٹور پر قبضہ کر لیا۔ جس کے باعث نظام الملک بھی ان سے بگڑ بیٹھا۔ اور انگریزی فوج حیدر علی کے علاقے سے بغیر انکی اجازت کے گذر کر ادھونی پر بڑھنا چاہی۔ ایک طرف تو مرہٹے انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ اور دوسری طرف نظام الملک آمادۂ جنگ تھا۔ ان مواقع سے حیدر علی نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مگر انگریزوں نے گنٹور کا علاقہ نظام الملک کو واپس دیکر اس کو اپنی طرف ملا لیا۔ لیکن جنگ کی ابتدا اس طور پر ہوئی کہ یورپ میں انگریز اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ جانے سے ہندوستان میں انگریز تمام فرانسیسی علاقوں پر قبضہ کر کے ماہی پر بڑھے۔ جو حیدر علی کے علاقہ ملیبار میں

"والا جاہ محمد علی کے قلعہ دار حسین علی خاں نے شہزادہ کے حضور میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں قلعہ کی حفاظت کیلئے تیار ہوں۔ مگر اس جگہ کثرت سے اہل سادات آباد ہیں۔ اور خواتین سادات آپ کی گولہ باری سے خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ اس لئے گولہ باری موقوف کر کے آپ قلعہ پر قبضہ کرلیں۔ ٹیپو سلطان نے جنگ قلعہ کی کنجیاں لے لیں۔ اور قلعہ کا انتظام سید امام کے سپرد کر دیا"

فتح آرنی کے بعد ترووتور، تکلوہ اور کاویری پٹن معمولی لڑائیوں کے بعد فتح ہوگئے۔

شاہزادہ کریم صاحب نے بندرگاہ محمود بندر پر چڑھائی کرکے اس کا محاصرہ کرلیا اور چند دن کی جنگ کے بعد محمود بندر پر حیدری افواج کا قبضہ ہوگیا۔

نواب حیدر علی چنگما گھاٹ سے نکلکر ارکاٹ پر قابض ہوگئے، راستہ میں جو چھوٹے چھوٹے قلعہ تھے۔ حیدری افواج کے سیلاب کے آگے خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اور نواب کی فوج ۔ ارگست ۱۷۸۰ء میں کنجی ورم کے نواح میں تھی۔ اور فوج کے ہراولی دستے مدراس کے بالکل قریب پہونچ گئے تھے۔

مورخ سنکلیر لکھتا ہے:-

"حیدری فوجوں کی لوٹ مار اور آتش افروزی سے دیہوں کے بادل جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں ملی ہوئی تھیں۔ مدراس سے صاف نظر آرہے تھے"

جنگِ پولی لور ۱۷۸۱ء

حیدری فوج کنجی کوٹہ پر قابض ہوگئی۔ اور خود نواب حیدر علی نے محمد علی والا جاہ پر ضرب لگانے کیلئے ارکاٹ کا محاصرہ کرلیا۔ انگریزوں نے ارکاٹ کو بچانے کیلئے مدراس سے جنرل سرکہٹر منرو کو (جس نے جنگ بکسر بنگال

انہوں نے بھی اپنے دو سفیر پادری شوارٹز اور بعد میں مسٹر گرے کو دربار حیدری میں دوستی بڑھانے کیلئے بھیجا۔ مگر نواب حیدر علی اسوقت جان چکے تھے۔ کہ انگریزوں کے وعدے کس قسم کے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان سفیروں کو بے نیل ومرام واپس کر دیا۔ نوٹ۔ ان دو انگریزی سفیروں میں پادری شوارٹز جاسوس تھا۔ جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدر علی کی فوجی طاقت کا اندازہ کرنے اور حیدر علی کے خلاف جو جماعت تھی۔ ان سے اطلاعات حاصل کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ سلطنت خداداد کے زوال کے زیر عنوان اس پر مفصل بحث کی گئی ہے (محمود)

اس کے بعد ہی فوراً انگریزوں نے فرانسیسیوں کے بندرگاہ ماہی پر قبضہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے نواب حیدر علی اپنی پوری طاقت کے ساتھ ملک کرناٹک پر حملہ آور ہوئے۔ نواب حیدر علی کے اس حملے کے متعلق سر آلفرڈ لائل۔ سنکلیر۔ ڈی۔ لافوسی وغیرہ متفق اللفظ ہیں کہ ایک طوفان برق و باد تھا۔ جو میسور سے اٹھا۔ اور ملک کرناٹک پر چھا گیا۔ نواب کے زیر کمان تقریباً اسی ہزار کی فوج تھی۔

حقیقت میں نواب حیدر علی کا یہ حملہ اس قدر مہیب اور زبردست تھا کہ ملک کرناٹک نے اس سے پہلے اس قدر فوجوں کی کثرت اور خونریزی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو مختلف سپہ سالاروں اور شاہزادہ ٹیپو سلطان و کریم صاحب کی زیر کمان دیکر خود بھی ایک دستہ فوج کے ساتھ جولائی ۱۷۸۰ء میں پائین گھاٹ علاقہ والاجاہ محمد علی کیطرف پیش قدمی کی۔ اور محمد علی کی فوجوں سے جنگ شروع ہو گئی۔

شہزادہ ٹیپو سلطان کی فوجوں نے پائیں گھاٹ سے نکلکر آرنی کا محاصرہ کر لیا۔ اسکے بعد بخشی بدر الزماں کو اسی محاصرہ پر مامور فرماکر ٹیپو سلطان ٹھری کی طرف بڑھے۔

حملات حیدری کا مصنف لکھتا ہے:۔

خود وشکر از شہر پیرم بکام ‌ ‌ ‌ سوئے منذر و تیز برداشت گام

فزوں پنج صد بود بر پنج ھزار ‌ ‌ ‌ ز ہند و یورپ مردم کارزار

میدانِ جنگ میں ٹیپو سلطان کی آمد کا حال اس طرح بیان کیا جاتا ہے:-

بناگاہ ٹیپو بداں جا رسید ‌ ‌ ‌ سر آتش جنگ بالا کشید

ستیزہ بہ پیوست از دو گروہ ‌ ‌ ‌ چو انگریز بود در میانِ دو کوہ

بگاہ گذر رہ برو تنگ بود ‌ ‌ ‌ نہ میدانِ آویزش جنگ بود

کرنل بیلی کی اسیری کے متعلق لکھتے ہیں:-

فراواں بہ شمشیر و باران تیر ‌ ‌ ‌ بکشتند و افتاد بیلی اسیر

شش و سی ز نام آوران سپاہ ‌ ‌ ‌ تبہ گشتہ افتادہ بر خاک راہ

ہماں نیز پنجاہ از مہتراں ‌ ‌ ‌ پُر از زخم بستہ بہ بند گراں

فرومایہ لشکر بران تل خاک ‌ ‌ ‌ ازاں ہر کہ وارستہ بد از ہلاک

بیفتاد در دست دشمن بہ بند ‌ ‌ ‌ گر از تیغ بد جستہ گر بے گزند

یکے تن نہ گشتہ رہا از سپاہ ‌ ‌ ‌ کسے خستہ کس بستہ کس شد تباہ

چنیں است پایان رزم و نبرد ‌ ‌ ‌ سرے زیر تاج و سرے زیر گرد

بہادر نامے کا مصنف لکھتا ہے:-

جہاں شہ جو نے لشکر جو دیکھا کھڑا ‌ ‌ ‌ تو آسامنے اسکے باندھا پرا [ٹیپو سلطان]

سواران جنگی و مردانِ کار ‌ ‌ ‌ ہوئے قایم آکر یمین و یسار

لگی لڑنے پھر دونوں جانب کی فوج ‌ ‌ ‌ لگا مارنے خون ہر طرف موج

ہوا اس گھڑی اس قدر کشتہ خوں ‌ ‌ ‌ کہ حیرت میں تھا چرخ فیروزہ گوں

میں ۱۷۶۸ء میں ناموری پیدا کی تھی) اور علاقہ نظام سے کرنل بیلی کو جو گنٹور کی طرف جا رہا تھا۔ روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ دونوں فوجیں متفق ہو کر حیدر علی پر حملہ آور ہوں۔ نواب حیدر علی کو جس وقت یہ خبر ملی تو ارکاٹ میں ایک دستہ فوج کو چھوڑ کر مقابلہ کے لئے مقام کیمچی پر آ گئے اور ٹیپو سلطان کو پولی پور کی طرف بڑھایا۔ کہ انگریزوں کی دونوں فوجیں کو ملنے نہ دیں۔ سر ہکٹر منرو کی فوج بھی پولی پور سے دو میل آگے ندی کے کنارے کیمپ کی ہوئی تھی۔ جس وقت کرنل بیلی پولی پور پہنچا تو لڑائی شروع ہو گئی۔ نواب حیدر علی نے دوسری طرف سے ایک دستہ فوج بھیکر کرنل بیلی پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا۔ کہ کرنل بیلی ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ اب حیدری توپ خانہ باغ پر گولے برسانے لگا۔ اور ایک گولہ کرنل بیلی کی میگزین پر ایسا پڑا کہ تمام باروت جل اٹھی۔ اور تمام باغ دھوئیں سے بھر گیا۔ حیدر علی نے اپنے سواروں کو لڑائی کا حکم دیا۔ انگریزی فوج کٹ کٹ کر گرنے لگی اور کرنل بیلی اسیر ہو گیا۔ باقی ماندہ فوج نے ہتھیار رکھ دیا۔ جس کو اسیر کر لیا گیا۔ نواب حیدر علی کو کامل فتح حاصل ہو گئی۔

سر الفرڈ لائل لکھتا ہے :-

"ہندوستان میں اس سے بڑھکر مصیبت انگریزوں پر اور کوئی نہیں پڑی۔ جس میں دو ہزار انگریزی سپاہ اسیر ہو گئی۔ ان میں ڈیوڈ بیرڈ بھی تھا۔ جس نے بعد میں محاصرۂ سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء میں نام پیدا کیا۔"

ملا فیروز اپنی تاریخ جارج نامہ میں لکھتے ہیں :-

زماہِ نہم روز نہ رفتہ بود	بہ بیلی زمانہ بر آشفتہ بود
شدہ اخترش کند بر آسمان	بہ شوریدہ و تند گشتہ جہاں

سردار اسیر ہو گئے۔ ارکاٹ پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔

والا جاہ محمد علی کے سرداروں میں سے سید حمید کیدان ۔ راجہ بیربر اور میر صادق نے نواب حیدر علی کی ملازمت اختیار کر لی۔ سید حمید کو چار ہزار سپاہ کی سرداری پر مقرر کیا گیا۔ راجہ بیربر کو ارکاٹ کی گورنری دی گئی۔ اور میر صادق افسرِ محاصل مقرر ہوا۔

فتح بدنور کے بعد نواب حیدر علی خاں نے ارکاٹ میں ایک جشن شاہانہ اور دربار منعقد کیا۔ جس میں روضہ ٹیپو مستان کے متولی نے نذر گذرانی اور نواب نے ایک سو ایک اشرفی اور شامیانہ زربفت مع چوبہائے طلائی درگاہ کو روانہ فرمایا۔

۱۷۶۸ء میں نواب والا جاہ محمد علی موضع کولار کو جو حیدر علی کا مولد تھا۔ قبضہ کر کے سمجھ بیٹھا تھا کہ حیدر علی مطیع ہو جائیں گے۔ مگر خدا کی شان کہ اس کے صرف بارہ سال بعد حیدر علی نے ارکاٹ پر جو محمد علی کا دارالامارۃ تھا۔ قبضہ کر کے دربار شاہانہ منایا اور محمد علی ایک مفرور کی حیثیت میں انگریزوں کے سہارے مدراس میں ایک پناہ گزین کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اس دربار میں نواب حیدر علی نے فرمایا۔

"والا جاہ محمد علی کی وطن دشمنی اور ہر وقت کی غداری سے اس قدر تنگ آ گیا ہوں کہ اس دفعہ میں کرناٹک کے باشندوں کے حق میں غضب الٰہی کا آلہ بنکر آیا ہوں"۔

(نشان حیدری)

میدانِ جنگ حقیقت میں نمونۂ محشر تھا۔ دشمنوں کے ساتھ جو لوگ میل جول رکھتے تھے۔ یا جو لوگ دشمنوں کو علانیہ یا خفیہ تائید پہنچاتے تھے۔ ان سے نہایت سختی کے ساتھ انتقام لیا گیا۔ بلکہ اس جرم میں کئی ایک مواضعات تباہ کر دئے گئے۔ ہزارہا عورت اور مرد اسیر ہوئے۔ مگر جب کامل طور پر قبضہ ہو گیا تو نواب حیدر علی نے جو سلوک وہاں کی

عدو اس قدر واں پہ کٹتے ہوئے ۔ کہ میدا نہیں کشتوں کے پشتے ہوئے

ہوا موت کا واں پہ بازار گرم ۔ دلوں میں رحم اور نہ آنکھوں میں شرم

برستی تھی یوں گولیاں اس گھڑی

کہ بھادوں کی جس طرح برسے جھڑی"

رسالۂ ظفری بیاگرافی مطبوعہ لندن میں تحریر ہے "کہ اس جنگ میں ساڑھے چار ہزار فرنگی سپاہی مقتول ہوئے، کرنل فلچر بھی اسی جنگ میں مارا گیا، کرنل بیلی اور کپتان بیر ڈ باقی ماندہ فوج کے ساتھ اسیر ہو گئے۔"

جس وقت کرنل بیلی کی شکست کی خبر سر ہکٹر منرو کو ملی تو یہ اپنی بڑی بڑی توپوں کو دریا میں پھینک کر مدراس فرار ہو گیا۔

تسخیر ویلور وارکاٹ ۱۷۸۱ء

حیدر علی نے کرنل بیلی اور اسکی فوج کو سرنگاپٹم روانہ کر کے ویلور پر قبضہ کرتے ہوئے پھر ارکاٹ کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ قلعۂ ارکاٹ کی فصیل بہت اونچی تھی۔ اس لئے نواب حیدر علی نے مٹی کے بڑے بڑے دمدمے بنا کر ان پر توپیں چڑھا دیں۔ اور قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی۔ قلعہ کی والا جاہی اور انگریزی افواج بھی نہایت مستعدی سے مدافعت کرتی رہیں۔ اور حیدری فوجوں کو فصیل تک پہنچنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ تین مہینے کا محاصرہ اور متواتر گولہ باری سے فصیل قلعہ میں رخنے پڑ گئے۔ جس پر حیدری سواروں نے ایک زبردست حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں نواب حافظ علیخاں (داماد نواب حیدر علی خاں) شہید ہو گئے۔ مگر حیدری سپاہ نے حصار قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں والا جاہی اور انگریزی فوجیں مغلوب ہو گئیں۔ اور والا جاہ محمد علی کے تمام

کرنل کاتھی کے واقعہ سے ملتی ہے ۔

" کرنل کاتھی اپنے ایک خط میں اقرار کرتا ہے کہ لوگ اس کی ذرا ذرا سی نقل و حرکت کی اطلاع حیدر علی کے کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں "

ایک اور دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے ۔

" کرنل بیلی جب پولی پور میں حیدری فوج میں گھر گیا تو جنرل منرو اسکی تائید کو پہنچنا چاہا ۔ لیکن اس کو راستہ معلوم نہیں تھا ۔ مقامی لوگوں میں سے چند اشخاص کو پکڑ کر راستہ دکھانے کیلئے کہا گیا ۔ انکے گلے میں طوق پہنائے گئے ۔ ان سے کہا گیا کہ اگر وہ سیدھا راستہ دکھائیں ۔ اور مقام مقصود تک پہونچا دیں تو انہیں انعام دیا جائیگا ورنہ مار دیئے جائیں گے ۔ یہ لوگ باحول ناخواستہ چلے ۔ اور دن بھر کے سفر کے بعد انگریزی فوج کو ایک ایسی جگہ لے گئے ۔ جہاں ایک تالاب تھا ۔ اور آگے جانے کا راستہ مسدود ۔ اس لئے منرو بروقت بیلی کی تائید کو نہ پہونچ سکا ۔ "

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک کے لوگ بھی جو انگریزوں کے محکوم تھے حیدر علی سے حد درجہ محبت رکھتے تھے ۔

انگریزوں کی جانب سے صلح کی درخواست

نواب حیدر علی ارکاٹ میں مقیم تھے ۔ مدراس سے انگریزوں کا ایک وفد صلح کی درخواست لیکر آیا ۔ دوران گفتگو میں نواب نے کہا ۔

" مجھے گمان تھا کہ انگریزی قوم میں سچائی اور وفائی ہے ۔ مگر آزمایش سے اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ ان صفات سے معرا ہے ۔ "

نواب نے اس سفارت کو بے نیل و مرام واپس کر دیا ۔

رعایا سے کیا۔ اس کے متعلق مسٹر ڈبلیو ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۸ پر لکھتا ہے :-

"ایک مہیب و خونریز حملہ کے بعد ارکاٹ پر ۳ر نومبر کو حیدرعلی کا قبضہ ہو گیا۔ قبضہ کے بعد رعایا سے نہایت انسانیت کا سلوک کیا گیا۔ لوٹ اور قتل و غارت قطعی طور پر روک دیئے گئے۔ ہر شخص کو عام اجازت تھی کہ امن و آسائش کے ساتھ اپنا کاروبار جاری رکھے۔ بلکہ ان ملازموں کو جو والا جاہ محمد علی کے تھے۔ ان کے سابقہ عہدوں پر بحال رکھا گیا جو انگریز قیدی حیدرعلی کے قبضہ میں آئے، انہیں حیدرعلی کی جانب سے روپیہ دیا گیا کہ اپنی ضروریات مہیا کر لیں"

حیدرعلی کی یہ جنگ جس قدر ہیبت ناک تھی۔ اسکے متعلق ایمپائر ان ایشیا کا مصنف لکھتا ہے :-

"انگریزوں نے جب ماہی پر قبضہ کر لیا۔ تو حیدرعلی کے غصہ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ وہ کرناٹک پر ایک طوفان بلا بنکر چھا گیا۔ شہر دیہات اور گاؤں پر نہ صرف قبضہ کیا گیا۔ بلکہ انہیں تباہ کر دیا گیا۔ وہ لوگ (یعنے انگریز) جو محمد علی کی نیابت کرتے ہوئے حکمرانی کر رہے تھے۔ رعایا کی حفاظت کرنے کے بجائے ان کو اپنی قسمتوں پر چھوڑ کر چلا گئے۔ عذر یہ تھا کہ فوج مدافعت کے قابل نہیں رہی۔

مدراس پہونچکر انگلستان کو خطوط لکھے گئے۔ جس میں حیدرعلی کے ظلم و ستم کی داستانیں بیان کی گئیں۔ اور اشتعال دلایا گیا کہ حیدرعلی سے انتقام لینا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ملکی لوگ حیدرعلی سے متنفر ہیں۔ لیکن وہ ایک ثبوت بھی اس کا دے نہیں سکے۔ بلکہ اسکے عوض کرناٹک کے لوگ حیدرعلی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ اس کی مثال

کیطرف بڑھے۔ جہاں کا قلعہ نہایت مضبوط اور اسکی حفاظت کیلئے ایک زبردست فوج تھی۔ مگر حیدری سپاہ کی شان سپہگری اور فتوحات دیکھکر بغیر کسی لڑائی کے قلعہ ٹیپو سلطان کے حوالے کر دیا گیا یہاں سے ٹیپو سلطان آمبور کی طرف بڑھے۔ جہاں انگریزی فوج اور والا جاہی فوج مقیم تھی۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد آمبور فتح ہو گیا۔

دوسری طرف حیدری افواج نے اپنے مختلف سپہ سالاروں کے ماتحت کرہ موکل۔ کشن گڈھ، جنید گڈھ، ترنامے، علی آباد، کرناٹک گڈھ فتح کر لیئے۔

فتح آمبور کے بعد ٹیپو سلطان نے کوراوت اور نیلود پر قبضہ کر کے تیاک گڈھ پر حملہ آور ہوئے۔ جہاں انگریزی سپاہ متعین تھی۔ چند دن کی لڑائی کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ اور قلعہ داروں کو اماں دیگئی۔ مگر قلعہ والوں نے ٹیپو سلطان کے کیمپ میں آکر غداری کی جس پر انہیں قتل کر دیا گیا۔ اور انگریز اسیروں کو سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔

نواب حیدر علی خود بھی اپنی فوج لیکر اطراف و اکناف میں قتل و غارت کرتے ہوئے ۱۷ اگست کو نواح مدراس میں پہنچے۔ انگریز خوفزدہ ہو کر قلعہ اور جہازوں میں پناہ گزین ہو گئے۔

نواب حیدر علی خان کے فتوحات کا دائرہ اسقدر وسیع ہو گیا تھا کہ تمام ملک کرناٹک سوائے چند ساحلی مقامات کے حیدری فوجوں کے قبضہ میں تھا۔ وارن ہسٹنگس کو جب یہ خبر ملی کہ پورا مدراس کا علاقہ انگریزوں کے ہاتھ سے چلا گیا ہے تو اس نے جنرل سر ائر کوٹ کو جس نے بنگال میں بہت ناموری پیدا کی تھی۔ بحری راستہ سے مدراس بھیجا۔

جنرل سر ائر کوٹ اور والا جاہ محمد علی کی گفتگو

جس وقت انگریزی جنرل سر ائر کوٹ مدراس پہنچا تو والا جاہ محمد علی اپنا قصر امارۃ ترملکھڑی چھوڑ کر منتیال پیٹ میں بالکل پریشانی کی حالت میں دن بسر

فتح چندگیری وچتور ۱۷۸۱ء

ارکاٹ کے جشن شاہانہ سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی خاں نے میر معین الدین خاں کو چتور روانہ کیا میر علی رضا خان مضافات ارکاٹ پر قبضہ کرنے کیلئے اور شاہزادہ ٹیپو سلطان جنوبی قلعوں کی تسخیر پر روانہ ہوئے۔

میر معین الدین بخشی چتور فتح کر کے چندر گیری کی طرف بڑھا۔ جہاں نواب نصیر الدولہ عبدالوہاب خاں عرف محفوظ خاں برادر نواب والا جاہ محمد علی مقیم تھا۔ میر معین الدین بخشی نے عبدالوہاب خاں کو اطاعت کیلئے لکھدیا۔ اور ابھی اس کا جواب آیا نہیں تھا کہ ایک واقعہ پیش آگیا۔ یعنے سواران حیدر علی قلعہ کی ایک جانب گھانس، لکڑی جمع کرنے کیلئے دامن کوہ میں پھر رہے تھے۔ کہ قلعہ دار نے جاسوس سمجھ کر ان پر فائر کا حکم دیدیا۔ جب یہ خبر معین الدین کو پہونچی، تو اس نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔ اور اتفاق سے دو گولے عبدالوہاب خاں کے حرم سرا میں گرے۔ مورخ نشان حیدری وحملات حیدری لکھتے ہیں کہ عبدالوہاب خاں کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ اور وہ بیہوش ہو گیا۔ اور ادھر تمام عورتیں گھبرا گئیں۔ بیگم عبدالوہاب خان نے میر معین الدین کو اطلاع دی کہ قلعہ پر قبضہ کرنا مقصود ہو تو قلعہ حاضر ہے۔ گولہ باری موقوف کی جائے۔

گولہ باری موقوف ہوئی۔ اور بیگم اپنے شوہر کو پالکی میں ڈالکر مع خواص وخدام میر معین الدین کے کیمپ میں آگئی۔ میر معین الدین قلعہ پر قبضہ کرتے ہوئے اسیران جنگ کو نواب حیدر علی کے پاس لے آیا۔ جہاں سے انہیں سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔

شہزادہ ٹیپو سلطان قلعہ ماہی منڈل اور کیلاس گڈھ فتح کرتے ہوئے سات گڈھ

میں ایک خونریز جنگ ہوئی۔ دوران جنگ میں سرآئر کوٹ کو معلوم ہوا کہ نواب حیدر علی میدان جنگ میں موجود ہیں۔ تو اس نے انگریزی جہازوں کو اس مقام پر گولہ باری کرنیکا حکم دیا۔ جس کی وجہ سے نواب دوسری جگہ ہٹ گئے۔ اور انکے ہٹتے ہی انگریزی فوجوں نے حصار قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ عین لڑائی میں میر علی رضا خاں پر ایک گولہ گرا۔ جس سے وہ شہید ہوگئے (میر علی رضا خان کی لاش دفن کے لئے گرم کنڈا روانہ کردی گئی۔) یہ پہلا وقت تھا کہ انگریزی جہازوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا۔ اور چونکہ حیدری فوج انکا جواب دے نہیں سکتی تھی۔ اس لیے انکا بہت سخت نقصان ہوا۔ نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو یہاں سے نکال کر تنڈی وانم چلے گئے۔ اور محمود بندر انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔

اب میدان جنگ کی یہ حالت تھی۔ کہ انگریز اپنی فتح پر مسرور تھے۔ مگر انہیں اس قدر جرأت نہیں تھی کہ جہازوں کی پناہ چھوڑ کر اندرون ملک بڑھیں۔ اس لئے وہ بنگال سے آنے والی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ بنگال سے کرنل گال اور اسٹورٹ کے ماتحت پانچہزار کی فوج اور گولہ بارود کی ۲۵ کشتیاں آگئیں۔ اس نئی فوج کے آنے پر کرنل کوٹ اندرون ملک قسمت آزمائی کرنے کیلئے نکلا۔ اور اس وقت اس کے ہمراہ نواب والاجاہ محمد علی کا فرزند سیف الملک بھی تھا۔ جنرل کوٹ نے پولی پور میں اسی جگہ قیام کیا۔ جہاں کرنل بیلی مقیم ہوا تھا۔ تیسرے دن حیدر علی بھی اپنی فوجیں لیکر آگئے۔ اور میدان کارزار گرم ہوگیا۔

اس جنگ میں کرنل اسٹورٹ اور سیف الملوک زخمی ہوگئے۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ انگریزوں کو اپنی تازہ دم فوج کی وجہ سے توقع تھی کہ حیدر علی کو شکست ہوگی۔ مگر نتیجہ انکے حسب خواہش نہیں نکلا۔ دوسرے دن شہزادہ ٹیپو سلطان نے پیچھے سے انگریزی فوجوں پر حملہ کیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی افواج پولی پور چھوڑ کر تھولنگر کی طرف

کر رہا تھا۔ سرائر کوٹ نے محمد علی سے اسکی فوجوں کے متعلق دریافت کیا۔ جس پر والاجاہ نے جواب دیا کہ :۔

"میں نے انگریزی فوج کی حمایت کی ترتیب پر اپنی سپاہ کو موقوف کر دیا تھا۔ اور جو باقی تھی۔ وہ اب حیدر علی کے قبضہ میں ہے"

کہا جاتا ہے کہ سرائر کوٹ کو اس جواب پر ہنسی آگئی اور اس نے کہا :۔

"بغیر فوج کے بادشاہت کرنا اور کاسہ گدائی لیکر بھیک مانگنا دونوں برابر ہیں"

نواب محمد علی والاجاہ نے دو لاکھ ہون (چھ لاکھ روپیہ) جنرل کے سامنے پیش کئے۔ اور کہا کہ اب سوائے دو ہزار پیادے اور پانچ سو سوار کے اور کچھ فوج نہیں ہے۔

جنرل سرائر کوٹ نے اپنی سپاہ کے ساتھ نئی فوج بھی بھرتی کی۔ اور مدراس سے نکل کر کوک بالا اور آجراوا کم ہوتا ہوا کوہ مور کے دامن میں کیمپ قائم کیا۔ کہ محمود بندر پر چڑھائی کرے۔

ٹیپو سلطان نے اس عرصہ میں قلعہ ٹھگر (ترچناپلی) اور تنجاور پر حملہ کر کے تمام ملک کو لوٹ لیا۔ اور اسی نواح میں انکی فوجوں کا میجر ہال کی متعینہ فوج سے مقابلہ ہوگیا۔ چند دن کی لڑائی کے بعد میجر ہال کی فوج ہتھیار ڈالکر اسیر ہو گئی۔ جہاں سے انہیں سرنگا پٹم بھیج دیا گیا۔

حیدری فوج کی شکست ۱۱۹۵ھ

جنرل سرائر کوٹ کوہ مور سے نکل کر وانڈی واش پہنچا۔ جہاں کپتان فلنٹ محصور تھا۔ انگریزوں کی اس نئی فوج کے آتے ہی حیدری فوج محاصرہ اٹھا کر وانڈی واش ہوتے ہوئے محمود بندر چلی گئی۔

جنرل کوٹ نے وانڈی واش پر قبضہ کر کے محمود بندر پر چڑھائی کی۔ اس خبر کے سنتے ہی نواب حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان محمود بندر پہنچ گئے۔ یہاں انگریزی اور حیدری افواج

کو انگریزوں سے بچانے کیلئے بچی تھی۔ اسکے علاوہ حیدر علی کی ملازمت میں موسیو آلن کے علاوہ موسیو ڈی لالی بھی تھے۔ جنہوں نے فرانس کو یہاں کے حالات سے خبردار کر دیا تھا۔ فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے مقبوضات بچانے اور حیدر علی کی امداد کے خیال سے ایک جنگی جہازوں کا بیڑا بھیج دیا جو امیر البحر سفرن کے ماتحت تھا۔

یہ بیڑا جس وقت خلیج بنگالہ میں آیا۔ تو اس کے اور انگریزی بیڑے کے درمیان جو امیر البحر ہیوجز کے ماتحت تھا۔ جنگ چھڑ گئی۔ اور فرانسیسی متواتر غالب آئے۔ انگریزوں کا مدعا یہ تھا کہ فرانسیسی اپنے سپاہی ساحل پر اتارنے نہ پائیں۔ مگر فرانسیسیوں نے محمود بندر پر اپنی فوج اتار دی۔

اب سمندر میں فرانسیسی جہازات کے آجانے سے حیدر علی کی ہمت اور بڑھ گئی آپ پہلے انگریز ساحلی مقامات چھوڑ کر آگے نہ بڑھتے تھے۔ ادھر حیدر علی کو محمود بندر کی لڑائی نے سبق دیدیا تھا۔ فرانسیسی سپاہ نے محمود بندر پر اتر کر قدیم بریم اور ترما کول پر قبضہ کر لیا۔ اس پر انگریزوں نے ایک زبردست فوج کڈلور پر اتار دی۔ جو جنرل اسٹورٹ کے ماتحت تھی۔ نواب حیدر علی بھی اپنی فوجوں کے ساتھ کڈلور کی طرف بڑھے۔ اس وقت سمندر میں فرانسیسی جہازات انکی کمک کیلئے موجود تھے۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوئی۔ جس میں انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ حیدری افواج خشکی پر سے حملہ کر رہی تھیں۔ اور فرانسیسی جہازوں پر سے گولے برسا رہے تھے۔ اس فتح کے بعد نواب حیدر علی نے اپنی فوجوں کو وانڈی واش اور پانڈیچری پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود آرنی کی طرف بڑھے۔ آرنی کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد نواب بیمار ہو کر ارکاٹ میں مقیم ہو گئے۔

میدان جنگ کی حالت

سمندر میں انگریزی اور فرانسیسی بیڑے ایک دوسرے

بڑھیں۔ راستہ میں حیدری افواج سے چھوٹے چھوٹے مقابلے ہوئے۔ جس میں کبھی حیدر علی غالب آتے اور کبھی انگریز۔ جنرل کوٹ ۱۷۸۱ء میں شولنگر پہنچا۔ جہاں حیدری فوج کے ایک دستے کو سخت شکست دیکر شولنگر پر قابض ہوگیا۔ اسکے بعد مدراس کی فوجیں آرنی کی طرف بڑھیں۔ اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ سیدی امام قلعہ دار نے سختی سے مدافعت کی۔ مگر انگریزی فوجوں نے رات کے وقت شبخون مار کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ جس وقت نواب حیدر علی کو سقوط شولنگر اور آرنی کی خبریں پہنچیں۔ تو ایک زبردست فوج سے وہ آرنی پر بڑھے۔ مگر اس سے پیشتر جنرل کوٹ محاصرہ کے خوف سے قلعہ خالی کرکے مدراس کی طرف واپس ہوگیا تھا۔ کیونکہ ٹیپو سلطان نے راستے میں انگریزی سامان رسد جو مدراس سے آرہا تھا۔ لوٹ لیا تھا۔ مدراس پہنچکر جنرل کوٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور جنرل سٹورٹ سپہ سالار بنادیا گیا۔

مدراس گورنمنٹ میں ردوبدل ۱۷۸۱ء

اس عرصہ میں انگلستان سے نیا گورنر لارڈ میکارٹنی مدراس آگیا۔ اور چونکہ یوروپ میں انگریزوں اور ڈچ والوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس لئے اس نے آتے ہی انگریزی افواج کو ڈچ علاقہ ناگ پٹم پر قبضہ کرنے کا حکم دیدیا۔ کرنل بریٹ وائیٹھ کے تحت ایک زبردست فوج بھیجی گئی۔ جس نے ناگ پٹم پر قبضہ کرکے تنجری پر چڑھائی کی۔ مگر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے کاویری ندی کے قریب اس کو گھیر لیا۔ چند دن کی لڑائی کے بعد انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ انگریزی فوج قریب قریب کل کٹ گئی۔ اور باقی رہی سہی اسیر ہوگئی۔ کرنل بریٹ وائیٹھ بھی مقید ہوگیا۔

فرانسیسی جہاز حیدر علی کی کمک پر ۱۷۸۲ء

ہندوستان میں فرانسیسی حیدر علی کی حمایت میں تھے۔ اور موجودہ جنگ کی ابتدا ہی انہیں

کورگ پر روانہ کر دیا گیا۔ جنہوں نے جاتے ہی بغاوت فرو کر دی۔ مگر خود بھی ایک ہنگامہ میں شہید ہو گئے۔ ٹیپو سلطان نے ملیبار میں نائروں کی بغاوت کو کامل طور پر دبا دیا۔ شہزادہ کو رقعے لکھنے کے بعد دوسری صبح ۷؍ دسمبر ۱۷۸۲ء میں نواب نے کل فوج کو ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دینے کا حکم دیا۔ اور فوج کے ساتھ محتاجوں کو بھی زرِ نقد اور کھانا تقسیم کیا گیا

نواب حیدر علی خان کی آخری گھڑیاں

قریب شام کے نواب نے تاریخ دریافت فرمائی معلوم ہوا کہ محرم کی چاندرات ہے۔ تو آپ نے غسل کرانے کا حکم دیا۔ غسل کے بعد دوسرا لباس پہن کر کلمہ اور درود شریف پڑھکر منہ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اسی وقت چند سرداران فوج کو طلب کر کے دس ہزار فوج شمالی ارکاٹ پر اور پانچہزار فوج نواح ارکاٹ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ فرمائی۔ اور اس کے چند ساعت بعد اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

یہ وہ شب تھی کہ ۱۱۹۵ھ رخصت اور ۱۱۹۶ھ کا آغاز ہو رہا تھا۔ اور انگریزی تاریخ ۷؍ دسمبر ۱۷۸۲ء تھی۔

امرائے سلطنت نے سلطان ٹیپو کی آمد تک نواب حیدر علی کی وفات کی خبر کا اظہار خلافِ مصلحت ملکی سمجھ کر مخفی رکھتے ہوئے جنازہ خفیہ طور پر سرنگا پٹم بھیجدیا۔ جہاں گنبد میں دفن کر دیا گیا۔ ایک شاعر نے

تاریخ وفات :- "حیدر علی خان بہادر" کہی ہے۔

۱۱۹۵ھ

کے ساتھ آمادہ پیکار تھے۔ اور ادھر اُدھر حملے کرتے ہوئے پھر رہے تھے۔ ایک وقت فرانسیسی بیڑے نے مدراس پہونچکر گولہ باری بھی کی۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ اس کے بعد انگریزی فوجیں کڈلور سے واپس آکر مدراس میں جہازوں کی پناہ میں مقیم ہوگئیں۔ اور ساحل چھوڑ کر کھلے میدان میں حیدری افواج کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں۔ اس کی خبر جب وارن ہسٹنگس گورنر جنرل کو معلوم ہوئی تو اس نے ایک زبردست فوج جنرل پیرس کے ماتحت اوڑیسہ و شمالی سرکار کے راستہ سے روانہ کی۔ وارن ہسٹنگس کی حکمت عملی نے چھوٹے ناگپور کے راجہ کو جس کے علاقہ میں اڑیسہ تھا۔ اپنی جانب ملا لیا تھا اور راجہ کو راستہ دینے کیلئے سولہ لاکھ روپیہ کی رقم دیگئی۔ یہ راجہ نانا فرنویس کا طرفدار تھا۔ جو اس وقت پونا میں انگریزوں سے برسر جنگ تھا مگر اس کے دربار میں کچھ ایسی سازشیں ہوئیں کہ یہ نانا فرنویس کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے مل گیا۔ بلکہ روپیہ لیکر انکی فوجوں کے گذرنے کیلئے راستہ بھی دیدیا۔ تمام انگریزی مورخین وارن ہسٹنگس کی حکمت عملی کی تعریف کرتے ہیں۔ کہ اس نے راجہ کو اپنی طرف ملاکر ہندوستان کو مرہٹوں سے بچا لیا۔ اور جنوب میں بھی حیدرعلی کے مقابلہ میں فوج بھیجنے کے قابل ہوا۔

حیدرعلی کی وفات ۱۷۸۲ء

جس وقت نواب حیدرعلی ارکاٹ کے قریب نرسنگ راؤ پیٹ میں مقیم تھے۔ تو انکے مرض نے اور زور پکڑا۔ نواب حیدرعلی کو سرطان کا مرض تھا۔ پیٹھ کے پھوڑے نے تمام پیٹھ کو چھلنی کردیا تھا جراح و حکیم علاج سے عاجز آچکے تھے۔ مشیروں نے عرض کیا کہ آپ مہمات سے کنارہ کش ہوکر آرام فرمائیں۔ اور شہزادہ ٹیپو سلطان کو طلب کرکے انتظام سپرد کردیں۔ نواب حیدرعلی نے شہزادہ کے نام رقعہ لکھا۔ جو اس وقت ملیبار میں لڑائی میں مصروف تھا۔ کرناٹک میں نواب کی مصروفیت کو دیکھکر باشندگان کورگ اور ملیبار نے بغاوت کردی تھی۔ نواب نے میر مخدوم علی کو

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت انتہائی درجہ کمزور ہو گئی تھی۔ کہ حیدر علی کی وفات نے پھر انہیں سنبھال لیا"

اور ایک انگریزی مورخ لکھتا ہے :۔

"حیدر علی کی وفات انگریزوں کی خوش قسمتی کا باب تھی۔ اس کی وفات سے نہ صرف میسوریوں کو بلکہ مرہٹوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ نانا فرنویس کو حیدر علی کی فتوحات سے امید ہو چلی تھی کہ انگریز ہندوستان سے رخصت ہونے والے ہیں۔ مگر اسکی وفات نے نانا فرنویس کو مایوس اور مجبور کر دیا کہ انگریزوں کی شرائط صلح پر دستخط کردے"

ایک اور انگریزی مورخ کی زبانی سنئے :۔

"قسمت ہندوستان کے خلاف ہو چکی تھی۔ اس لئے حیدر علی کی غیر متوقع وفات نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جما دئے"

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی کا جوا مقدر ہو چکا تھا۔ حیدر علی کی وفات نے انگریزوں کے اکھڑے ہوئے قدم کو پھر ہندوستان میں جما دیا۔ ہم آگے لکھ چکے ہیں کہ ہندو مورخین کا اعتراف ہے کہ حیدر علی نے نانا فرنویس کی اس تجویز کو جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے متعلق تھی انگریزوں پر ظاہر کرکے اپنی فراست و حب الوطنی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا۔ وہ اب نانا فرنویس کی عجلت پسندی اور فقدان سیاست کو بھی دیکھیں کہ ابھی میسور کی اس جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ اور حیدر علی کے بہادر فرزند ٹیپو سلطان نے ابھی جنگ جاری رکھی تھی۔ لیکن نانا فرنویس نے انگریزوں سے دبکر صلح کر لی۔ نانا فرنویس ٹیپو سلطان کی شخصیت سے ناواقف نہیں تھا۔ حالیہ جنگ میں بیلی اور بریتھ وائیٹ کی شکست سے سلطان کی شہرت تمام ہندوستان بلکہ انگلستان تک پہنچ چکی تھی۔ اب یہ امر

نواب حیدر علی خان کی وفات کا ہندوستان پر اثر

"نواب حیدر علی خان بہادرؒ کی بے وقت موت ہندوستان کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان اور صدمۂ جانکاہ تھا۔ جس سے انگریزوں کے اکھڑتے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ نواب حیدر علی کے اٹھنے کے ساتھ گویا ہندوستان کا اقبال بھی رخصت ہوا معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ قدرت کو بھی شاید یہی منظور تھا۔ کہ یہ ہندوستان جنت نشان اغیار کی طوق غلامی میں گرفتار ہو جائے۔

"نواب حیدر علی خان بہادرؒ جس زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پونا میں جو مرہٹے نانا فرنویس کے ماتحت انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ اور باوجود فاتح ہونے کے جس وقت "نواب حیدر علی خان" کی وفات کی خبر پہونچی تو انہوں نے صلحنامۂ سالبی پر جس کو وہ پہلے ٹھکرا چکے تھے۔ اب سر اطاعت خم کر کے دستخط کر دئے۔ نواب حیدر علی خان کی وفات کے وقت انگریزوں کی ہندوستان میں جو حالت تھی وہ مسلمان مورخین سے نہیں بلکہ انگریزی مورخین کی زبانی سنئے۔

مورخ سنکلیر لکھتا ہے:-

> "ہندوستان میں انگریزوں کی حالت اس سے زیادہ خطرے میں کبھی نہیں تھی۔ بنگال پر ناگپور کا راجہ حملہ کر رہا تھا۔ وسطی ہندوستان میں نانا فرنویس کے ماتحت مرہٹے انگریزوں سے ایک کامیاب جنگ میں مصروف تھے۔ جنوب میں انگریزی فوجیں جہازوں کی پناہ لئے ہوئے ساحل مدراس پر مقیم تھیں۔ معلوم تو یہ ہو رہا تھا کہ انگریز ملک میں کوئی دم کے مہمان ہیں۔"

مورخ ڈی لا ٹورسی لکھتا ہے:-

نواب حیدر علی خاں کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار

حلیہ، لباس، طرز گفتگو

نواب حیدر علی پورے گرانڈیل جوان تھے۔ قد چھ فیٹ کا، رنگ گندمی، چہرہ پر رعب، درشتی، چستی و چالاکی کے آثار نمایاں تھے۔ داڑھی، مونچھ اور ابروؤں کا صفایا کرتے تھے۔ لباس ہندوستانی، سفید ململ یا تنزیب کا۔ جس کی آستین چست اور دامن فراخ تھا، پہنتے تھے۔ سر پر اونچا عمامہ باندھتے تھے۔ فوجی لباس ایک خاص وضع کا تھا۔ اور تمام فوج میں یہی لباس رائج تھا۔ نواب کا لباس سفید اطلس کا ہوتا تھا۔ جس میں سنہری گل و بوٹے ہوتے تھے۔ پیلے مخمل کے موزے۔ سفید ابریشمی کمر بند، اور سر پر گلناری پگڑی رہتی تھی۔ اکثر بید کی چھڑی ہاتھ میں رہتی تھی۔ جس کے سرے پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

طرز گفتگو

حیدر علی بات چیت نہایت سہولت اور آسانی سے کیا کرتے۔ ہر شخص کی بات پوری سنتے، اور اس کا جواب دیتے۔ مذاق کی بھی عادت تھی نواب کی مذاقیہ گفتگو کی شہرت اب تک میسور میں ہر جگہ ہے۔

زبان

حیدر علی کی مادری زبان فارسی تھی۔ اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان کی مروجہ زبانوں جیسے "دکھنی (اردو)، کنٹری، تمل، مرہٹی اور تلنگی" میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ جس میں کنڑی کو بوجہ ملک میسور کی مروجہ زبان ہونے کے امتیاز حاصل تھا کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی زبان میں بھی کچھ گفتگو کر لیتے تھے۔

لاحاصل ہے کہ ہم نانافرنویس پر اعتراض کریں۔ یا انگریزوں کی سازشوں کا ماتم؟ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کا محکوم بنکر رہنا مقدر تھا۔ حیدرعلی کی وفات نے انکے قیام وثبات کی ایک صورت پیدا کردی۔

نواب حیدرعلی کی تدفین

تاجدار میسور کی وفات کی خبر ملکی وجنگی مصلحتوں کی وجہ سے اسوقت تک مخفی رکھی گئی۔ جب تک ٹیپو سلطان علیہ الرحمۃ آگئے۔ سلطان کے آنے کے بعد جنازہ نہایت تزک واحتشام سے سرنگا پٹم بھیجا گیا۔ جہاں لال باغ میں دفن ہوا۔ ٹیپو سلطان نے اس پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا۔ اسوقت کے کسی شاعر نے تاریخ وفات لکھی ہے جو گنبد کی مغربی دیوار پر کندہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — اللہ محمد ابوبکر عثمان علی

زہے گنبد کز شکوہ بنا — فلک زیر دستش بود در علو

تو خواہی سوخواہ خورشید خواں — فلک داغ گردید از رشک او

بود شمسہ اش نور چشم فلک — قمر یافتہ ضو ز تعلیم او

ترا وش کناں بحر رحمت ز خاک — کروبے ز کر وبیاں گرد او

سحرگہ پئے کسب فیض وشرف — گذشتم از یں خوابگاہ نکو

چوں ایں مضجع تازہ آمد بچشم — نمودہ چو روحانیاں جست جو

کہ ایں شاہ آسودہ را چیست نام — چہ تاریخ رحلت نمودست او

یکے زاں میاں گفت تاریخ ونام

کہ حیدر علیخاں بہادر بگو

۱۱۹۵

ملک داری

فرائض ملک داری پر پورا عبور حاصل تھا۔ رعایا کے آرام و آسائش کا خیال ہمیشہ رکھا کرتے تھے۔ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر ملک اور رعایا کے حالات دریافت فرماتے۔ دادخواہوں کو حکم تھا کہ جب عمالانِ حکومت سے انصاف سے انہیں تسلی نہ ہو تو سرِ دربار حاضر ہو کر اپنا معروضہ پیش کریں۔ انگریزی مورخین کو اعتراف ہے۔ کہ حیدر علی کی حکومت میں پولس کا انتظام اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور محاصل وصول کرنے کیلئے رعایا پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ظالم اور رشوت خوار عاملوں کو تازیانہ سے پٹواتے تھے۔ تمام جنوبی ہند میں بہادری کوڑا یعنے بہادر (حیدر علی) کا کوڑا مشہور ہے۔ فوج کی ساخت و پرداخت میں خاص ملکہ تھا۔ سپاہیوں سے غیر معمولی محبت اور انکے آرام و آسائش کا اس قدر خیال رکھتے کہ انکے آرام کے ساتھ اپنا آرام اور ان کی تکلیف کے ساتھ خود بھی تکلیف برداشت کرتے تھے۔ اس لئے تمام فوج ہمیشہ جان نثاری پر تیار رہتی تھی۔ اگر کوئی سپاہی ذرا بھی بہادری کا کام کرتا تو اس کو انعام دیتے۔ اور اس کے ساتھ ہی سپاہیوں پر فوجی قانون کے مطابق نہایت سخت تاکید بھی رہتی کہ وہ بروقت اپنے کام پر مستعد رہیں۔ یہی نہیں بلکہ رعایا کے کسی فرد سے بھی بہادری اور وفاداری ظاہر ہوتی تو انعام و اکرام دیا جاتا۔ چنانچہ جس وقت انگریزوں سے پہلی جنگ ہوئی تو انگریزوں نے قلعہ کاٹ بینا کا محاصرہ کر لیا اور سیڑھیاں لگا کر فصیل قلعہ پر چڑھنے لگے۔ یہاں حیدری فوج بالکل کم تھی۔ اس لئے مدافعت میں رعایا نے بھی حصہ لیا۔ جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ عورتوں نے چڑھنے والے انگریزی سپاہیوں پر فصیل قلعہ سے گرم گرم پانی جس میں گڑ گھولا ہوا تھا۔ ڈالنا شروع کیا۔ اور یہ کام انہوں نے اس مستعدی سے کیا کہ انگریزی سپاہی فصیل پر چڑھنے سے باز آگئے یہ خبر جب نواب تک پہنچی تو ٹیپو سلطان کی معرفت ان سب عورتوں کو طلائی کڑے اور

دل و دماغ

نواب حیدر علی کی دماغی قوتیں ایسی زود رس اور قوی تھیں کہ ایک ہی وقت میں بہت سے کام سر انجام دیتے تھے۔ دربار میں کئی کئی منشی ایک ہی وقت میں عرضیاں سناتے۔ نواب سنتے جاتے اور دوسری طرف جواب اور حکم احکام بھی دیتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ کھیل تماشے بھی دیکھتے جاتے تھے۔ ذہن اور حافظہ اس قدر تیز کہ بچپن کی باتیں یاد تھیں۔ اور جس کسی کو ایکبار دیکھ لیتے پھر کبھی نہ بھولتے۔ اور اپنے ہر سپاہی کو پہچانتے تھے۔ جنگی و ملکی پیچیدہ مسائل اس قدر آسانی سے حل کر لیتے تھے۔ کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا کہ آپ بغیر سوچے بول رہے ہیں۔ میدان جنگ کے مختلف محاذوں پر سپہ سالاروں کو ہدایات جنگ بھیجتے تھے۔ گویا کہ موقع پر حاضر ہیں۔

موسیو ڈلٹ لکھتا ہے:-

"نواب حیدر علی خاں کے عزم بلند کا پلہ کسی طرح تیمور و نادر سے کم نہیں تھا"

ادب شناسی

شہنشاہ اکبر کی طرح نواب حیدر علی بھی اُمی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے تمام فرامین و احکام جب لکھاتے تو دوسرے منشی سے پڑھوا کر اپنی مہر جو انگوٹھی پر کندہ تھی۔ چسپاں کرتے تھے۔ اور جس کاغذ پر دستخط کی ضرورت ہوتی۔ اس پر علاوہ مہر کے دستخط بھی کرتے۔ جو صرف لفظ "ح" تھا اکثر کہا کرتے تھے کہ بعض لوگ مجھ کو اُمی کہتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میرے پیغمبر بھی اُمی ہی تھے۔ باوجود بے علم ہونے کے اس قدر ادب شناس تھے کہ انکی محفل میں خلاف ادب گفتگو کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ نواب حیدر علی کے فرامین اور خط و کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ انکی ادب شناس نظر نے کس قدر بلند پایہ ادیبوں اور میر منشیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی تھی۔

بھی سادہ اور دو وقتہ تھی۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ کنے وقت جو یا راگی کی سوکھی روٹی اور پانی پر گزر ہوتا تھا۔ دوسرے وقتوں میں بھی دسترخوان پر راگی (ایک قسم کا غلہ جو میسور میں بکثرت ہوتا ہے اور عام لوگوں کی غذا ہے) کی روٹی ضرور ہوتی تھی۔

روزانہ مشاغل

نواب حیدر علی ہر صبح قبل طلوع آفتاب بیدار ہوکر گذشتہ دن اور رات کے ضروری اخبار سنتے۔ ذمہ دار افسروں کو اجازت تھی کہ جب کوئی بالکل ہی ضروری خبر سنانی ہو تو رات اور دن میں کسی وقت بھی حاضر ہوکر سنائیں۔ قریب آٹھ بجے دیوان خانہ میں تشریف فرما کر خطوط اور عرضیاں سنتے۔ اور انکے جواب لکھاتے اس سے فارغ ہوکر گھوڑے، ہاتھی اور شکاری چیتے وغیرہ ملاحظہ کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ نواب بعض خوبصورت چیتوں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے۔ اور انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے اور چیتے بھی نواب سے اس قدر مانوس تھے کہ نواب کو دیکھتے ہی بطور کتوں کے خوشی سے کودتے اور دُم ہلاتے۔ ان چیتوں کو نوکر پکڑے ہوئے رہتے۔ اور انکے سروں پر ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی۔ جو رسی کے ایک ادنیٰ اشارے سے وقت ضرورت آنکھوں کو ڈھانپ لیتی تھی۔ قریب دس بجے ناشتہ کرکے پھر دیوان خانہ میں آتے۔ جہاں باہر کے آئے ہوئے سفیروں کو شرف باریابی بخشا جاتا۔ اسکے بعد دربار عام (نواب کا دربار عام ایک زردوزی شامیانے میں ہوتا تھا) میں تشریف لاتے۔ یہاں فریادی بذات خود پیش ہوتے۔ اور مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا۔ ماتحت راجگان اور امراء کے وکیل اس دربار میں ضرور شامل رہتے تھے۔ جب عرضیاں اور مقدمات کی سماعت ختم ہوجاتی تو تاجروں کو حضوری میں طلب کیا جاتا۔ اور ان میں بعض کو خصوصیت سے بیٹھنے کا حکم بھی ملتا۔ تاجروں کو پان دیکر رخصت کیا جاتا۔ یہ دربار قریب تین بجے کے ختم ہوتا۔ جس کے بعد محل میں جاکر آرام کرتے۔ اور پھر پانچ بجے باہر

روپے بطور انعام بھیجے گئے۔

نواب حیدر علی کو کسانوں پر خاص توجہ تھی۔ ہمیشہ ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کی جاتی۔ لیکن غنیم کے حملوں کے وقت اپنے ملک کے سرسبز قطعات اور لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو برباد کر دینے میں انہیں کوئی دریغ نہ ہوتا تھا۔ تاکہ دشمن کو سامان رسد نہ مل سکے۔ سوداگروں کی خوب آؤ بھگت کی جاتی۔ اور باہر سے جو سوداگر ملک میں آتے۔ ان کی خاطر تواضع صد درجہ کی جاتی تھی۔ اور ان کی تمام جنس خرید کر دوبارہ ان کو اپنے ملک میں آنے کی ترغیب دلائی جاتی تھی۔

نواب کو اپنی سوار فوج پر خاص توجہ تھی۔ اور نواب کی لڑائیوں میں اکثر اچانک دھاوے اور شبخون زیادہ ہوتے تھے۔ اس لئے فوج میں ہمیشہ گھوڑوں کی ضرورت رہتی تھی۔ نواب کے حکم سے میسور میں دو جگہ گھوڑے، بیل اور ہاتھیوں کے فارم (چراگاہ) کھلے ہوئے تھے۔ جہاں ان جانوروں کی نسل کشی اور پرورش ہوتی تھی۔ وہی سلسلہ آج بھی ریاست میسور میں قایم ہے اور اس محکمہ کا نام میسور میں محکمہ امرت محل ہے۔ اس میں زیادہ تر گائے اور بیل رکھے جاتے ہیں۔ گھوڑوں کیلئے بھی ایک علیحدہ فارم قایم تھا۔

خوراک

وہ خود مختار بادشاہ جس کے سلطنت کی وسعت اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) مربع میل سے زیادہ ہو۔ اور اس وقت کے تمام ہندوستان کے بادشاہوں سے بلحاظ وسعت ملک سب سے بڑھکر طاقتور ہو۔ اسکے سفرہ کے متعلق تمام مورخین خاموش ہیں۔ مگر مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایام جشن دسہرہ میں ان کا دسترخوان اس قدر وسیع ہوتا تھا کہ شاہان دہلی کے دسترخوان پر رشک ہوتا تھا۔ ورنہ معمولی طور پر بالکل سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ چونکہ بچپن سے طبیعت محنتی اور جفاکش تھی۔ اس لئے ہمیشہ غذا

لگا کر معزول کر دیا۔ اور آغا محمد کا سر قلم کر دیا گیا۔ کہ آئندہ رعیت کو کوئی نہ ستائے لڑکی بڑھیا کو واپس دلائی گئی۔

نواب حیدر علی کی صولت و سطوت کا یہ حال تھا کہ شریر اور مفسد ان کے نام سے کانپتے تھے۔ نواب نے خاص خاص جرموں کی سزا دینے کیلئے دو سو لنسپچی ملازم رکھے تھے۔ جن کا کام مجرموں کو کوڑے لگانا ہوتا تھا۔ اس طریق سزا دہی میں امیر، غریب، سپاہی، اور افسر سب برابر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کسی جرم پر شاہزادہ ٹیپو سلطان کو بھی حیدر علی نے اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے

شاہان مغلیہ کا طمطراق سرنگاپٹم میں روما کے تماشے

نواب حیدر علی کے حکم سے آتشبازی کا تماشہ بھینسوں اور بیلوں کی لڑائیاں۔ ہاتھیوں کی باہم ٹکریں۔ پہلوانوں کی کشتیاں ہمیشہ شام محل کے روبرو ہوا کرتیں۔ فوج کے بہادر سپاہی زرہ بکتر پہنکر ریچھوں اور شیر ببر سے لڑتے۔ اگر سپاہی غالب آجاتے تو انہیں خلعت اور انعام کے علاوہ تنخواہ میں اضافہ ہوتا اگر جانور غالب آنے والا معلوم ہوتا تو فوراً اسکی پیشانی پر گولی مار دی جاتی۔ ایسے وقت نواب ہر وقت بندوق ہاتھ میں لئے رہتے تھے۔ اور گولی وہی مارتے تھے۔

تاریخ ہند بتلاتی ہے کہ شاہان بیجاپور نے بھی ہاتھیوں کی باہم لڑائیاں اپنے یہاں رائج کی تھیں۔ مگر جسوقت یہ خبر شہنشاہ ہندوستان شاہجہاں کو پہونچی۔ تو اس نے فوراً سفیر کے ذریعہ باز پرس کی۔ کیونکہ یہ کروفر صرف شہنشاہ ہندوستان ہی کیلئے زیبا سمجھا جاتا تھا۔ مگر نواب حیدر علی کے زمانے میں سلطنت دہلی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ اور ہندوستان بھر میں حیدر علی کے پایہ کا اور کوئی خود مختار زبردست بادشاہ نہیں تھا۔

آکر فوج کا معاینہ فرماتے منشیوں کو ہمیشہ ساتھ رہنے کا حکم تھا۔ یہاں بھی احکام صادر کیے جاتے جس کے بعد ہوا خوری کو جاتے تھے۔

رات کو رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی۔ اس میں عود و عنبر کی انگیٹھیاں سلگتیں اور خوب روشنی کی جاتی۔ ان محفلوں میں امراء مصاحب اور امیر زادے بھی شامل ہوا کرتے تھے ان امیر زادوں سے چار امیر زادے کمر بستہ مع شمشیر رہتے تھے۔ گیارہ بجے تک یہ جلسہ رہتا جس کے بعد محل میں تشریف لیجاتے۔

حیدر علی کے مشاغل زندگی میں یہ معمول صرف ان ایام کا ہے۔ جبکہ وہ سرنگا پٹم میں رہتے تھے۔ ورنہ انکی تمام زندگی جنگ اور سفر میں کٹی۔ سفر میں اکثر ہفتے میں دو دفعہ شیر، چیتے اور ہرن وغیرہ کے شکار کو جاتے۔ اور اس وقت ساتھ صرف نیزہ اور تلوار رکھتے تھے۔

جب حیدر علی کسی بڑی مہم سے فتح پاکر آتے تو جشن منایا جاتا جس میں شعراء قصائد پڑھتے اور انعام پاتے تھے۔

عدل و انصاف

حیدر علی کے عدل و انصاف کی روایات بھی اسی قدر مشہور ہیں جس قدر ان کی بہادری ۱۷۶۴ء میں ایک روز حیدر علی کوئمبتور میں ہوا خوری کیلئے نکلے۔ راستے میں ایک بڑھیا نے نواب کو روک کر فریاد کیا کہ اسکی عرضی کی داد نہیں ملی۔ دریافت کرنیسے معلوم ہوا کہ عرضی۔ عرض بیگیوں کے سردار حیدر شاہ کے ہاتھ میں دیگئی تھی۔ اور کیفیت یہ تھی کہ نقیبوں کے سردار آغا محمد نے اسکی لڑکی چھین لی ہے۔ حیدر شاہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے بڑھیا اور اسکی لڑکی کو طوائفوں سے بتلایا۔ اور اسی لئے پیش نہ کرنیکا حیلہ کیا۔ نواب نے کل واقعہ دریافت کرکے حیدر شاہ کو دو سو کوڑے

ہمت نہیں ہاری۔ سرنگاپٹم میں جب راجہ کی سازش کی وجہ سے جان پر بن گئی تھی۔ تو تن تنہا دریائے کاویری میں کود کر بنگلور آ گئے تھے۔ تریک راؤ کے مقابلہ میں جب کامل شکست ہو گئی تو سرنگاپٹم فرار ہو کر پھر فوج جمع کر کے مقابلہ کیلئے نکلے۔ میدانِ جنگ میں شجاعت اور بہادری کا یہ حال تھا۔ کہ صفِ دشمن میں گھس جانے سے کبھی خوف نہ کھاتے تھے۔ مستقل مزاجی کا یہ حال تھا۔ کہ کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ نواب پریشان خاطر ہیں۔ کڈپہ میں رات کے وقت جب افغان ان پر حملہ آور ہوئے تو نہایت اطمینان سے اپنے بستر پر تکیئے رکھکر چادر اڑھادی تاکہ حملہ آوروں کو گمان نہ ہو۔ اور اس کے بعد خود باہر نکلے۔

فراست وقیافہ شناسی

نواب کو قیافہ شناسی میں بھی خاص ملکہ تھا۔ انسان کو دیکھکر اس کے ظرف وکم ظرفی، پست نظری وبلند خیالی، شجاعت اور بزدلی پہچان جاتے تھے۔ نواب حیدر علی تو بالکل لکھے پڑھے نہ تھے۔ دستخط بھی مشکل سے کرتے تھے۔ ایک دن کسی فرمان پر اپنا نشان بنا رہے تھے۔ سامنے ایک شخص کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ نواب حیدر علی تاڑ گئے۔ کہا کہ دستخط کو کیا دیکھتا ہے۔ پیشانی کو بتلایا کہ یہاں دیکھ۔ یعنی میرے طالع کو دیکھ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر ہو جائے)

بے تعصبی اور مذہبی رواداری

نواب حیدر علی خاں حد درجہ غیر متعصب تھے ان کی تمام زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ مذہب کی بنا پر انہوں نے کسی سے کچھ تعرض کیا ہو۔ ان کے مشیر، وزراء اور فوج میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں تھے۔ مصنف حملات حیدری نے اپنی تاریخ میں بہت سے ہندوؤں کے نام لکھے ہیں۔ جن میں قلعہ دار بھی ہیں۔ اور فوجی افسر بھی۔ وزراء میں

اقوال

نواب حیدر علی کے مقولے کثرت سے لوگوں کی زبان پر ہیں۔ مگر ان میں جو زیادہ مشہور اور تاریخی شہرت پا چکے ہیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) ایک بہادر آدمی میدان جنگ میں تن بے سر کا اچھلنا و کودنا دیکھکر رقص بسمل کا لطف حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) توپ اور بندوق کی آواز آہنگ سرود سے زیادہ مزہ دیتی ہے۔

(۳) مردوں کی عمدہ نشست گاہ خانۂ زین ہے۔

(۴) لڑائی کے فتح کر لینے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ کسی جشن سے حاصل نہیں ہو سکتی

(۵) میرا پیغمبر بھی امی اور میں بھی امی۔ یہ خدا کی قدرت کا ایک ادنےٰ نمونہ ہے کہ مجھ ایسے جاہل سے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوں۔ جو ہزاروں عالموں سے وقوع میں آئیں

(۶) اگر مجھے مجھ ایسا ایک اور شخص ملجائے تو خدا کی تائید سے ہفت اقلیم فتح کر ڈالوں۔ اور دنیا کو پھر حضرت عمرؓ کی فتوحات کا نقشہ دکھا دوں۔

لونڈی بچہ

نواب ہمیشہ جب کسی کو پکارتے تو لونڈی بچہ پکارتے۔ ایک وقت ایک مصاحب نے عرض کی کہ بادشاہوں کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلنا زیب نہیں دیتا۔ اس پر نواب نے اس مصاحب کو انہیں الفاظ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور تم اور جو کوئی بھی ہے۔ وہ تمام لونڈی بچے ہیں۔ بی بی بچے تو صرف دو ہی ہیں۔ جن کا نام حسنینؑ ہے۔ بی بی تو وہی ایک ہوئیں۔ جن کا نام حضرت فاطمۃ الزہراؑ ہے۔ اور باقی تمام لونڈیاں ہیں۔

شجاعت اور بہادری

نواب حیدر علی یہ جانتے ہی نہیں تھے۔ کہ خوف وہراس کیا چیز ہے۔ مشکل سے مشکل امر میں بھی انہوں نے کبھی

ہیں بعد ہدیۂ آداب وسلام کے نواب نے لکھا ہے کہ :-

"آپ نے بالا جی نپٹا اور وینکٹ رامنیا کے ذریعہ جو اطلاع دی ہے۔ اس سے آگاہی ہوئی۔ آپ کی شخصیت واجب التعظیم اور آپ کا تقدس باعث برکت ہے۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہر شخص کے دل میں آپ سے ملنے اور سعادت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ صاحب رگھوناتھ راؤ پیشوائے پونا آپ سے ملنا اور آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ آپ کو انکے پاس بغرض ملاقات بھیجا جائے۔ اس لئے میں اب آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پونا تشریف لیجاکر صاحب موصوف کی خواہش پوری کریں۔ آپ کے اس سفر کیلئے ایک ہاتھی۔ ایک پالکی۔ پانچ گھوڑے۔ اور پانچ اونٹوں کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دینا کیلئے زرین کپڑے۔ آپ کے علم (نشان) کیلئے پانچ ریشمی تھان۔ اور خاص آپ کیلئے دو خلعتیں اور ایک جوڑی شال بھی ارسال خدمت ہے۔ اخراجات سفر کیلئے ساڑھے دس ہزار روپیہ ارسال ہیں۔"

اس خط میں حیدر علی نے اپنے نام کے ساتھ شروع میں "نواب" اور اخیر میں "خان بہادر" کا خطاب استعمال کیا ہے۔ یہ خط مطلّا و مذہب ہے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

دوسرا خط جس پر تاریخ نہیں ہے۔ سوامی ابھینو انرسمہا بھارتی کے نام ہے۔ جس میں سوامی جی کے خط اور تحفوں کی وصولی لکھی ہوئی ہے۔ اس خط میں نواب حیدر علی نے گرو جی کو یقین دلایا ہے کہ مندر کے نام جو انعام ہیں وہ بحال رکھے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی درخواست کی گئی ہے کہ سوامی جی مندر میں جاکر اقامت کریں۔ اور سوامی جی سے یہ بھی درخواست کی گئی ہے کہ ارسال شدہ تحائف کو قبول کیا جائے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

"تیسرا خط ۱۷۶۹ء کا ہے۔ دراصل یہ ایک حکمنامہ ہے۔ جو عمال ان حکومت کے نام ہے۔ اس

کشن راؤ اور پورنیا مشہور ہیں۔ حیدر علی کا پہلا پرائیویٹ سکریٹری کھنڈے راؤ برہمن تھا۔ جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ اس کے بعد اس منصب جلیلہ پر کئی ایک ہندو فائز رہ چکے ہیں۔ سفارت کے اہم عہدوں پر بھی ہندو فائز تھے۔ نواب حیدر علی کو ہندوؤں پر اس قدر اعتماد تھا کہ سیاسی مجرم بھی ہندو پالیگاروں کے قلعے میں قید کئے جاتے تھے ایشیاٹک سوسائٹی کے تاریخی کاغذات میں ایسے بہت سے ہندو سیاسی مجرموں کے نام دیئے گئے ہیں۔ جو ان پالیگاروں کے قلعہ میں مقید تھے۔ انگریزوں سے پہلی جنگ کے دوران میں مدراس سے دو انگریز پادریوں نے حیدری فوج میں آکر اپنے آپ کو فرانسیسی مشہور کردیا۔ اور نواب کی فرانسیسی فوج کے ملازموں کو ورغلانا شروع کیا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوئی تو صرف ان کے ظاہری لباس و تقدس کی بنا پر انہیں بجائے سزا دینے کے قید کرکے پانڈیچری روانہ کردیا۔

رواداری کی مثالیں عام طور پر میسور میں ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ جس قدر قدیم مندر ملک میسور میں ہیں۔ سب کی جاگیریں حیدر علی نے نہ صرف بحال رکھا۔ بلکہ اپنی طرف سے بھی انعامات دیئے۔ جنکی سندات مندروں میں موجود ہیں۔ اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو بہت طویل ہوگی۔ یہاں صرف دو تین مثالیں دی جاتی ہیں۔ جن کی صحت کیلئے میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے سالانہ رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ویون ہلی کے مندر میں جو ناقوس استعمال میں ہے۔ وہ نواب حیدر علی کا عطیہ ہے۔

میسور ارکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۲ء

(۲) سرنگاپٹم میں سری رنگاناتھ کے مندر میں جو برتن استعمال میں ہیں وہ حیدر علی کے دئے ہوئے ہیں

(۳) سرنگیری کے مندر میں نواب حیدر علی کے لکھے ہوئے تین اسناد رکھے ہیں۔ جو بطور ریکارڈ محفوظ ہیں۔ ان میں ایک وہ خط ہے جو نواب حیدر علی نے ۱۷۶۹ء میں یہاں کے گرو کو لکھا تھا۔ اس خط

کے وجود کا اعتراف تو کیا ہے۔ مگر اپنی روایتی تعصب دوستی سے یہ بھی لکھا ہے کہ ان یتیم خانوں میں جو لڑکے پرورش پاتے تھے وہ بڑے ہونیکے بعد فوج میں بھرتی کر لیے جاتے تھے۔

تعمیرات

نواب حیدر علی کو فن تعمیر قلعہ میں کامل دستگاہ تھی۔ انکے بنائے ہوئے بہت سے قلعے موجود ہیں۔ جب کوئی نیا قلعہ فتح ہوتا تو پھر اسکی درستگی و تعمیر نواب کے حسب مرضی ہوتی تھی۔ بنگلور، میسور، بلاری، چیلدرگ اور سرنگاپٹم کے قلعہ جات نواب نے از سر نو تعمیر کیے۔ نواب حیدر علی کے فن تعمیر قلعہ کے متعلق انکے دشمنوں کو بھی اعتراف ہے کہ نواب کامل الفن تھے۔ قلعہ بلاری کے متعلق انگریزی تاریخ میں مشہور ہے۔ کہ ایک فرنچ انجنیر نے اس کو تعمیر کیا۔ نواب حیدر علی نے جس وقت اس قلعہ کا معائنہ فرمایا تو انہوں نے فرنچ انجنیر کو اس بنا پر پھانسی چڑھا دی کہ قلعہ جس پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے ملی ہوئی اور ایک اونچی پہاڑی ہے۔ جس پر غنیم کی فوج قابض ہو کر قلعہ والوں کو تنگ کر سکتی تھی۔ انجنیر کو پھانسی پر چڑھانے کی روایت صرف چند انگریزی مورخین کی زبانی ہے۔ ورنہ دوسرے تاریخوں میں اسکا کہیں ذکر نہیں۔ بہر طور اس سے پتہ چلتا ہے کہ نواب حیدر علی کو کس قدر اس فن میں مہارت حاصل تھی۔ ان قلعوں کے ساتھ ساتھ حیدر علی نے بعض مقامات پر جیسے سرنگاپٹم، حیدر نگر، گرم کنڈہ، ڈنڈیگل وغیرہ میں توپ ڈھالنے اور بارود گولہ اور دوسرے ہتھیار بنانے کے کارخانہ بھی قایم کیے تھے۔

چونکہ نواب حیدر علی کا اکیس ۲۱ سالہ عہد حکومت تمام تر لڑائیوں اور جنگوں میں گذرا۔ اس لئے نواب کی بنائی ہوئی کوئی مسجد یا عمارت سوائے دریا دولت باغ اور محل سلطانی کے دوسری اور نہیں ہے۔ محل کا بہت سا حصہ ٹیپو سلطان نے بعد میں تعمیر فرمایا تھا۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ دریا دولت باغ میں جو تاریخی تصاویر دیواروں پر ہیں

میں انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ سرینگری مندر کی جاگیرات میں مندر کے ملازم اپنی جانب سے جو محصولات وصول کرتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔ اس حکم نامہ کے عنوان پر نواب حیدر علی کی مہر اور سنہ ہجری لکھا ہوا ہے۔ (میسور آرکیولوجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

سری رنگناتھ کا مندر

سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر جو سری رنگناتھ جی کے مندر کے نام سے مشہور ہے۔ نواب حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے۔ میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اپریل ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۳۵۴ پر تحریر ہے:-

"۱۷۷۴ء میں قدیم الدین خان نامی ایک شخص کے گھر میں آگ لگ گئی۔ جس کی وجہ سے بہت سی جانوں کے اتلاف کے علاوہ سری رنگناتھ کا مندر بھی جل کر تباہ ہو گیا۔ حیدر علی نے اس مندر کو دوبارہ تعمیر کیا۔" (ایپی گرافی کرناٹکا جلد نہم صفحہ ۲۰)

"بیلور میں گنگا سیوا کے مندر کا درمیانی قبہ حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے۔"

(ایپی گرافی کرناٹکا جلد پنجم صفحہ ۳۶)

رحم دلی

نواب کی درشتی و سختی جس قدر مشہور ہے۔ اسی قدر انکی رحمدلی بھی مشہور ہے۔ محمد علی کمیدان جو سپہ سالار افواج حیدری تھا۔ اور جس کے کارنامے ہم سوانح حیدری میں لکھ چکے ہیں۔ ایک وقت عہدہ سے اس لئے معزول کر دیا گیا تھا کہ اسکے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ خود اسکے دل میں نواب بننے کی خواہش تھی۔ حیدر علی نے اس کو معزول کر دیا۔ مگر پھر چند دن کے بعد اس کو اسکے سابق عہدے پر بحال کر دیا۔

حیدر علی کی رحمدلی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انکے حکم سے ہر بڑے شہر میں سرکاری خرچ سے ایک یتیم خانہ موجود تھا۔ جہاں لاوارث بچے پرورش پاتے تھے۔ جس کی نظیر اس زمانہ میں اور آجکل کی مہذب و متمدن سلطنتوں میں بھی نہیں ملتی۔ انگریزی مورخین نے ان یتیم خانوں

[illegible]

بدون عرض ... حضرت ... نعمت ... که
الکم ... رجا ... [illegible] ... باید ملغا   قلم شود

در آخر کار ... و تعلقات ... تقصیر ... ایران است که
باید ملغا
قلم شود

خداوند ... بار ... ایران ... است
قلم شود

بدون ... تقصیر ... خواهم است و ...
... خواهیم کرد الکم ... [illegible]
قلم شود

تا ... بسیار ... احوالات که ... و ظلم ... بار
قلم شود
... [illegible] ... باید ...

وہ نواب حیدر علی کے حکم سے بنائی گئی ہیں۔ ان تصاویر میں ایک میں کرنل بیلی کی شکست کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اور دوسرے میں ایک کارٹون ہے۔ جس میں میر نظام علیخاں نظام الملک کی دوستی و دشمنی دکھائی گئی ہے۔

اطاعتِ والدین

نواب حیدر علی کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ نواب حیدر علی اپنے سے بڑے خویش و اقارب کا حد درجہ ادب کرتے تھے ایک دفعہ جبکہ ۱۷۸۱ء میں انگریزوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ تو حیدر علی کی والدہ بیٹے کے دیکھنے کیلئے حیدر نگر سے پائین گھاٹ کے میدانِ جنگ میں تشریف لائیں۔ جس وقت حیدر علی کو خبر ہوئی تو آپ نے تین میل آگے تمام فوج کو دست بستہ کھڑا کر دیا۔ اور آپ مع شہزادہ ٹیپو سلطان و کریم شاہ استقبال کو بڑھے۔ جب محافہ قریب آگیا۔ تو نواب اور شہزادے دہنے بائیں جلو میں ساتھ ہوئے۔ جب سواری فوج کے آگے آئی تو کل فوج نے نہایت تعظیم سے سلامی اتاری۔ والا بیگم کے جلو میں دو سو کنیزیں برقعہ پہنے ہوئے عربی گھوڑوں اور گجراتی بیلوں پر سوار تھیں اور محافے کے پیچھے آٹھ رتھ تھے۔ جن پر زردوزی پردے پڑے ہوئے تھے۔ سواری کے آگے فرانسیسی سوار اور چھ سو نیزہ بردار اور پیچھے چار سو ہندوستانی سوار تھے۔ والا نواب بیگم دو روز قیام فرما کر جب واپس گئیں۔ تو نواب اسی مقام تک ہمرکاب رہے جہاں پہلے استقبال ہوا تھا۔

تعلیم و تربیت اولاد

حیدر علی اگرچہ خود ان پڑھ تھے۔ مگر انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے نہایت اہتمام کیا تھا۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ اور جنگی و سیاسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ حیدر علی جنگوں میں ٹیپو سلطان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان کو عالم بننے کا بہت شوق تھا۔ اور وہ ہمیشہ لکھنے پڑھنے ہی میں مصروف

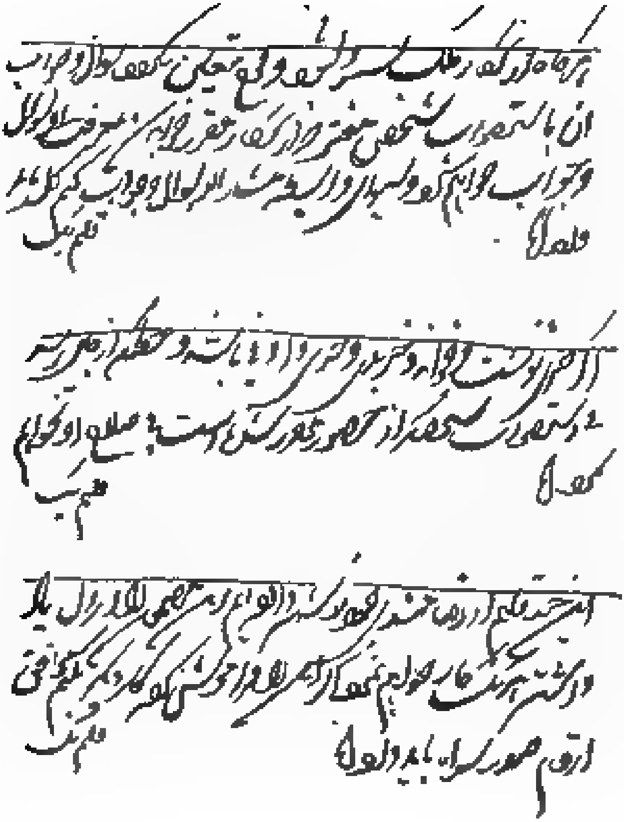

عکس تحریر سلطانی

یہ عکس سلطان کے اقرار نامہ سے لیا گیا ہے جس کا ذکر حالات نواب حیدر علی میں آچکا ہے۔ غالباً یہ تحریر اس وقت کی ہے، جب سلطان کی عمر ۹ - ۱۰ سال کی تھی۔

نظر آتے تھے۔ حیدر علی کو جب ٹیپو سلطان کا یہ انہماک معلوم ہوا تو ایک دن انہوں نے کہا: کہ

"جانِ پدر! سلطنت کیلئے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے۔"

حیدر علی نے اپنے فرزند کو امورِ سلطنت میں ماہر ہونے کیلئے جس قسم کی تعلیم دی تھی اور ہر کام مشورہ سے کرنے کے متعلق جو ہدایت کی تھی۔ اسکی ایک جھلک اس اقرار نامہ سے ملتی ہے جو باپ نے بیٹے سے لیا تھا:۔

ٹیپو سلطان نے یہ اقرار نامہ اپنے قلم سے فارسی زبان میں لکھ دیا تھا نیچے اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

اقرار نامہ

(۱) بغیر مرضی مبارک حضرت خداوند نعمت کوئی کام نہیں کرونگا۔ اگر کروں تو جو سزا مناسب سمجھی جائے۔ دی جائے۔

(۲) اگر سرکاری امور میں چوری یا غلطی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۳) اگر جھوٹ بولوں یا دغا بازی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۴) بغیر مرضی مبارک حضور کے کسی سے نذر یا کوئی اور چیز لوں تو میری ناک کاٹ کر شہر بدر کر دیا جائے۔

(۵) سوائے امور سرکاری کے اگر میں کسی سے کلام و کلام یا دغا بازی کروں تو پھانسی کی سزا دیجائے۔

(۶) اگر سرکار کی جانب سے مجھے کسی ملک کی حکومت تفویض کی جائے اور میرے ماتحت فوج رکھی جائے تو میں تمام متعلقہ امور ان لوگوں کے مشورہ سے سرانجام دونگا جنہیں سرکار نے اس غرض کیلئے مقرر کیا ہے۔ اگر اس کے عوض کسی دوسرے ذریعہ سے یہ کام کروں تو پھانسی کی سزا دیجائے۔

(۷) اگر کبھی خط و کتابت یا خرید و فروخت یا کوئی خط کسی جگہ سے آئے تو سوائے حضور کے مقرر

نواب حیدر علی کے متعلق مورخین کی آراء

تاریخ رولرس آف انڈیا میں نواب حیدر علی کی نسبت لکھا ہے:-

"حیدر علی کو تمام جانوروں میں شیر زہ نہایت پسند تھا۔ حیدر علی میں بھی یہی صفات موجود تھے۔ ان میں شیرزہ کی سی شجاعت و بہادری موجود تھی۔ اور جس طرح جانوروں میں شیرزہ کی صفات میں خوبصورتی اور فطرت میں شرافت موجود ہے۔ حیدر علی میں بھی موجود تھی۔ اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حیدر علی ہندوستان کا شیرزہ تھا۔

بہت سی باتوں میں وہ ایک ایسا شخص تھا۔ جس نے اپنے وقت میں دوسروں سے اپنے آپ کو برتر و فائق ثابت کیا۔ اور خصوصاً اس کی سچائی اور معاملات میں درستی نے اس کو ممتاز بنا دیا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھکر طاقتور رقیب اور کوئی نہیں ملا۔ حیدر علی کی فراست اور دانائی کا اس سے بڑھکر اور کوئی ثبوت ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ حیدر علی نے ہندوستان کی اصلی کمزوری کا راز پہچان لیا تھا جیسے یہ کہ خشکی پر قبضہ رکھنے کیلئے بحری طاقت کی ہندوستان کو سخت ضرورت ہے۔ جس کے فقدان کی وجہ سے ہندوستان کے ساحل غیروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ اس لئے اس نے ایک بحری طاقت کی بنیاد رکھی۔ حیدر علی کے پیش نظر دو خاص مقاصد تھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک زبردست بحری طاقت قائم کی جائے۔ اور دوسرا جنوبی ہندوستان میں ایک بڑی شہنشاہیت قائم ہو۔ پہلے مقصد میں حیدر علی کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ جتنی کہ دوسری میں۔ چنانچہ بیس سال کے قلیل عرصہ میں اس نے ایک ایسی سلطنت اور

کردہ مشیروں کی صلاح کے کوئی کام نہیں کرونگا۔

(۸) یہ چند قلم اپنی رضامندی سے لکھکر دے رہا ہوں اور انکے مضمون کو دل میں بطور یادداشت رکھتا ہوا اقرار کرتا ہوں کہ ہر کام ان دفعات کے مطابق کرونگا۔ اگر نہ کروں تو جو سزا چاہے دی جائے۔

نواب حیدر علی کی بلند نظری اور اتحادِ اسلامی کی کوششیں

نواب حیدر علی اس قدر دوراندیش اور بلند نظر تھے۔ کہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی کمزوری ان کے آپس کے نفاق کا باعث ہے۔ اس لئے حیدر علی نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد قایم رہے۔ اور اس مقصد کیلئے انہوں نے ہر طرح کوشش کی۔ چنانچہ جب کبھی والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کی طرف سے ذرا بھی صلح کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو آپ نے اتحاد بین المسلمین کے خیال سے فوراً صلح کر لی جس کا ثبوت اسی کتاب کے گذشتہ اوراق میں ملتا ہے۔

بحری طاقت

حیدر علی کے کارناموں میں یقیناً یہ سب سے بڑا اور نمایاں کارنامہ ہے کہ بندرگاہ منگلور پر قبضہ کر لینے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف تجارت بلکہ ملک کی مدافعت کیلئے بحری طاقت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہاں جہازات بنانے کا ایک کارخانہ قایم کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل جنگوں میں مصروفیت اور ہندوستانیوں کو جنگی جہازوں کی تعمیر سے ناواقفیت کی وجہ سے اس شعبہ کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ تاہم ان کی وفات کے وقت ایک بڑا اور ساٹھ چھوٹے جہازات موجود تھے۔ اگر اس شعبہ کو ترقی ہوتی تو یقیناً میسور کی دوسری جنگ میں ان جہازات سے بہت مدد ملتی۔ اس سے قطع نظر یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ حیدر علی کی بلند نظری کس قدر وسیع تھی۔ انگریزی مورخین نے حیدر علی کی تعریف میں سب سے بڑھکر انکے اسی کارنامہ کی تعریف کی ہے۔

انگریزی سلطنت ایسٹ انڈیا سے صلح کر لی۔

حیدر علی اگرچہ ایک جاہل مسلمان اور زبردست سپاہی تھا۔ مگر تعصب مذہبی سے بالکل مبرا تھا۔ وہ ایک مادر زاد سپاہی اور ایک عمدہ شہسوار تھا۔ حیدر علی کی زندگی میں اس کے مقابل کا کوئی اور جنرل ہندوستان میں نہیں نکلا۔ بلکہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں بھی اس پایہ کے لوگ بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ حیدر علی ہی صرف وہ ہندوستانی بادشاہ تھا۔ جس نے اپنے ملک کی مدافعت کیلئے بحری طاقت قائم کی۔"

پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم آیا تھا۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"حیدر علی کا محل ہندوستانی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ محل کے آگے ایک وسیع میدان ہے۔ اور محل کے دونوں طرف متعدد کمروں میں سلطنت کے دفاتر ہیں۔ یہاں شاہانہ سطوت حکومت نہیں کرتی۔ بلکہ باقاعدگی اور سلیقہ شعاری کی حکومت ہے۔ سزا دینے کیلئے دو سو سپاہی ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ سے نہ افسر بچتے ہیں اور نہ شہزادے۔ جب میں حیدر علی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس نے تھوڑے وقت میں ایک ہی دفعہ کئی عرضیاں سنیں۔ اور جواب لکھوایا۔ اس کو یہ پرواہ ہی نہیں تھی کہ لوگوں کا مذہب کیا ہے۔ اس نے ہر ایک کو اپنی خواہش، ور عقیدے پر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ صبح سے شام تک کام میں منہمک رہتا۔ گویا کہ وقت اور کام کا غلام ہے۔ ہر ایک کام خواہ کتنا ہی چھوٹا ہوتا۔ خود ہی نگرانی کرتا۔ یہاں تک کہ خیموں کیلئے رسیاں ہیں یا نہیں۔ وہ بھی خود ہی دیکھتا"

نوٹ۔ پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم میں خاص جاسوسی کے لئے آیا تھا۔ اس نے واپس جا کر میسور کی رانیوں کی جانب سے ایجنٹ کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا۔

شہرت حاصل کرلی جس کی وجہ سے آج بھی لوگ اسکے نام کی تعریف، توصیف و تعظیم کرتے ہیں۔"

حقیقت میں حیدر علی نے ایک ایسی وسیع اور زبردست سلطنت کی بنیاد رکھی، جو اسی ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور انکے ماتحت کئے نواب اور راجگان خراجگذار تھے۔ اور اس لحاظ سے اگر حقیقت دیکھی جائے تو نواب حیدر علی ایک بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ تھے۔ (چونکہ حیدر علی کے نام کے ساتھ نواب عام طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اپنی تاریخ میں حیدر علی کو نواب کے خطاب ہی سے منسوب کیا ہے)

ایک ہندو مورخ اپنی تاریخ میں جو انگریزی زبان میں ہے لکھتا ہے:-

"انگریزوں کو اپنی سلطنت قایم کرنے کیلئے ہندوؤں، مرہٹوں، جاٹوں، گورکھے، اور سکھوں سے کئے مشہور و معروف زبردست لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مگر ان میں سب سے زیادہ اگر کوئی طاقتور دشمن انہیں ملا تو وہ حیدر علی تھا، جس کو انگریز شکست نہ دے سکے ۱۷۶۷ء سے ۱۷۸۲ء تک اس نے اپنی بہادری کا سکہ انکے دل پر بٹھا دیا اس کا مدراس کا مشہور دھاوا، ایک ایسا تاریخی اور جنگی کارنامہ ہے کہ مدت العمر یاد رہیگا۔ مگر اسکے ساتھ ہی اسکے دل میں اس قدر رحم اور مروت تھی کہ اس نے مدراس پر قبضہ نہیں کیا۔ جو اس کیلئے ایک آسان بات تھی۔ اگر اس وقت مدراس پر حیدر علی کا قبضہ ہو جاتا تو جنوبی ہندوستان میں اسی وقت انگریزوں کا قصہ ختم تھا۔ اس کے بعد کی جنگ میں بھی اس کو اس قسم کے مواقع حاصل ہوئے۔ مگر قسمت ہندوستان کے خلاف تھی۔ حیدر علی کی وفات میسوریوں اور مرہٹوں کیلئے ایک نقصان عظیم کا باعث ہوئی۔ اسکے وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹوں نے ہتھیار رکھکر انگریزوں سے بمقام سالبی

جس میں ایک فراخ صحن تھا۔ اور اس کے گرد اٹھارہ فیٹ کی مٹی کی بنی ہوئی چار دیواری تھی۔ ہمیں ان قیدیوں سے جو دوسری جگہ تھے۔ بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لئے قیدی ان نوکروں کے ذریعہ جوان پر متعین تھے، ایک دوسرے کو پیغام بھیجتے تھے۔ ایک دھوبی جو ہمارے کپڑے دھونے کیلئے متعین تھا۔ اکثر اسی کے ذریعہ ہم آپس میں پیغام اور پیسہ بھیجتے تھے۔ افسروں کو بیڑیاں ڈالکر رکھا جاتا تھا۔ بیمار ہونے پر سوائے معمولی بازاری ادویات کے اور کوئی خاص دوائیاں دی نہیں جاتی تھیں۔ لکھنے پڑھنے کیلئے کتابیں مہیا نہیں تھیں۔ ہم اپنا فرنیچر (پلنگ کرسی وغیرہ) خود بنا لیتے تھے۔ بیلی اور جنرل میتھیوز اور بہت سے دوسرے افسر اسی حراست میں مرگئے۔ فریزر، رمنی اور سیامسن ان تینوں افسروں کو میسور بھجا کر قتل کر دیا گیا۔ معینہ کے دن ہم کو سخت خوف رہتا کہ کہیں ہم کو جبریہ مسلمان بناکر ملازمت میں داخل نہ کرلیا جائے۔ قیدخانہ کا افسر سید ابراہیم قیدیوں پر نہایت مہربان تھا۔ یہ شخص کسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھا۔ اگرچہ وہ سلطان کی ملازمت میں تھا۔ مگر ہمارے متعلق سلطان کی کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ سید ابراہیم کے مرنے کے بعد اس کی اس وفاداری کی قدر کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کا مزار تعمیر کیا۔ اور اس کو عمدہ حالت میں رکھا ہے۔

(نوٹ:۔ سید ابراہیم کی قبر چن پٹن میں عاقل شاہ کے مقبرے کے قریب واقع ہے۔ اس پر ایک سادہ گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ (محمود)

ہم اس قید کی حالت میں دن گذار رہے تھے۔ کہ ایک دن سلطان کی جانب سے ایک برہمن نے آکر ہم کو خوشخبری سنائی۔ کہ سلطان اور کمپنی میں صلح ہوگئی ہے

اس معاہدہ کی تفصیل کتاب سنداندر ٹیپیز میں موجود ہے اور شوارٹز کا دستخط بھی۔ اسس سازش کا ذکر "سلطنتِ خداداد کے خلاف سازش" کے عنوان کے تحت کسی اور جگہ دیا گیا ہے

حیدر علی کے مظالم کی داستان

انگریزی مورخین نے نواب حیدر علی کو جو بے رحم اور ظالم مشہور کر رکھا ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ نہیں ہے کہ ملک کرناٹک نواب کے ہاتھوں سے اُجڑ گیا۔ بلکہ ان کو نواب پر اس لئے غصہ ہے کہ انگریزی اسیروں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا گیا۔ اور انکی ختنہ کر کے ان کو مسلمان بنایا گیا۔ ان الزاموں کے ثبوت میں جو کتابیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں ایک مسٹر جے۔ تھرے کی کتاب میموئرس آف دی لیٹ وار۔ اور دوسری جیمس اسکری کی اسیری کے حالات ہیں۔ یہ کتاب لندن میں ۱۸۲۴ء میں شائع ہوئی۔

جے تھرے اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"ہمارا قیدخانہ میسور کے کسن راجہ کے وسیع محل کے قریب تھا۔ محل کے سامنے میدان کے مشرقی جانب سلطان کا محل تھا۔ ہمارا قید خانہ اس جگہ تھا کہ ہم انگریزی قیدیوں کو سلطانی محل کے چھت پر چلتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ نگران کی باتیں سنائی نہ دیتی تھیں۔ یہاں ہم نے ۷ ر ستمبر ۱۷۸۳ء کو دسہرہ کا تماشہ دیکھا۔ جبکہ میسور کا راجہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا دسہرے کے کھیل تماشہ دیکھ رہا تھا۔ سلطان کے حکم سے انگریزی قیدی علیحدہ علیحدہ رکھے گئے تھے۔ جنرل بیلی ایک مسافر خانہ میں مقید تھا۔ جان میتھیوز اور بیرڈ دوسری جگہ تھے۔ عام سپاہیوں کو علیحدہ ایک مربع کمرہ میں قید کیا جاتا تھا۔ اس طرح شہر کے مختلف حصوں میں قید خانے تھے۔ ہمارا قید خانہ دراصل ایک گھر تھا۔

سکھلانے پر سرجن ڈیکنسٹر مقرر ہوا۔ جو کمپنی کا ایک مفرور سپاہی تھا۔ قیدیوں کی جملہ تعداد ایک سو تھی۔ ہم اس اسیری میں دس سال تک رہے۔ ہماری طویل اسیری درحقیقت ان انگریزی کمشنروں کی غلطی ہے۔ جنہوں نے صلح کے وقت ہماری رہائی کا مطالبہ نہیں کیا۔

ہمیں سرنگاپٹم لاکر فوج میں بھرتی کر دیا گیا۔ سب سے پہلے چار ساتھیوں کو چتلدرگ کی فوج میں کام کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ یہاں سے ہم فرار ہو کر سرحد پر پہنچے۔ اس وقت ہمارے جسم پر سلطانی فوج کی وردی، ٹوپیٹہ، بسری کپڑے کی قمیص اور کمبل تھی۔ سرحد پار ہو کر ہم ڈاکٹر ٹش کے گھر پہنچے۔ یہاں ہم نے اس کو اپنا حال سنایا"

جیمس اسکری کے حالات کا مصنف لکھتا ہے :۔

"جیمس اسکری جان میڈوس کے ماتحت میسور کی تیسری جنگ میں شامل تھا۔ جس کے بعد وہ انگلستان گیا۔ یہاں شہر پلائی موتھ میں اس نے ایک دوکان کھولی تھی۔

مصنف کتاب لکھتا ہے کہ جیمس دوکان پر بیٹھا ہوا آہیں بھرا کرتا تھا کہ کاش پھر اس کو سرنگاپٹم کی قید نصیب ہو۔ اس کتاب میں سرنگاپٹم میں شام کا وقت جو کھیل تماشے ہوتے تھے ان کا حال بھی مفصلاً درج ہے۔

اسی کتاب میں اسکری کی زبانی مصنف لکھتا ہے کہ کس طرح سرنگاپٹم میں انگریز لڑکوں کی شادی ہوئی۔ سلطان کا مقصد شاید یہ تھا۔ کہ اگر ان لوگوں کی شادی ہو جائے تو وہ ملک میں مقیم ہو جائیں گے۔ کرناٹک کے حملوں میں بے شمار لڑکیاں حیدر علی کے ہاتھ لگی تھیں۔ جن میں سے چند لڑکیوں کو ہمارے لئے بھیجا گیا تھا۔ انتخاب کا

اور ہم کل رہا کر دئے جائیں گے ۔ اس خبر کو سن کر ہم نے ہمارے پاس جو کچھ پیسہ تھا اس کو جمع کر کے آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کی ۔ رات بھر اس خوشی میں ہم کو نیند نہیں آئی ۔ صبح کو ایک لوہار بیڑیاں کاٹنے آیا ۔ ہم ایک پر ایک گرے پڑتے تھے ۔ کہ جلد بیڑیاں کٹ جائیں ۔ یہاں تک کہ ہم جو بالکل دوست بنے رہتے تھے ۔ بیڑیاں جلد کٹانے کیلئے ایک دوسرے سے لڑنے لگے ۔ آخر کار شام کے تین بجے تک سب بیڑیاں کٹ گئیں ۔ جس کے بعد ہم کو سلطانی محل کے پاس لیجایا گیا ۔ میدان سے گذرتے وقت ہم نے بہت سے یوروپین لڑکوں کو دیکھا ۔ جن کو ختنہ کر کے مسلمان کیا گیا تھا ۔ ہم نے ان سے کہا کہ مدراس پہونچکر ان کی رہائی کی تجویز کرینگے ۔ محل میں ہمارا نام لکھ لیکر ہم کو کرنل بریٹ وائٹ کے قید خانہ میں بھیجدیا گیا ۔ شام تک تمام یوروپین یہاں جمع ہو گئے ۔ اور ہم قلعہ سے نکلکر سومنات پیٹ پہونچے ۔ جو دو میل کے فاصلہ پر ہے ۔ ہم کو یہاں اجازت دی گئی ۔ کہ بازار دیکھیں ۔ اور دریائے کاویری میں غسل کریں ۔ اگرچہ ہماری بیڑیاں کٹ چکی تھیں ۔ مگر ہمارے ہاتھ پیر جواب دے رہے تھے ۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا ۔ کہ ابھی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں ۔ آزادی کے ساتھ ہاتھ پیر استعمال کرنے کیلئے ہم کو ایک عرصہ لگا ۔ ہماری رفتار دیکھکر ہمیں خود ہنسی آ رہی تھی ۔"

جیمس اسکری کی کتاب کا اقتباس :-

"ہمارا جہاز "ہینی بال" فرانسیسیوں کے ہاتھ آ گیا ۔ امیر البحر سفرن نے جون ۱۷۸۲ء میں ہم کو کڈلور میں حیدر علی کے افسروں کے حوالے کر دیا ۔ قیدیوں میں بعض لڑکے بھی تھے ۔ یہاں ان لڑکوں کی ختنہ کر کے ان کے کانوں میں بالیاں ڈالی گئیں ۔ ان کو تعلیم

اور ہم فرار ہو کر انگریزی علاقہ میں آگئے۔"

(نوٹ:۔ مذکورۂ بالا دونوں مضامین کتاب "سیج آف سرنگاپٹم" محاصرۂ سرنگاپٹم سے لئے گئے ہیں۔)

یہ ہیں وہ مظالم جن کی بنا پر حیدر علی اور سلطان کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس کے خلاف یہی قیدی جب تک فرانسیسیوں کی قید میں تھے۔ اور ان کی جو حالت تھی۔ وہ اسی جیمس اسکری کی زبانی سنئے:۔

کپتان اسکری اپنی کتاب اسکریس کیپٹیوٹی میں لکھتا ہے:۔

"ہم لوگوں نے ایک مدت تک فرانسیسیوں کی قید میں کس کس طرح کی اذیتیں پائیں۔ آخر ان سنگدلوں نے ہماری قوم کے اسیروں کو جو تعداد میں پانچسو تھے۔ کئی جہازوں پر سوار کرا دیا۔ چھ ماہ کے بعد سب کے سب ہم قلعہ کڈلور میں پہنچے۔ جب یہاں کچھ دن گذر گئے تو ہم کو چند بیرم جو نواب کے قلعہ جات میں خاص استحکام رکھتا ہے۔ لے گئے۔ وہاں اس قلعے کے درمیان ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جابجا سینکڑوں آدمی بحالِ تباہ پڑے ہوئے مردہ معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر مارے بھوک کے ایسی حالت میں تھے۔ کہ اگر گندے مقام پر ایک سڑی ہڈی کہیں پڑی دیکھتے تو اس کی طرف بھی ہاتھ بڑھا دیتے۔ خود کہ ہم لوگوں کی یہاں یہ تھی کہ فقط گائے کا گوشت اور موٹے چاول کھانے کو ملتے۔ اسی غذا اور شور زمین کا باعث تھا۔ جو ہمارے ساتھ کے اکثر آدمی رو رو کر مر گئے۔ اور اکثر تن و توش والوں کو ہم نے دیکھا کہ گھڑی بھر کے تشنج میں انکے اعضا اکڑ گئے۔ خدا جانے فرانسیسیوں کو انگریزوں سے ایسی کیا عداوت تھی۔ جو ہم سب کو ایسے ظالموں کے حوالے کر دیا۔ کپتان اسکری کہتا ہے کہ جب ہم قریب

طریقہ یہ تھا کہ لڑکیاں ایک قطار میں کھڑی کر دی جاتی تھیں۔ اور ان کی پشت پر ہمیں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ داروغہ حکم دیتا تھا کہ دونوں صف ایک ساتھ چلیں۔ اور جو مقابل ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر ایک کے حصہ میں چار و ناچار ایک لڑکی آتی۔ ہم کو اس کے بعد صندوق چنگ چُو دیا گیا۔ اور ہم کو حکم دیا گیا کہ ان لڑکیوں کو لیکر اپنی اپنی رہائش گاہ پر چلے جائیں۔ ہم کو آسائش گاہ کو جانے کیلئے بازار میں سے گذرنا ہوتا تھا۔ یہاں لوگوں کا ہجوم اس قدر کثرت سے تھا کہ لڑکیوں میں خلط ملط ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مقام پر پہونچنے پر ایک کی عورت دوسرے کے قبضہ میں تھی۔ اس طریح نہ صرف آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ بلکہ لڑکیاں بھی ایکدوسرے سے لڑتی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے دشمن ہمارے اس طریق سے خوش ہیں دو ماہ کے بعد ایک قاضی نے آکر ہمارا نکاح کیا۔ جیسس اسکری اپنی عورت کے متعلق کہتا ہے۔ کہ ارکاٹ کی ایک زرخیز لڑکی تھی۔ جو میری غربت اور تمام مصائب میں وفاداری کے ساتھ رہی۔ ہماری رجمنٹ کو جس وقت چیتلدرگ سے دوسری جگہ جانے کا حکم ملا تو میں اور میرے چار ساتھیوں نے فرار ہونے کا تہیہ کر لیا حکم شام کے وقت آیا تھا۔ میدان میں سپاہی جمع ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص میرا نام (دشمنو خاں) لیکر پکارا۔ یہ وہ وقت تھا کہ میں اپنی عورت اور بچے کی صورت کو آخری دفعہ دیکھ رہا تھا۔ میری صورت اور میری حالت سے اس کو کچھ شبہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ ایک قسم کی گھبراہٹ اور بے چینی کے ساتھ مجھ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھے مختلف سوالات پوچھ رہی تھی۔ جن کا مجھ سے جواب نہیں آتا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ جدائی کا لفظ منہ سے نکالوں۔ بغیر بات کئے ہوئے میں باہر آ گیا

حیدر علی پر ایک نظر باز گشت

یوں تو ہندوستان کی خاک سے بہت سے نامور شہنشاہ اور جلیل القدر فاتح پیدا ہوئے۔ لیکن حیدر علی کی زندگی کے حالات ان سے بہت مختلف ہیں۔ بیشک وہ ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا۔ جب ایک جری انسان اپنی تلوار سے کام لیکر اپنے لئے دولت و ثروت بلکہ تاج و تخت بھی پیدا کر سکتا تھا۔ مگر حیدر علی نے جن مصائب و آفات میں گھر کر ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اسکی مثال کم از کم ہندوستان میں تو نہیں مل سکتی۔ اسکی پشت پر کوئی ایسی خاندانی روایات نہیں تھیں۔ جو لوگوں کو اس کا گرویدہ کرتیں۔ یا دولت و امارت نہیں تھی کہ لوگ خود بخود اسکی طرف کھینچ کر آتے۔ اس کا آغاز ایک معمولی آغاز تھا۔ ملازمت کے سلسلے میں اگرچہ وہ سپہ سالار کے عہدہ تک پہنچ گیا تھا لیکن کبھی اس کو یہ خیال تک پیدا نہ ہوا۔ کہ اپنے آقائے نعمت سے غداری کرے۔ اگر اس زمانہ میں جب یہ ڈنڈیگل کا گورنر رہا یا مرہٹوں پر فتح پاکر انہیں ملک سے نکال باہر کیا تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ اپنے استقلال کی کوشش کرے تو اس کے لئے بہت سی آسانیاں فراہم ہو سکتی تھیں۔ اور اس کا شمار بھی ان غداروں میں ہوتا جن کی حالات سے تاریخ ہند لبریز نظر آتی ہے۔

یہ ایک حیرتناک امر ہے کہ وہ اسی وقت اپنے استقلال کی کوشش کرتا ہے۔ کہ جب مصائب و آفات کی گھنگھور گھٹائیں اسکی زندگی پر بے طرح چھا جاتی ہیں۔ اور اسکی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ وہ جن سے نیک سلوک اور اپنی وفاداری کے صلہ کی توقع رکھتا تھا۔ وہی لوگ اسکی جان کے دشمن بنجاتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہے کہ اسکا جوہر اصلی ظاہر ہوتا ہے۔

دو ماہ کے اس مقام پر رہے۔ تو ہم میں سے ۱۱ آدمیوں نے لفٹنٹ ولسن کے ہمراہ بھاگنے کا قصد کیا۔ اور ایک رات ہم کئی کمگوں کی رسّی بنا کر اس کے سہارے سے حصار کے باہر نکل گئے۔ ہم کو کچھ معلوم نہیں ہوا کہ ہم رات بھر بھاگ کر کہاں پہنچے۔ لیکن صبح ہوتے ہی ہم سب گرفتار کر کے واپس لائے گئے۔ ایک شخص ندی میں ڈوب کر مر گیا۔ باقی ۱۱ پھر وہیں آ گئے۔ لفٹنٹ ولسن کو ننگا کر کے املی کی ایک چھڑی سے سخت سزا دی گئی۔ باقی لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ بعد دو دن کے ہم کو اور ایک مستحکم زندان میں لے گئے۔ جہاں ہماری پنڈلیاں چھید کر آہنی بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ اور ہمارے پاسبانوں کی تعداد دو چند کر دی گئی۔ دو مہینے کے بعد حیدر علی نے حکم بھیجا کہ ہمیں بنگلور لے جایا جائے۔"

اسکو اپنی وفات تک ہمیشہ دشمنوں سے بر سرپیکار رہنا پڑا۔ بلکہ اسکی موت تک میدان جنگ
ہی میں ہوئی وہ اگر دولت و امارت چاہتا یا عیش و عشرت اسکا مقصود ہوتا تو اس کیلئے
میسور کی راجدھانی جس پر وہ قبضہ کر چکا تھا کافی تھی۔ لیکن ہندوستان
کی آزادی کی تڑپ، اور مسلمانوں کی سربلندی کی آرزو اس کو آمادہ کی کہ حصول مقصد کے
لئے ہمیشہ سر اور دھڑ کی بازی لگاتا رہے۔ اور یہ بہادر سپاہی اس سے ایک لمحہ کیلئے بھی
کبھی نہیں جھجکا۔ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۸۲ء تک اگر حیدر علی کی زندگی پر نظر کیجائے تو اس کو کسی
ایک سال بھی آرام و چین کی زندگی میسر نہیں ہوئی۔ ۲۱ سال کی یہ زندگی ایک طوفانی زندگی
تھی۔ جس میں اسکو کامیابی و ناکامی اور فتح و شکست سے ہمیشہ دوچار ہونا پڑا۔ ارکاٹ و
حیدرآباد کے مسلمان، پونا کے مرہٹے، مدراس کے انگریز اور خاص میسور اور اس کے
اطراف کے پالیگار، کڑپہ، کرنول اور ساونور کے نواب۔ ان سب میں کوئی نہیں تھا
جو حیدر علی کا دوست تھا۔ مگر اس جانباز سپاہی کی مستقل مزاجی یا سخت جانی اور اس کے
بے پناہ تدبر نے ان تمام مشکلات میں گھر جانے کے باوجود بھی ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی
جو ملک و ملت کی آزادی کی ضامن تھی۔ اس نے اپنی وفات کے وقت ایک ایسی سلطنت
مسلمانوں اور ابنائے ملک کے لئے چھوڑی۔ جس کا رقبہ اسّی ہزار میل اور اس کے حدود
دھارواڑ سے لیکر ٹراونکور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے آگے "تلوار کے ردبرو قلم ایک بے
معنی شئے تھی۔ اس کا مقولہ تھا کہ "اگر مجھے اپنے جیسا ایک اور شخص مل جائے تو میں دنیا کو
فتوحات عمرؓ کا نقشہ دکھا دوں"۔ وہ اُمّی محض تھا۔ لیکن اس کی تدبیر، سیاست دانی
و بیدار مغزی کا لوہا دوست و دشمن دونوں تسلیم کر چکے تھے۔ موت کا بے رحم ہاتھ اگر ملک
کی بدقسمتی سے ۱۷۸۲ء میں اس کا اگر خاتمہ نہ کر دیتی تو یقیناً ملک کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

اس کے بے مثل تدبر کو حرکت ہوتی ہے۔ آزاد ہو کر وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے۔ لیکن یہ انتقام وہ ذلیل انتقام نہیں ہوتا جس کی مثالیں ادنیٰ دل و دماغ والوں میں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں ایک بہادر تھا۔ اور ایک بہادر انسان اپنے دشمن سے جو سلوک کرتا ہے۔ وہی سلوک اس نے اپنے دشمن سے کیا۔

ان ابتدائی مشکلات سے نپٹ لینے کے بعد حیدر علی جیسی دل و دماغ والی شخصیت کے لئے راجہ میسور کی چھوٹی سی راجدھانی پر قانع رہنا ایک ناممکن امر تھا۔ اس نے ہندوستان کی وسیع سرزمین پر نظر کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ مغلیہ سلطنت کی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی۔ اور ملک پارہ پارہ بن چکا تھا۔ ایک طرف تو مرہٹی طوفان برق باد بنکر مسلمانوں کی خرمن ہستی کو نشانہ بنا رہا تھا۔ تو دوسری طرف مغربی قومیں اپنی عیاری و مکاری کا جال بچھا کر تمام ملک کو اپنے تسلط میں لانا چاہتی تھیں۔

ایسے وقت حیدر علی ایک آہنین عزم بیکر اٹھا۔ اسکے مطمح نظر مسلمانوں کی سربلندی کے ساتھ ساتھ ابنائے ملک کی فلاح و بہبودی بھی تھی۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے اس نے اپنی ذات کو وقف کر دیا۔ لیکن ملک کی بدقسمتی اور مسلمانوں کے طالع کی خرابی نے نہ صرف ابنائے وطن بلکہ اس کے خاص ہم مذہبوں کو بھی اس کا دشمن بنا دیا۔ مرہٹوں کو گوارا نہیں تھا کہ حیدر علی کو عروج حاصل ہو۔ ارکاٹ اور حیدرآباد کو منظور نہیں تھا کہ یہ بہادر سپاہی اپنے ارادوں میں کامیاب رہے۔ انکی سیاست بالکل سطحی تھی۔ انکے دل و دماغ خود غرضی سے ماؤف ہو چکے تھے۔ انہیں ملک کے مستقبل کی پرواہ نہیں تھی۔ ان کے ساتھ ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی جس کو حیدر علی کے عروج میں اپنی موت کا سامان نظر آ رہا تھا۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسکا اکیس ۲۱ سالہ عہد حکومت ہمیشہ میدان جنگ میں گذرا۔

کوئی قوم حملہ آور نہیں ہوئی۔ اور جو حملے بھی ہوئے۔ وہ بری راستوں سے ہوئے۔ یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا کہ بحری راستوں سے مغربی قومیں ہندوستان میں آئیں۔ اکبر کے بعد سلاطین مغلیہ میں جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب نہایت شان و شوکت کے شہنشاہ ہوئے۔ اور یہی وہ زمانہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ باوجود اس فراست و دانائی کے اور باوجود تمام ذرائع مہیا رہنے کے بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سلاطین مغلیہ نے کبھی اس آنیوالے خطرہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو نہ صرف انکی سلطنت بلکہ آخر کار تمام عالم اسلام کیلئے زوال کا باعث ہوا۔ انہیں معلوم تھا کہ تجارت غیروں کے ہاتھ میں جارہی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ حاجیوں کے جہازات لٹ رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ہندوستان کے ساحل بالکل غیر محفوظ اور خصوصاً جنوب مغربی ساحل پرتگالیوں کی جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ انکی اس وقت کی سیاست کچھ اور ہو۔ انہیں اپنی بری طاقت پر گھمنڈ تھا۔ اور وہ مستقبل سے بے نیاز تھے۔

اسی طرح جنوب کی وہ زبردست اور عظیم الشان سلطنت جس کا نام وجیانگر ہے۔ اس نے بھی اپنے ساحلوں کی حفاظت اور بحری بیڑے کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ بلکہ اس کے خلاف وہ پرتگالیوں کو مدد دیکر ان کے ذریعہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو ختم کر دینا چاہتی۔ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو بھی کبھی اس طرف خیال نہیں آیا۔

یہ سعادت صرف میسور کے اس جانباز سپاہی کے حصہ میں آئی جو جان چکا تھا کہ ہندوستان کا مستقبل کسقدر خطرے میں ہے۔ اسی لئے اس نے بحری جنگی بیڑے کی بنیاد رکھدی۔ ہندوستان کی تاریخ اس کے اس زرین کارنامے پر جسقدر بھی فخر کرے۔ بجا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس بات پر ناز ہے کہ اس کا جنگی نظام ہمیشہ ہندوستانیوں سے

وہ جان چکا تھا کہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب کیا ہیں۔ اس کو اس بات سے آگاہی تھی کہ مغرب کا تفوق مشرق پر صرف بحری طاقت کی وجہ سے ہے۔ مغرب سے مشرق کو آنے کیلئے راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) کا راستہ اسلامی ممالک کے تمدن، تجارت اور خوشحالی پر ایک کاری ضرب لگا چکا ہے۔ اس لئے کہ جو تجارت مغرب کی مشرق سے یا مشرق کی مغرب سے ہو رہی تھی۔ وہ بری راستے کے ذریعہ تھی۔ اور اس کا گذر ایران و عراق اور عرب و مصر کے درمیان سے تھا۔ راس امید کا بحری راستہ کھل جانے سے تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلکر یورپین اقوام کے ہاتھوں میں آ چکی تھی۔ جو ایسی مہلک ضرب تھی کہ جس سے اسلامی ممالک کی عام خوشحالی فنا ہو گئی۔ اور ادھر ہندوستان کا ساحل بحری مدافعت کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے اپنا آغوش ہر سمندری قزاق و ڈاکو کیلئے کھلا رکھتا تھا۔ پرتگیزوں نے جو مظالم ہندوستان کے مغربی ساحل پر کئے۔ فرانسیسی اور انگریزوں نے مغربی و مشرقی ساحلوں پر اپنا جو اقتدار جمایا وہ صرف اس بحری طاقت کی وجہ سے تھا۔ حیدر علی نے اس راز کو سمجھ لیا تھا کہ جبتک ہندوستان کے پاس اسکی اپنی بحری طاقت نہ ہو گی۔ اسوقت تک ملک کو مغربی قوموں سے نجات مشکل ہے۔ اس لئے اس نے ایک بحری بیڑے کے قیام کی طرف توجہ کی۔ اسکے دوسرے کارنامے اگر نظر انداز بھی کر دئے جائیں تو یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو اس کو تمام سلاطین ہندوستان میں ممتاز کر دیتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے ہندو یا مسلمان فرمانرواؤں نے کبھی بحری طاقت کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہندوستان کے ساحل ہمیشہ غیر محفوظ رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو راجاؤں کو معلوم تھا کہ محمد بن قاسم کا ساحل سندھ پر کامیاب حملہ عربوں کی بحری طاقت کا نتیجہ تھا۔ لیکن ہندوستانیوں نے پھر بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد یہ ہندوستان کی خوش قسمتی تھی۔ کہ اس کے ساحلوں پر

مصطفےٰ کمال بھی ہر وقت اپنے سر کی بازی اسی طرح لگاتا ہے۔ جس طرح حیدرعلی نے لگائی تھی۔ حیدرعلی پر جس طرح آفات و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور جس طرح اس نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اسی طرح مصطفےٰ کمال بھی کبھی ہراساں نہیں ہوا۔ استقلال حاصل کرنے کے بعد مصطفےٰ کمال کو مہلت ملی کہ اپنی قوم کو بام ترقی پر پہونچانے کے وسائل اختیار کرے۔ اس کی پوری قوم اسکی شریک حال رہی۔ لیکن حیدرعلی کو کوئی ایسا موقع نہیں ملا۔ اس کے اہل وطن (جیسے مرہٹے) اور اس کے ہم مذہب مسلمان (ارکاٹ و حیدرآباد) اور بیرونی دشمن (ایسٹ انڈیا کمپنی) نے اس کی پوری زندگی میں اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنی وفات کے وقت ایک ایسی طاقتور اور زبردست سلطنت چھوڑ جاتا ہے۔ جو ترکوں کی موجودہ سلطنت سے زبردست اور رقبہ میں اس سے کئی گنا بڑھکر تھی۔ اور جو دشمنوں کے دلوں میں خار بنکر کھٹکتی رہی۔ اور جب تک اس کو بالکل ختم نہ کر دیئے ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹے تو خیر خود مسلمانوں کو بھی صبر نہ آیا۔

خدا رحمت کرے ہندوستان اور عالم اسلام کے اس زبردست ہیرو پر جو ہندوستان کا نجات دہندہ بنکر آیا تھا۔

ممتاز رہا ہے۔ اور اسی لئے انہیں ہندوستانیوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ لیکن اسی قوم کو اعتراف ہے کہ حیدر علی کا جنگی نظام ان کے اپنے اس وقت کے نظام جنگ سے بھی بہتر تھا۔ کرنل اسمتھ کی ناکامیابی، کرنل بریٹ ویٹھ کی شکست، سر ہکٹر منرو اور سر آئر کوٹ کی پسپائی، اور مدراس کا محاصرہ اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسکی جنگی چالیں اس کے حریفوں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ اسی لئے تمام مغربی مورخین کو بھی اپنی تاریخوں میں اعتراف کرنا پڑا۔ کہ

"ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھکر اور کوئی زبردست حریف نہیں ملا۔ تمام بڑے بڑے معرکوں میں اس نے انگریزوں کو شکست فاش دی۔ بلکہ ہندوستان میں انگریزوں کی ہستی اسکے رحم وکرم پر منحصر ہو گئی تھی۔"

یہ ترکی کی خوش قسمتی تھی کہ وہاں موجودہ زمانہ میں **مصطفٰے کمال** کی ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جسکی زندگی کے حالات بالکل **حیدر علی** سے ملتے جلتے ہیں۔ مصطفٰے کمال بھی ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ سپہ سالار کے عہدہ پر ترقی کرتا ہے۔ دردانیال (گیلی پولی) میں ملک وطن کے دشمنوں کو وہ زبردست شکست دیتا ہے کہ پھر انکو اس طرف رخ کرنیکی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن اسکا صلہ اسکو یہ ملتا ہے کہ اسکو اناطولیہ میں جلاوطن کرکے اس کے سر کیلئے انعام مشتہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیدر علی بھی ایک معمولی خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ سپہ سالار کے عہدے پر ترقی کرتا ہے۔ ملک کو مرہٹوں کے آہنی پنجے سے رستگاری دلاتا ہے۔ اسکا صلہ بھی اسکو وہی ملتا ہے جو مصطفٰے کمال کو ملا جس طرح مصطفٰے کمال پر یونانیوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیدر علی پر مرہٹوں کو مسلط کیا جاتا ہے۔ جس طرح مصطفٰے کمال نے سقاریہ کی جنگ میں ٹڈی دل یونانیوں کے پرخچے اڑا کر ایک آزاد سلطنت قایم کرتا ہے۔ اسیطرح مرہٹوں اور میسور کے راجہ کی ٹڈی دل فوج کو شکست فاش دیکر حیدر علی نے بھی ایک آزاد سلطنت قایم کی تھی۔

ابوالفتح
فتح علی ٹیپو سلطان

درمیانِ کارزارِ کفر و دین
ترکشِ ما را خدنگِ آخرین

ٹیپو سلطان بحالت جوانی

ابوالفتح علی ٹیپو سلطانؒ

پیدائش

خاک دیون ہلی کی تقدیر چمک اٹھی۔ سنہ ۱۱۶۳ھ (مطابق سنہ ۱۷۵۰ء) ۲۰ ماہ ذی الحجہ روز شنبہ کی پہلی ساعت میں بطنِ حیدر و فاطمہ (سلطان کی والدہ کا نام فاطمہ بیگم تھا) سے وہ لعل شب تاب پیدا ہوا۔ جس کی نظیر ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ بھی بمشکل پیدا کر سکے گی۔ جس طرح اس کی پیدائش عجیب و غریب حالات کے تحت میں ہوئی۔ اسی طرح اسکی زندگی اور موت کے حالات بھی حیرت انگیز ہیں۔

نوٹ:- دیون ہلی بنگلور سے شمال مشرق کی طرف تقریباً بائیس میل پر ایک قریہ ہے۔ یہاں قلعہ سے باہر جس مکان میں سلطان کی پیدائش ہوئی۔ وہاں پر ایک چبوترہ اور چار دیواری باندھکر ایک کتبہ نصب کیا گیا ہے۔ جس میں سلطان کی تاریخ پیدائش کندہ ہے۔ یہ مکان اب نہیں ہے۔ صرف چار دیواری کے اندر چبوترہ اور کتبہ موجود ہے۔

نواب حیدر علی کا کاشانۂ اقبال اس درِ مقصود سے خالی تھا۔ جس کو اولاد کہتے ہیں اس لئے بذریعۂ روحِ پُر فتوح حضرت ٹیپو مستان ولی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی مزار شہر ارکاٹ میں ہے) بارگاہِ ایزدی میں دعا مانگی گئی۔ کہ بخششِ اولاد سے یہ خاندان بہرہ ور ہو۔ دعا مقبول ہوئی۔ اور حسبِ منت جب شہزادۂ بلند اقبال پیدا ہوا۔ تو حضرت ٹیپو مستان کے نامِ نامی پر اس کا نام ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رکھا گیا۔

اس شہزادۂ بلند اقبال کے تولد کے ساتھ ہی آسمانی برکات کا نزول اس طرح ہونے

لگا کر فوجی ملازمت سے ترقی کرتے ہوئے ایک سال کے اندر ہی اندر حیدر علیؒ ڈنڈیگل کے
گورنر بھی ہو جاتے ہیں ۔ (اور دن بدن ترقی کرتے ہوئے) تھوڑے ہی عرصہ میں رئیسوں
کی ریاست اور بادشاہوں کے تخت و تاج ان کی قوت بازو کے مرہون احسان بنجاتے ہیں ۔
انکے اسپ صبا رفتار کی جولانی سرزمین جنوبی ہند میں زلزلہ ڈالدیتی ہے ۔ ایک جانب تو
ارکاٹ اور حیدر آباد کی اسلامی ریاستیں کبھی ان کا دم بھرنے لگتی ہیں ۔ اور کبھی ان کو
مٹانے کیلئے غیر اقوام کے ساتھ ملکر سازش کرتی ہیں ۔ دوسری جانب مرہٹے ، انگریز اور
فرانسیسی بھی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے لرزہ براندام رہتے ہیں ۔ دریائے کرشنا سے جنوب
میں جس قدر ملک ہے ۔ وہ نشان حیدری کے سایۂ عاطفت میں آجاتا ہے ۔ ریاست میسور
جو صرف ۲۳ دیہات پر مشتمل تھی ۔ ایک وسیع اور عریض سلطنت بنجاتی ہے ۔

بچپن

سلطان کی پیدائش جن حالات کے تحت میں ہوئی اس سے اندازہ کیا جا
سکتا ہے کہ اس کی پرورش اور تربیت کے متعلق والدین نے کیا کچھ نہ
کیا ہوگا ۔ جس وقت سلطان کی عمر کا پانچواں سال شروع ہوتا ہے ۔ تو عربی و فارسی کی تعلیم
کے علاوہ امور جہانبانی کی تعلیم کیلئے اعلےٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا ۔ فنون سپہ گری اور شہسواری
سکھانے کیلئے بڑے بڑے مشہور استاد ملازم رکھے گئے ۔ ٹیپو سلطان نے پندرہ سولہ برس
کی عمر میں خود کو ایک لائق شہزادہ اور بہادر سپاہی ظاہر کیا ۔ اور باپ کے ساتھ لڑائیوں
میں شامل ہونے لگا ۔ اس کے بعد باپ کے حکم سے بطور خود میدان کارزار میں جاکر طریقۂ
جنگ سے کامل واقفیت حاصل کی ۔

بچپن کے حالات میں سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرتناک امر یہ ہے کہ جب ٹیپو سلطان
کی عمر چھ یا سات سال کی تھی ۔ تو وہ سرنگاپٹم میں اس جگہ جہاں اب مسجد اعلیٰ ہے کھیل

اس کو آٹھ ہزار سوار جوشن پوش اور بائیس ضرب توپ دیکر مرہٹہ سپہ سالار تریمک راؤ کے مقابلے میں بھیجا۔ سلطان نے پائین گھاٹ میں اتر کر میدان کاویری میں ڈیرے نصب کیئے اسوقت معلوم ہوا کہ مرہٹہ فوج دھیرپوری کو لوٹ رہی ہے۔ اور کسی گاؤں کی لوٹ کا سامان بھی ان کے ساتھ ہاتھی گھوڑوں پر لدا ہوا موجود ہے۔ سلطان یہ حالت دیکھکر خود بھی بھیس بدلکر لوٹنے والوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔ گویا کہ وہ بھی مرہٹی فوج کا کوئی سردار ہے۔ جب لوٹ ہو چکی تو مرہٹے سامان لادکر چلنے لگے۔ اسی وقت یکایک بحکم سلطانی مرہٹی سپاہ پر گولیاں برسنی شروع ہوگئیں۔ آخر دشمن سب اسباب وہیں چھوڑ کر فرار ہوا سلطان چار ہزار گھوڑے، سینکڑوں بیل اور اونٹ، مع بیس ہاتھی۔ جن پر تمام اسباب و سامان لدا ہوا تھا اپنے قبضہ میں لیکر صحرائے ماگڑی کی طرف واپس ہوا۔

اس جنگ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ صحرائے ماگڑی درگ میں سلطان چھ ہزار سوار اور تین ہزار شتر سوار اور تین ہزار پیادے اور توپ خانہ کے ساتھ خیمہ زن تھا رائے پتی کی ندی کے قریب مرہٹی فوج کے رسد کا قافلہ آکر اترا۔ اس قافلہ میں اٹھتیس ہاتھی سینکڑوں اونٹ اور بیل۔ بہت بڑا خزانہ اور حفاظت کے لیئے دس ہزار سوار موجود تھے۔ سلطان نے رات کے وقت شبخون مارا۔ اور قتل عام شروع کردیا۔ صبح ہوتے ہوتے دشمن کی سب فوج کٹ گئی۔ اور جو کچھ بچے وہ بھاگ گئے۔ آخرکار صبح ہوگئی۔ ٹیپو سلطان نے اس تمام بار برداری اور اسلحہ کو سرنگاپٹم روانہ کردیا۔

جب یہ خبر تریمک راؤ سپہ سالار افواج مرہٹہ کو پہونچی تو اس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اور اس کے ساتھ ہی پونا میں کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ وہ نواب حیدر علی سے صلح کرکے پونہ کو روانہ ہوگیا۔

رہا تھا کہ ایک فقیر بزرگ ضمیر کا گذر اس طرف سے ہوا (حیدر علی راجہ میسور کی ملازمت میں نایک کے عہدے پر تھے ۔ اور اسوقت زیر عتاب تھے) اُس نے بچے کو دیکھکر کہا کہ :-

"تیری خوش نصیبی ایک دن تجھے اس ملک کا حکمران بنا ئیگی ۔ اور جب وہ وقت آئیگا ۔ تو اس جگہ ایک ایسی مسجد تعمیر کر جو زمانہ میں تیری یادگار رہے ۔"

بچے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا :-

"جب وہ بادشاہ ہوگا تو ضرور ایسا کریگا ۔"

خدا کی شان کہ باپ شہر سے دور ، راجہ میسور کا معتوب ہو کر اپنی آخری بازی میدانِ جنگ میں کھنڈے داؤ سے کھیل رہا ہے ۔ ماں اور دوسرے عزیز و اقارب قلعہ میں اسیر ہیں ۔ مگر بچہ یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ فقیر کی ہدایت کی تعمیل لفظ بلفظ کریگا ۔ اور دنیا نے دیکھ لی کہ فقیر کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی ۔ اور سلطان نے اپنا وعدہ کس خوبی سے پورا کیا ۔

جوانی اور ایامِ ولیعہدی

شہزادہ ٹیپو نے جبکہ اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اپنے نامور و شجیع باپ حیدر علی خان بہادر کے ساتھ رہکر فنونِ جنگ کی عملی تعلیم حاصل کی ۔ یہاں تک کہ دو سال کے عرصۂ قلیل میں وہ اپنی خداداد قابلیت سے ایک بہت بڑا سپاہی ، لائق جنرل اور فاضل اہلِ قلم بن گیا ۔ یہاں تک کہ فوجوں کی علیحدہ کمان اس کے تفویض کر دی گئی ۔ تخت نشینی تک سلطان کے کارنامے حالات نواب حیدر علی میں لکھے جا چکے ہیں ۔ مگر یہاں دوبارہ سلسلہ قایم رکھنے کیلئے اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے ۔

جس وقت ۱۱۸۱ھ میں سلطان کی عمر ۱۷ سال کی تھی ۔ تو نواب حیدر علی خان نے

حسب مرضی نواب حیدر علی خان امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے اور حسب تجویز خواتین محل رقیہ بانو صبیہ للاعیان شہید چرکولی و خواہر برہان الدین سے ہوگئی۔ دونوں نکاح ایک ہی شب میں ہوئے۔

نظام اور مرہٹوں سے جنگ

ابھی ان شادیوں سے فرصت نہ ہوئی تھی۔ کہ نواب حیدر علی خان بہادر کو نظام مرہٹے اور انگریزوں سے جنگ پیش آئی۔ سنہ ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء میں قلعہ گتی فتح ہوا۔ اور سنہ ۱۱۸۸ھ سے لیکر سنہ ۱۱۹۱ھ تک (مطابق ۱۷۷۴ء سے ۱۷۷۷ء) قلعہ چتلدرگ، علاقہ کڑپہ اور کنجی کوٹہ فتح کر لئے گئے۔ اور سنہ ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں پھر میسور کی دوسری جنگ شروع ہوگئی ان مذکورۂ بالا جنگوں میں سلطان ہر جنگ میں شریک رہا۔

میسور کی دوسری جنگ

تاریخ شاہد ہے کہ نواب حیدر علی خان کو جن انگریز جنرلوں سے مقابلہ پڑا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ ہشیار کرنل بیلی اور سر آئر کوٹ تھے۔ بیلی کو جو شکست فاش ہوئی۔ اس میں ٹیپو سلطان کی کارگزاری کو بہت بڑا دخل ہے۔ جنرل سر آئر کوٹ ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار اور بڑا آزمودہ جنرل تھا۔ جس نے نواب حیدر علی کی فوجوں کو بھی شکست دی تھی۔ جس وقت محمود بندر پر لڑائی ہو رہی تھی۔ تو نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنی فوجوں کی کمان شہزادۂ والا تبار ٹیپو سلطان کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے کہاں تک فنون جنگ میں ترقی کی تھی۔

حیدر علی کی رحلت

ابھی میسور کی دوسری جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی۔ کہ ملیبار کے نائروں نے بغاوت کردی تھی چنانچہ سلطان اپنے باپ

انگریزوں سے پہلی جنگ

اس جنگ کا آغاز ۱۷۶۷ء میں ہوا۔ اسوقت سلطان کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ اس جنگ میں نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنے لائق فرزند ٹیپو سلطان کو سات ہزار کی جرار فوج دیکر نگر کی جانب روانگی کا حکم دیا۔ ٹیپو سلطان نے بندرگاہ کوڑیال میں پہونچکر انگریزی فوج کو دیکھتے ہی اندازہ کرلیا، کہ وہ اپنی سات ہزار کی فوج سے دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس نے ایک طویل مراسلہ والد کی خدمت میں مزید کمک کیلئے بھیجا۔ حیدر علی بذات خود ایک بہت بڑی کمک لیکر آپہنچے۔ اور ٹیپو سلطان کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سلطان نے قلعہ فتح کرلیا۔ انگریزی سپہ سالار شکست کھا کر ساحل کی طرف مع اپنی فوج کے چلا گیا۔ اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو گیا۔ اس نمایاں کامیابی پر باپ نے بیٹے کی بہت تعریف کی۔

اسی جنگ میں جبکہ نظام، مرہٹے اور انگریز ملکر مختلف محاذ پر حملے کررہے تھے۔ تو نواب حیدر علی نے فوج دیکر ٹیپو سلطان کو مدراس پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ سلطان کا دھاوا ایسی عجلت اور سختی سے ہوا کہ مدراس کے انگریز سراسیمہ اور پریشان ہوکر نواب حیدر علی کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے کیلئے مجبور ہو گئے۔

اسی سال کڈپہ، کرنول، بتاری، آناگندی اور دھاڑواڑ پر لشکر کشی ہوئی اور بہ حیثیت سپہ سالار نوجوان شہزادہ نے ان سب میں حصہ لیا۔ جہاں جاتا تھا۔ فتح و ظفر اس کے ہم رکاب رہتی تھی۔

شادی

جب ان لڑائیوں سے فرصت ہوئی اور نواب حیدر علی خان مظفر و منصور سرنگاپٹم واپس آئے۔ تو مناسب جانا کہ شہزادۂ والا تبار اور خاندان کی دوسری شادیوں سے فرصت پائے۔ چنانچہ ۱۷۷۴ء میں ٹیپو سلطان کی شادی

ٹیپو سلطان نے ۲۰/ محرم ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء روز یکشنبہ کو تاج شاہی زیب سر کیا۔ ارکان دولت کو خلاع فاخرہ سے سرفراز کیا گیا۔ فوج کو انعام دیا گیا۔ محفل جشن آراستہ ہوئی۔ امرائے دولت و اعیان سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ مبارک سلامت کی دھوم ہوئی۔ تخت نشینی کی اطلاع کیلئے خط، رقعے، فرمان، پروانے چاروں طرف روانہ کئے گئے۔ تمام ملک کے ناظموں، قلعہ داروں اور افسران فوج کو لکھا گیا۔ کہ جو جہاں ہے اپنا فرض منصبی نہایت خوبی اور اطمینان سے ادا کرتا رہے۔ اسی طرح میر صادق اور پورنیا دیوان اور وزیر مالیات مقرر ہوئے۔

ملا فیروز اپنی تاریخ فتوحات برہانیہ میں سلطان کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

سران سپہ محفل آراستند — ہمہ دست بر سینہ برخاستند
بگفتند کای شاہ گردوں سریر — ہمہ چاکر تیم فرماں پذیر
سر ماست بر خط فرماں بری — ز تو حکم کردن ز ما چاکری
تن ہم ز آتش و آب و خاک — فدائی ہوا خواہیت جان پاک
چوں سلطاں لقب یافتی از نخست — کنوں تخت و تاج شہی زان تست
پسر در جہاں آں بود نیک نام — کہ برتر نہد از پدر چند گام
ز رخسار چوں ماہ برکش نقاب — نہاں چند داری با بر آفتاب
چوں ایزد ترا داد فر شہی — بتقدیم فرماں مکن کوتہی
سکندر صفت ملک تسخیر کن — سر دشمناں زیر شمشیر کن
بزن سکۂ خویش بر سیم و زر — کہ از سکۂ نام شہاں شد سمر

کے حسب الحکم ناٹروں کی تنبیہ کیلئے روانہ ہو گیا۔ اور حیدر علی خان ارکاٹ سے سولہ میل شمال کی جانب خیمہ زن تھے، کہ پیام اجل آپہنچا۔ اور ۱۱۹۵ھ کی اخیر شام یعنی ۱۱۹۶ھ (مطابق ۱۷۸۲ء، ۷ دسمبر) کی چاندرات کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

سلطان کو منگلور کے قریب نواب حیدر علی کا خط ملا۔ جو کہ وفات سے ایک روز پیشتر لکھا گیا تھا جس میں یہ تحریر تھی:۔

"نور چشم راحت جان پدر!

درصورتے کہ تم کو اس نواح کے متمردوں کی تنبیہ و تادیب سے قرار واقعی جمعیت خاطر اور اطمینان کلی حاصل ہو تو چشم پدر کو اپنے دیدار راحت آثار سے جلد روشن اور منور کرو۔ اور اگر کچھ کمک اور فوج کی احتیاج ہو تو اس کا حال گزارش کرو۔ فقط"

خط کے ملتے ہی سلطان بسرعت تمام ارکاٹ کی جانب روانہ ہوا۔ نواب حیدر علی کی وفات کو امراء اور سرداران فوج نے ملکی مصلحت کے پیش نظر نہایت پوشیدہ رکھا تھا سلطان کو جب والد کے انتقال پُر ملال کی خبر ملی تو اسکے رنج و غم کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس عرصہ میں شہزادہ کریم شاہ نواب حیدر علی کے عوض کاروبار سلطنت چلا رہا تھا سلطان جس وقت سرنگاپٹم پہونچا تو کریم شاہ نے بڑھکر استقبال کیا۔ اور تمام امور مملکت کو سلطان کے تفویض کر دیا۔

سلطان کی تخت نشینی

حیدر علی کی وفات کے بعد اب وہ وقت آپہنچا کہ فقیر کی پیشین گوئی پوری ہو۔

میں باغی ہوکر کوڑیال بندر اور منگلور کو بمبئی کی انگریزی فوج کے حوالے کردیا ہے۔ اور دوسری طرف اپنے شاہ میا دارالسلطنت سرنگاپٹم میں قلعہ دار سے سازش کررہا ہے کہ حرم سرائے سلطانی کو مقید کرکے دارالسلطنت پر قبضہ کرلے۔ تیسری طرف کڈپہ کے نواب عبدالحلیم خاں کے بھائی نے انگریزوں سے مچھلی بندر میں خفیہ طور پر معاہدہ کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا ہے۔ اور اسی طرح کنانور میں بالیا بونے سرکشی کی ہے۔

ان خبروں کے موصول ہوتے ہی سلطان نے بدرالزماں خاں نائطہ صلابت خاں بخشی۔ میر غلام علی اور میر معین الدین کو تسخیر پائیں گھاٹ کیلئے یعنے انگریزوں سے جنگ کرنے کیلئے چھوڑ کر حیدر نگر کا رخ کیا۔ چنگی گھاٹ پر پہونچکر محمد علی کمیدان کو دارالسلطنت پر بھیجا۔ قمرالدین خاں کو کڈپہ کی جانب روانہ کیا۔ سلطان دیونہلی سدگری اور تمراکی راہ سے ہوتے ہوئے نواح چیلدرگ میں مقیم ہوا۔

محمد علی سرنگاپٹم میں

محمد علی کمیدان نے سرنگاپٹم کے قریب آکر مشہور کیا کہ وہ براہ کورگ تسخیر حیدر نگر کیلئے جارہا ہے۔ اس نے قلعہ دار سرنگاپٹم کو ایک نہایت دوستانہ خط لکھا۔ اور درخواست کی کہ جنگ پر جانے سے پہلے اس کو ایک شب قلعہ سرنگاپٹم میں اہل وعیال کے ساتھ گذارنے کا موقع دیا جائے قلعہ دار نے محمد علی کی عاجزی اور درخواست پر اجازت دیدی۔ ان میں اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ ابھی تک چونکہ اسکی اور شاہ میا کی سازشیں پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی تھیں۔ اس لئے ابھی سے محمد علی کو روکنا مناسب نہ تھا۔ اندرونی طور پر محمد علی نے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دیا کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہوکر بگل بجائے تو تمام کے تمام دیوار پر چڑھکر قلعہ پر قبضہ کرلیں۔ اس کے تمام سپاہی قلعہ کے اطراف میں چھپ گئے۔ محمد علی منتخب پچاس ساتھیوں کے ساتھ

بسر جائی دہ تاج شاہنشہی | بنا پائے بر تخت فرماں دہی
بفتح و ظفر پائے نہ در رکاب | جہانگیر شو چوں بلند آفتاب
بلیسے نامداراں و گردن کشاں | بپیچے خدمت تنگ بستہ میاں
اگر حکم سازی بہ وقتِ وغا | چو جوہر در آہن بسازیم جا
بفرمانت ای شاہ مالک رقاب | بدریا بتازیم ہمچوں حباب
بفرمانت ای شہ در آذر رویم | نداریم غم چوں سمندر رویم
باقبالت اے سرور دیں پناہ | ربائیم از فرق کیواں کلاہ
خدایا ور وبخت یار تو باد | جہاں از کرم زیر بار تو باد
سریر تو بادا سپہر بریں | سم مرکبت باد تاج زمیں
سر حاسداں زیر پائے تو باد | ہمہ عیش عالم برائے تو باد"

جس وقت حیدر علی کی وفات ہوئی تھی۔ اس وقت انگریزوں سے جنگ کا خاتمہ نہ ہوا تھا۔ اور مختلف محاذوں پر لڑائیاں برابر جاری تھیں۔ رسوم تخت نشینی سے فارغ ہو کر سلطان نے پھر جنگ کی طرف توجہ کی۔ دو ہزار فرانسیسی سپاہی کمک کے لئے روانہ کئے گئے۔ اس وقت انگریزی فوج جنرل اسٹیورٹ اور جنرل لانگ کے ماتحت وانڈی واش میں پڑی ہوئی تھی۔ سلطان نے تمرو اور تملور کے راستے سے وانڈی واش پر بڑھکر پانچ میل پر قیام کیا۔ اور جنگ کیلئے فوجوں کو ترتیب دی۔ مگر دوسرے ہی دن انگریزی فوج بغیر کسی جنگ کے گورنر مدراس کے حکم پر اپنا بوریہ بستر سنبھال کر مدراس چلی گئی۔ سلطان اپنی فوجوں کو لیکر ترووتور کی طرف بڑھا۔ اور ڈیرے ڈال دئے۔

بغاوتیں | اسی اثنا میں خبر آئی کہ نواب کے لے پالک لڑکے ایاز خاں نے ملیبار

سلطانی قبضہ میں آ گئے۔ کوڑیال بندر پر جس وقت سلطانی فوج پہنچی۔ تو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ مگر باوجود اس کے فوج نے نہایت جوش کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا۔ اور چند ہی گھنٹوں کے اندر قلعہ پر علم سلطانی ہرانے لگا۔ انگریزی سپہ سالار جنرل میتھیوز افواج سلطانی کے ہاتھوں اسیر ہوا۔

کنڈور کی شکست، جنرل میتھیوز کی اسیری اور تمام ملک کرناٹک ہاتھ سے نکل جانے سے مدراس کی گورنمنٹ اس درجہ سراسیمہ ہوئی کہ انگریزوں نے فوراً صلح کی درخواست کی۔ جس کو سلطان نے منظور کر لیا۔ اور صلحنامہ منگلور مرتب ہوا۔ اس صلحنامہ کی رو سے تمام ممالک حیدری پر جو اس جنگ سے پیشتر قلمروئے سلطنت خداداد میں شامل تھے۔ سلطان کی سیادت کو قبول کر لیا گیا۔

تسخیر نگر کے بعد محمد علی کمیدان کی موت

تسخیر نگر کے بعد ہی محمد علی کمیدان نے خودکشی کر لی۔

انگریز مورخین اپنی فطرت سے مجبور ہو کر لکھتے ہیں کہ محمد علی کی خودکشی کا باعث سلطان ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا جاتا کہ محمد علی کی خودکشی کے اسباب کیا تھے۔ اس لئے اس واقع پر روشنی ڈالنے کیلئے مورخ سلطانی کی تحریر کے علاوہ یہاں ان تمام علل و اسباب کو بتلایا جاتا ہے جو محمد علی کی خودکشی کا باعث بنے۔ ورنہ سلطان نے جو کچھ اس معاملہ میں کیا۔ اس میں وہ بالکل حق بجانب تھا۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے:۔

"تسخیر حیدر نگر کے موقع پر جب انگریزوں نے عاجز آ کر صلح کی درخواست کی۔ اور صلحنامہ منگلور مرتب ہوا۔ تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قلعہ دار قاسم خاں کی جان

قلعہ کو روانہ ہوا۔ اور آنے کی اطلاع دی جونہی قلعہ کا اندرونی دروازہ کھلا۔ ان پچاس ساتھیوں نے محافظوں کو قابو میں کر کے بگل بجا دیا۔ باہر جو فوج کمینگاہوں میں تھی۔ فوراً نکل آئی۔ اور آناً فاناً میں تمام قلعہ پر قابض ہو گئی۔ محمد علی نے قلعہ دار اور اپنچے شامیا کے مکانات کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس وقت تک انہیں یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ قلعہ پر کیا گذری۔ قلعہ دار اور اپنچے شامیا گرفتار کر لیئے گئے۔ دوسرے دن صبح کو حسب الحکم والدہ سلطان بعض مجرموں کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ اور اپنچے شامیا کو بھاری طوق آہنی پہنا کر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ قلعہ کی کمان اسد خاں رسالدار کو دی گئی۔ اور سید محمد خاں مہدوی گورنر سرنگا پٹم بنایا گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونیکے بعد محمد علی اپنی فوج کے ساتھ نگر کیطرف بڑھکر حضور سلطانی میں باریاب ہوا۔ جہاں سلطان نے اس نمک حلالی اور مستعدی پر اس کو خلعت فاخرہ بخشی۔

تسخیر حیدرنگر

محمد علی کمیدان کی فوج کے آنے پر سلطان حیدرنگر کیطرف بڑھا۔ اور اٹھارہ دن کی سخت جنگ کے بعد انگریزی فوج نے پسپا ہو کر قلعہ سلطان کے حوالہ کر دیا۔ مورخ سلطانی نے اس وقت

"حیدرنگر گرفتہ"

تاریخ نکالی۔

تسخیر حیدرنگر سے فارغ ہو کر سلطان کوڑیال بندر کی طرف بڑھا۔ راستہ میں اس انگریزی فوج سے جو کرنل کیمپل کے ماتحت حیدرنگر کی طرف جارہی تھی۔ لڑائی ہو گئی۔ صبح سے دوپہر تک جنگ ہوئی۔ جس میں افواج سلطانی مظفر و منصور ہوئیں۔ انگریزی فوج تمام کی تمام یا تو ماری گئی یا قید ہو گئی۔ اور کل سامان جنگ و ہتھیار وغیرہ

لیا۔ اور حضور سلطانی میں لے آئے۔

جونہی سلطان کی نظر قاسم خاں پر پڑی۔ اس نے اسکے قتل کا حکم دیدیا۔ اور فوراً اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ ان باغیوں کو جنہوں نے محمد علی کا ساتھ دیا تھا۔ قرار واقعی سزا دیگئی۔ محمد علی کو نظر بند کر دیا گیا۔ رات کے وقت خود اس نے اپنی زبان کو کھینچکر خودکشی کر لی۔ بعض کہتے ہیں کہ ہیرے کی کنی نگل کر خودکشی کر لی تھی۔ بہر طور مورخین نے اس شجیع و نامور جنرل کی موت کی تاریخ اس طرح نکالی۔

"رکنِ دولت باقیاد"

اس میں شک نہیں کہ محمد علی کمیدان نے خودکشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا لیکن اس کے لئے سلطان کو کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں گردانا جا سکتا۔ سلطان کا منشا صرف قاسم خاں کو سزا دینا تھا۔ لیکن محمد علی ناحق میدان میں کود پڑا اور وہ قاسم خاں کی (جس نے کہ غداری اور نمک حرامی کر کے اپنے آقا کے ایک مضبوط قلعہ کو دشمنوں کے سپرد کر دیا تھا) ناجائز حمایت کر کے اقتدار سلطانی کو صدمہ پہنچانے کا باعث ہوا۔ محمد علی کا یہ فعل کہاں تک حق بجانب تھا۔ اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑا جاتا ہے۔ محمد علی نے خودکشی اس لئے کر لی کہ سلطان نے اسکی بات کی پروا نہیں کی۔ اگر آئینِ جہانبانی کی رو سے دیکھا جائے تو سلطان قاسم خاں کو سزائے موت دینے میں یقیناً حق بجانب تھا۔

دورِ حاضرہ کی مہذب حکومتوں نے اکثر بڑی بڑی شخصیتوں اور اعیانِ سلطنت کو محض اختلافِ رائے یا شبہ کی بنا پر بلا تکلف موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ قاسم خاں کے علاوہ محمد علی کمیدان کا جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں تھا۔ کہ وہ ایک نمک حرام اور غدارِ سلطنت کی بیجا حمایت کر کے سلطان کی صریح حکم عدولی کر رہا تھا۔ لیکن رحمدل سلطان نے اس کے

بخشی کی جائے۔ اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔"

فتح کوڑیال بندر سے فارغ ہو کر سلطان نے قاسم خاں کو حضوری میں طلب کیا کیونکہ اس نے نمک حرامی کرتے ہوئے نگر ایسے مضبوط قلعہ کو بغیر جنگ کئے انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اس پر سلطان نے اسے سزائے موت کا حکم دیدیا۔ اس پر یہ الزام بھی تھا کہ اس نے انگریزوں کے ماتحت نگر کی لفٹنٹ گورنری قبول کر لی تھی۔ جب سلطانی فوج نے نگر کا قلعہ دوبارہ فتح کر لیا۔ تو قاسم خاں محمد علی کی پناہ میں آگیا۔ دوسرے دن صبح کو حسب حکم سلطانی کے بموجب قاسم خاں کو ملازمانِ شاہی مقتل کو لیکر چلے۔ تو محمد علی نے مزاحمت کی اور فوج کو قاسم خاں کے قتل سے روک دیا۔ جب سلطان کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ تو اس نے محمد علی کو بلا کر فہمایش کی اور کہا کہ قانونِ سیاست کی رو سے اور نیز سلطنت کا نظم و نسق بحال رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ قاسم خاں ایسے غدار کو سزائے موت دیجائے مگر محمد علی نے سلطان کی بات کو نہایت بے توجہی اور لاپرواہی سے سنا اور بغیر سلام کئے چلدیا۔ اگرچہ سلطان کو محمد علی کی اس نازیبا اور نالائق حرکت پر بہت ہی غصہ آیا۔ مگر اسکی سابقہ نمک حلالی اور جانثاری کا پاس کر کے سلطان خاموش رہگیا۔

دوسرے دن پھر قاسم خاں کو سزائے موت دینے کیلئے سپاہی اس کو مقتل لے گئے۔ مگر اسی وقت محمد علی ہاتھی پر سوار ہو کر مقتل میں داخل ہوا۔ اور قاسم خاں کو سپاہیوں سے چھڑا کر اپنے ہاتھی پر سوار کر لیا۔ اور اعلان کر دیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینے کیلئے تیار ہے وہ ہمارے ساتھ چلے۔ فوج کے دو تین سو آدمی محمد علی کے ساتھ ہو گئے۔ اور ان سب نے مل کر سرنگا پٹم کی طرف رخ کیا جب سلطان کو اس کی خبر پہونچی تو سید حمید اور غازی خاں کو بھیجا کہ محمد علی کو لیکر آئیں۔ یہ ابھی چار کوس ہی گئے تھے۔ کہ افواج سلطانی نے انہیں گھیر

نکل کر کرور اور ڈنڈیگل پر قبضہ کرنے کیلئے بڑھا۔ میر معین الدین نے بدرالزماں خاں ناظم کو مقابلہ کیلئے بھیجا۔ جس وقت بدرالزماں خاں نواح کرور میں پہنچا۔ تو قلعدار کرور انگریزوں سے مل گیا تھا۔ اور قلعہ پر انگریزی علم نصب تھا۔ کرنل لانگ یہاں سے فارغ ہوکر اراواکرچی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بدرالزماں نے اس قلعہ کی دوسری طرف دریائے امراوتی کے کنارے کیمپ ڈالا۔ دوسرے دن باوجود بدرالزماں کی سخت کوششوں کے انگریزی فوج قلعہ پر قابض ہوگئی۔ اور بدرالزماں اپنی فوج لیکر دھاراپور آگیا۔

دوسری قابل ذکر جنگ جو پائین گھاٹ میں ہوئی۔ وہ کڈلور کی جنگ تھی جس میں تمام افواج سلطانی کے علاوہ فرانسیسیوں نے بھی حصہ لیا۔ ادھر انگریزی جنگی جہازوں نے بھی اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کڈلور پر گولہ باری کی۔ ایک نہایت خونریز جنگ کے بعد جس میں کئی مرتبہ دست بدست لڑائی ہوئی۔ افواج سلطانی اور فرانسیسی غالب آگئے جب یہ خبر مدراس پہنچی تو والاجاہ محمد علی کے مشورہ سے مدراس کی گورنمنٹ نے صلح کی درخواست بھیجی۔ محمد علی والاجاہ نے اس صلح کیلئے بہت کوشش کی۔ اور بالآخر [illegible] میں صلح ہوگئی۔

شرائط صلح میں طے پایا کہ فریقین اپنے اپنے علاقوں پر جو قبل از جنگ ان کے قبضہ میں تھے قابض رہیں۔

مگر مورخ سنکلیر اپنی تاریخ کے صفحہ [illegible] میں لکھتا ہے :-

"انگریز جب صلح کی درخواست کئے تو سلطان کا پیمانہ غرور لبریز ہوگیا۔ اس کی منہ مانگی مراد بر آئی۔ کہ اس کا دشمن اس کے آگے سر جھکائے ہوئے طالب صلح تھا۔
سلطان نے فوراً دعوت صلح قبول کرلی۔"

سلطان باوجود فاتح ہونے کے جب اسکے دشمنوں نے اس کے آگے سر جھکا دیا تو اپنی

خلاف کوئی سخت کارروائی کرنے کے بجائے صرف اسے نظر بند کرنیکا حکم دیدیا۔

یہ اور بات ہے کہ محمد علی کی غیور طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ اور اس نے خودکشی کر لی۔ سلطان کو بھی اس کا افسوس تھا۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ محمد علی کی موت کے بعد سلطان نے محمد علی کی بیوہ کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر محل سلطانی میں اسکی پرورش کی۔ اور سلطان نے کبھی بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔

کمیدان محمد علی کے صفات

محمد علی ایک نہایت قابل اور ہوشیار سپہ سالار تھا۔ اس نے متعدد مواقع پر ایسی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیا کہ میدانِ جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ نواب حیدر علی کی زندگی میں انکا قوت بازو بنا رہا۔ اور نواب کی وفات کے بعد بھی سلطان کا ساتھ اسی طرح دیا۔ مگر اسکی طبیعت میں شروع ہی سے خودسری رہی۔ جسکی وجہ سے نواب حیدر علی نے بھی اس کو ایک دفعہ منصب سے معزول کر دیا تھا۔ اور یہی خودسری سلطان کے وقت میں اسکی موت کا باعث ہوئی۔

محمد علی نہایت فقیر دوست تھا۔ اسکی موت کے بعد اسکے پاس جو چیزیں نکلیں۔ ان میں سوائے چند بوسیدہ کپڑے اور ایک ٹوپی کے کچھ نہ تھا۔ جس قدر مال ملتا تھا۔ وہ سب فقیروں میں اسی وقت تقسیم کر دیتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض وقت جنگوں میں شاہی خزانہ بھی ہاتھ آجاتا تو وہ فقیروں کی نذر ہو جاتا۔

میسور کی دوسری جنگ کا سلسلہ

ہم یہ آگے لکھ چکے ہیں کہ پائیں گھاٹ میں انگریزوں سے جنگ جاری رکھنے کیلئے سلطان اپنے سپہ سالاروں کو چھوڑ آیا تھا۔ جب سلطان نگر کی لڑائی میں مشغول تھا تو ادھر پائیں گھاٹ میں اسکے سپہ سالار انگریزوں سے نبرد آزما ہوتے۔ کرنل لانگ ترچناپلی سے

جس کا جواب نہایت تلخ آیا۔ دوسرے دن برہان الدین نے قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا۔ اسی دن رات کو راجہ کی فوج نے قلعہ سے اتر کر سلطانی سپاہ پر شبخون مارا۔ جس میں بخشی صلابت جنگ اور دو ڈھائی سو سپاہی مارے گئے۔ یہ حالت دیکھکر برہان الدین نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ تمام گرمی کا موسم محاصرہ قایم رہا۔ باوجود سخت تدابیر کے بھی قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ ادہر راجہ کی حالت دن بدن خراب ہو رہی تھی۔ اس نے پرسرام ناظم مرہج سے کمک طلب کی۔ پرسرام کی جانب سے پانچ ہزار سوار پونا سے نکلے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اس نے میر قمر الدین کو برہان الدین کی کمک پر بھیجا۔

راستہ میں میر قمر الدین کی فوج کا پیر زادہ سید محمد داماد عبد الحلیم خاں حاکم کڈپہ کی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ جو کہ سلطانی علاقوں میں لوٹ مار کر رہا تھا۔ بھلی نامرا میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ کڈپہ کی فوج قریب قریب سب ماری گئی۔ سید محمد فرار ہو گیا۔ یہاں سے میر قمر الدین دریائے کرشنا کی جانب بڑھا۔ جہاں سے مرہٹی فوج نرگونڈہ کی امداد کیلئے آرہی تھی جس وقت میر قمر الدین کی فوج پہنچی۔ تو اس وقت مرہٹی فوج دریائے کرشنا عبور کر رہی تھی۔ اسی حالت میں اس پر حملہ کیا گیا۔ مرہٹی فوج منتشر ہو کر فرار ہوئی۔ یہاں سے میر قمر الدین نرگونڈہ پہنچکر محاصرہ میں شامل ہو گیا۔

جب کمک کی امید منقطع ہو گئی تو راجہ نے صلح کا پیغام بھیجا۔ راجہ کو طلب کر کے اس کو مع اہل و عیال قید کر کے سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔

اس جگہ سپہ سالار برہان الدین کو میر قمر الدین کی نیت پر شبہ ہوا۔ اس کو معلوم ہوا۔ کہ میر قمر الدین خفیہ طور پر میر نظام علی خاں حیدرآباد سے خط و کتابت کر رہا ہے۔ تو برہان الدین نے سلطان کو معلوم کرایا کہ قمر الدین حیدرآباد جانے کے خیال میں ہے۔ اور چادر

دریادلی سے بغیر تاوان جنگ یا کوئی حصہ ملک لینے کے صلح کیلئے رضامند ہو گیا۔

کیا اس سے بڑھکر دریا دلی اور فراخ حوصلگی کا ثبوت تاریخ اور کوئی دیتی ہے ؟

تعزیری مہمات

انگریزوں سے جنگ ختم ہونے پر سلطان نے اندرونی سازشوں کے استیصال پر توجہ فرمائی ۔ اور اس سلسلہ میں تعزیری مہمیں بھیجی گئیں۔ سید غفار اور امام خاں کابلی اور سید عمر سپہ دار بنگنور اور مدن پلی پر بھیجے یہاں پہنچکر راجہ بنگنور کے پاس پیغام صلح و اطاعت بھیجا۔ لیکن وہ بارہ ہزار کی فوج لیکر مقابلہ کیلئے نکلا۔ جنگ میں راجہ مارا گیا۔ فوج منتشر ہو گئی۔ سلطانی فوج تعاقب کرتی ہوئی ہیوی کنڈہ کے جنگل کا محاصرہ کرلی جس میں یہ سب پناہ گزین تھے۔ یہاں کا راجہ چک رائل اول پلی کو فرار ہو گیا۔ ڈھائی ماہ تک اول پلی کا محاصرہ رہا راجہ محاصرہ کی تاب نہ لاکر چیتور بھاگا ۔ اول پلی پر سلطانی افواج کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں سے بڑھکر شیخ عمر سپہ دار نے بنگنور پر قبضہ کر لیا۔ بنگنور کے قریب کوہستان کیوار میں ایک بہت بڑے بلند پہاڑ پر ایک تالاب تھا۔ یہ پہاڑ کی بلندی اور اس پر تالاب کا ہونا شیخ عمر کو نہایت پسند آیا۔ شیخ عمر نے سلطان سے سفارش کی۔ کہ اس جگہ ایک قلعہ بنوایا جائے۔

جس وقت سلطان وہاں آیا۔ تو آپ خود جاکر پہاڑ دیکھا اور قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اور اس قلعہ کا نام رحمان گڑھ رکھا۔

تعزیری مہمات کے سلسلہ میں دوسری فوج سپہ سالار برہان الدین کے زیر کمان نرکنڈہ پر بھیجی گئی۔ مرہٹوں کی اور خصوصاً پرسرام ناظم مرج کے اشتعال پر یہاں کا راجہ خود مختار بن بیٹھا تھا۔ یہاں پہونچکر برہان الدین نے اسکے پاس صلح و آشتی کا پیغام بھیجا

سلطان آٹھ ماہ تک کورگ میں مقیم رہا۔ اس عرصہ میں تمام کورگ کامل طور پر از سرِ نو تسخیر کر لیا گیا۔ ان جنگوں میں میر حسین علی خان بخشی نے نہایت ناموری پیدا کی۔ تمام کورگ میں اس کے نام کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس نے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے آٹھ ہزار مرد و عورت گرفتار کر لیا۔ ہزارہا باغی مارے گئے۔ جنگلات اور مواضع تباہ کر دے گئے۔ اور کئی ایک جگہ آگ لگا دی گئی۔ تمام کورگ میں حسین علی خان کا نام "بنکی نواب" مشہور ہو گیا۔

نوٹ:۔ کنڑی زبان میں "بنکی" آگ کو کہتے ہیں۔ بنکی نواب کے نام سے بنگلور اور میسور میں ابھی تک دو رستے منسوب ہیں۔ بنکی نواب کا مزار سرنگاپٹم میں گنبد کے احاطہ میں ہے۔

دوسرے سردار بھی ہزارہا باغیوں کو گرفتار کر کے لائے۔ مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ:۔

"اس جنگ میں اسی ہزار مرد اور عورت گرفتار کر لئے گئے"۔

جس وقت بغاوت کورگ کامل طور پر فرو ہو گئی۔ تو بابی بیوی (کنانور کی رانی) جو خود مختاری کا اعلان کر بیٹھی تھی پیش کش لیکر حضور سلطانی میں آئی۔ اور از سرِ نو تجدید فرمان اطاعت کر کے واپس لوٹی۔

کورگ کا نئے طور پر انتظام کر کے سلطان مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوا۔ باغیوں کے سرگروہ تموتی نائر اور رنگانائر جوگی گرفتار ہوئے۔ ان میں اول الذکر چند دن بعد مر گیا اور دوسرا مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام شیخ احمد رکھا گیا اور اسکو عہدۂ رسالداری دیا گیا۔

جب تمام قیدی سرنگاپٹم پہنچے تو انکو دعوت اسلام دی گئی۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ:۔

گھاٹ میں سنگ تعمیر کر رہا ہے۔ سلطان نے قمرالدین اور اسکے منشی کو حاضری کا حکم بھیجا۔ قمرالدین منشی کو حیدرآباد روانہ کر کے آپ حاضر ہوا۔ سلطان نے منشی کے متعلق دریافت کیا تو عرض کیا کہ وہ رخصت لیکر اپنے خاص کام کیلئے حیدرآباد گیا ہے۔ سلطان کا شک اور بڑھ گیا۔ اور اس کو نظر بند کر دیا۔

بغاوت کورگ

۱۷۸۵ء

اہل کورگ ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ نواب حیدر علی کے زمانہ میں کئی بار یہاں بغاوتیں ہوئیں۔ سلطان بارہ ہزار پیادہ اور دس ہزار سوار اور بائیس ضرب توپ لیکر نکلا۔ سرحد کورگ پر پہنچکر سواروں کو پریاپٹن، سداپور، منظرآباد پر حملہ کا حکم دیا۔ اور آپ پیادہ فوج لیکر اندرون ملک بڑھا۔ رتن منٹل میں باغیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ سلطانی سپاہ موسیو لالی کے زیر کمان قلعہ پر حملہ آور ہوئی۔ ایک سخت اور گھمسان کی جنگ کے بعد باغی فوج پیچھے ہٹنا شروع ہوئی۔ اس وقت سلطان نے اس پر اپنی باڈی گارڈ سے حملہ کر دیا۔ باغیوں کی صف بندی ٹوٹ گئی۔ اور وہ فرار ہوئے۔ سلطانی فوج نے تھل کادیری تلن ہلی اور خوشحال پور پر قبضہ کر لیا۔

اب باغیوں نے باقاعدہ جنگ چھوڑ کر پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں چھپ چھپ کر چھاپے مارنا شروع کیا۔ مگر سلطان کی عمر اپنے نامور و شجیع باپ کے ساتھ ایسے ہی جنگوں میں گذری تھی۔ لہذا سلطان نے تمام جنگلوں کو کاٹنے کا حکم دیدیا۔ اور باغیوں کے مقابلہ کیلئے حبیب علی خاں بخشی، میر محمود، امام خاں اور موسیو لالی کو روانہ کیا۔

تر و تازہ نظر آتے تھے۔ اور یہ جنگل ان کا جولانگاہ تھا۔ اس ملک کے لوگوں نے ان ہاتھیوں کی تاخت سے محفوظ رہنے کیلئے ایک بہت بڑا حصار مع برج و فصیل کے بناکر اس کے آس پاس بہت گہرا خندق کھود لیا تھا۔ اور حصار کے اندر رہنے کے مکان بنائے گئے تھے۔ کہ ہاتھیوں کی تاخت سے انکو پناہ ملے۔ لوگ ان گھروں میں رہتے۔ اور اس لالہ زار کا لطف اٹھاتے تھے۔ گلے سے گھٹنوں تک کا ایک لباس پہنتے چمڑے کی ٹوپی سر پر لگاتے۔ ایک رومال کمر میں باندھتے۔ تیر لگانے اور بندوق چلانے میں ہر شخص مشاق پایا جاتا۔ انکی عورتیں حسن کی دیویاں نظر آتیں۔ انکے حسن و جمال سے اس زمین پر پرستان کی کیفیت معلوم ہوتی۔ اور ان کے حسن کو۔ بنکا لباس پوشیدہ نہ کرتا۔ بلکہ وہ دو ہاتھ کا رومال سینے پر باندھ لیتے۔ اور ناف سے زانو تک دھوتی باندھتیں۔ باقی سب جسم کھلا رہتا۔ وہاں کے مردوں میں قوت رجولیت کم ہوتی۔ اس لئے چار چار حقیقی بھائی ایک عورت کو بی بی بناتے یا چار دوست ملکر ایک عورت کو زوجہ قرار دیتے۔ اور ایک ایک روز کی باری سے اسکے پاس رہتے۔ یا سب کے سب ایک ہی رات کو یکے بعد دیگرے ہمبستر ہوتے۔ اور جو اولاد ہوتی۔ وہ سب کے ورثہ کی مستحق قرار پاتی۔

اس جنگل میں مذکورۂ بالا خوبیوں کے ساتھ بعض خوفناک چیزیں بھی کثرت سے پائی گئیں۔ مثلاً وہاں کے سبز و شاداب درختوں پر پانی کی نمی سے جونکیں چپٹی ہوئی تھیں وہ آدمی پر کود کر گرتی اور کہیں تو کہیں اسکے جسم سے چمٹ جاتی ہیں اور جب پیٹ بھر کر خون پی لیتی ہیں۔ تب علیحدہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے اژدہے، زہریلے سانپ، بچھو اور دوسرے زہریلے جانور کثرت سے اس جنگل میں رہتے پائے گئے۔"

"ان کے آگے مذہب اسلام پیش کیا گیا۔ اور اس کے فوائد و برکات سمجھائے گئے۔ یہ سبکے سب مسلمان ہو گئے۔"

ان کو فوج میں داخل کر لیا گیا۔ اور اس فوج کو "جماعت احمدی" کا نام دیا گیا۔ اس فوج کو آٹھ رسالوں پر تقسیم کر کے ان کو سبز کپڑے کی وردی سے آراستہ کیا گیا۔

نوٹ:۔ آسٹریا کی جنگ میں جب ہزارہا اسیر ہاتھ آئے تو سلطان ترکی نے بھی ایک علیحدہ فوج بنائی۔ جو تاریخ میں "ینگ چری" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فوج سلطانی باڈی گارڈ میں شامل تھی۔ شاید سلطان نے بھی ترکوں کی تقلید کرتے ہوئے اسیران کورگ کو مسلمان بنا کر انکی ایک خاص فوج "جماعت احمدی" کے نام سے مرتب کی ہو۔"

مورخ سلطانی کورگ کے حالات اپنی کتاب "نشان حیدری" میں اسطرح لکھتے ہیں:۔

"اس ملک کی خوبیوں کا حال کیا بیان کیا جائے۔ کر کر تک وہاں کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ اور جنگل میں انواع و اقسام کے درخت مثل ساگوان، صندل، رال سفید، عود خام وغیرہ کے۔ قدرت کا شاندار نمونہ ظاہر کرتے تھے۔ کالی مرچ (فلفل سیاہ) کے درختوں کا مسلسل جال نہایت دلفریب معلوم ہوتا تھا۔ اور چھوٹی الائچی کے درختوں کے نیچے الائچیاں، جوار مکا کے کھیتوں کی طرح پھیل رہی تھی۔ دارچینی کے درخت آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ اور باغستانی درختوں میں فالسہ، موز، بیری، چلغوزہ، ناس سفر جل، کٹھل، بڑ، تھل، جامن وغیرہ کے درختوں نے اس زمین پر باغ کی کیفیت نظر آتی تھی۔ اور پھولوں میں گل مہندی، گیندا، نسرین، سوسن، چنپا، گلزار ہمیشہ بہار کی کیفیت ظاہر کرتے تھے۔ ہاتھی اور ہتھنیوں کے گلے اور ان کے بچے کثرت سے جنگل میں پھرتے تھے اور پہاڑیوں کے نیچے سونڈوں سے درختوں کی ٹہنیاں

فائدہ اٹھائیں۔ مسلمان بادشاہوں نے ان نووارد وں کا جو اس نئے ملک میں
نائط کہلانے لگے۔ بوجہ اسکے کہ وہ عرب سے متعلق تھے۔ عرب کی محبت میں ان سے حد
درجہ سلوک کرنا شروع کیا۔ اور ملک میں تمام مذہبی عہدے، قاضی، محتسب وغیرہ انہی
لوگوں کو دئے جانے لگے۔ اور اس طرح اہل نوائط کی تمام لوگوں پر ایک مذہبی سیادت
قایم ہو گئی۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے برتر سمجھنے لگے۔ اور
شادی و بیاہ کے معاملہ میں انہوں نے یہاں تک احتیاط کی۔ کہ ملک کے کسی طبقہ سے
بھی اختلاط جائز نہیں سمجھا گیا۔ ان لوگوں میں مذہبی علم و فضل کا نہایت چرچا تھا۔
اور مذہبی عہدے انہیں میں محدود تھے"

اس تفوق و برتری کی وجہ سے جو نواب بدرالزماں کو بحیثیت نائط ہونے کے
تھی۔ خاندان سلطان سے نسب کرنے میں عار تھا۔

حیدر آباد اور مرہٹوں سے جنگ

۱۷۸۶ء تا ۱۷۸۷ء

مرہٹوں اور نظام الملک نظام علیخاں کو امید تھی کہ سلطنتِ خداداد اپنی اندرونی
بغاوتوں اور انگریزوں سے جنگ ہونیکا باعث سر نہیں اٹھا سکیگی۔ اور ٹیپو سلطان کا خاتمہ
ہو جائیگا۔ مگر انکی امیدوں کے خلاف سلطنتِ خداداد ابھری۔ اور اس شان سے ابھری
کہ تمام جنوبی ہندوستان میں سلطانی شان و شکوہ اور جلالت و جبروت کا پرچم اڑنے لگا۔
دریائے کرشنا سے لیکر ٹراونکور تک سلطان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔
انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ:۔

برہان الدین کی شادی اور سادات و نائطہ کی مخالفت

جب بغاوتیں کامل طور پر فرو ہوگئیں۔ اور ملک میں امن و امان ہوگیا۔ تو سلطان نے تنظیم ملک و فوج پر توجہ کی۔ اور اپنے حقیقی برادر برہان الدین بن لالہ میاں کی شادی بھی کردینا مناسب سمجھا۔ اسکے لئے نواب بدرالزماں نائطہ گورنر نگر کی دختر منتخب ہوئی۔ اور نواب کو حیدر نگر سے حضوری میں طلب کیا گیا۔ جس وقت بدرالزماں حضوری میں آئے تو سلطان نے خود ان کا استقبال کرتے ہوئے تحفہ تحائف نذر رکھے۔ اور درخواست کی کہ برہان الدین کو اپنی دامادی میں قبول کرلیں۔ حیدر علی کے حالات میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ کس طرح اہل نوائط سلطان کے خاندان کو نسب کے اعتبار سے اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر یہی بات پیش آئی۔ مگر بدرالزماں خاں نے خاص حضور سلطانی میں انکار کرنا خلاف مصلحت سمجھا۔ شادی کی خبر جب معلوم ہوئی تو اہل نوائط صد درجہ برہم ہوئے۔ بدرالزماں کی بیوی اور بیٹی بھی اس شادی کی مخالف ہوگئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شادی کی شب کو اس لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کرلی۔ اہل نوائط اور سادات کے دلوں میں کدورت آگئی۔ اور یہی وہ کدورت ہے جسکی وجہ سے سادات اور نائطہ سلطان کے خلاف ہوکر سلطنت خداداد کے زوال کا باعث ہوئے۔

نائطہ

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ کہ جب مسلمان ہندوستان میں ملک گیری میں مصروف تھے۔ اور انکی سلطنت دہلی میں قایم ہوگئی تھی تو عراق ایران و عرب سے لوگ ہند کو آرہے تھے۔ کہ مسلمان بادشاہوں کی قدردانی و غریب پروری سے

کے حوالے کر دیا۔

جس وقت سلطان کو یہ خبر پہنچی، تو ماہ شعبان کی چھ تاریخ کو ایک جرار فوج لیکر دارالسلطنت سے نکلا، بنگلور کے راستے سے ادہونی کی طرف بڑھا۔ اسوقت ادہونی میں میر نظام علیخاں کا داماد نواب مہابت جنگ تھا۔ جس نے اپنے دیوان اسد علی خاں کو حضور سلطانی میں صلح کیلئے بھیجا۔ اس موقع پر سلطان نے سفیر سے کہا:۔

"مجھے تم لوگوں سے کچھ دشمنی نہیں ہے۔ مگر چونکہ نواب نظام علیخاں نے بے وجہ ہم سے چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔ اور مرہٹوں سے اتفاق کر کے اس سلطنت خداداد کی تباہی پر کمر باندھی ہے۔ میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نظام الملک کو اسلام کا کچھ بھی پاس نہیں۔ اس نے ہمیشہ اس اسلامی سلطنت کو مٹانے کیلئے اعدائے اسلام سے سازشیں کی ہیں۔ اور اس موقع پر بھی جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ مساجد اور اہل اسلام کے گھروں کو بت پرستوں نے بے حرمت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ نظام الملک ہم سے اتفاق کر لے۔ اور دونوں سلطنتوں کی فوجیں متفق و متحد ہو کر پونا پر چڑھائی کریں۔ مذہب و ملت کی لاج رکھتے ہوئے خدا کی رضامندی اور خلق اللہ کی رفاہ کیلئے جہاد پر کمر باندھیں۔ جو ایک مسلمان کی سرخروئی کا باعث ہے۔"

اتمام حجت اور مسلمانوں میں یکجہتی و اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے سلطان نے محمد غیاث کو ایلچی بنا کر حیدرآباد روانہ کیا۔ اور نظام الملک کے نام ایک خط بھی لکھا۔ جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"میں بیچہ ٹیپو سلطان مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور اپنی جان اور مال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو

"جنوبی ہندوستان نے کسی سلطان کو نہیں دیکھا بلکہ صرف ٹیپو سلطان ہی ایک ایسا سلطان ہوا کہ جسکی شاہانہ خلعت و جبروت ہر ایک کو متحیر کر دیتی تھی۔"

حیدرآباد اور پونا کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ حریف جس کو وہ ہمیشہ زک دینے پر آمادہ رہتے تھے۔ اس طرح سر اٹھائے۔ لہٰذا دونوں سلطنتوں میں بمقام ایت گیر ۱۰ مارچ ۱۷۸۶ء میں ایک معاہدہ ہوا۔

نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد کے مصنف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ کرنے کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوئی۔ جو ٹیپو سلطان کی ترقی سے خائف ہو گئے تھے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھا گیا ہے:-

"جب پیشوا کو یہ معلوم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدہ سابق کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت دوسرل پر تعلو اپنے ایلچی روانہ کئے۔ جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا کہ انکے والد نے چند ضرب توپ اور بندوقوں کے سوائے اور کوئی چیز متروکہ نہیں چھوڑی ہے جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خائف و بیدل ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علیخاں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔"

اس معاہدہ کے بعد انکی متفقہ فوجیں ممالک محروسہ سلطنت خداداد پر بڑھیں۔ اس وقت قلعہ دھارواڑ پر حیدر بخش کمانڈر تھا۔ جس نے رشوت لیکر قلعہ دھارواڑ کے علاوہ کنجن گڈھ، نولگنڈہ، نرگنڈہ اور بعد راندی کے اس پار کا تمام علاقہ دشمنوں

سے ساتھ ہونا چاہئے۔ نہ یہ کہ سب کے خلاف بت پرستوں کا ساتھ دیں۔ اور ان کے
ساتھ ہو کر اسلامی ممالک کی تاخت وتاراج کرنا ذریعہ حصول جاہ خیال کریں۔ جیسا
کہ نواب نظام علیخاں بہادر نظام حیدرآباد بار بار جیتو لئے پونا کا ساتھ دیتے
اور دونوں فوجیں ملکر سب کے ملک کو پامال اور میری رعایا کو شکستہ حال کرتی رہتی
ہیں۔ اور افسوس کہ میں نے مخفی طور پر نظام علی خاں بہادر کو سب کچھ سمجھایا لیکن
وہ مرہٹوں کی عیاری کو اپنے ملک سے دور رکھنے کیلئے انکی دوستی کو مقتضائے مصلحت
جانتے ہیں۔ حالانکہ مرہٹوں نے آپ کو بہت سا نقصان پہونچایا۔ اور ملک کو تاخت
وتاراج کیا۔ مسجدوں کو ڈھایا اور خانقاہوں کو گرایا۔ اس کا اقتضا یہ تھا کہ وہ
میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہتے۔ اور جب میری اور انکی دو طاقتیں ایک
جگہ مل جاتیں تو مرہٹوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اپنے ملک سے ایک قدم باہر نکالنے کا
وعدہ کرتے۔ لیکن اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقلمندی ہے جو نظام حیدرآباد کو
بجھنے ملنے نہیں دیتی۔ اور وہ نظام کو مرہٹوں سے متفق کر کے میرے خلاف فوج کشی
پر ابھارتے رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی تدبیر میرے اور نظام کے اتفاق ویکجہتی کی ہوسکتی
ہے تو وہ یہ کہ میرے خاندان کی لڑکیاں نظام کے بیٹوں، بھتیجوں اور نظام کے
خاندان کی لڑکیاں میرے بیٹوں اور بھتیجوں کو بیاہی جائیں۔ تاکہ طرفین سے
ابواب یگانگت کشادہ ہوجائیں۔ اور سب کو ان دونوں اسلامی طاقتوں کے
متحد ہوجانے کا علم ویقین ہوجائے۔"

اس خط کے ساتھ سلطان نے اعلےٰ درجہ کے قیمتی تحائف وجواہرات اور
امراء ووزراء کیلئے قیمتی خلعتیں روانہ کیں۔ غیاث الدین نے حیدرآباد پہونچکر وہ خط

اور تحائف وغیرہ پیش کر کے نظام الملک کو اتفاق و یک جہتی پر توجہ دلائی۔ نظام الملک کے دل پر بھی اس تقریر کا اثر ہوا۔ مگر جب نظام الملک حرم سرا میں گئے۔ تو اس وقت شاطروں نے مزاج کا رنگ بدل دیا۔ اور سب سے بڑا عذر جو پیش کیا گیا۔ وہ یہی تھا کہ اعلیٰحضرت نظام کا درجہ ایک نایک کے فرزند سے قرابت کا نہیں ہو سکتا۔ نظام الملک نے ایلچی کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ اس پر رائے زنی کرتے ہوئے نشان حیدری کا مصنف مورخ کرمانی جو سلطان کا مصاحب بھی تھا طنزاً لکھتا ہے:۔

"یہ ایک دعویٰ باطل ہے کہ نظام الملک سوائے اپنی ذات کے دکن کے اور دولتمندوں کو شریف نہیں سمجھتا تھا۔ اور اپنی دولت و حشمت پر آپ ناز کرتا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ سلطان ذی شان نسب کے اعتبار سے دوسروں سے کچھ کم نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی کمینہ عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ اور حسب میں اس کا اقتدار اسباب دنیاداری اور امارت و جلالت یگانۂ روزگار ہے۔ اور وہ شجاعت و بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ بعض نادان لوگوں نے جو لقب نایک کو اسکے نام پر یزاد کیا ہے۔ اسمیں وہ صریح مغالطے میں ہیں۔ نایک لقب سپہ سالار فوج کا ہے۔ قوم کا نام نہیں خدائے قادر برحق کی قدرت نامتناہی میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے۔ دین و دنیا میں اس کو سعادتمند بنا دیتا ہے۔ اور دنیا کے مال و دولت اور مرتبت سے سرفراز کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تمدادر دکن کے ان سلاطین سے جو بارگاہ خداوندی میں مقبول اور جن کی بارگاہ مرجع انام تھی۔ واقف نہیں ہیں۔ کہ وہ نسب و حسب کے اعتبار سے کیا تھے۔ اور کیا ہو گئے۔ کون نہیں جانتا کہ سلطان حسن گنگوہ (جو سلطنت بہمنی کا بانی اور حسن شاہ بہمنی کے نام سے مشہور رہا

نے جو ملازم سلطانی تھے۔ بہت کچھ سلطان سے کہا کہ یہ وقت ہاتھ نہ آئیگا۔ مگر سلطان نے اپنا حکم واپس نہ لیا۔ اور اس طرح آدہونی کا قلعہ حیدرآبادی فوج کے ہاتھ میں اور چند دن رہا۔ سلطان اپنی تھوڑی فوج کو اس نواح میں چھوڑکر خود پیچھے ہٹ گیا۔ جس کی وجہ سے مہابت جنگ کا زنانہ اور دیگر حیدرآبادی خواتین ادہونی چھوڑکر رائچور چلاگئے۔ جب سلطان کو یہ خبر معلوم ہوی تو اس نے فوجوں کو تسخیر ادہونی کا حکم دیدیا۔

اٹھارہ دن کی سخت لڑائی اور محاصرہ کے بعد قلعۂ ادہونی جوکہ نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ سلطانی فوجوں نے فتح کرلیا۔ اور مال غنیمت میں نواب بسالت جنگ مرحوم کا سلاح خانہ اور کتب خانہ بھی ہاتھ آیا جو سرنگاپٹم روانہ کردیا گیا۔ سلطان نے قطب الدین خاں کو قلعدار اور دولت رائے کو ادہونی کا صوبہ دار مقرر کیا۔ قلعہ اور اطراف کی پہاڑیوں کے باہر حصار تمام توڑ ڈالے گئے۔ (قلعۂ ادہونی ضلع بلاری میں ہے۔ یہ قلعہ راجگان وجیانگر کا بنایا ہوا نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا) ادہر سے فارغ ہوکر سلطان مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے پہلے کنجن گدہ پر قابض ہوا۔ رانی فرار ہوگئی۔ اور اس کا بیٹا گرفتار ہوگیا۔ جو بعد میں مسلمان ہوگیا۔ اور علی مروان خاں نام رکھا گیا۔ (جامع اوراق)

کنجن گدھ سے افواج سلطانی ساندور میں مقیم ہوئیں۔ حاکم ساندور نے اطاعت قبول کرلی۔ اب سلطانی افواج کپتی کی طرف بڑھیں۔ اور ایک سخت لڑائی کے بعد کپتی پر قبضہ کرلیا۔ اس جنگ کے دوران میں سلطان کے بعض سپاہیوں کی چیرہ دستیوں کے باعث چند عورتیں دریا میں ڈوب کر مرگئیں۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اس نے ان سپاہیوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔

کا حسب نسب کیا تھا۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے۔ کہ باوجود اس سیادت کے
اسکی وفات کے بعد اسکی قسمت پھوٹ گئی۔

اللہ اللہ کہ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کے اثر سے رذیل لوگ
بھی دعویٔ صحیح النسبی کر رہے ہیں۔ اور کمظرف و کم ظرفت لوگ اپنے غرور
بیجا سے سیادت اور شرافت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے برابر کسی کو اشراف
نہیں سمجھتے۔

زشتی نطفہ و اصالت ہست در دولت نہاں
عیب پوش قحبہ بنگر زریں چادر است

سلطان کا ایلچی بے نیل و مرام واپس آ گیا۔ اور نظام الملک بدستور مرہٹوں سے
ملکر تاخت و تاراج میں مصروف رہا۔ اب سلطان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اور یہ اپنی فوجوں
کو لیکر برق و باد کی طرح حیدرآبادی و مرہٹی فوجوں پر گرا۔ اور ایک ایسا سبق دیا کہ
مرہٹے اور نظام ذلیل سے ذلیل شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ اور دوسری طرف
باوجود اس سطوت و نصرت کے سلطان کا سلوک خاندان حیدرآباد اور دوسرا اسیران
جنگ سے ایسا ہے کہ اسکی نظیر مشکل تاریخ دے سکے گی۔

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ قلعہ ادھونی پر مہابت جنگ داماد نظام الملک کا تسلط
ہو گیا تھا۔ افواج سلطانی نے اس کا محاصرہ کرتے ہوئے ایسا سخت حملہ کیا کہ دوسرے دن
صبح قلعہ کا دروازہ کھل گیا۔ مگر سلطان کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ نظام الملک کی بیٹی
مہابت جنگ کی ناموس قلعہ میں موجود ہے۔ اسکے پاس خاطر سے سلطان نے فوجوں کو
قلعہ پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔ اگرچہ اسوقت رستم جنگ اور موسیو لالی فرانسیسی سپہ سالار

جنگ کا انتظار تھا۔ تمام مرہٹی سپہ سالار اور نظام الملک میدان جنگ میں حاضر تھے۔

سلطان نے اپنی فوج کو اس طرح سے ترتیب دیا کہ میمنہ پر میر معین الدین اور فرانسیسی سپاہ تھی۔ اور میسرہ پر برہان الدین اور قلب میں خود مقیم رہا۔ اس فوج نے رات کے وقت پیش قدمی کی۔ اور علی الصباح برہان الدین کی فوج نے مرہٹی فوج پر جو ہری پنت اور راستیا کے ماتحت تھی۔ حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے میر معین الدین کا حملہ ہوا۔ اسی وقت سلطان نے بھی قلب پر حملہ کر دیا جسکی وجہ سے مرہٹوں کی فوج کو میدانِ جنگ میں قایم رہنا مشکل ہو گیا اور حیدر آبادی فوجیں فرار ہونے لگیں۔ مرہٹے پیچھے ہٹے۔ اور قریباً تین میل جاکر پھر مجتمع ہوئے۔ اور انکا توپخانہ سلطانی افواج کو سخت نقصان پہونچانا شروع کیا۔ یہ دیکھکر سلطان نے سید حمید، شیخ الغفر، احمد بیگ اور موسیو لالی کو توپخانہ چھین لینے پر بھیجا۔ یہ فوج ایک خشک تالاب میں سے گذر کر اچانک غنیم کے سر پر پہونچی۔ اور اس قدر گولیاں برسائی گئیں۔ کہ مرہٹی فوج سراسیمہ ہو گئی۔ اور توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ مرہٹوں کے دو سردار مارے گئے۔ مرہٹوں اور نظام کا کل سامان جنگ اور اسباب وغیرہ سلطانی فوج کے ہاتھ آیا۔ یہ فتح ایسی تھی کہ مرہٹے اور نظام بہت دور تک پیچھے ہٹ گئے۔ اور اس کے بعد انہیں میدان جنگ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس فتح کے بعد سلطان نے سید حمید اور سید غفار کو شاہنور بھیجا۔ کیونکہ نواب حکیم خاں باغی ہو کر مرہٹوں اور نظام سے مل گیا تھا۔ جس وقت اس فوج کی آمد کی خبر ملی تو نواب اپنے بیٹے عبدالخبیر خاں کو شہر میں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ سلطانی افواج بغیر کسی سخت لڑائی کے شاہنور پر قابض ہو گئیں۔ اور جو کچھ مال و دولت شاہنور میں مل سکا۔ سب حضور سلطانی میں بھیجدیا گیا۔ عبدالخبیر خاں بھی گرفتار ہو کر حضور سلطانی میں پیش ہوا۔ اور سلطان نے اسے نظر بند کر

اس کے بعد جب سلطان قلعۂ دھاڑواڑ پر قبضہ کرنے کی غرض سے بڑھا۔ تو موسم بارش کی وجہ سے دریائے تنگبھدرا میں طغیانی آگئی۔ اور سلطانی فوج کو مجبوراً رک جانا پڑا۔ جب اقبال عروج پہ ہوتا ہے۔ تو اس وقت ناممکن کام بھی ممکنات میں سے ہو جاتے ہیں۔ اور ہر بگڑی ہوئی سنور جاتی ہے۔ سلطان نے کئی دن تک انتظار کیا۔ کہ دریا اتر جائے۔ مگر طغیانی کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ آخر سلطان نے حکم دیا کہ دریا میں اکیس گولے مارے جائیں اور کہا کہ "یہ بھی گویا ہمارے دشمن کا ہراول ہے۔ جو ہمارا راستہ روکے ہوئے ہے" قدرت الٰہی دیکھیے کہ گولے پھٹتے ہی دریا کا پانی کم ہونے لگا۔ اور دریا پایاب بن گیا۔ اس واقعہ کا اثر ایسا ہوا کہ تمام دیکھنے والے اور اہل فوج نے اس کو سلطان کی کرامت قرار دیا۔ اور اس کی فتح و نصرت کے نعرے لگائے۔ سلطان دریا پار ہو کر دھاڑواڑ کی طرف بڑھا۔

حسین علی خاں اور بہادر مرزا خاں کے ماتحت غازی خاں ولی محمد خاں کابلی ابراہیم خاں اور فاضل خاں سپہدار اپنی فوج لیکر بڑھے۔ اور دوسری طرف قادر خاں میر محمود اور امام خاں بڑھے یہ فوجیں کچھ اس طرح بڑھیں کہ مرہٹی فوج نرغے میں گھر گئی۔ اور سرداران مرہٹہ اپنی جانیں بچانے کیلئے اپنے اہل و عیال کو میدانِ جنگ ہی میں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اور جس وقت افواج سلطانی انہیں اسیر کر کے لائیں تو سلطان نے ازراہ کرم و مراحم خسروانہ ان سے نہایت عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا۔ اور بہت سے زر و جواہر دیکر انہیں پونا روانہ کر دیا۔ کہ وہاں جا کر صلح و آشتی کا پیغام دیں۔

شاہنور کا میدان جنگ

شاہنور کے گرد و نواح میں مرہٹوں اور نظام کی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ اور یہیں ایک فیصلہ کن

(شاہنور: - آج کل شانور کہا جاتا ہے۔ یہ ایک بالکل چھوٹی ریاست ہے۔ جو ہبلی، ورگدگ کے قریب ہے)"

جنگ کے خاتمہ پر ہری پنڈت کو اس کی جوانمردی کے صلہ میں کنجن گڈھ کا علاقہ بطور جاگیر دیدیا گیا۔

ہری پنڈت مرہٹی سپہ سالار تھا۔ اور اس جنگ میں سلطان کا مدمقابل رہا تھا۔ باوجود اس کے سلطان اپنے اس دشمن کی شجاعت اور جوانمردی کے کارناموں کو دیکھکر اس سے یہ سلوک کرتا ہے کہ صلح ہونے پر اس کو ایک بہت بڑی جاگیر بطور انعام دیدیتا ہے سلطان چونکہ خود نہایت بہادر تھا۔ اس لئے وہ بہادر دشمن کی بھی قدر کرتا تھا۔ تاریخ میں اس قسم کی رواداری کی مثالیں بہت مشکل سے ہی ملیں گی۔

مرہٹوں سے صلح کرنا گویا نظام علی خاں سے بھی صلح کرنا تھی، لہذا حیدرآباد سے بھی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطان مظفر و منصور نہایت شان و تزک سے ۱۷۸۷ء میں سرنگاپٹم واپس ہوا۔ راستے میں رائے درگ اور ہرپن ہلی کے پالیگاروں کو جو دوران جنگ میں دشمنوں سے مل گئے تھے، قید کرکے بنگلور بھیجدیا گیا۔

انتظام سلطنت

ان مہمات سے فارغ ہو کر سلطان مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوا۔ جہاں اس نے سلطنت کے انتظام پر توجہ کی معلوم ہوا کہ سلطان کی غیر موجودگی میں دیوان میر صادق نے خزانے میں دستبرد کی ہے اور رعایا اس کی سختی سے سخت نالاں ہے۔ سلطان نے بعد تحقیق میر صادق کو معزول کرکے مہدی علی خاں ناظمہ کو دیوان مقرر کیا۔ اور تمام سلطنت میں

عزم سلطانی

میدان شاہنور میں جو فتح کامل سلطانی فوج کو حاصل ہوی تھی اس سے سلطان کا دل بہت بڑھ گیا۔ اور کل فوج آگے بڑھنے کیلئے بےتاب تھی سلطان نے از سر نو فوجوں کو ترتیب دیکر ایک حصہ کو تسخیر حیدرآباد کیلئے اور دوسرے کو تسخیر پونا کیلئے نامزد کیا۔ اور خود اسی جگہ ضروریات جنگ مہیا کرنے اور کمک دینے کی غرض سے مقیم رہا۔ جب یہ خبر نظام الملک اور مرہٹوں کو ملی تو ان میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ کیونکہ برہان الدین نے بڑھکر جنکاپورا اور مصری کوٹہ پر قبضہ کر لیا۔ اور سید حمید و سید غفار نے منڈرگی درگ پر دھاوا بول دیا۔ وہ فوج جو خاص سلطان کے زیر کمان تھی۔ ہری پنڈت پھڑکیا کی فوج کی طرف بڑھی۔ جو کہ شاہنور کی جنگ میں پسپا ہوکر بہت فاصلہ پر مقیم تھی۔ سلطانی فوج شبخون مارتی ہوی رات کے وقت مرہٹی کیمپ میں داخل ہوگئی۔

راجہ ہولکر جو مرہٹی فوج کی پوری کمان پر تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اپنی حرم سرا چھوڑکر فرار ہوگیا۔ اسکے فرار ہوتے ہی فوج میں بھی بددلی پیدا ہوگئی۔ اور سب نے بھاگنا شروع کردیا۔ افواج سلطانی کے ہاتھ تمام خیمے مال و اسباب آیا۔ ہولکر کی حرم سرا اور دوسرے تمام سرداروں کی عورتیں اسیر ہوکر سلطان کے روبرو حاضر ہوئیں تو سلطان نے دوسری دفعہ ان عورتوں کو پالکیوں میں سوار کراکر نہایت عزت و آبرو کے ساتھ پونا روانہ کردیا۔ اس کا اثر دربار پونا پر نہایت ہی اچھا پڑا۔ تمام مرہٹی سردار جنگ سے عاجز آچکے تھے۔ اور ہولکر نے سب سے زیادہ صلح کرلینے کیلئے زور دیا۔ چنانچہ صلح کی گفت و شنید شروع ہوگئی۔

ہری پنڈت کی سفارش سے سلطان نے عبدالحکیم خاں کو دوبارہ شاہنور کی ریاست واپس دیدی۔

خلاف بغاوت ہو جاتی ہے۔

سرکشانِ ملیبار کی بغاوت

۱۷۸۹ء میں سلطان باوجود ملکی انتظام میں مشغول ہونے کے کالیکٹ کے باغی نائروں کی سرکوبی کیلئے نکلا۔ بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پس پردہ راجہ کوچین اور راجہ ٹراونکور کے ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ سلطان ان دونوں ممالک پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا۔ خیر خواہوں نے عرض کیا کہ راستہ ناہموار ہے۔ اور دریا درمیان میں حائل ہے۔ مگر سلطان نے اسی رات کی تاریکی میں صرف دو پلٹنیں اور دو ہزار سوار لیکر کوچین پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ لیکن مکار دشمنوں نے ازرہ فریب رات خاموشی سے بسر کر کے صبح ہونے سے پہلے دریا کے منبعوں کا منہ کھول دیا۔ جس سے کھاری اور چشمے لبریز ہو گئے۔ کمک یا واپسی کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ جس کے بعد انہوں نے چاروں طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اس معرکہ میں سلطان کے چار ہزار جری سپاہی کام آ گئے۔ سلطان بصد مشکل دریا عبور کرتا ہوا واپس ہوا۔ مگر سلطانی جلو داروں میں سے کوئی نہ بچ سکا۔ سلطان کی پالکی اور کٹار جو پالکی ہی میں تھی۔ دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی۔ پھر سلطان نے دریا پار ہو کر اپنی فوج کو جمع کر کے سپہ داروں کو عام حملہ کا حکم دیا۔ سلطانی سپاہ کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ صبح کو جو واقعات ہوئے تھے۔ ان کا دل کھول کر بدلہ لیا گیا۔ سلطان نے بصد شان و شوکت قلعہ میں داخل ہو کر سب مال و متاع اور تمام اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔

جب ان واقعات کی خبر مدراس پہونچی تو جنرل میڈوز جو پہلے سے سلطان کے خلاف تیاریوں میں مصروف تھا۔ اور میسور کی رانیوں کے ایجنٹ ٹرمل راؤ سے خط و کتابت

جدید نظم و نسق کی ایک روح پھونکی گئی۔ اس سال یعنے ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں جامع امور کے نام سے ایک یونیورسٹی قایم کی گئی۔ اور مسجد اعلےٰ کی بھی بنیاد رکھی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور ٹیپو سلطان

اس چار سال کے عرصہ میں یعنے ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۸ء تک، سلطان جب تک حیدرآباد اور مرہٹوں سے جنگ میں معروف رہا، ایسٹ انڈیا کمپنی خاموشی سے اپنی فوجی تنظیم میں لگی رہی۔ اس کو امید ہونے لگی کہ ان متواتر جنگوں سے سلطانی طاقت بالکل کمزور ہو جائیگی۔ لیکن جب سلطان اس جنگ میں بھی مظفر و منصور نکلا تو انگریزوں نے اس کو مہلت نہیں دینا چاہی وہ جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ اور اس کیلئے ان کو بہانہ کی تلاش تھی۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ ہے کہ امریکہ کے مقبوضات اسکے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اس لئے انہیں نئے مقبوضات کی تلاش تھی۔ جنوبی ہند انکے لئے ایک وسیع میدان تھا لیکن متواتر دو جنگوں میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے شکست کھانے کے بعد انہیں اپنی امیدیں منقطع ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ اس لئے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے اپنی ساری توجہ اس طرف مرکوز کر دی۔ اس نے مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز اور گورنر جنرل کے عہدہ کے لئے لارڈ کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ جنرل میڈوز ایک نہایت آزمودہ کار جنرل تھا اور اسی طرح لارڈ کارنوالس بھی۔ ان دونوں کا انتخاب اس لئے ہوا تھا۔ کہ ٹیپو سلطان سے ۱۷۸۴ء کی شکستوں کا بدلہ لیا جائے۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کو ہندوستان میں وسیع کیا جائے۔ جنرل میڈوز مدراس پہونچکر میسور کی رانی کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط و کتابت شروع کر دیتا ہے۔ اور موقع کا منتظر رہتا ہے کہ سلطان سے جنگ چھیڑ دیجائے۔ اور خوش قسمتی سے یہ موقع جلد حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنے ملیبار میں سلطان کے

سوار اور دو سّو سپاہی قید کر لئے گئے۔ یہ خبر پا کر جنرل میڈوز جو شکست کھا کر ستی منگل کی نواح میں تھا۔ کرنل میکسول کی امداد کیلئے بڑھا۔ اور دونوں فوجیں پتور گھاٹ پر مل گئیں۔ جن کے باعث افواج سلطانی کو بہت نقصان پہنچا۔ انگریزی فوج کشی کی جب خبر پہونچی تو سلطان نے رسالے اور توپ خانے لیکر بہ نفس نفیس انگریزی افواج کے سر پر پہنچا۔ اور جاتے ہی حملے کا حکم دیدیا۔ اس جنگ میں انگریزی فوج کو سخت شکست ہوی۔ اور انکا ناطقہ یہاں تک بند ہو گیا کہ وہ ترچنا پلی کی طرف فرار ہو گئی۔ لیکن سلطانی سپاہ نے آگے بڑھ کر ان کی راہ روک لی۔ اور چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی۔ اور اس دلیری وبہادری اور باقاعدہ معرکہ آرائی سے اپنا فن جنگ ظاہر کی کہ انگریز بھی لوہا مان گئے۔ قریب تھا کہ سلطانی فوج کو کامل فتح حاصل ہوتی۔ کہ رات ہونیکی وجہ سے جنگ موقوف ہو گئی رات ہی رات انگریزی سپہ سالار بہت سا سامان اور اسباب وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہوا۔ مگر سلطانی سواروں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ناگاہ ان حملوں میں میر برہان الدین کو گولی لگی۔ اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔ سپاہیوں نے انکی لاش کو فوراً پالکی میں رکھکر سلطان تک پہنچا دیا۔ سلطان اپنے ایک ایسے تجربہ کار اور جان نثار سپہ سالار کے مارے جانے سے بے اختیار رو پڑا۔ اور اس غم میں اپنی فوج کو انگریزوں کے تعاقب سے منع کر دیا۔ اگرچہ دوسرے سپہ سالار اور سپاہیوں نے بہت کچھ زور دیا۔ کہ جب کامل فتح اور دشمن کی پوری بربادی آنکھوں کے سامنے ہے تو ضرور تعاقب کرنا چاہئے۔ مگر سلطان نہ مانا۔ اس سے جنرل میڈوز کو غیر متوقع فرصت مل گئی۔ وہ اس کو غنیمت جانتے ہوئے اور دوسری آنے والی مصیبتوں کا خیال کرکے اپنی سپاہ لیکر مدراس بخیر وعافیت پہونچ گیا۔ مگر راستہ بھر سلطانی سپاہ اس کو پریشان کرتی رہی۔ ان واقعات کے دوران میں سلطانی

کیا ہوا تھا۔ بغیر اعلان جنگ کے سرحد سلطنت خداداد پر فوجیں بھیج دیتا ہے۔ سلطان کو جب اسکی اطلاع ملتی ہے تو وہ حیران رہجاتا ہے۔ کہ انگریز بغیر کسی وجہ کے اس سے کس لئے جنگ پر آمادہ ہیں؟۔ دریافت حالات کیلئے وہ جنرل میڈوز کو خط لکھتا ہے۔ اس خط کا مضمون اوراس کا جواب بورنگ اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۴۹ پر اس طرح لکھا ہے:۔

"دونوں حکومتوں کے درمیان اگر کوئی رنجش کی وجہ پیدا ہوگئی ہے تو باہمی مفاہمت سے معاملہ طے ہو سکتا ہے۔"

جنرل میڈوز نے جواب دیا کہ ٹراونکور حکومت مدراس کی حلیف ہے۔ اوراس کی سرحد پر جو واقعات ہو رہے ہیں۔ ان سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ اس جواب سے سلطان نے سمجھ لیا کہ انگریز جنگ پر آمادہ ہو گئے ہیں"۔

سلطان کو جب یہ جواب پہونچا تو اس نے بھی اپنی مدافعت کیلئے پائین گھاٹ کی طرف بڑھا۔ کہ انگریزی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ کوئمبتور اور ستی منگل کی نواح میں جنرل میڈوز کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جس میں سلطان فتحیاب ہوا۔ دوران جنگ جب انگریزی فوج کے خیمے لوٹے گئے تو اکثر مرد و عورت اسیر ہوئے۔ اوران میں کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جو خود کو مسلمان کہتی تھیں اور گوروں سے زنا کرتی تھیں سلطان نے ان کو قتل کرادیا۔

بنگالہ سے کرنل میکسویل کے ماتحت اور انگریزی فوج براہ سرکارس آکر تریاپور اور وانمباڑی پر قابض ہوچکی تھی۔ جب سلطان کو اسکی خبر پہونچی تو میر برہان الدین سپہ سالار کو مدافعت کیلئے روانہ کیا۔ اور خود ترنگر کی جانب بڑھا۔ برہان الدین اوراس کے ماتحت سپہ دار سید غفار نے کنڈلی پہنچکر انگریزی فوج پر حملے کئے اور ڈیڑھ سو

"فرانس والوں نے اس زرین موقع کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اس وقت جب سلطان کل جنوبی ہندوستان کے سیاہ و سفید کا مالک اور انگریز اس کے رحم پر تھے۔ اگر فرانس والے سلطان کی تائید کرتے تو ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی"

جب یہ خبریں لارڈ کارنوالس گورنر جنرل کو پہونچیں تو وہ انہیں واقعات کو بنائے جنگ قرار دیکر تیاری ہی میں مصروف ہوا سلطان نے جو کچھ کیا وہ اپنے ملک کی اندرونی بغاوتوں کے روکنے کیلئے کیا۔ لیکن انگریزوں نے بلا وجہ باغیوں کی حمایت کی۔ اور جب انہیں اور باغیوں دونوں کو شکست ہوئی۔ تو لارڈ کارنوالس نے باقاعدہ جنگ کی بنیاد ڈالدی۔ کہ کسی طرح سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑ دیا جائے۔

سلطان سے جنگ کرنے کیلئے انگریزوں کے پاس کوئی معقول وجہ نہیں تھے۔ لیکن ایک عرصہ سے نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو کی فتوحات انگریزوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹک رہی تھیں۔ اور گذشتہ شکستوں کا زخم ان کے سینوں میں اتنا گہرا تھا کہ وہ دن رات انتقام لینے کے درپے تھے۔ جب تنہا انگریز سلطان سے نبرد آزما نہ ہو سکے تو آخر کار نظام الملک اور مرہٹوں کو ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف "اتحاد ثلاثہ" قائم کر لیا گیا۔

ان حالات کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ مجملاً اس وقت کی تاریخ لکھ کر علیحدہ علیحدہ طور پر انگریز، فرانسیسی، نظام الملک اور مرہٹوں کے حالات دکھلائے جائیں والاجاہ نواب کرناٹک کے حالات کو اس لئے نظر انداز کیا گیا ہے کہ اس وقت وہ انگریزوں کے ہاتھ میں بالکل ایک کٹھ پتلی کی طرح تھا۔

سپاہ نے ستی منگل، جینجی اور کوہ پر ہوکل کو فتح کر لیا۔ اور بہت سے انگریزی عورت اور مرد جو اسیر ہوئے سرنگا پٹم بھجوا دئے گئے۔

اس جنگ کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۰ پر لکھتا ہے :-

"سلطان کے مقبوضات پر کامیاب حملہ کرنے کیلئے ضروری تھا کہ ضلع بارا محل اور درہ گجل ہٹی پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس خیال سے جنرل میڈوز نے کرنل میکسول کو کرشنا گری پر بھیجا جو ضلع کا صدر مقام تھا۔ لیکن ابھی میکسول کرشنا گری بھی نہیں پہونچا تھا کہ سلطان برق سرعت سے بڑھکر میکسول سے جنگ شروع کر دی۔ اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ دوسری جانب سے خود جنرل میڈوز کے ماتحت ایک انگریزی فوج آرہی ہے۔ ٹیپو جو ایک ماہر فن اور بہترین جنگی جنرل تھا۔ سمجھ گیا کہ وہ دو فوجوں کے نرغے میں پھنس جائیگا لہٰذا اپنی فوج لیکر پیچھے ہٹا۔ اور درہ تپار سے نکلکر اس آنے والی انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج نقصان اٹھا کر واپس ہوئی۔ یہاں سے سلطان دریائے کاویری کو عبور کر کے ترنا ملے اور پر ماکول پر بڑھا اور یہ مقامات اس کے قبضہ میں آگئے۔ یہاں سے وہ پانڈیچری پہونچکر فرنچ گورنر سے درخواست کی کہ اس کو چھ ہزار فرانسیسی سپاہیوں سے مدد دے، کہ انگریزوں کو ملک سے نکالدیا جائے۔ ٹیپو نے اس وقت یہ بھی وعدہ کیا کہ انگریزی مقبوضات فرانس والوں کے سپرد کر دئے جائیں گے۔ گورنر نے اس درخواست کو فرانس کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ لیکن لوئی شانزدہم نے انقلاب فرانس کے ڈر سے اس درخواست پر اس وقت توجہ نہیں دی۔"

ایک فرانسیسی مورخ بصد حسرت لکھتا ہے : کہ

بغاوتوں کے دوران میں اگر کسی کا ہاتھ تھا تو وہ نظام الملک کا ہاتھ تھا۔ وزرأ و امراء میں جو نااتفاقی تھی۔ وہ نظام الملک کی پھیلائی ہوئی تھی"۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی سلطنت کمزور ہو گئی۔ اور اس کمزوری سے دور دراز کے صوبہ داروں نے فائدہ اٹھا کر خود مختار بننا شروع کیا۔ باوجود اس افراتفری کے سلطنت میں ابھی دم خم باقی تھا۔ اور صرف شاہنشاہ مغلیہ کا نام اس امر کیلئے کافی تھا۔ کہ سرکش سے سرکش کو فوراً نیچا دکھا دے۔ چنانچہ جس وقت گجرات میں بغاوت ہوئی جو دراصل نظام الملک کی خفیہ سازشوں کا باعث تھی۔ تو شاہی فوجوں نے نہایت آسانی سے اس کو فرو کر دیا۔ مگر زمانہ مغلیہ شہنشاہ ہند کی اس ہیبت و صولت کو بھی مٹانے پر آمادہ تھا۔ اور وہ وقت ۱۷۳۹ء میں آ گیا۔ جبکہ نادر شاہ ایک طوفانِ بلا کی طرح ہندوستان میں آ کر دہلی لوٹتا۔ اور شہنشاہانِ ہند کی عظمت و صولت کو پیوند خاک کر دیا۔ اب صرف یہ معمہ رہ گیا ہے۔ کہ آیا نادر شاہ خود بخود ہندوستان میں آیا یا اس کو کسی نے آنے کیلئے ابھارا۔

اگر نادر شاہ طمع سلطنت لئے ہوئے آتا تو اس کیلئے یہ مشکل نہ تھا کہ ہندوستان میں سریر آرا ہو کر تاج ہندوستان سر پر رکھے۔ بجائے اس کے تاریخ پتہ دیتی ہے۔ کہ وہ لوٹ و غارتگری کر کے ہندوستان سے واپس ہو گیا۔

مصنف سیر المتاخرین اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"نادر شاہ کو افغانوں سے شکایت تھی۔ اور اس کو رفع کرنے کیلئے اس نے اپنا ایک ایلچی دربار دہلی میں روانہ کیا۔ جس وقت ایلچی دربار دہلی میں پہونچا تو امرائے سلطنت نے بھانپ لیا کہ اسکی تہ میں نظام الملک کا ہاتھ ہے۔ اور خصوصاً ذکریا خان کا جو کابل میں وائسرائے اور نظام الملک کا رشتہ دار تھا"۔

حیدر آباد

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنت مغلیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ اور ہر جگہ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر مختلف صوبہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھے۔ ان صوبہ داروں میں جو دو ممتاز ہستیاں نظر آتی ہیں وہ ایک تو صوبہ دار اودھ کی ہے اور دوسری نظام الملک آصفجاہ اول حیدرآباد کی ہے اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے جانشین اس دل ودماغ کے نہیں تھے جو سلطنت کو قابو میں رکھ سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمام سلطنت وزراء کے ہاتھ میں آگئی۔ اور شہنشاہ برائے نام رہ گئے۔ ان وزراء میں عبداللہ خان اور حسین علیخاں دو بھائی تاریخ میں خاص طور پر مشہور رہیں۔ بلکہ دراصل یہ دونوں بھائی تاریخ میں (کنگ میکرس) بادشاہ ساز مشہور رہیں۔ جس کو چاہتے تخت پر بٹھاتے۔ اور جس کو چاہتے معزول کر دیتے تھے (باوجود اسکے تاریخ اس کا ثبوت نہیں دیتی کہ وہ سلطنت کے دشمن یا بدخواہ تھے) یہ لازمی بات تھی کہ جب وزراء میں سے دو طاقت پکڑ لیں۔ تو دوسرے امراء و وزراء انہیں رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی دہلی میں ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے دہلی میں سازشوں کا بازار گرم ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھائی تو قید ہوگیا۔ اور دوسرا شہید کردیا گیا۔ اور یہی وہ تاریخ ہے کہ اس دن سلطنت مغلیہ کے زوال پر جیسے تصدیق ثبت ہوگئی۔

رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا میں میجر اکثر باسو مورخ صفحہ ۲۵۱ پر لکھتا ہے:۔

"اگر زوال سلطنت مغلیہ کی گھتی کو سلجھایا جائے تو نظر آتا ہے کہ ان دونوں،

مرہٹے

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے اسباب میں جہاں نظام الملک کا ہاتھ ہے وہاں مرہٹوں نے بھی کچھ کم کام نہیں کیا۔ اورنگ زیب کے زمانے ہی میں مرہٹے دکن میں طاقت پکڑ چکے تھے۔ اور اب جبکہ سلطنتِ دہلی پر انقلاب آرہے تھے۔ تو انہوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگر صوبہ دار دکن مغلیہ سلطنت کا وفادار ہوتا۔ تو مرہٹوں کو کبھی وہ عروج حاصل نہ ہوتا جو انہیں حاصل ہو کر رہا۔ مگر اسکے عوض صوبہ دار دکن نے اپنے اغراض و مقاصد کی حصول کیلئے یہی مناسب جانا کہ مرہٹوں کو اور حوصلہ دلائے۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں :-

"نظام الملک نے اپنے چچا حمید خاں کو شہنشاہ سے بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ اور مشورہ دیا کہ سیواجی اور کنتاجی مرہٹہ سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے"۔

پھر باجی راؤ پیشوا کے زمانہ میں شمالی ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب جس شخص نے مرہٹوں کو دی۔ وہ نظام الملک ہی تھا۔

مصنف سیر المتاخرین لکھتے ہیں :-

"نظام الملک نے باجی راؤ کے آگے تجویز پیش کی کہ مالوہ اور گجرات فتح کر لے یا کم از کم انہیں ایسا اجاڑ دے کہ وہ صوبے دشمن (سلطنت مغلیہ) کے کسی کام کے نہ رہیں باجی راؤ اور دوسرے مرہٹہ سرداروں نے اس تجویز پر عمل کرنے کیلئے فوراً ایک زبردست فوج تیار کی اور گجرات و مالوہ پر چڑھائی کر دی"۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ نظام الملک نے جو خود ایک زبردست سلطنت کی بنیاد

قطع نظر اس سے اگر اس کو دیکھا جائے کہ جس وقت نادر شاہ ہندوستان پہونچ گیا تو دربار دہلی سے نظام الملک اور خان دوران کو حکم ملا کہ اپنی فوجیں بڑھا کر نادر شاہ کو روکیں۔ صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک اور خان دوران نے شہر میں جانے کی خبر مشہور کر کے وقت گنوانا شروع کر دیا۔ اور ہر روز نئے حیلے تراشنا شروع کر دیا"

اور پھر جس وقت دہلی پر حملہ ہوا تو سعادت خاں صوبہ دار اودھ جو اپنی فوجوں سمیت شہنشاہ ہند کی حمایت کر رہا تھا۔ نظام الملک سے امداد مانگی۔ نظام الملک نے اس وقت جواب دیا۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"اب شام کا وقت قریب ہے۔ اب وقت ہے کہ شہنشاہ سعادت خاں کی فوج کو آرام لینے کا حکم دے۔ کل صبح تمام فوج کو اکٹھا کر کے دشمن سے مقابلہ کیا جائے"

اسلئے اب اس تشریح کی ضرورت نہیں کہ نظام الملک سعادت خاں کی امداد کو گیا یا نہیں دہلی پر جو گذرنا تھا۔ گذرا۔ اور اس میں نظام الملک کا کہاں تک ہاتھ تھا اس کے متعلق مورخ یاسو لکھتا ہے:۔

"دہلی کی تباہی میں نظام الملک کا ہاتھ تھا"

ادھر نادر شاہ ہندوستان سے واپس ہوا۔ اور ادھر نظام الملک اپنے بھائی غیاث الدین کو وزارت پر چھوڑ کر دکن واپس آیا۔ اورنگ آباد سے پایۂ تخت حیدر آباد کو بدل دیا گیا۔ جہاں وہ اپنی سلطنت کو وسعت دینے اور زبردست بنانے میں منہمک ہوگیا۔ مگر جو طاقت کہ اسکے سد راہ تھی۔ وہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت تھی۔

انگریز اور فرانسیسی

تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں قومیں کس غرض سے ہندوستان آئیں۔ اور کس طرح انگریزوں نے فرانسیسیوں کو شکست دیکر رفتہ رفتہ ملکی معاملات میں دخل دیتے ہوئے بنگالہ اودھ اور سرکاروں پر قابض ہو گئے۔ اگر میر قاسم و میر جعفر کا وجود بنگالہ میں نہ ہوتا تو شاید انگریزوں کے قدم بھی بطور حکمران ہندوستان میں نہ جمتے۔ بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ دراصل یہ میر ہی تھے۔ جنہوں نے ہندوستان کو غلامی کا طوق پہنا دیا۔ اور آپ بھی غلام بنکر رہگئے۔ اگر تاریخ ہند بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شمالی ہند میں میر جعفر و میر قاسم۔ حیدر آباد میں میر عالم اور میسور میں میر صادق و میر غلام علی لنگڑا ایک ہی وقت میں ایسی ہستیاں تھیں۔ جنہوں نے ہندوستان کی سلطنتوں کو برباد کرکے رکھدیا۔

انگریز تو ہندوستان میں محض تجارت کی غرض سے آئے۔ مگر مواقع ایسے پیش آئے کہ وہ بنیاد حکومت ہی رکھ چکے۔ وارن ہیسٹنگس اور لارڈ کلایو نے بنگالہ میں جو کچھ کیا۔ اور جس طرح بنگالہ اور اودھ انگریزوں کے قبضہ میں آگئے۔ محتاج تشریح نہیں۔ فرانسیسی بھی انگریزوں کی طرح ہندوستان میں تجارت کیلئے آئے۔ مگر قسمت نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور انگریز اپنی پالیسی میں کامیاب ہوگئے۔

ہندوستان کی مجمل تاریخ ہم لکھ چکے ہیں۔ اب صرف یہ بتلانا باقی ہے۔ کہ سلطنت خداداد میسور کو اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ بھی ہم دکھا چکے ہیں کہ سلطنت مغلیہ کے زوال سے جو طاقت فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ حیدر آباد دکن کی ریاست تھی۔ مگر اسکی راہ میں جو چیز حائل ہوگئی۔ وہ خود نظام الملک اول کی پالیسی کا نتیجہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت

رکھنا چاہتا تھا۔ مرہٹوں سے ساز بازکیوں کی؟ اس کا جواب صرف یہی ہے ۔ کہ :۔
نظام الملک موقع کا منتظر تھا۔ اس کو نہ سلطنت مغلیہ سے ہمدردی تھی ۔ اور نہ مرہٹوں سے ۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ دونوں حریف لڑکر کمزور ہوجائیں تو خود طاقت حاصل کرلے۔ مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مرہٹے گجرات و مالوہ پر قبضہ کرکے کُل ہندوستان پر چھا گئے۔ اور ان کی طاقت یہاں تک زبردست ہوگئی تھی کہ نظام الملک کی سلطنت ان کے رحم پر منحصر ہوگئی۔ اگر ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی میدان پانی پت میں انہیں شکست نہ دیتا۔ تو ہندوستان پر انہیں کی حکومت ہوتی۔ اور حیدرآباد کا نام و نشان بھی مٹ گیا ہوتا۔ مگر باوجود اس شکست فاش کے یہ قوم پھر اپنی گم شدہ عظمت حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھی۔ اور کُل ہندوستان ان کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔

۱۷۶۱ء ہندوستان کی تاریخ میں وہ انقلاب انگیز سنہ ہے۔ جب ہندوستان پر بہت سے انقلابات آئے۔ مرہٹی طاقت جو ہندوستان میں کوس لمن الملک بجارہی تھی میدانِ پانی پت میں دفن ہوگئی۔ اور نئی نئی طاقتیں ہوس ملک گیری لیکر منصۂ شہود پر آئیں۔ مرہٹوں کی طاقت اگرچہ ٹوٹ گئی تھی۔ مگر ان میں اب بھی ہوس ملک گیری برابر قایم تھی۔ حیدرآباد میں آصف جاہ نظام الملک کا انتقال ۱۷۴۸ء میں ہوچکا تھا۔ اس کے بعد حیدرآباد خود بھائیوں کی ہوس کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ جنوب میں حیدر علی کی نئی طاقت ابھر رہی تھی۔ دوسری طرف انگریز اور فرانیسی ملک پر قبضہ جمانے کیلئے دست بگریباں تھے۔ اس لئے اس موقع پر ان دونوں قوموں کی مختصر تاریخی حالات کا لکھنا تسلسل قایم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔

نظام الملک اور مرہٹوں میں اتفاق ہو گیا۔ اور دراصل یہی وجہ ہے کہ ہم شروع سے اخیر تک سلطنت خداداد کے خلاف ان ہر دو طاقتوں کو متحد و متفق دیکھتے ہیں۔

مرہٹوں کو خراج کی ضرورت تھی۔ وہ صرف اپنی سیادت منوانا چاہتے تھے۔ مگر نظام الملک کے خیال میں سلطنتِ خداداد سنگ راہ تھی۔ اس لئے ہر سازش و ہر جنگ کی ابتدا نظام الملک سے ہوئی۔ نواب حیدر علی کے بعد ٹیپو سلطان کے عہد سلطنت میں بھی نظام الملک ہی کا نام آ رہا ہے (نظام الملک کی ایک آرزو تو پوری ہو گئی کہ سلطنتِ خداداد مٹ گئی۔ مگر دوسری آرزو کی حسرت رہ گئی۔ بلکہ خود حیدر آباد کی سلطنت اسی نظام کے حین حیات میں انگریزوں کی باجگزار بن کر رہ گئی) گذشتہ اوراق میں ہم بتلا چکے ہیں کہ تخت نشینی کے بعد ہی ٹیپو سلطان کو نظام الملک اور مرہٹوں سے جنگ پیش آئی۔ جن میں سلطان مظفر و منصور ہو کر نکلا۔

یہ ہم بتلا چکے ہیں کہ کس طرح انگریز ہر دفعہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے مقابلے میں ناکامیاب رہے۔ مگر ان کی سلطنت بنگالہ و اودھ میں مستقل ہو چکی تھی۔ جنوبی ہند میں نظام الملک اور محمد علی والاجاہ نواب کرناٹک ان کے بندۂ بے دام بن گئے تھے لہٰذا قدرتی طور پر انگریزوں کو بھی ہندوستان کی اس افراتفری اور نفاق سے فائدہ اٹھا کر سلطنت کی بنیاد رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ انگریزوں کی دُور بین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ مرہٹے اور نظام الملک میں کس قدر بل اور طاقت ہے۔ اس لئے انکے راستے میں جو شئے سدِ راہ تھی۔ وہ یہی سلطنت خداداد تھی۔ جس کے مٹانے پر یہ بھی تُل گئے۔ اور میسور کے ان جنگوں کی بنیاد پڑی۔ جس کو تاریخ میں میسور کی پہلی، دوسری، تیسری، اور چوتھی جنگ کہا جاتا ہے۔ ان میں دو تو حیدر علی کے زمانہ میں اور دو ٹیپو سلطان

تھی جس کے سیلاب کو روکنا اس کیلئے اب مشکل ہو گیا تھا۔ نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدرآباد خانہ جنگیوں میں پھنس گیا سنہ ۱۷۶۱ء میں مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور نظام الملک نظام علیخاں مسند آرائے دکن ہوا۔ اور یہ بھی وہی شہنشاہیت ہند کا سودا سر میں لیکر آیا۔ جو نظام الملک اول لیکر آئے تھے۔ انگریز اور فرانسیسی تاجر تھے۔ سات سمندر پار سے آئے ہوئے تھے۔ نظام علیخاں کے خیال میں وہ مستقل بود و باش اور حکمرانی کیلئے نہیں آئے تھے۔ انکی فوجیں زیادہ تر ہندوستانی تھیں۔ جو شہنشاہِ ہند کے جھنڈے تلے بوقت ضرورت آسانی سے لائی جاسکتی ہیں۔ اس لئے اس نے اپنی زیادہ تر توجہ ان نئی ابھرنے والی طاقتوں پر مرکوز کر دی۔ جو اس کے خیال میں شہنشاہیت ہند کے راستے میں سدِ راہ ہونے والی تھیں۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے اسکی نظر انتخاب انگریزوں اور مرہٹوں پر پڑی۔ اول الذکر یہاں کے رہنے والے نہیں تھے۔ اور موخر الذکر کی طاقت آسانی آسانی سے مٹائی جاسکتی تھی۔ کیونکہ ہندوستان کے کل مسلمانوں سے امداد مل سکتی تھی۔ اور ایران و افغانستان سے بھی تائید کی توقع تھی۔ اس لئے نظام الملک مرہٹوں اور انگریزوں سے مل گیا کہ نئی طاقت کو ابھرنے نہ دے۔

اگر بساطِ ہند پر ٹیپو سے مہرے نہ آتے، اور اس اسلامی سلطنت خداداد کی بنیاد نہ پڑتی تو یقینی ہے کہ سرزمین دکن کی تاریخ حیدرآباد اور مرہٹوں کی جنگ سے پُر ہوتی۔ کیونکہ جہاں نظام الملک ہندوستان کی شہنشاہیت کے خواب دیکھ رہا تھا وہاں مرہٹے بھی سیادتِ ہند کیلئے بے تاب تھے۔ جس طرح سلطنت خداداد کی بنیاد نظام الملک کو کھٹک رہی تھی۔ اسی طرح مرہٹے بھی اس نوزائیدہ سلطنت کو مٹانے کے لئے آمادہ تھے۔ اور چونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ لازمی طور پر دونوں میں لینے

نام کی ہیبت ہندوستان سے نکل کر انگلستان میں پہونچ چکی تھی۔ انگریزی مائیں اپنے بچوں کو ٹیپو کے نام سے ڈراتی تھیں۔ ہندوستان میں جو انگریز مقیم تھے۔ وہ ان شکستوں کی ندامت سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ جو گذشتہ جنگوں میں ٹیپو سلطان کے ہاتھوں انہیں ملی تھیں۔ کارنوالس ہندوستان میں آیا۔ اور انگریزی طاقت کو مستحکم بنانے میں مصروف ہو گیا۔ سب سے پہلے سلطنت اودھ پر اس کی نظر پڑی۔ اودھ کو کامل طور پر مطیع کر لینے کے بعد نظام الملک کی طرف متوجہ ہوا۔ اور سرکار س پر قبضہ کر لیا۔ جس طریقہ پر کارنوالس نے سرکار س پر قبضہ کیا۔ مورخ مِل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"کارنوالس کو نظام الملک کی طاقت آزمانا تھی۔ اس لئے اس نے بجائے صاف اور سیدھے طریقے پر سرکار س کی حوالگی کا مطالبہ کرنے کے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کیپٹن کینا وے (جو بطور سفیر حیدرآباد جا رہا تھا) کے حیدرآباد پہونچنے تک سرکار س کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ اور جب کینا وے حیدرآباد پہونچ جائے تو مدراس کی ایک فوج نواح سرکار س میں اس طرح بھیجے کہ نظام کو شبہ نہ ہو۔ اور جب موقع آئے تو فوراً ان قلعوں پر اس طرح قابض ہو جائے کہ کسی دوسرے کو مزاحمت کرنے کا موقع حاصل نہ ہو۔"

اس طریقہ پر عمل کیا گیا۔ نظام الملک پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کو تو انگریزوں کی دوستی کی ضرورت تھی۔ اس وسیع قطعہ کو اس طرح ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر بھی ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلا۔ اور اس طرح ضلع گنجام، اسحاق پٹن، گوداوری، کرشنا اور گنٹور کے اضلاع انگریزوں کے ہاتھ آ گئے۔ اس طرح جب کارنوالس کا مقصد پورا ہو گیا۔ اور اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ نظام الملک

کے عہد سلطنت میں ہوئیں۔ اب جس جنگ کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ میسور کی تیسری جنگ ہے۔

لارڈ کارنوالس

وارن ہیسٹنگس گورنر جنرل کی کارستانیوں نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں مضبوطی کے ساتھ جمادیئے تھے۔ اور انکی سلطنت کی بنیاد بنگالہ و کرناٹک میں پڑ چکی تھی۔ اس لئے قدرتاً انگلستان میں ہندوستان سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اسی زمانہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ انگلستان سے باغی ہوکر آزاد ہوگئے تھے۔ اور سلطنت انگلستان کو ان کا نعم البدل پیدا کرنیکی فکر تھی۔ جس شخص نے ریاستہای متحدہ امریکہ کو کھویا تھا۔ وہ تیرے لارڈ کارنوالس ہی تھا اور اسی لئے اہل برطانیہ کی نظروں میں اس کا وقار اب بالکل زائل ہوگیا تھا۔ انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے ہیسٹنگس کے بعد اسی شخص یعنے لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کی گورنر جنرلی کے لئے منتخب کیا۔ کہ وہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت قایم کرکے امریکہ کا داغ بدنامی دھولے۔ نیز مسٹر پٹ انگریزی مقبوضات کے وسیع کرنے کیلئے حد درجہ بیتاب تھا۔

لارڈ کارنوالس کو بھی اب اپنی گذشتہ بدنامی کی تلافی اور آئندہ شہرت کی فکر تھی۔ اس لئے جس وقت وہ گورنر جنرل کی سند حاصل کر چکا۔ تو سب سے پہلے اسکی نظر ٹیپو سلطان پر اٹھی۔ کہ اگر کسی طرح ٹیپو سلطان کو نیچا دکھا دیا جائے۔ تو پھر ہندوستان انگریزوں کا ہوکر رہیگا۔ یہی وہ ارادہ تھا۔ جس کو لارڈ کارنوالس اپنے دل میں لیکر ساحل ہندوستان پر قدم رکھا۔ اور اسی زمانہ میں جنرل میڈوز بھی مدراس کا گورنر ہوکر آیا۔ جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

لارڈ کارنوالس ۱۷۸۶ء میں گورنر جنرل ہوا۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ ٹیپو سلطان کے

ٹیپو سلطان کا نام عمداً نظر انداز کرنے میں کارنوالس حق بجانب نہیں تھا۔ کیونکہ عہد نامۂ منگلور کی رو سے ٹیپو سلطان بھی انگریزوں کا ایک دوست ہو گیا تھا"

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے:۔

"کارنوالس جیسے سیاست داں اور انصاف پسند شخص سے یہ امید نہ تھی کہ اس طرح وہ بدعہدی کریگا۔ کارنوالس نے مدراس گورنمنٹ کو فوجوں کی تیاری کا حکم دیا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ مدراس میں اس وقت مسٹر ہالینڈ گورنر تھا جس نے جواب میں لکھا کہ ٹیپو سلطان کا ہماری حکومت سے جنگ کرنے یا عہدنامے توڑنے کا کوئی خیال نہیں۔ مسٹر ہالینڈ گورنر مدراس کو استعفٰی دینے پر مجبور کیا گیا اور ٹراونکور کا بہانہ جنگ کرنے کیلئے اختیار کیا گیا"

آگے چلکر یہی کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان جنگ کے لئے تیار نہ تھا۔ اور اس نے اس امر کا یقین بھی دلایا کہ اس کا ارادہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کا نہیں ہے"

کارنوالس بنگالہ میں تھا۔ لہٰذا مدراس کی گورنمنٹ اس سے بہتر جان سکتی تھی کہ حقیقت میں ٹیپو سلطان ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یا نہیں۔ مدراس کے گورنر مسٹر ہالینڈ کو اسی بنا پر مستعفی ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اور اس کی جگہ جنرل میڈوز مدراس کا گورنر مقرر کیا گیا۔ کیونکہ وہ کارنوالس کے خیالات کا مدد و معاون تھا۔

اس جنگ کی ابتدا کرنے میں لارڈ کارنوالس کس قدر حق پر تھا۔ اس کا فیصلہ خود اس کا وہ خط کر رہا ہے۔ جو اس نے مدراس کے گورنر کو لکھا:۔

"اس ملک میں ہماری شہرت و عظمت کو قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ٹیپو سلطان

میں کتنی طاقت ہے تو اس نے مناسب خیال کیا کہ ٹیپو سلطان سے زور آزمائی کی جائے۔ جنگ کی ابتدا کیلئے کوئی ایک بہانہ چاہیئے تھا۔ اور کارنوالس کو بہانے کا ڈھونڈھ لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ آخرکار ٹیپو سلطان کے خلاف اس بہانے سے لڑائی چھیڑی گئی کہ سلطان راجہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ جو انگریزوں کا حلیف تھا۔

گذشتہ صفحات میں بتلایا جا چکا ہے کہ جنرل میڈوز (گورنر مدراس) نے اسی بہانے سے جنگ چھیڑ دی تھی، اور شکستیں اٹھا رہا تھا۔ کارنوالس نے دیکھا کہ میڈوز جیسا تجربہ کار جنرل جب ٹیپو سلطان سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ تو ایسٹ انڈیا کمپنی اگر اپنی پوری طاقت بھی خرچ کر دے تو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس نے نظام الملک اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لیا۔ اور سلطان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جن کا بیان اگلے صفحات پر ہوگا۔ "زوال سلطنت خداداد کے اسباب" میں ان سازشوں پر مفصل بحث کی گئی ہے (محمود)

سلطنت خداداد سے انگریزوں کی تیسری جنگ کے اسباب

انگریز اس جنگ کی ابتدا کئے۔ اور وہ اس میں کہاں تک حق بجانب تھے۔

تاریخ اس کا جواب دیتی ہے۔

سر جان مالکم جو کارنوالس کا مداح ہے، لکھتا ہے:۔

"کارنوالس نے، اس عہد نامہ کو نظر انداز کر دیا۔ جو ۱۷۸۴ء میں منگلور میں ٹیپو سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں ہوا تھا۔ اسکے عوض اس نے اس عہد نامہ کو مستند قرار دیا جو ۱۷۶۸ء میں ہوا تھا۔ جس کی رو سے نظام الملک، مرہٹے، سرکار و نوابان اودھ و ارکاٹ اور راجگان تانجور و ٹراونکور ایک دوسرے کے حلیف قرار پاتے تھے۔

یہی لارڈ جو صلح جوئی کیلئے مشہور ہے۔ مسٹر مالٹ رزیڈنٹ پونا کو لکھتا ہے:۔

" ہمارے مفاد کیلئے ٹیپو سلطان سے جنگ اٹل ہے۔ اس لئے اس موقع پر مرہٹوں کی امداد اور تعاون حاصل کرنا نہایت ضروری ہے "۔

مسٹر مالٹ نے دربار پونا کو انگریزوں سے موافقت کرنے میں جو کچھ کیا۔ وہ مرہٹی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر اس کی اور نارسٹر کی سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹے انگریزوں سے متفق ہو گئے۔ اور ان میں باہم ایک عہدنامہ ہوا۔

سنکلیر اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۰۰ پر لکھتا ہے:۔

" دول ثلاثہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا ایک عہدنامہ ہوا۔ کہ ٹیپو سلطان کی روز افزوں طاقت کو مٹا دیا جائے۔ اور اس کا ملک انگریز، نظام اور مرہٹوں میں تقسیم کر لیا جائے "۔

عہدنامہ مکمل ہوتے ہی لارڈ کارنوالس جنوری ۱۷۹۱ء میں مدراس آتا ہے۔ اور ایک ہی مہینے کے اندر اس کی فوجیں اعلان جنگ کئے بغیر خفیہ طور پر مملکت میسور میں داخل ہو کر بنگلور پر حملہ کرتی ہیں۔ اور اس کی فتح کے بعد سرنگاپٹم پر بڑھتی ہیں۔

سازشوں کا جال

حملہ کرنے سے پیشتر انگریزوں کیلئے ضروری تھا کہ جہاں انہوں نے ملک کی مختلف طاقتوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اسی طرح سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشوں کا بازار گرم کر دیں۔ تاکہ سلطان کو انگریزوں کی نقل و حرکت کا پتہ نہ لگے۔ اور بخلاف اس کے سلطان کی ہر حرکت سے وہ مطلع ہو جائیں۔ اس کام کیلئے کرنل ریڈ کو مامور کیا گیا۔ جس نے آمبور کو اپنے مستقر قرار دے کر ریشہ دوانی شروع کر دی۔ سب سے پہلے کرنل ریڈ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا جو سلطنت خداداد

سے نبرد آزما ہوں ۔ اور نہ صرف نبرد آزما ہوں . بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ٹیپو سلطان کی طاقت کو مٹا دینا چاہیئے . موجودہ وقت سے بڑھکر اچھا وقت ہمیں نہیں مل سکتا . جبکہ ملک کی دوسری تمام طاقتیں ہماری امداد پر آمادہ ہیں . . اگر ٹیپو سلطان کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے . اور فرانس والے اس قابل ہو جائیں کہ اسکی کمک کر سکیں تو ہمیں ہندوستان کو خیرباد کہنا پڑیگا . (جیمس مل)

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں :-

"سنہ۱۷۹۰ء میں جس وقت سلطانی فوج نے تمام بائیں گھاٹ کو مسخر کر لیا . اور انگریزی فوج مدراس میں جہازوں کی پناہ میں آگئی . تو تمام ملک کرناٹک کو ٹیپو سلطان کے قبضہ میں جاتا ہوا دیکھ کر حیدرآباد کے وزیر اعظم مشیر الملک نے ابو قاسم خاں عرف میر عالم کو کلکتہ بھیجا . کہ گورنر جنرل کو سلطان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے "

کارنوالس نے سازش شروع کی . نظام الملک اس کے ساتھ مل گیا . کارنوالس کو خوف تھا کہ کہیں ناگپور کا راجہ بھونسلے اسکے سدِ راہ نہ ہو جائے . اس لئے اس نے خفیہ طور پر مسٹر جارج فارسٹر کو بھونسلے اور مرہٹوں کا ارادہ دریافت کرنے ناگپور بھیجا . اس وقت مرہٹے ٹیپو سلطان سے بغیر کسی وجہ کے جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھے . لارڈ کارنوالس اپنے اس افسر کو لکھتا ہے :-

"اگر مرہٹے اس جنگ میں ہمارے ساتھ شامل ہونا نہیں چاہتے تو کوئی راہ ایسی اختیار کی جائے . جس کی بنا پر وہ ہم سے مل جائیں "

جارج فارسٹر نے کوشش کی اور مرہٹوں کو اپنی طرف ملانے میں کامیاب ہو گیا

جنگ کا آغاز

نظام علی خاں چالیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل لیکر اپنے امراء اور دونوں فرزند عالی جاہ اور سکندر جاہ کے ساتھ حیدرآباد سے کوچ کر کے آنیگل میں خیمہ زن ہوا۔ اور اپنے امیروں کو فوج دیکر ممالک محروسہ سلطانی کی تسخیر کے لئے روانہ کیا اور لارڈ کارنوالس اپنی انگریزی فوج لیکر موگلی گھاٹ اور وینکٹ گری کو عبور کر کے ملبا گل، کولار، ہوسکوٹہ میں چوکیاں قایم کرتا ہوا سیدھا کرشنا راج پور پہونچا۔ جو بنگلور سے صرف تین کوس ہے۔

سازش کا آہنی جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ نامی وزراء اور امراء اس میں شریک تھے۔ اس لئے سلطان کو اسکی خبر اس وقت ہوی۔ جبکہ انگریزی افواج بنگلور میں داخل ہوگئیں۔

سلطان سرنگاپٹم سے نکلکر نواح تنگی میں مقیم ہوا۔ اس وقت انگریزی افواج بنگلور سے تین میل پر تھیں۔ سلطان نے سید حمید سپہ سالار کو قلعۂ بنگلور کی حفاظت کیلئے روانہ کیا اور شیخ انصر، محمد خاں بخشی اور بہادر خاں قندھاری کو قلعہ داری کی خدمت پر چھوڑا۔ یہاں ہنوز سب خیمے نصب نہ ہونے تھے۔ اور چار پلٹن اسد اللہی اور خاص اصطبل کے تین ہزار سوار چاروں طرف سے سواری کو گھیرے ہوئے تھے، کہ انگریزی فوج کے ایک دستہ نے کرنل فلائڈ کی ماتحتی میں سلطان پر حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں سلطانی توپخانہ نے انگریزی لشکر پر گولے برسانا شروع کر دئے۔ جس سے انگریزی فوج کو سخت نقصان پہونچا۔ اور خود کرنل فلائڈ بھی زخمی ہوگیا۔ انگریزی فوج میدان سے فرار ہوگئی سلطانی سپاہ نے چار سو انگریزی سپاہیوں کو مع گھوڑوں کے اسیر کر لیا۔

ناراض ہو کر کرناٹک میں مقیم تھے۔ ان میں کنگنڈی کیم بہترے، کرور، چاک بالاپور، وینکٹ گری، کھنگو میر، بیگن پلی، پنگنور، مدن پلی، آنیکل، انکوس گری کے پالیگاروں کے علاوہ پنکنڈہ کا راجہ اور چیل نایک بھی تھے۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ اگر ملک پر قبضہ ہو جائے تو ان کی ریاستیں انہیں واپس دیدی جائیں گی۔ لہٰذا وہ ملک میں جا کر اپنے اپنے مقامات سے خفیہ طور پر حالات معلوم کرائیں۔ اور وقت ضرورت انگریزی فوج کے لئے رسد مہیا کریں۔

سلطانی سرداروں کو اپنی طرف ملانے کے لئے سیم و زر کی تھیلیوں کے منہ کھولدئے گئے۔ چونکہ سرحد پار کوئی شخص بغیر سلطانی اجازت کے گذر نہیں سکتا تھا۔ یہ پالیگار تاجروں کا بھیس بدل کر اپنے اپنے مقامات کو گئے۔ تمام ملک میں سازش کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا۔ کیونکہ طمع وزر کی ہوس میں سلطان کے امراء و وزراء نے بھی کرنل ریڈ کو اطلاعات بہم پہنچانی شروع کردیں۔ سید آمام جو دارالسلطنت میں مقیم تھا۔ خاص طور پر دارالسلطنت اور سلطان کی نقل و حرکت سے انگریزوں کو مطلع کرتا تھا۔ حسن اتفاق سے اس کی اطلاع سلطان کو مل گئی۔ اور جب اس سازش کا حال معلوم ہوا تو علاوہ اوروں کے لال خاں بخشی پنگنور، میر ندر علی موکب دار اور اس کا بھائی اسمٰعیل خاں رسالدار پکڑے لئے گئے۔ سلطان نے ان تمام کو سزائے موت دی۔ اور آغام الدین باشندۂ کولار فرار ہو کر بچ نکلا۔ جب ان لوگوں کو سزائے موت ملی تو کرنل ریڈ کی ترکش میں ابھی چند تیر اور باقی تھے۔ اس کی قابلیت نے نئے جاسوس اور پیدا کرلئے۔

قبضہ کر لیا۔ چک بالاپور کا علاقہ سالانہ ایک لاکھ روپیہ پیش کش کے عوض اسکے وارث اولین رام سوامی گوڑھ کو دیا گیا۔ اس سے کارنوالس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے قدیم خاندانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جائے۔ چک بالاپور سے کارنوالس ننباجی درگ کی طرف بڑھا۔ راجہ رام سوامی گوڑھ نے جب اپنی قدیم دولت کو آتے دیکھا۔ تو ملک میں سلطان کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانا شروع کر دی۔ سلطان کو جب معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پردے میں وینکٹ نارا اور جوگی پنڈت نائب صوبیدار رکاٹ اور ہرپن ہلی اور تیاگے درگ کے پالیگاروں کا ہاتھ ہے۔ تو اس نے انکے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

بالاپور

اس سے فارغ ہو کر سلطان نے کشن راؤ کو دارالسلطنت کے انتظام پر مامور کیا۔ اور خود بالاپور کی طرف انگریزی افواج کے مقابلہ کیلئے بڑھا۔ مگر بالاپور کے لوگ انگریزوں کی شہ پر بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے سلطان کے ہراول دستے کو قلعہ کے قریب دیکھ کر کتوں کی طرح بھونکنا اور جنگی باجے بجانا شروع کر دئے۔ جس سے سلطانی بہادروں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے حملہ کر کے قلعہ کو فتح کر لیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔

(نوٹ :- یہ باغی دراصل وہ لوگ تھے۔ جو زمینداروں کے بہکائے ہوئے تھے۔ جنکی زمینداریاں سلطان نے ختم کر دی تھیں۔ مفصل حالات سلطان کے ملکی اصلاحات کے تحت دیکھے جائیں)

سلطان کی والدہ کا خط

بالاپور سے سلطانی فوجیں ہوتے ہوئے چنتامنی اور منباگل کے راستے سے سلطانی افواج وینکٹ گری کوٹہ پر بڑھیں۔ صبح جب انگریزی فوج پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو عین اس وقت سلطان کی والدہ کی جانب سے ایک خط سلطان کو پہنچا۔ اس خط میں درج تھا کہ کشن راؤ نے

بنگلور پر انگریزی قبضہ

دوسرے دن کرنل مورس اور جنرل میڈوز نے بنگلور پر حملہ کیا۔ طرفین کے کئی ہزار آدمی کام آئے اور کرنل مورس بھی مارا گیا۔ انگریزی فوج دو ہفتہ تک حصار قلعہ توڑنے میں مصروف رہی آخر کار دیوار ٹوٹ گئی۔ اور نمک حرام کشن راؤ کی سازش سے انگریزوں کو قلعہ میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ کشن راؤ بنگلور میں معتمد سلطانی کے عہدہ پر مامور تھا۔ قلعہ کے اندر کی رتی رتی خبریں وہ انگریزوں کو پہنچاتا تھا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج پہلے سے ہی سلطانی فوج کی کارروائیوں کا مناسب تدارک کر لیتی تھی۔ سید حمید سپہ دار اور قلعہ دار دروازہ کے سامنے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اور شیخ انصر سپہ دار اسیر ہو گیا۔ قلعہ کے تمام رہنے والے گرفتار ہو گئے۔ شہر لوٹا گیا۔ بے حساب زر و جواہر انگریزی سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ یہ خبر جب سلطان کے کیمپ میں پہنچی۔ تو میر قمر الدین اور سید صاحب انگریزی فوج پر حملہ کرنے کیلئے سلطان سے اجازت طلب کی۔ سلطان نے فرمایا کہ جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تو اب سپاہ کی طاقت منتشر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ سلطان کو ابھی یہ حال معلوم نہیں تھا کہ اس شکست کی بڑی وجہ ایک گہری سازش ہے۔ ورنہ ممکن تھا کہ اسی وقت سلطان بنگلور پر حملہ کر دیتا۔ سلطان تنگی سے نکل کر نواح ماگڑی میں مقیم ہوا۔ اسکے چوتھے دن لارڈ کارنوالس نے تین ہزار ہندوستانی سپاہ اور چھ سو گورے قلعہ کی حفاظت کیلئے چھوڑ کر دیون ہلی کے قریب کیمپ قائم کیا۔

دیون ہلی انگریزی قبضہ میں

دیون ہلی کا قلعہ دار بھی اس سازش میں شریک تھا۔ اس لئے بغیر کسی لڑائی کے یہ قلعہ بھی کارنوالس کے ہاتھ آ گیا۔ یہاں سے انگریزی فوج نے چک بالاپور کی طرف رخ کیا

(بحوالہ کرمانی) داخل کر لی گئی"۔

کرمانی پر یہ کس قدر اتہام ہے۔ کہ اس کی تحریر میں لفظ "بجبر" ہونا بتلایا گیا ہے کرمانی کی اصل تحریر اس طرح ہے :-

"اس کی بیوی جو حسین بھی، حیادار بھی اور با وفا بھی تھی۔ ملکہ زمانہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی۔ اور انہیں کے ذریعہ حرم سرائے سلطانی میں داخل ہوئی"۔

اب یہ فیصلہ قارئین تاریخ پر چھوڑا جاتا ہے۔ کہ وہ خود فیصلہ کر لیں کہ میسور گزیٹیر کی عبارت میں "اور" و "بجبر" کے الفاظ آ کر مطلب میں کتنا بڑا فرق پیدا کر دیتے ہیں۔ اس ہندو مصنف نے بیک وقت نہ صرف کرمانی پر تہمت اٹھائی ہے۔ بلکہ سلطان پر بھی ایک نازیبا الزام لگایا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ اس گزیٹیر کی دونوں جلدوں میں جیسے جلد دوم کے دوسرا اور تیسرے حصہ میں جو تاریخ میسور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مصنف کو جہاں کہیں موقع ملا ہے۔ تمام اسلامی سلاطین کو زہریلے الفاظ میں یاد کیا ہے۔ لیکن پھر بھی بعض مقامات پر "حق" اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہا۔ یہی مصنف سلطان کے ذاتی حالات میں گزیٹیر کے صفحہ ۲۹۸۰ پر لکھتا ہے :-

"اس کو (سلطان کو) عورتوں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ وہ اپنے ایک تاکیدی خط میں برہان الدین کو عورتوں سے دور رہنے کیلئے لکھتا ہے۔ اگرچہ اس کو (سلطان کو) تیرہ[۱۲] بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ لیکن بقول بورنگ اس کو عورتوں سے شیفتگی نہیں تھی۔ اسکی بخاکش اعتدال پسند زندگی پاکیزگی کی اس حد تک پہونچی ہوئی تھی۔ جو ایک مذہب کا دلدادہ مسلمان کی زندگی خیال کی جاتی ہے۔ اسکے ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی۔ جس سے عالمگیر کی یاد

بھی کھنڈے راؤ کی طرح فتنہ و بغاوت کا جال بچھا رکھا ہے۔ اور خبر ہے کہ بمبئی سے ایک انگریزی فوج عنقریب سرنگاپٹم پہونچنے والی ہے۔ سلطان نے یہ خط پڑھکر اسی روز سید صاحب کو ایک کثیر فوج دیکر سرنگاپٹم کو روانہ کیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج پر حملہ ہوتے ہوتے رک گیا۔

سید صاحب سرنگاپٹم میں

سید صاحب صحرائے ماگڑی، واڑتی درگ کے راستے سے آدھی رات کے وقت دارالسلطنت کے قریب پہونچ گئے۔ اور دریا کے اس طرف فوج کو چھوڑ کر خود مع چند خواص اور پانچ سو جرار سوار کے صبح ہونے سے پہلے قلعہ کے دروازے پر پہونچے۔ آسد خاں رسالدار نے جو دروازے پر متعین تھا، دروازہ کھول دیا۔ قلعہ میں داخل ہوتے ہی اپنے سواروں کو مختلف کاموں پر متعین کرکے سید صاحب سلطان کی والدۂ ماجدہ کی حضوری میں آئے۔ قلعہ دار کی طلبی ہوئی۔ تو اس نے کشن راؤ کی نمک حرامی ظاہر کی۔ کشن راؤ کو گرفتار کرکے قتل کر دیا گیا۔ اور اسکی لاش بازار میں ڈالدی گئی۔ کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ اور اسکے مکان کا سب اسباب ضبط کرکے توشک خانۂ سلطانی میں داخل کیا گیا۔ کشن راؤ نے اپنے آخری وقت میں کہا :-

"میں نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکیگی"۔

اسکے ان الفاظ میں کس قدر صداقت تھی وہ واقعات مابعد سے ظاہر ہے۔

کشن راؤ کی بیوی کا افسانہ

میسور گزیٹر کا ہندو مصنف (رامیودن راؤ) اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر لکھتا ہے کہ :-

"کشن راؤ کی بیوی جو خوبصورت، وفادار اور با عصمت تھی۔ اپنے شوہر کی موت کے بعد ایک روایت کے مطابق سلطان کے خاص حرم میں بجبر

کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور فلسطین کو حرمین کہتے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ مسلمانوں کے گھروں کے زنانہ حصوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ اس سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ یہاں گھر کی عفت مآب عورتیں رہتی ہیں جنہیں شریعت نے نامحرم نہیں رکھا۔ گھر کے زنانہ حصہ کو حرم کا نام دینے سے مسلمانوں کے زیر نظر یہ مقصد تھا کہ عورتوں کی قدر و منزلت بڑھ جائے۔ رفتہ رفتہ جب عیاش سلاطین اور امراء جائز و ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی عورتوں کو بھی شامل کرنے لگ گئے تو حرم کا مفہوم ہی کچھ اور ہو گیا۔ اور اسی معنے میں آج کل مغربی اور ہندو مصنفین اس لفظ کو لے رہے ہیں۔ (محمود)

اگر اس پہلی روایت کے بعد دوسری روایت پر بھی غور کیا جائے۔ تو تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ مقامی طور پر بھی جو بات مشہور ہے وہ یہی ہے۔ کہ کشن راؤ کی بیوی نے اپنے شوہر کے کرتوتوں سے سلطان کی والدہ کو مطلع کر دیا تھا جس کی وجہ سے کرشن راؤ کے عزیز و اقارب اسکی جان کے دشمن ہو گئے۔ اور یہ ہونا لازمی تھا۔ سلطان کی والدہ نے اس کو پناہ دینے کے خیال سے اسکو محل کے اندر رہنے کی اجازت دیدی۔ اور چونکہ سلطان کی والدہ محل کے زنانہ حصہ میں (جو حرم کہلاتا تھا) رہتی تھیں۔ اس لئے کرمانی نے صحیح طور پر حرم کا لفظ استعمال کیا تھا۔ لیکن آج تعصب میسور گزیٹیر کے مصنف کو اس درجہ دیوانہ بنا دیا ہے کہ وہ حرم کی معنی کچھ اور سمجھے۔ اور الفاظ "خاص" اور "بجبر" اپنی جانب سے شامل کر لیے۔ ~~ ذراسی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

سلطان کی سرنگاپٹم کو مراجعت

سید صاحب کو سرنگاپٹم بھیجکر سلطان نے میر قمر الدین کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اور

تازہ ہوجاتی تھی"۔

اب اگر یہی مصنف اپنی دونوں تحریروں کو ملا کر دیکھے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ چند صفحات پہلے کیا کچھ لکھ آیا ہے۔ اور اب کیا لکھ رہا ہے۔ کسی نے یہ بالکل سچ کہا ہے کہ :- ع

"دروغ گورا حافظہ نباشد"

اور یہاں یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ اس مصنف نے اپنی پہلی عبارت میں یہ الفاظ لکھا ہے :-

"ایک روایت کے مطابق"

انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دوسری روایت بھی لکھ دی جاتی۔ وہ دوسری روایت جس سے وہ بھی واقف ہے اور عمداً نظر انداز کر دی گئی ہے۔ اس طرح ہے :-

"کشن راؤ کی بیوی کے متعلق دوسری روایت جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو جب اپنے حرام خور شوہر (غدار) کے باغیانہ خیالات معلوم ہوئے تو اس کو سخت نفرت ہوئی اور بحفاظت دائی کی زبانی ٹیپو سلطان کی والدہ کو اپنے شوہر کی نامعقول حرکتوں کی اطلاع کرائی"۔

معلوم ہوتا ہے کہ میسور گزیٹیر کے مصنف نے اس روایت کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس سے سلطان پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اگر اس واقعہ میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو مغربی مصنفوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ اس واقعہ کو نہ لکھیں؟ وہ تو اس کو اس قدر شہرت دیتے۔ اور پروپگنڈا کرتے کہ ہر تاریخی کتاب میں یہ واقعہ جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آتا۔ اب صرف یہ لکھنا باقی رہ گیا ہے۔ کہ پھر کرمانی نے یہ کیوں لکھا۔ کہ اسکو حرم میں داخل کر لیا گیا۔ (بدقسمتی سے آج کل "حرم" شاہی محل کی عورتیں جن میں کنیزیں بھی شامل ہیں مراد لیجاتی ہیں۔ ورنہ حرم تو ایک ایسا لفظ ہے جسکی معنی ایسی جگہ کی ہیں۔ جو مقدس ہو۔ اور جہاں گناہ

لشکر پر شبخون مار کر حیدر نگر چلا گیا۔ مرہٹی فوج سرا سے نکلکر انگریزی فوج سے آکر مل گئی۔ یہاں سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کی تیاری ہوئی۔ لیکن قمرالدین کی سلطانی سپاہ ساتھ ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اور جب کبھی موقع ملتا شبخون مارتی۔ یا سامان رسد لوٹ لیتی تھی۔ یہانتک کہ اس فوج میں کوئی سپاہی انگریزی ناک اور کان کاٹ کر لاتا۔ اس کو ایک طلائی ہن انعام ملتا۔ اور اناج سے لدے ہوئے بیل کا انعام پانچ ہن اور گھوڑے کے دس ہن تھے۔ اس سے انگریزی سپاہیوں میں سخت پریشانی پھیل گئی۔ اور جس وقت یہ کری گٹہ کے قریب پہنچے تو ان کا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا تھا۔ کری گٹہ پہنچکر انگریزوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور قلعہ پر حملہ شروع ہوا۔ لیکن سلطانی سپاہ نے سختی سے مدافعت کی۔ محاصرہ نے جب طول کھینچا تو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے انگریزی کیمپ میں اجناس کی قیمت بڑھ گئی۔ چھ روپیہ سیر چاول اور تین روپیہ سیر دال اور چار روپیہ کو سیر آٹا۔ اور گھی تو سولہ روپیہ سیر بھی ملنا دشوار تھا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور سامان رسد کی تنگی

انگریزی فوج صد درجہ تنگ آگئی۔ توپ کشی کے بیل تک بھی کھا لئے گئے۔ ملیبار کے راستے سے رسد پہنچنے کی امید تھی۔ معلوم ہوا کہ سلطانی سپاہ نے اس کو بھی لوٹ لیا۔ اس وقت کارنوالس بھاری بھاری توپیں زمین میں دفن کرا کر اور آلات چوبینہ اور وزن دار سامان کو آگ لگا کر کری گٹہ سے واپس ہوا۔ سلطان کو جب کارنوالس کی سراسیمگی کا حال معلوم ہوا تو اس نے کارنوالس کو میوے کے تحائف بھیجے اور صلح کا خط لکھا۔ کارنوالس نے میوہ واپس کر دیا۔ اور خط کا جواب بھی نہیں دیا۔

الکزنڈر بیٹسن بل لکھتا ہے:۔

اس کو حکم دیا کہ انگریزی فوج پر حملہ کرے۔ اور آپ دارالسلطنت کو روانہ ہو گیا۔ قمر الدین نے اپنی فوج کو حیدر آبادی فوج کا لباس پہنایا۔ اور بیت منگل اور مالور کے راستے سے بنگلور کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں انگریزی فوج کا سامان رسد لوٹ لیا گیا۔ سلطانی سپاہ کے ہاتھ غلہ سے لدے ہوئے پانچ ہزار بیل آئے۔ اور دو سو آدمی اسیر ہوئے اس لوٹ مار کا سلسلہ یہاں تک جاری ہوا کہ انگریزی کیمپ میں رسد کی آمد مسدود ہو گئی اور دن رات میں کسی کو لشکر گاہ سے باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

حیدر آبادی و مرہٹی فوجوں کے فتوحات

اس عرصہ میں نظام علی خاں اور مرہٹوں نے ملک کے اطراف میں مختلف قلعوں پر حملے کیے۔ چنانچہ حیدر آباد کے جیسے خاں میراں یار جنگ نے قلعۂ کنجی کوٹہ، تاڑپتری، تارمری وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حافظ فرید الدین خاں المخاطب بہ مویدالدولہ نے قلعۂ گتی کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں قطب الدین خاں دولت زئی سلطانی فوجدار نے اس کا مقابلہ کیا۔ حیدر آبادی فوج نے جب یہ دیکھا کہ گتی کا فتح ہونا دشوار ہے۔ تو نواح گتی کو تباہ کر کے شہر کڈپہ اور سدہوٹ پر قبضہ کر لیا۔ نیز گرم کنڈہ کا بھی محاصرہ کر لیا گیا۔

دوسری طرف مرہٹوں نے پرسرام ناظم مرچ کے ماتحت سرحد پار ہو کر دھاڑواڑ پر قبضہ کر لیا۔ ہری پنڈت پھڑکیا نے ہوبن ہلی پر قابض ہوتے ہی شسرا پر فوج کشی کی۔ پرسرام ناظم مرچ نے دھاڑواڑ، انگو لہ، ہرجان، شاہنور وغیرہ کا انتظام کر کے چیتلدرگ پہونچکر قلعہ دار دولت خاں کے پاس خط بھیجا۔ کہ اگر قلعہ مرہٹوں کے سپرد کر دیا جائے تو چار لاکھ روپیوں کی جاگیر دی جائے گی۔ مگر دولت خاں بجائے جواب دینے کے رات کے وقت مرہٹی

کے مئے آرہی تھی۔ مرہٹی فوج میں سامانِ رسد کی فراوانی تھی۔ اس سامان رسد سے انگریزی فوج کی جان میں جان آئی۔ اور انھوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی کاشتکار رعایا نے انگریزی فوج کو کوئی رسد بہم نہیں پہونچائی تھی۔

چنگرولی سے نکل کر اتحادیوں کی فوج بجائے دوبارہ سرنگاپٹم کا محاصرہ کرنیکے جانب شمال بڑھی۔ اور ماگڑی اور سندی درگ کے قلعوں پر حملہ کرکے ان پر اپنا قبضہ کرلیا۔ لطف علی قلعہ دار اور بخشی سلطان خاں اسیر ہو گئے۔

واقعات ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء

جب انگریزی فوج محاصرہ اٹھاکر واپس ہوئی تو سلطان نے شہزادہ فتح حیدر کو گرم کنڈہ پر روانہ کیا۔ حافظ فریدالدین کے ماتحت حیدرآبادی فوج گرم کنڈہ کا محاصرہ کرلی تھی۔ شہزادہ فتح حیدر اور علی رضا خاں نے حیدرآبادی فوجوں پر حملہ کردیا۔ حافظ فریدالدین کا سر کاٹ لیا گیا۔ حیدرآبادی فوج کڑپہ کی طرف فرار ہو گئی۔

سلطانی سپاہ گرم کنڈہ سے نکلکر مورسن ہلی اور رواندباڑی کی طرف بڑھی۔ یہاں سکندر جاہ اور مشیر الملک کی حیدرآبادی فوجیں مقیم تھیں۔ شہزادہ فتح حیدر کی آمد کی خبر سن کر وہ سنگل پالیہ چلے گئے۔ شہزادہ فتح حیدر یہاں سے مدگری ہوتا ہوا سرنگاپٹم پہونچا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد نظام کی فوج خان خانہلی کے نزدیک انگریزی فوج سے آکر ملی۔ موسم برسات کے ختم ہونے پر کارنوالس نے دوبارہ سرنگاپٹم پر چڑھائی کی۔ حیدرآبادی اور مرہٹی فوج ساتھ تھی۔

فریقین جنگ کی تعداد | کتاب ملٹری بیاگرافی میں فریقین جنگ

"انگریزوں کو اس وقت سلطان سے اس درجہ بغض اور حسد تھا کہ جس طرح وحشی اقوام کو اپنے دشمنوں پر ہوتا ہے۔ اور وہ سلطان سے اپنی شکستوں کا انتقام لینا چاہتے تھے۔"

"انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر اتری درگ پہونچی۔ لارڈ کارنوالس بالکل پریشان ہوگیا۔ انگریزی فوج جن مشکلات میں گھر گئی تھی۔ ماڈرن میسور کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر انکا بیان اس طرح دیا ہے:۔

"کم بادی پہونچکر لارڈ کارنوالس کو یقین ہوگیا کہ وہ کسی طرح محاصرہ کو کامیاب نہیں بنا سکتا۔ سامان رسد کی تنگی، اور بار برداری کیلئے جانوروں کی کمی نے اس کو مجبور کردیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ اس لئے اس نے بتاریخ ۱۹ مئی جنرل ابر کرامبی کو جو ملیبار کی طرف سے بڑھ رہا تھا۔ لکھ بھیجا کہ ملیبار کو واپس ہوجائے۔ کارنوالس کے خاص کیمپ میں فوجی سپاہی حد درجہ تکلیف میں مبتلا تھے۔ سپاہیوں کی خوراک نصف کردی گئی تھی۔ بار برداری پر جو لوگ متعین تھے۔ ان میں بہت سے بھوک سے مرچکے تھے۔ اور جو بچے ہوئے تھے وہ مرنے کے قریب تھے۔ ان ناقابل بیان مشکلات نے لارڈ کارنوالس کو مجبور کردیا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہوجائے۔"

لارڈ کارنوالس واپس ہوا۔ اگر خوش قسمتی سے مرہٹی فوج اس کو راستے میں ملکر سامان رسد مہیا نہ کرتی تو انگریزی فوج کی مکمل تباہی میں کوئی کسر نہیں باقی رہگئی تھی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر لکھتا ہے:۔

"چنکرولی پہنچکر لارڈ کارنوالس کی خوشی اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی یہاں اس کو مرہٹی فوج مل گئی۔ جو پرسرام بھاؤ اور ہری پنتھ کے ماتحت اس کو مدد دینے

تعداد قلعہ میں ۴۰ ہزار سپاہی اور پانچ ہزار سوار ہونگے ۔ (مٹری بائگرافی)

جب یہ فوج سرنگا پٹم کے مقابل آئی۔سلطان پر حال کھلا۔کہ قلعداروں نے رشوت لیکر انگریزی فوج کی کہیں بھی مدافعت نہیں کی۔افواج متحدہ نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کرلیا۔مہدی علی خاں ناظم کی سازش سے لارڈ کارنوالس شہر گنجام اور لال باغ پر بغیر کسی جنگ کے قابض ہو گیا۔اور دوسری فوج جو جنرل میڈوز کے ماتحت تھی۔عید گاہ والے مورچہ پر قبضہ کرلی۔اگرچہ سید غفار سپہ دار نے اپنی پوری طاقت اسکے بچانے پر صرف کردی تھی۔

خاتمہ جنگ اور شرائط صلح

رات ہو چکی تھی۔دوسرے دن قلعہ سے سلطانی فوج نے باہر نکلکر کچھ ایسی بے جگری سے حملہ کیا کہ انگریزی فوج پسپا ہونے پر مجبور ہوگئی۔قلعہ کی دیوار پر خود سلطان گولہ باری کا نگران تھا۔انگریزی فوجیں کچھ اس طرح پسپا ہوئیں کہ دریا پار آکر کری گڈھ میں پناہ لیں۔شام ہو جانے سے سلطانی سپاہ واپس آگئی۔یہ ایک ایسی غلطی ہوی کہ جس کا خمیازہ سلطانی سپاہ کو بہت بری طرح بھگتنا پڑا۔

خود لارڈ کارنوالس کا میر منشی حمید خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"اگر سلطانی فوج اسی طرح تعاقب کرتی تو افواج متحدہ (انگریز نظام مرہٹے) کا اسی شب خاتمہ ہو جاتا۔"

مگر ہندوستان کی قسمت کچھ اور ہی گل کھلا رہی تھی۔محاصرہ طول پکڑا۔افواج متحدہ رسد کی تنگی اور رات دن کی لڑائیوں سے بددل ہوگئی تھیں۔اس لیے کارنوالس نے اسوقت سلطان کے اگلے خط کا جواب دیا۔اور فریقین میں ۲۳ فروری ۱۷۹۲ء میں صلح ہوگئی۔

کی تعداد حسب ذیل دی گئی ہے :-

انگریزی فوج (بہ ماتحتی کارنوالس)	۲۲	ہزار
حیدرآبادی فوج	۱۸	ہزار
مرہٹی فوج (بہ ماتحتی ہری پنتھ)	۱۲	ہزار
" " (" پرسرام بھاؤ)	۲۰	ہزار
انگریزی فوج (" جنرل ابرکرامبی)	۹	ہزار
جملہ	۸۱	ہزار (اکیاسی ہزار)

اس حملہ آور فوج کے متعلق ایڈورڈ مور اپنی کتاب "کیپٹن لٹل کی یادداشتوں" میں لکھتا ہے :-

"اس قدر کثیر حملہ آور فوج کے ساتھ باربرداری وغیرہ کیلئے جس قدر لوگ تھے ان میں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔ ہری پنتھ کی فوج بارہ ہزار تھی اور پرسرام بھاؤ کے ماتحت بیس ہزار سپاہی تھے۔ لیکن جو لوگ ان سپاہیوں کے ساتھ باربرداری وغیرہ کیلئے تھے۔ ان کی تعداد فی سپاہی بارہ آدمی کے حساب سے تھی۔ اور جانور جن میں ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، بیل اور گدھے تھے۔ فوجی سپاہیوں سے پندرہ گنا زیادہ تھے۔ اندازہ کیا گیا کہ تین لاکھ بیس ہزار باربردار اور چار لاکھ اسی ہزار جانور کیمپ میں موجود تھے۔ انگریزوں اور نظام کی فوج ان کے علاوہ تھی۔ اتحادیوں کی یہ فوج جب کوچ کرتی تھی۔ تو معلوم ہوتا تھا کہ تمام کائنات حدنظر تک انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی ہے" (ماڈرن میسور صفحہ ۱۵۶)

اتحادی فوج کی اوپر لکھی ہوئی تعداد کے مقابل اندازہ ہے کہ سلطانی سپاہ کی

شرائط صلح

(۱) سلطان حلیفوں کو تین کروڑ روپیوں کا ملک چھوڑ دے۔

(۲) تین کروڑ روپیہ نقد دے۔ اور

(۳) ان روپیوں کے وصول ہونے تک دو شہزادوں کو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال رکھا جائے۔

جب یہ شرائط قلعہ میں معلوم ہوئیں تو سلطان نے پہلے تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر بعد میں امراء و وزراء نے ان کے قبول کر لینے پر زور دیا۔ سلطان کو معلوم ہو گیا کہ تمام کے تمام سازش میں ملوث ہیں۔ تو اس نے مجبوری ان شرائط کو قبول کر لیا۔

شرائط صلح کی رو سے۔ بارہ محل، سیلم، اتور، انگری، سنگل ورگ۔ ڈنڈیگل اور کالیکٹ انگریزوں کے قبضہ میں آگئے۔ دریائے تنگبھدرا سے شمالی جانب کا تمام ملک مرہٹوں کو ملا۔ اور حیدرآباد کی قسمت میں تاڑپتری، پارمری، بلاری وغیرہ آگئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ راجہ تراونکور جس کی حمایت کے بہانہ سے یہ جنگ شروع کی گئی اس کا شرائط صلح کے سلسلہ میں کہیں ذکر ہی نہیں آتا ہے۔

شہزادہ عبدالخالق اور معزالدین کو میر غلام علی لنگڑے کی نگرانی میں انگریزی کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں کارنوالس نے خود ان کا استقبال کیا۔ اور میجر ڈونٹن شہزادوں کا نگران مقرر ہوا۔ تاوان جنگ کی رقم میں ایک کروڑ روپیہ فوراً دیئے گئے۔

جب سلطان کے دو فرزند انگریزی کیمپ میں پہونچ گئے۔ تو لارڈ کارنوالس نے محاصرہ اٹھانے سے پہلے مطالبہ کیا کہ کورگ بھی انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

مسٹر تارنس اپنی کتاب "امپائران ایشیا" کے صفحہ ۰۰ پر لکھتا ہے :-

"سلطان نے اس مطالبہ پر دریافت کیا کہ جبتک شہزادے اور تاوان کی رقم انگریزی کیمپ میں نہیں پہونچی تھی۔ اس جدید علاقہ کا مطالبہ کس لئے نہیں کیا گیا۔ مگر یہ سب بیکار تھا۔ شہزادے انگریزی قبضہ میں تھے۔ کارنواس جانتا تھا کہ شاہزادوں کی خاطر سے سلطان دوبارہ جنگ اختیار نہیں کریگا۔ آخر یہی ہوا کہ سلطان نے کورگ دینا قبول کر لیا۔"

یہ ہے لارڈ کارنوالس کی وہ دیانتداری جس پر صلح کے بعد بھی اس نے عمل کیا۔ انگریزوں کو جب کورگ بھی حاصل ہو گیا۔ تو صلحنامہ پر دستخط ہو گئے۔ افواج متحدہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو گئیں۔ اور سلطان کے قبضہ سے آدھا ملک نکل گیا۔

مورخ باسو لکھتا ہے :-

"یہ موجودہ حکمران خاندان میسور کی خوش قسمتی تھی کہ سرنگاپٹم اسوقت فتح نہیں ہوا۔ ورنہ کارنوالس اتنی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ملک کس کو دیا جائے۔"

ہندو مورخین لکھتے ہیں کہ :-

"سلطنت خداداد کا کارنوالس کے ہاتھوں خاتمہ ہو جاتا۔ اور جس شخص نے اس کو بچا لیا وہ نانا فرنویس تھا۔ جو پیشوائے پونا کا وزیر اعظم تھا۔ اس محب الوطن کی دوربین نظریں دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح انگریز ملک پر حاوی ہو رہے ہیں۔"

مگر اصلیت یہ ہے کہ سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت خود مرہٹوں کو فنا کا پیغام دے رہی تھی۔ اس لئے نانا فرنویس کی غرض انگریزوں سے اتحاد کرنے میں صرف یہ تھی کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ نانا فرنویس کا مقصد صرف سلطان کی طاقت کو کم کرنا تھا اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو اس نے صلح کی تحریک کی

اس قسم کی بہت سی رسومات سلطنتِ خداداد میں سلطان کے حکم سے ممنوع تھیں
لارڈ کارنوالس نے ہندوستانی سپاہیوں کو چھٹی دیدی کہ محرم منا ئیں. لارڈ صاحب نے
حکم دیا کہ سوانگ بھرنے والے انکے خیمہ پر سے گذریں کہ لارڈ صاحب کو ان کے
دیکھنے کا شوق ہے. اور وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں. ساتویں محرم سے دسویں
محرم تک علم اور تعزیے تھے. اور لوگ قسم قسم کے سوانگ بھر کر آئے. لارڈ صاحب
خیمہ سے باہر کرسی پر رونق افروز تھے. جب کبھی علم یا تعزیہ آتا تو اٹھ کر سر جھکا کر
تعظیم کرتے، اور ادب سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جاتے. اور رخصتی کے وقت اپنے
سکرٹری چیری صاحب کی معرفت چاندی کے طبق میں روپیہ رکھکر نذر گذارتے.
تین دن تک یہی سلسلہ جاری رہا. یہ خبر اطراف واکناف میں پھیل گئی. تو لوگوں
میں مشہور ہوا کہ انگریزی قوم جس کو اب تک کافر کہا جاتا تھا. حسن سلوک اور
اعتقاد میں مسلمان بادشاہ ہی سے اچھی ہے"

لارڈ کارنوالس مغربی دل و دماغ لیکر ہندوستان آیا تھا اور پروپگنڈا کے فن میں اسے
غیر معمولی کمال حاصل تھا. سلطان نہ صرف بادشاہ بلکہ شریعت سے پورا باخبر اور عالم باعمل تھا.
چنانچہ اس نے محرم کی بدعات قسم قسم کے مکروہ سوانگ اور مشرکانہ رسومات جنہیں اسلام سے
کچھ دور کا واسطہ بھی نہیں تھا سلطنت میں بالکل ممنوع قرار دیدیا تھا.

نوٹ :- کارنوالس نے مسلمانوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے اس سے پورا فائدہ اٹھایا. اس کی
وجہ سے شیعہ اور سادات جن کا پیشہ پیری مریدی تھا. سلطان کے خلاف ہو کر انگریزوں کی
دل کھول کر تائید کی. اس کا مفصل حال سلطنت خداداد کے زوال کے اسباب میں لکھا
گیا ہے.)

تو کہنا پڑیگا کہ یقیناً نانا فرنویس باوجود محب وطن ہونے کے دُور اندیش نہیں تھا۔ اس نے خود انگریزوں کے خلاف متعدد بار سازباز کی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ انگریزوں نے پونا میں نارائن راؤ اور رگھوبا کے وقت میں کیا کچھ سازشیں کی تھیں۔ بنگال اور کرناٹک کے واقعات اسکی آنکھوں سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ باوجود یہ جاننے کے کہ انگریزوں کا مد مقابل سوائے ٹیپو سلطان کے ملک میں اور کوئی نہیں ہے۔ اس کی طاقت کو کم کرنا سوائے ایک مذہبی تعصب کے اور کچھ نہیں تھا۔ سلطان کی طاقت کو کمزور کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں مرہٹوں بلکہ خود نانا فرنویس کی زندگی انگریزوں کے رحم پر منحصر ہو گئی تھی۔

جس وقت عہدنامہ کی خبر انگلستان پہنچی تو مسٹر فاکس نے پارلیمنٹ میں کہا:۔

"کارنوالس نے لٹیروں کا ایک جتھا تیار کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے وہ حقداروں کا حق لوٹ رہا ہے"

مگر پارلیمنٹ پر اس کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس لارڈ کارنوالس کے رتبہ کو بڑھا کر اس کو مارکوئیس کا خطاب دیا گیا۔

لارڈ کارنوالس کے میر منشی حمید خاں جو اس جنگ میں شریک تھے اپنی تاریخ میں لارڈ کارنوالس کی حکمت عملی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"جب ہماری (انگریزی) فوج موضع کرار میں تھی۔ اس دن شام کو محرم کا چاند نظر آیا۔ اس لئے لارڈ کارنوالس نے عشرہ محرم کے احترام میں دس دن تک کیمپ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے سب سپاہی محرم کی دس تاریخ تک بالکل بے لحاظ ہو کر اول فول بکتے۔ اور عوام الناس عشرہ کے دنوں میں روپ اور بھیس بدل کر سوانگ بھرتے ہیں تعزیہ اور علم بنا کر دنگل وغیرہ قائم کرتے ہیں۔

دین اسلام کی حمایت و حفاظت کیلئے ہمیشہ مستعد رہیں گے۔ اسکے بعد سب کو شہادت کے سرخ خلعت تقسیم کئے گئے۔

سلطان کے مسلمان افسر اور میر صادق نے اس وقت جس قسم کا عہد کیا تھا۔ اس عہد کو کتاب ماڈرن میسور کے صفحہ ۷۱ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے :۔

عہدنامہ میر صادق

"میں میر محمد صادق نمک خوار و ملازم سرکار خداداد، اپنے پروردگار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام اللہ کو حاضر و ناظر اور شاہد سمجھ کر، اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں نہایت وفاداری سے اپنے آقا سلطان کی اطاعت کروں گا۔ اور اسی کے حکم کو ہر چیز پر مقدم سمجھونگا۔ میرا دل کبھی اس کی اطاعت سے منحرف نہ ہوگا۔ میری زبان کبھی اسکے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گی۔ میری آنکھ کبھی اسکی برائی نہ دیکھ سکے گی۔ میرے کان کبھی اسکے خلاف نہ سن سکینگے۔ میرے ہاتھ ہمیشہ اس کی برتری و بھلائی کیلئے کوشاں رہیں گے۔ اور میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اسکے خلاف جو کچھ دیکھونگا یا سنوں گا تو اسی وقت حضوری میں بیان کردونگا۔ اگر خدانخواستہ مجھ سے ان مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی ہو جائے یا میری اطاعت میں فرق آجائے تو میں خدائے برتر و توانا کو جس کا دوسرا نام منتقم بھی ہے۔ حاضر و ناظر سمجھکر کہتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے غضب میں پکڑے۔ اور مجھے تباہ کردے۔"

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں :۔

واقعات مابعد جنگ

انگریزوں سے جنگ کے خاتمہ پر سلطان نے از سرِ نو سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔ میر صادق دیوان مقرر ہوا۔ اور پورنیا وزیر مالیات تھا۔ سید صاحب سپہ دار کو حیدر نگر کا صوبہ دار بنایا گیا۔ اور اس کو نوبت نقارہ، فیل مع عماری طلائی مرحمت ہوئے۔ افواج متحدہ کے جانے کے بعد جب سلطان کی فوجی طاقت کمزور محسوس ہونے لگی۔ تو ملک میں کئی راجہ اور پالیگار بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ان میں قابل ذکر مدگری اور ہرپن ہلی کی بغاوتیں ہیں۔ سید صاحب مدگری پر اور میر قمر الدین ہرپن ہلی پر بھیجے گئے۔ مدگری کی بغاوت بہت جلد فرو کر دی گئی۔ ہرپن ہلی میں سات مہینوں تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں راجہ گرفتار کر لیا گیا۔ غرض جب ملک میں کامل طور پر امن و اطمینان ہو گیا۔ تو سلطان نے کل سلطنت میں فرمان جاری کیا کہ ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں کارپرداز اور عاملان حکومت دار السلطنت میں حاضر ہو کر اپنی کارگذاری سنائیں۔ اور باہمی مشورہ کیساتھ کام کریں۔ اسکے علاوہ ملک کے نظم و نسق میں رعایا کو حصہ لینے کیلئے مجلس (پارلیمنٹ) قایم کی جس کا نام زمرۂ غم نباشد رکھا گیا۔ اور اس کا صدر اعظم میر صادق مقرر ہوا۔

۱۷۹۴ء میں سلطان کے دونوں شہزادے جو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال تھے۔ واپس ہوئے۔ انکی آمد پر ایک شاہانہ جشن منایا گیا۔ اور اس موقع پر سلطان نے تمام امراء و اعیانِ سلطنت کی دعوت کی۔ سب ایک ہی وسیع دسترخوان پر بیٹھے۔ اور ہر ایک کے سامنے شیر برنج رکھا گیا۔ سلطان نے سب کو مخاطب کرکے ایک تقریر کی جس میں اتحاد، اتفاق، اور جہاد فی سبیل اللہ پر سب کو توجہ دلائی۔ اور ہر ایک سے اقرار لیا گیا۔ کہ وہ

انگریزوں سے چوتھی جنگ

جب ملک میں از سرِ نو تازہ روح پھونکی جانے لگی تو سلطان کی طاقت دوبارہ اپنی گذشتہ حالت سے بدرجہا بہتر ہو گئی۔ سلطان کے عزم و ارادے دشمنوں کی نظروں میں خار بنکر کھٹکنے لگے۔ سب سے بڑھکر خوف ایسٹ انڈیا کمپنی کو تھا۔ جو اب ملک کی اندرونی حالت۔ اور آپس کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھاکر ہندوستان پر اپنی سیادت قائم کرچکی تھی۔ کمپنی کی خوش قسمتی سے ارل آف مارننگٹن یعنے لارڈ ولزلی ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل بن کر آیا۔ جس کے دل میں پہلے ہی سے سلطنت خداداد کے مٹانے کا ارادہ موجود تھا۔

لارڈ مارننگٹن
(مارکوئیس آف ولزلی)

ارل آف مارننگٹن کا وطن آئرلینڈ اور تاریخ پیدائش ۲۰ر جون ۱۷۶۰ء ہے۔ اس کا پورا نام رچرڈ کولی ولزلی ہے ۱۷۸۴ء میں پارلیمنٹ کا ممبر بنا۔ اور اسی زمانہ سے سیاست ہندوستان میں دلچسپی لینے لگا۔ اس کو شروع سے پارلیمنٹری طریقہ حکومت سے اختلاف رہا۔ وہ شخصیت اور شاہ پسند تھا۔ فرانسیسوں سے اس کو خاص طور پر دشمنی تھی۔ اس لئے کہ فرانس میں اس وقت جمہوریت قائم ہو رہی تھی۔ فرانسیسوں کے ساتھ اس کو جو مخصوص دشمنی تھی ان کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مورخ لکھتا ہے:

"لارڈ صاحب کی بیوی ایک فرانسیسی عورت تھی۔ جس سے شادی کے قبل ہی لارڈ صاحب کے تعلقات تھے۔ گو بعد میں اس سے شادی ہو گئی۔ لارڈ صاحب جب ہندوستان آرہے تھے۔ تو اس عورت نے آنیسے انکار کر دیا۔ اور گو طلاق

"لیکن وہ تو دور ہی پٹ چکا تھا۔ اور وہ سیاہ دل قومی زندگی، آزادی یا شہادت کو کیا جانتے تھے۔ اس لئے سب زمانہ سازی کی باتیں کر کے واپس ہو گئے۔ اور جو سچے دیندار اور سچے جاں نثار تھے۔ ان کو سلطان کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

سلطان کو ہر شخص پر اعتماد تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور دوسرے امور سلطنت پر متوجہ ہو گیا۔

ملک کے تمام قلعوں کی مرمت کی گئی۔ سرنگاپٹم کا قلعہ خاص طور پر مضبوط کیا گیا۔ خاندان کے شہزادوں کی شادیاں کی گئیں۔ اسی عرصہ میں شاہزادۂ ایران اپنا ملک چھوڑ کر بحالت غربت سرنگاپٹم پہونچا۔ سلطان نے اس کو نہایت اعزاز سے رکھا اور دس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد تحفہ تحائف دیکر ایران کو رخصت کیا۔

اتحاد بین المسلمین و اتحاد ملکی کے لئے زمان شاہ والئ کابل، سلطان روم فرمانروائے ایران اور ہندوستان کے حکمرانوں کے دربار میں سفارت، ایلچی اور خطوط روانہ کئے گئے۔ ۱۷۹۸ء میں یہ ایلچیاں واپس ہوئے۔ فرانس اور زمان شاہ کی طرف سے سلطان کو بوقت ضرورت تائید کا یقین دلایا گیا۔

ان تمام امور کے علاوہ سلطان کی خاص توجہ فوج کی تنظیم کی طرف تھی۔ بحری اور بری فوج کی تعداد بڑھادی گئی۔ انکی تعلیم کیلئے مدارس جاری کئے گئے۔

مارکوئیس آف ولزلی

نہیں لی۔ مگر بیکار ہو گئی۔ یہی وہ مخصوص وجہ تھی۔ جس نے لارڈ ولزلی کو فرانس والوں کا دشمن بنا دیا۔ (رائیز آف کرسچین پور ان انڈیا)

لارڈ کارنوالس سابق گورنر جنرل کی لارڈ ولزلی سے گہری دوستی تھی۔ اس دوستی کی وجہ سے ولزلی ہندوستان کے تمام حالات سے باخبر تھا۔

۱۷۹۸ء میں سر جان شور کے جانے کے بعد لارڈ ولزلی گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور جس وقت وہ انگلستان سے ہندوستان آرہا تھا۔ تو راستہ میں راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) میں اسکی ملاقات بیرڈ کے علاوہ جنرل میڈوز سے بھی ہوئی۔ جو مدراس کا گورنر تھا۔ ان دو کی ملاقات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ولزلی کس قسم کے خیالات لیکر ہندوستان آپہنچا ہوگا۔ بیرڈ ایک عرصہ تک سلطان کی قید میں تھا۔ اور میڈوز متعدد دفعہ جنگوں میں شکست کھا کر سلطان سے انتقام لینے کیلئے تڑپ رہا تھا۔ اس کا جذبۂ انتقام یہاں تک بڑھا ہوا تھا۔ کہ جب لارڈ کارنوالس نے میسور کی تیسری جنگ میں سلطان سے صلح کر لینی چاہی تو اس نے اپنے آپ کو گولی مار لی تھی۔

ان دو شخصیتوں کے سوا ولزلی نے کیپ آف گڈ ہوپ میں میجر کرک پیاٹرک سے بھی ملاقات کی۔ جو ایک عرصہ تک حیدرآباد میں رزیڈنٹ رہا تھا۔ اسکی زبانی ولزلی کو معلوم ہوا کہ نہ صرف ٹیپو بلکہ حیدرآباد کی ملازمت میں بھی چند فرانسیسی موجود ہیں۔ ولزلی کو یہ پورا یقین تھا کہ جب تک فرانسیسی ہندوستان میں رہیں گے۔ انگریزوں کو ان سے خطرہ لگا رہیگا۔ کرک پیاٹرک کی زبانی اس کو حیدرآباد اور پونہ کی حالت سے بھی پوری واقفیت ہو گئی۔

یہاں ولزلی نے ان تمام سرکاری خطوط کو بھی دیکھا جو سر جان شور گورنر جنرل

کی جانب سے کمپنی کے ڈائریکٹروں کو لکھے گئے تھے۔ ان خطوط سے سیاسیات ہند کے تازہ حالات بھی معلوم ہو گئے۔ ان خطوط میں سر جان شور نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ٹیپو کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک نہیں سکا تھا۔

یہاں یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ سر جان شور کی خاموش پالیسی انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ کے بالکل ناپسند تھی۔ اس کو انگلستان کی سلطنت کو وسیع کرنے کی دھن لگی ہوئی تھی۔ جس طرح اس نے کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اب ولزلی کا بھی انتخاب کیا۔ اور یہ انتخاب نہ صرف سیاست ہندوستان بلکہ اس وقت کی یوروپ کی سیاست کو نظر رکھتے ہوئے ہوا تھا۔ یوروپ میں یہ وہ زمانہ تھا کہ نپولین اعظم کی فتوحات کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ہالینڈ، بلجیم، آسٹریا اور اٹلی فرانس کے زیر نگین آچکے تھے۔ اور نپولین مصر اور ہندوستان پر فوج کشی کرنے کیلئے بے تاب نظر آرہا تھا۔ ایسے وقت ہندوستان میں فرانسیسیوں کی موجودگی انگلستان کیلئے اضطراب کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس لئے وزیر اعظم مسٹر پٹ کی نظریں ایک ایسی شخصیت تلاش کر رہی تھیں۔ جس کا مزاج فرانسیسیوں کے خلاف اور جس کی طبیعت میں انقلاب سے بیزاری موجود ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانس میں انقلاب پسندوں نے شاہی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اور یہی انقلاب پسندوں نے اپنی بڑھتی ہوئی قوت سے یورپ کے تمام شاہی خاندانوں کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے۔ یہ انگلستان کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے اسوقت انگلستان پر توجہ نہیں کی۔ انکی تمامتر توجہ آسٹریا اور اٹلی پر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر انگلستان اپنے مقبوضات کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت میں جب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں ٹیپو سلطان فرانسیسیوں کا دوست اور انگریزوں سے گذشتہ جنگ کا انتقام لینا چاہتا ہے

صفحہ ۹۰ پر اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا گیا ہے :۔

"جیمس اچلیس کرک پیاٹرک اپنی حیدرآباد کی رزیڈنسی کے زمانہ میں اپنی راتیں ایک مکان میں (جو رزیڈنسی کے سرکاری مکان کے قریب واقع تھا) گزارتے تھے۔ جس میں انکی ایک مدخولہ رہتی تھی۔ اس گھر میں عاقل الدولہ کی نواسی خیر النساء بیگم بھی (جو مہدی یار خاں اور شرف النساء بیگم کی لڑکی تھی) آیا، ورہ (جایا) کرتی تھی۔ یہ لڑکی میر عالم کے رشتہ میں بھی ہوتی تھی۔ سوء اتفاق سے کرک پیاٹرک سے اس کا تعلق ہو گیا۔ اور اسکی دلچسپی اس لڑکی سے زیادہ ہو گئی۔ اور جب بات پھوٹ گئی تو انہوں نے اس لڑکی کو اپنے مکان رزیڈنسی میں داخل کر لیا۔"

کرک پیاٹرک کی چیرہ دستیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ علاوہ دوسرے امرائے حیدرآباد کے خود میر عالم تک بھی، جو انگریزوں ہی کا بنایا ہوا تھا۔ لارڈ ولزلی سے اس کی شکایت کی۔

ایک دوسرے مورخ کے حوالے سے مورخ باسو لکھتا ہے :۔

"میر عالم کا عہدۂ وزارت انگریزوں کا رہین منت ہے۔ عظیم الامراء کی وفات کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا مفاد میر عالم کی ذات سے ہی وابستہ تھا۔

اگرچہ نظام الملک کی یہ خواہش نہیں تھی۔ کہ میر عالم اس عہدہ پر مامور ہو مگر دربار حیدرآباد کی حالت اس وقت اس قدر خراب تھی۔ کہ صحیح معنوں میں وہاں کوئی مدبر سیاست دان نہیں تھا۔

وہی مورخ لکھتا ہے :۔

"جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعد معاً سلطنت انگریزوں کے ہاتھ

تو مسٹر پٹ نے لارڈ ولزلی کا انتخاب کیا۔ جو شاہ پسند طبقہ سے تھا۔ اور جس کے دل میں بھی انگلستان کے مقبوضات کو وسیع کرنے کی تڑپ موجود تھی۔

لارڈ ولزلی کا ہندوستان میں پہلا کام

لارڈ ولزلی جس وقت ہندوستان پہونچا۔ تو اس وقت ہندوستان میں قابل الذکر تین طاقتیں تھیں۔ ایک مرہٹے، دوسری حیدرآباد اور تیسری سلطنتِ خداداد، گو مرہٹوں میں نااتفاقی تھی۔ مگر انکی طاقت مسلمہ تھی۔ حیدرآباد میں جو کچھ طاقت تھی۔ وہ ۱۷۹۵ء میں جنگ کرڈلا میں مرہٹوں کے ہاتھوں فنا ہو چکی تھی۔ لیکن اب بھی نظام کو ایسٹ انڈیا کمپنی پر بھروسہ تھا۔ کہ تائید دیگر حیدرآباد کی سابقہ حالت کو بحال کرے گی۔ اس لئے وہ کمپنی کی دوستی کا متلاشی تھا۔ تیسری طاقت ٹیپو سلطان کی تھی۔ جو روز افزوں ترقی پر تھی۔ اس لئے لارڈ ولزلی کی نظر سب سے پہلے حیدرآباد پر اٹھی کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:۔

"موجودہ وقت میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ نظام ہر قسم کی قربانی دیکر ہماری دوستی حاصل کرنے پر آمادہ ہے۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں نظام سے اسکی اپنی فوجیں علیحدہ کرنے کیلئے خط و کتابت کرنا چاہیئے۔"

اس وقت حیدرآباد میں کیپٹن جیمس کرک پیاٹرک ریذیڈنٹ تھا۔ جس کو دربار حیدرآباد سے حشمت جنگ کا خطاب بھی حاصل تھا۔ کیپٹن کرک پیاٹرک نے حیدرآباد میں اس قدر اثر و رسوخ اور دوستی پیدا کر لی تھی کہ اسکی مناکحت میں حیدرآباد کے ایک میر کی دختر تھی۔

کتاب "میر عالم کے سوانح زندگی" مصنفہ محمد سراج الدین طالب حیدرآبادی مطبوعہ حیدرآباد کے

میر عالم
حیدرآباد دم

ارسطو جاہ
اعظم حیدرآباد

رکن الدولہ
وزیر اعظم حیدرآباد

آیا تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عصا ان کے ہاتھ سے بھی گر جانے والا تھا۔ ایسے وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو سہارا دینے والا بھی مسلمان ہی تھا۔ اور وہ حیدر آباد تھا۔"

اگرچہ نظام الملک اول سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث ہوا تو اس کا جانشین میر نظام علیخاں انگریزوں کی طاقت کو ہندوستان میں مستحکم بنانے کا سبب بنا۔ تاریخ دان اصحاب جانتے ہیں کہ لارڈ ولزلی اپنے ساتھ ایک اسکیم لایا تھا۔ اور وہ اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں دیسی حکمران اپنی فوج برطرف کر کے انگریزی فوج اپنی حفاظت کے لیئے رکھیں۔ اس طریقہ کو تاریخ میں

" سب سی ڈیاری سسٹم "

کہا جاتا ہے۔ جو ہندوستانی حکمرانوں کی آزادی سلب کرنے کیلیئے ایک آلہ تھا۔

نظام حیدرآباد سے براہِ راست اس طریقہ کو اختیار کرنے کی تحریک ولزلی کے نزدیک خلاف مصلحت تھی۔ میر نظام علیخاں کی پالیسی خواہ کچھ ہو۔ وہ خوددار تھا۔ اس لیئے لارڈ ولزلی نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ کیپٹن کرک پیاٹرک کو لکھا گیا کہ عظیم الامراء ارسطو جاہ کو اپنے ساتھ ملا کر اس کو آمادہ کیا جائے کہ حیدرآباد کو تباہی سے بچانے کیلیئے

" سب سی ڈیاری سسٹم "

قبول کرلے۔ اور یہ کاروائی اس طریق سے ہو کہ خود حیدرآباد ایسٹ انڈیا کمپنی سے اس کیلیئے درخواست کرے۔ ارسطو جاہ کرک پیاٹرک کی چال میں پھنس گیا۔

تاریخ اپنا سبق دھراتی ہے۔ زمانہ کی ستم ظریفی دیکھیئے۔ کہ جس طرح نظام الملک اول بحیثیت وزیر سلطنت مغلیہ اپنے آقا سے غداری کر کے اپنی سلطنت قایم کی۔ اسی طرح خود اس

کی سلطنت کا وزیر یہی سلوک اپنے آقا سے کرتا ہے۔ لیکن نظام الملک کی خودداری نے اس مشورہ کو ٹھکرا دیا۔ مگر اتفاق سے اسی موقع پر خاص حیدرآباد کی فرانسیسی فوجوں میں شورش پیدا ہوگئی۔ اس شورش میں کس کا ہاتھ تھا؟ تاریخ اس کے جواب میں خاموش ہے۔ دوسری طرف انگریزی افواج علاقہ گنٹور میں خفیہ طور پر پہلے ہی سے اس مقصد کیلئے تیار رکھی گئی تھیں کہ وقتِ ضرورت حیدرآباد کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ ان افواج نے حیدرآباد کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جب انگریزی فوج حیدرآباد پہونچ گئی تو ارسطو جاہ پر حیرت طاری ہوگئی۔ رزیڈنٹ نے فوراً فرانسیسیوں کو برخاست کرنیکا حکم دیدیا۔ لیکن ارسطو جاہ فرانسیسیوں کو برخاست کرنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اب انگریزی فوج کی موجودگی کی وجہ سے مجبوری تھی۔ لہٰذا یکم نومبر ۱۷۹۸ء میں ایک عہدنامہ ہوا جس پر نظام الملک نے نزاکت وقت کا احساس کرتے ہوئے بمجبوری دستخط کر دئے۔ جس کی رو سے یہ قرار پایا:-

(۱) نظام الملک چھ ہزار سپاہی مع توپ خانہ رکھے۔ اس فوج کے افسر انگریز ہونگے۔

(۲) اس فوج کے اخراجات حیدرآباد برداشت کریگا۔

(۳) تمام فرانسیسیوں کو ملازمت سے برخاست کر دیا جائے۔ اور آئندہ حیدرآباد میں سوائے انگریزوں کے کوئی یوروپین ملازمت میں نہ رہے۔

کلکتہ کی چیمبر آف کونسل میں ولزلی کی تصویر ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ولزلی کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ جس پر سب سی ڈیاری صلح حیدرآباد ۱۷۹۸ء لکھا ہوا ہے۔ اس صلحنامہ پر دستخط ہوتے ہی حیدرآباد کی آزادی اور خودمختاری کا خاتمہ ہوگیا۔

تیاریاں کرنے لگے۔

کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس نے خاص اسی غرض سے لارڈ مارننگٹن (المعروف مارکوئیس ویلزلی) کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنایا۔ جنہوں نے مسائل ہندوستان پر غور کرتے ہوئے مرہٹوں کے مقابلے میں نظام علیخاں کو کمک نہ دینے پر اپنے مراسلہ مورخہ ۲۲ر فروری ۱۷۹۸ء موسومہ پریزیڈنٹ بورڈ آف کنٹرول میں بایں الفاظ اظہار خیال کیا ہے :۔

" یہ کوئی دور اندیشانہ پالیسی نہیں ہے کہ نظام اور مرہٹے آپس میں لڑکر کمزور ہو جائیں۔ درآنحالیکہ ٹیپو سلطان آرام میں ہیں "

اس سے ظاہر ہے کہ انکے مطمح نظر صرف ٹیپو سلطان تھے۔ گورنر جنرل موصوف نے اس امر پر بھی توجہ کی کہ مرہٹوں اور نظام علیخاں کو معاہدوں کے ذریعہ اپنے قابو میں لایا جائے۔ تاکہ وہ ٹیپو سلطان سے متفق ہو کر ان کی قوت میں اضافہ کرنے کا باعث نہ ہو جائیں۔

مارکوئس ویلزلی بہ حیثیت گورنر جنرل ۱۷ر مئی ۱۷۹۸ء (م یکم ذی الحجہ ۱۲۱۲ھ) کو کلکتہ پہونچے یہاں آنے کے تین ہی ہفتے بعد ان کو یہ اطلاع ملی کہ ٹیپو سلطان کے دو ایلچی فرانس پہونچے۔ جن کے ذریعے انہوں نے حکومت فرانس سے اتحاد قائم کرنے کی تحریک کی اور اسی سلسلہ میں کچھ فرانسیسی عہدہ داروں کو بھی طلب کیا۔ جس پر وہاں سے تقریباً دو سو سپاہی مع عہدہ دار ٹیپو سلطان کے پاس روانہ کئے گئے۔ جو منگلور کی بندرگاہ پر ۲۶ر اپریل ۱۷۹۸ء (م ۱۰ر ذی قعدہ ۱۲۱۲ھ) کو پہونچے۔

(انگریز مورخ اس فرانسیسی فوج کے آنے کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ ٹیپو سلطان

سلطنت خداداد کے مٹانے کی تمہید میں لارڈ ولزلی کا یہ پہلا کارنامہ تھا۔ جو ہندوستان میں آکر اس نے کیا۔

جو کچھ اوپر تحریر کیا گیا ہے۔ وہ تمام انگریزی تاریخوں سے اخذ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ حیدرآباد کی تاریخ کہاں تک حیدرآباد کے اس معاہدہ کو حق بجانب ثابت کرتی ہے؟ کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے مصنف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"

جنگ میسور

۱۷۹۹ء
۱۲۱۴ھ

اسباب جنگ | ٹیپو سلطان کے لڑکے جو ۱۷۹۲ء (م ۱۲۰۶ھ) کے صلحنامہ کے تحت بطور یرغمال کمپنی کے زیر نگرانی تھے۔ اوائل ۱۷۹۴ء (م ۱۲۰۸ھ) میں باعزاز و اکرام واپس کردیے گئے۔ اس کے بعد سے غالباً ٹیپو سلطان اپنی سلطنت کی وسعت کے خیال میں دور دور کے منصوبے قایم کرنے لگے۔ چنانچہ وہ اپنے قلعہ جات کی ترمیم و تعمیر کی طرف توجہ کرنے کے علاوہ دور دور کی خود مختار سلطنتوں سے مراسلت کرنے لگے۔ ایران کے ایک شاہزادے ان کے پاس آئے۔ شاہ افغانستان سے کوئی مفاہمت ہوئی۔ اور ایک سفیر کو خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی کے پاس روانہ کیا۔ شاہ فرانس (نپولین اعظم) سے بھی ریشہ دوانی کی۔ یہ اعمال اس قابل نہیں تھے۔ کہ وہ جماعت (یا کمپنی) ان کو صرف نظر کر جاتی۔ جو جلب منفعت اور ملک گیری کی خاطر اپنا وطن (انگلستان) چھوڑ ہندوستان میں قسمت آزمائی کیلیے آئی ہو۔ انگریزی کمپنی کے عہدہ داروں نے اس کو نظر تعمق سے دیکھ کر قرار دیا کہ ٹیپو سلطان انگریزوں ہی کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور اسی خیال سے انکے منصوبوں کے دفع و خلل کی

نہایت سخت ترین بدگمانی سے دیکھا۔ اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہو سکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روز افزوں قوت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو سواحل ملیبار و کورومنڈل پر اتر آنے کے احکام دیئے اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں، جو بورڈ آف کنٹرول کے پریزیڈنٹ کے موسومہ خط میں ظاہر کیا تھا۔ ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علی خاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس جنگ پا افتادہ مہم میں ان دیسی ریاستوں کی فوجی قوت کمپنی کے زیر اثر آ جائے۔ اور انکے خود مختارانہ اقتدارات کمپنی کے صواب دید پر منحصر ہو جائیں۔" (صفحات ۲۰۱ تا ۲۰۴)

لارڈ ولزلی کا دوسرا کارنامہ

چند سال سے دربار پونا آپس کے اختلافات اور سازشوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اور جس وقت لارڈ ولزلی ساحل ہندوستان پر اترا۔ اس وقت نانا فرنویس دولت راؤ سندھیا کی قید میں تھا۔ اور مسند پیشوائی پر باجی راؤ متمکن تھا۔ دولت راؤ سندھیا اس وقت جو مرہٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھا۔ باجی راؤ پیشوا کا محافظ و نگران تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے دولت راؤ سندھیا کو پونا سے ہٹا دینا چاہا۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے پونا کے انگریزی سفیر کو لکھا گیا کہ نانا فرنویس کی رہائی کے لئے اس شرط پر کوشش کرے کہ وہ انگریزوں کا طرفدار رہے۔ ابھی انگریزی سفیر کو یہ خط ملا بھی نہیں تھا۔ کہ مرہٹوں نے خود آپس میں سمجھوتہ کر لیا۔ اور نانا فرنویس کو رہائی مل گئی۔ جب مرہٹوں میں نفاق ڈالنے کی یہ کوشش ناکامیاب رہی تو اب ضروری سمجھا گیا

انگریزوں سے سابقہ جنگ کا انتقام لیکر اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو واپس حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم کو اس کے تسلیم کرنے میں اس وجہ سے تامل ہے کہ سپاہیوں کی اس قلیل تعداد سے اس سوء ظن کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ کہ یا تو انگریزی کمپنی کو نیچا دکھانے کیلئے صرف انہی دو سو سپاہیوں کی کمی تھی۔ یا یہ کہ ٹیپو سلطان کو صرف انہیں دو سو سپاہیوں کی امداد کی ضرورت تھی۔ یہ ضرور ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے موافق نہیں تھے۔ اور عجب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ نہ صرف اپنے منتشرہ حصہ ملک کو انگریزوں سے واپس حاصل کریں۔ بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر کردیں۔ جبکہ اس نوبت پر اگلے ان اعمال پر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ شاہ کابل و شاہ ایران سے جو مراسلت ہوئی تھی۔ وہ مرہٹہ ریاست کے مقابلے کیلئے تھی۔ شاہ ترکی سے جو مراسلت ہوئی اسکا امکان محض قومیت کے اعتبار سے تھا۔ یا اس لئے کہ خلیفۃ المسلمین کے پاس سے اپنی شاہی کیلئے سند طلب کریں۔ جس کے بعد سے وہ مستند طور پر اپنی ریاست کے خود مختار بادشاہ کہلائے جاسکیں۔ کیونکہ جو امور کہ مخالفین ٹیپو سلطان ان کو برا ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا۔ کہ وہ بطور خود بادشاہ یا سلطان کا لقب اختیار کئے ہوئے تھے۔ شاہ فرانس سے جو مراسلت انہوں نے کی اس لئے ہوسکتی تھی کہ اپنی فوج کو زیادہ باقاعدہ بنانے اور اس کو یوروپی اصول پر فوجی اور حربی تعلیم دلانے کے سامان مہیا کریں۔ اور اس مخالف انگریز قوم سے اس قسم کی مدد حاصل کرنے میں سہولت اسی صورت میں تھی۔ کہ اس قوم کو یہ جتائیں کہ وہ خود بھی انگریزی قوم کے افراد سے خوش نہیں ہیں۔ بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی

شمال میں اور جنوب میں ٹیپو سلطان انکے مقاصد کے سدِ راہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا بطور حفظ ماتقدم دولت راؤ سندھیا کو اپنے مقبوضات شمالی کے بچانے کے لئے شمالی ہند جانے کا مشورہ دیا گیا۔"

مگر دولت راؤ سندھیا نے زماں شاہ کے مفروضہ حملہ کو کچھ بھی وقعت نہیں دی اور برابر پونا میں مقیم رہا۔

اسوقت دوسری تدابیر اختیار کی گئیں۔ دولت راؤ سندھیا پونہ میں مقیم تھا، کہ لارڈ ولزلی نے کرنل کالنس کو سفیر بناکر دولت راؤ کے پایۂ تخت گوالیار کو روانہ کیا۔ یہاں کرنل کالنس نے جو کچھ کیا۔ اس پر تاریخ روشنی نہیں ڈالتی۔ مگر اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سندھیا کے وزراء و امراء میں نفاق پھیل گیا۔ دوسری طرف حیدرآباد کے عظیم الامراء ارسطو جاہ کو یقین دلایا گیا۔ کہ سندھیا تاوان جنگ کیلئے حیدرآباد پر حملہ کرنے والا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسٹر کولبروک کو سفیر بناکر برار کے راجہ کے پاس بھیجا گیا۔

لارڈ ولزلی اپنے خط میں حیدرآباد کے رزیڈنٹ کیپٹن کرک پیاٹرک کو لکھتا ہے:۔

"آپ کو معلوم ہوگا کہ راجہ برار کے پاس ہماری ایک سفارت جارہی ہے، ناگپور کو اپنی جانب ملا لینا ہمارے مقاصد کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اس کیلئے مناسب طریق یہ ہے کہ حیدرآباد کے ذریعہ اس دوستی کو مستحکم کیا جائے۔ اور ہمارے درمیان ایک ایسا عہدنامہ ہو، جسکے ذریعہ سندھیا یا ٹیپو کے خلاف ہم کام لے سکیں۔ اس لئے تم اپنی کوشش سے ناگپور کے راجہ کے عادات و اطوار اور اس کے خیالات دریافت کرو۔ ناگپور کو بہ حیثیت دولت راؤ سندھیا کے سرحد پر پہنچنے کے نہایت ہی اہمیت حاصل ہے۔"

کہ دولت راؤ سندھیا کو پونا سے کسی طرح ہٹا دیا جائے۔ لارڈ ولزلی، کرنل پالمر کو جو بطور سفیر پونا میں تھا۔ ۸ رجون ۱۷۹۸ء میں لکھتا ہے:-

"سندھیا کی طاقتور فوج کا پونا میں رہنا ہی ہمارے مقاصد کیلئے (جو ٹیپو سلطان کے خلاف ہیں) خطرناک ہے۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ سندھیا اور ٹیپو سلطان میں کوئی معاہدہ ہوا ہے یا نہیں۔"

مرہٹوں میں دولت راؤ سندھیا کی طاقت ہی ایک ایسی طاقت تھی جو میدان جنگ میں کارگر ہو سکتی تھی۔ ورنہ پونا میں پیشوا کی طاقت تو بالکل محدود تھی۔ لہٰذا دولت راؤ سندھیا کو پونہ سے ہٹانے کیلئے یہ خبر پھیلائی گئی کہ احمد شاہ ابدالی کا جانشین زمان شاہ والی افغانستان ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔

کیپٹن گرانٹ ڈف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"مرہٹوں کو احمد شاہ ابدالی کے نام سے ہی خوف آتا تھا۔ خبریں پھیلائی گئیں کہ زمان شاہ جو احمد شاہ کا پوتا ہے۔ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے انگریزوں کا مقصد یہ تھا کہ سندھیا پونہ چھوڑ کر اپنے شمالی ہندوستان کے مقبوضات بچانے کیلئے چلا جائے۔"

مورخ مل لکھتا ہے:-

"قندھار میں بغاوت ہوئی۔ تو زمان شاہ والی کابل بغاوت فرو کرنے کیلئے کابل سے نکلا۔ اس سے نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ یہ افواہ ہی افواہ تھی۔ مگر طرفہ یہ کہ ۱۰ اکتوبر ۱۷۹۸ء کی تاریخ بھی مقرر کی گئی۔ کہ اس دن زمان شاہ ہندوستان پر حملہ کریگا۔ انگریزوں میں اضطراب پھیل گیا۔ کہ زمان شاہ

ان سے نانا فرنویس کو معلوم ہوئے بغیر پیشوا نے ۱۲ لاکھ روپیہ حاصل کیا ہے۔ یہ ایک چال تھی جو وہاں کے انگریزی سفیر نے چلی۔ مقصد یہ تھا کہ اخیر وقت میں نانا فرنویس اور پیشوا میں آن بن ہو جائے۔ اور اس طرح اس معاملے کے سلجھنے تک بغیر مرہٹوں کی امداد کے میسور پر قبضہ کر لیا جائے۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی چال تھی جو کامیاب ہو گئی۔

یہ تمام تدابیر اس لئے اختیار کئے گئے کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ خود ولزلی کو معلوم نہیں تھا کہ آئندہ واقعات کیا پیش کھائیں گے۔ اس لئے اس نے پیش بینی سے یہ کارروائی کی۔ کہ مرہٹے جنگ سے علیحدہ بھی رہیں۔ اور بوقت ضرورت ان کی امداد بھی حاصل کیجائے۔

زماں شاہ

نظام الملک اور مرہٹوں سے معاہدہ کر لینے کے بعد ولزلی نے افغانستان پر توجہ کی۔ اس کو معلوم تھا کہ سلطان کے ایلچیاں افغانستان گئے ہوئے ہیں۔ اس نے سمجھا کہ اگر سچ مچ زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کر دے تو شمال میں افغان اور جنوب میں ٹیپو سلطان انگریزوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس لئے اس نے زماں شاہ کے حملے کو روکنے کیلئے ایک ایسی گہری سازش کی۔ جو بالکل کارگر ہو کر رہی۔ ولزلی نے مراد آباد کے ایک شیعہ مسلمان کو ایران بھیجا۔ اس شخص نے وہاں جاکر عباس شاہ صفوی کے گوشگذار کیا کہ افغانستان میں شیعوں پر حد درجہ ظلم وستم ہو رہا ہے۔ انکے جان اور مال محفوظ نہیں ہیں۔ انکے عقاید پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اور سینکڑوں شیعہ ہر روز تہ تیغ کئے جا رہے ہیں۔

یہ سنکر عباس صفوی نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے اس حملہ کی خبر سن کر زماں شاہ جو اسوقت سرحد ہندوستان پر تھا۔ کابل کو واپس ہو گیا۔

ناگپور کے راجہ اور انگریزوں میں معاہدہ

دوسری طرف سلطنت اودھ وارن ہیسٹنگس کے زمانہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تابع ہو چکی تھی۔ لہٰذا اودھ کے اندر سندھیا کے سرحد پر ایک بہت بڑی انگریزی فوج مقیم ہو گئی۔ اور خبر یہ پھیلائی گئی کہ اودھ کا نواب وزیر علی بنارس سے مفرور ہے۔ اور گمان ہے کہ وہ زماں شاہ کے پاس گیا ہوگا۔ لہٰذا یہ فوج صرف کمپنی کے مقبوضات کے تحفظ کیلئے رکھی گئی ہے۔ کہ زماں شاہ حملہ نہ کردے۔ دولت راؤ سندھیا کو جب یہ خبریں پہونچیں تو اس کو معلوم ہو گیا کہ انگریز اس کی سلطنت پر حملہ کرنے والے ہیں۔ وہ پونا سے نکل کر گوالیار چلا گیا۔ اس طرح وہ سب سے بڑا خطرہ جو لارڈ ولزلی کو تھا۔ دور ہو گیا۔ اس کے بعد دربار پونا میں نانا فرنویس اور پیشوا کے آگے "سب سی ڈیاری سسٹم" پیش کیا گیا۔

گرانٹ ڈف اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۲۲ پر لکھتا ہے:۔

> "اس سسٹم کو قبول کرنے کے عوض انہوں نے یقین دلایا کہ باہمی دوستی کے جو پہلے معاہدے ہیں۔ ان پر وہ قایم رہیں گے۔ اور اگر ٹیپو سلطان و ایسٹ انڈیا کمپنی میں جنگ ہو تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو تائید دی جائے گی۔ اور اس مقصد کیلئے انہوں نے ایک فوج بھی تیار کرلی۔"

سب سی ڈیاری سسٹم قبول کرنے کیلئے مصلحت وقت کے لحاظ سے پونا پر اور زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ لارڈ ولزلی کا مقصد تو یہ تھا کہ مرہٹے غیر جانبدار رہیں اور یہ مقصد حاصل ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے آخری وقت میں پونا کی اس امداد کو مسترد کر دیا اور اس کا سبب یہ بتلایا گیا کہ ٹیپو سلطان کے سفیر جو دربار پونا میں آئے ہوئے تھے

۱۷۹۸ء میں سلطان کا سفیر فرانسیسیوں کے پاس جزائر مراشس کو جا کر واپس آیا۔ وہاں طرفین میں معاہدہ ہوا تھا۔ کہ ایک دوسرے کو بوقت ضرورت تائید دیں گے۔

سلطنت خداداد ایک آزاد سلطنت تھی۔ اس کو اختیار تھا کہ جس کسی سے چاہے۔ اس قسم کے معاہدے کرے۔ آج بھی تمام سلطنتیں اپنے تحفظ کیلئے ایسا کرتی ہیں۔ لیکن اس سے جنگ کے شعلے نہیں لپک اٹھتے۔ مگر ولزلی کے نزدیک سلطان کا یہ ایک جرم تھا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا کہ سلطان فرانس سے تعلقات پیدا کرے یا ہندوستان میں ایک فرانسیسی بھی رہے۔ گو اس وقت جب ولزلی سلطان سے جنگ کی چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ تو اسوقت فرانسیسی بیڑے کو ابوقیر میں شکست ہو چکی تھی۔ اور نپولین مصر سے فرانس کو واپس ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ خطرہ بھی نہیں تھا کہ فرانس ہندوستان پر حملہ کریگا۔ لیکن ولزلی شروع ہی سے یہ خیال لے آیا تھا کہ جب تک ٹیپو سلطان ہندوستان میں ہے۔ یہ ملک انگریزوں کا ہو نہیں سکتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعلقات اس وقت کیسے تھے۔

عین اس وقت جبکہ لارڈ ولزلی کلکتہ آرہا تھا تو سلطان کا خط سر جان شور کے نام ۲۹/ اپریل ۱۷۹۸ء میں پہونچا۔

"آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ انگلستان جا رہے ہیں۔ اور لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل ہو کر آرہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ لارڈ مارننگٹن پر ہماری اس باہمی دوستی اور خلوص کا اظہار ضرور کریں گے۔ جو سلطنت خداداد اور کمپنی کے درمیان ہے۔ اور انہیں ہمیشہ اپنی خیریت کے خطوط لکھنے کیلئے کہیں گے۔

میری خلوص نیت اور دوستی پر اعتماد کرتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ آپ وطن جا کر بھی ہمیشہ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیں گے۔"

سلطنتِ خداداد سے انگریزوں کی چوتھی جنگ کے اسباب

حیدرآباد کی آزادی سلب کر لی گئی تھی پونا انگریزی جال میں پھنس گیا تھا. دولت راؤ سندھیا کا خطرہ دور ہو چکا تھا اور زماں شاہ کے خلاف ایران کو مشتعل کر دینے کے بعد ولزلی کو یقین ہو گیا. کہ اب ٹیپو سلطان کو کہیں سے تائید حاصل نہیں ہو سکتی. اس لئے اب سلطان پر حملہ کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈھے جانے لگے. لارڈ ولزلی کو کارنوالس اور جنرل میڈوز نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ سلطان کے امراء و وزراء کس قماش کے ہیں. اور کون کون لوگ انگریزوں کے مدد و معاون ہو سکتے ہیں. اور سرنگاپٹم پر قبضہ کرنیکے آسان طریقے اور راہیں کیا ہیں.

کپتان مل کی یادداشتوں میں لے مور لکھتا ہے ؛ ۔

"میسور کی تیسری جنگ میں جب سلطان سرنگاپٹم میں محصور تھا. اور تمام ملک انگریزی قبضہ میں تھا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رعایا کو سلطان سے بدظن کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا. سلطان شکست خوردہ تھا. اس لئے اس کی رعایا کو اس سے منحرف کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی. سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا. کہ آئندہ وقت پڑنے پر لوگ انگریزوں کے طرفدار بن جائیں. ہم نے اس وقت جو کچھ کیا اور آئندہ جو کچھ کرنے والے ہیں. اس کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کی سلطنت بچنے والی نہیں ہے !!"

لارڈ کارنوالس نے جو بیج بوئے تھے. ان سے ولزلی پورا فائدہ اٹھایا. اور ان نمک حراموں کی ملک میں کمی نہیں تھی جو ملک میں سازشیں کر رہے تھے. اور اغیار کے اشاروں پر رقصاں تھے.

ہوں گے۔ تاہم میں اس کی ایک نقل روانہ کرتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ اعلان ہمارے اور سلطان کے درمیان شدید بحث کا دروازہ کھول دیگا۔ نہیں معلوم کہ اس بحث کا نتیجہ کیا نکلے اور شاید جنگ بھی ہو۔ اس لئے آپ فوجوں کی تیاری کی طرف خیال رکھیں، اور سرحد سلطنت خداداد کے مناسب مقامات پر ابھی سے فوج بھیجدی جائے۔"

مدراس کی گورنمنٹ واقف تھی۔ کہ سلطان کی نیت انگریزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۹ر جولائی ۱۷۹۸ء کو مدراس گورنمنٹ کا سکریٹری مسٹر جوسیوب لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے سفیر کا ماریشس کو جانا خواہ کوئی مقصد رکھتا ہو۔ یا یوروپ میں حالات کچھ بھی ہوں۔ یہ مصدقہ اطلاع مل چکی ہے۔ کہ ماریشس سے فرانسیسی سپاہی یوروپ چلے گئے ہیں۔ بحری فوج توڑ دی گئی ہے۔ اس لئے قریب میں سلطان اور فرانسیسیوں کا اتحاد ناممکن ہے۔ لہٰذا ہمیں کوئی ایسی کاروائی نہیں کرنا چاہیئے۔ جس سے ہم پر یہ الزام آئے کہ پیش قدمی ہماری جانب سے ہوئی ہے۔"

جوسیوب کی تحریر کے علاوہ کرنل ولزلی جو لارڈ ولزلی کا بھائی تھا اس نے بھی یک خط اپنے بھائی کو لکھا۔ اس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ:۔

"یہ یک غلط خیال ہے کہ ٹیپو سلطان کے پاس ایک ایسی فوج ہے جو جنگ کرنے کے لئے بےتاب ہے۔ میں نے جہاں تک تحقیق کی ہے۔ یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے۔

(ماڈرن میسور)

مگر ولزلی پر ان تحریروں کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ وقت کی تلاش میں تھا۔ اس

پھر ۱۰ر جولائی ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط لارڈ ولزلی کے نام آیا۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا:-

"آپ کا خط جس میں آپ کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے باعث مسرت ہوا۔ آپ کی خیریت کی خبر سنکر دل کو جو خوشی ہوئی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دونوں سلطنتوں میں جو رشتہ اتحاد قائم ہے، وہ آپ کی موجودگی سے اور زیادہ مستحکم ہو جائیگا۔ معاہدہ کی پابندی اور دوستی کا نباہنا میرا مقصد وحید ہے۔ آپ بھی جو دوستی و مروت کے دل سے خواہاں ہیں، یقین ہے کہ اسی طرح اتحاد اور یگانگت کو قائم رکھیں گے۔"

پچھلی جنگ میں (جو لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں ہوئی تھی) ملک وائناڈ کے کچھ حصہ پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔ حد بندی کی رو سے یہ علاقہ سلطنت خداداد کی ملکیت میں تھا، اور سلطان بار بار سر جان شور کو دوستانہ طور پر اسکی واپسی کیلئے لکھ رہا تھا لارڈ ولزلی نے ان مراسلات کو دیکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ فوراً اس نے ایک کمیشن مقرر کر دیا کہ حد بندی کا تصفیہ کر کے وائناڈ کا علاقہ سلطان کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ ولزلی نے ۴ر جون ۱۷۹۸ء کو سلطان کو ایک خط لکھا کہ وہ صلح اور دوستی کا خواہاں ہے۔ اس خط میں وائناڈ کے معاملہ میں کمیشن کے تقرر کی اطلاع دی گئی مگر یہ ایک سخت دھوکا تھا جو دیا گیا۔ کہ سلطان کو دوستی کا یقین آجائے۔ اور اس پر لارڈ ولزلی کے عزم و ارادے ظاہر نہ ہوں۔ اس خط کے صرف تین دن بعد لارڈ ولزلی مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے:-

"مرشس میں فرانسیسیوں نے ہمارے خلاف جو اعلان کیا، اس سے آپ واقف

کے اور فرانس والوں (جو کمپنی کے دشمن ہیں) کے درمیان کس قسم کی خط وکتابت ہوتی ہے۔ تحقیق حالات کے لئے میجر ڈوٹن کو روانہ کیا جا رہا ہے۔ اس کو یہ بھی ہدایت کردی گئی ہے کہ کمپنی کے تحفظ کیلئے سلطان سے جو علاقہ چاہیے۔ اس کا مطالبہ کرے۔"

اس خط میں یہ بھی اشارۃً لکھا گیا تھا کہ سلطنتِ خداداد کا تمام ساحلی علاقہ انگریزوں کے حوالے کردیا جائے۔

ابھی اس خط کا جواب نہیں دیا گیا تھا کہ لارڈ ولزلی کمپنی کی تمام بحری اور بری فوجوں کو تیاری کا حکم بھیجدیتا ہے۔ اور خود ۳۱ دسمبر ۱۷۹۸ء میں مدراس پہنچ جاتا ہے لارڈ ولزلی کو سلطان کا جواب مدراس میں ملتا ہے۔ جس میں سلطان نے لکھا تھا۔

"سلطنت خداداد میں ایک ایسی قوم بھی آباد ہے جو بحری تجارت کرتی ہے۔ اسنا ملک سے چاول لیکر انکا ایک جہاز مرانشس پہونچا اور واپسی میں مرانشس کے چالیس باشندے ملازمت کے خیال سے اس سلطنت میں آگئے۔ ان میں سے دس۔ بارہ کو ملازمت دیدیگئی اور باقی لوگ ہنرور نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہوگئے۔

یہ میرا دلی مقصد ہے کہ ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے۔ اس کو پورا اور دوستی و اتفاق کو اور زیادہ مستحکم کروں۔ میں اس وقت یا تو محل میں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ یا سیر و شکار میرا مشغلہ رہگیا ہے۔ ان حالات میں آپ کا یہ لکھنا کہ اتحادی اپنا تحفظ چاہتے ہیں۔ اور بصورت دیگر جنگ کا اشارہ کرنا مجھے متحیر کر رہا ہے۔ خدا کے فضل وکرم سے یہ امید ہے کہ آپ درمیان میں کوئی ایسی بات آنے نہ دیںگے۔ جس سے طرفین کے دل خراب ہوں۔"

کی سازشیں جن کا ذکر اگلے صفحات میں ہو چکا ہے، ابھی پوری نہیں ہوئی تھیں۔

ادھر تو لارڈ ولزلی سلطنت خداداد کو فنا کرنے کے لئے دن رات جوڑ توڑ کر رہا تھا اور ادھر سادہ دل سلطان کو ولزلی پر اعتماد و اعتبار تھا۔ چنانچہ ۲۰ر ستمبر ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط ولزلی کو پہونچا، اس میں تحریر تھا۔

"مفسد لوگ ہمیشہ اس دھن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح دونوں سلطنتوں میں نفاق و عداوت کا بیج بو دیا جائے۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے مجھے امید ہے کہ دوستی و محبت کا یہ حشمۂ صافی ہرگز آلودہ نہ ہوگا۔"

سلطان کا یہ خط گو لارڈ ولزلی کو ستمبر میں ملا تھا۔ لیکن اس نے نومبر تک جواب نہیں دیا۔ اس کی ذہنیت کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو اس نے سلطان کا خط ملنے کے بعد بھی کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھا۔

"مجھے یقین ہے کہ سلطان بغیر فرانس والوں کی مستعد امداد کے کچھ کر نہیں سکتا۔ تاہم میں محسوس کر رہا ہوں کہ بہت جلد ہم کو جنگ کرنے کی ضرورت ہے۔" (۴ر نومبر ۱۷۹۸ء)

لیکن دوسری طرف اسی تاریخ یعنے ۴ر نومبر کو سلطان کے خط کے جواب میں لکھتا ہے کہ:-

"آپ کو اس خبر کے سننے سے خوشی ہوگی کہ جنگ طرفوں میں فرانس والوں کو سخت شکست ہوئی ہے۔"

اس خط کے بعد ۸ر نومبر کو ایک اور خط لکھا جاتا ہے۔ ولزلی کی تجاویز پوری ہو چکی تھیں۔ اس لئے اب اس کو اور زیادہ اپنے ارادوں کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی اس ۸ر نومبر کے خط میں لکھتا ہے:-

"یہ نا ممکن ہے کہ آپ یہ خیال کریں کہ مجھے اس خبر کی اطلاع نہیں ہے کہ آپ

آگے چلکر لکھا جاتا ہے :-

"آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کے سرانجام دینے کیلئے کرنل کلوز، کرنل ویلزلی، لفٹنٹ کرنل کلوز، لفٹنٹ کرنل آگنیو، کیپٹن مالکم اور کیپٹن مکالے کو تجویز کرتا ہوں"

ان تحریروں سے نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ پروپاگنڈا اور سازشیں کرنے کے لئے کس قدر اہتمام کیا گیا۔ جنگ میں انگریزوں کی کامیابی ہتھیار اور فوجوں کی رہین منت نہیں بلکہ سلطان کے امراء و وزراء کی غداری تھی۔

مورخ باسو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"گذشتہ جنگ میں کارنواس کی کامیابی بھی اسی سازشش اور غداری کی رہین منت تھی۔ اور اس دوسری جنگ میں بھی اس کا کھلا ثبوت اس خط سے ملتا ہے۔ جو گورنر مدراس نے ۲۷ر نومبر ۱۷۹۸ء کو لارڈ ویلزلی کو لکھا تھا :-

"میں آپ کی توجہ کیلئے ایک تحریر روانہ کر رہا ہوں۔ جسکی صداقت پر مجھے کامل اعتماد ہے۔ یہ تحریر اس شخص کی ہے۔ جو میسور کے سابق حکمران خاندان کا نہایت گہرا دوست تھا۔ اور جسکی اطلاعات گذشتہ جنگ میں نہایت اہم اور صحیح تھے۔ ترل راؤ کے تعلقات میسور کی عمر رسیدہ رانی سے (جو ٹیپو سلطان کی حراست میں ہے) نہایت دوستانہ ہیں۔ اور جس کی تمام امیدیں جنگ سے وابستہ ہیں۔ اس بدقسمت عورت کے خیالات اور ارادوں سے میں عنقریب آپ کو اطلاع دونگا اور وہ تحریر آپکے غور و فکر کے قابل ہوگی۔ ترل راؤ کے تعلقات ان لوگوں سے بھی ہیں۔ جو سلطان کے مقرب بارگاہ ہیں۔"

یہ خط پہنچنے کے ۹ دن بعد تک ولزلی اس پر غور کرتا رہا۔ جس کے بعد وہ ایک اور خط لکھتا ہے۔ جس میں شرائط پیش کی جاتی ہیں۔ اور سلطان کو جواب کے لئے چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی جاتی ہے۔ اسکے بعد لارڈ ولزلی اور ایک خط تحریر کرتا ہوا سلطان کو سلطان ترکی کا وہ فرمان بھی بھیجتا ہے۔ جس میں فرانسیسیوں کے خلاف (ترکوں کی طرف سے) اعلان جہاد تھا۔

مگر سلطان کی حمیت نے ان شرائط کا قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ اور نہ ان خطوط کا کوئی جواب دیا۔

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:۔

"نمک حرام میر صادق ان خطوط کو سلطان تک پہنچنے ہی نہیں دیتا تھا"

بہر طور لارڈ ولزلی نے ۳ تاریخ کو فوج کو میسور پر بڑھنے کا حکم دیدیا۔ سلطان کو جب اس فوج کشی کی خبر ہوئی تو ۱۳ فروری کو میجر ڈوٹن کو بھیجنے کے لئے خط لکھا۔ مگر ولزلی نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔

۲۲ فروری کو سلطان کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ مگر اس سے ایک مہینہ بیشتر ہی لارڈ ولزلی نے سلطنت خداداد کی تباہی کیلئے سازشوں کا پورا سامان تیار کر چکا تھا۔ ولزلی اپنے ایک خط میں جنرل ہارس کو لکھتا ہے:۔

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ سلطان کے امراء و وزراء اور باجگذار سلطان کے خلاف اور ہمارے سایہ میں آنے کے خواہاں ہیں۔ اس موقع پر ہم کو جبکہ خود سلطان کی وجہ سے جنگ اختیار کرنا پڑا ہے تو ہمارے لئے یہ عین انصاف ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو ان سے فائدہ اٹھائیں"

نوٹ:- اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس معاہدہ کی نقل رانی کو کہاں اور کس ذریعہ سے دستیاب ہوئی؟ سوائے پورنیا کے اور کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو اس معاہدہ کی نقل رانی کو دیا ہو۔ (محمود)

کتاب ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۱ پر ایک اور خط دیا ہے۔ جو میسور کی رانی کی طرف سے لارڈ ولزلی کو فبروری میں ملا۔

"ابھی حال میں معلوم ہوا کہ خدا نے آپ کو اعلیٰ مرتبہ بخش کر اس ملک کو بھیجا ہے۔ یہ بھی سنا گیا کہ آپ ارادوں کے نیک اور ہمدرد ہیں۔ اس لئے ہم آپ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں۔ اگلے عہدناموں کے مطابق ہمارا ملک ہم کو لے کر دیدیجئے۔"

اس خط کا جواب ۱۷ اپریل کو سکرٹری جوشیو وب نے اس طرح دیا:-

"آپ کا پرولیہ نزل راؤ ایک عرصے سے ہیں۔ آپ کے متعلق اطلاعات پہونچا رہا ہے۔ لارڈ صاحب صدق دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی تائید کرتے ہوئے آپ کی ریاست آپ کو واپس دے دی جائے گی۔"

بہرطور انگریزی فوجیں جو دو ماہ پیشتر ہی سے سرحد پر موجود تھیں نہایت سرعت کے ساتھ ۲۲ فروری کو سلطنتِ خداداد کی طرف بڑھیں۔ انکے ساتھ میر عالم کی سرکردگی میں حیدرآباد کی فوجیں بھی تھیں۔ یہ فوجیں خفیہ طور پر بڑھکر خاص حدود سلطنت کے اندر رائی کوٹہ پر قابض ہوگئیں۔ اور انگریزی فوج کے جاسوس اور سپاہی مختلف مقامات میں بھیس بدلکر ان غداروں کے مکانوں میں جو اس سازش میں شریک تھے مقیم ہوئے۔ اور یہ قریب قریب تمام مسلمان ہی تھے۔ یہ تو ابھی تک زبان زد خاص و

مدراس کے گورنر نے میسور کی رانی کی جس تحریر کا حوالہ اپنے مذکورہ بالا خط میں دیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی خط ہو جو رانی نے اپنے ایجنٹ ترل راؤ کو لکھا تھا۔ اس خط کا اقتباس کتاب "پروہانس آف میسور" کے صفحہ ۳۵ و ۳۶ سے ذیل میں پایا جاتا ہے:۔

"ہم نے اپنی کھوئی ہوئی حکومت کے حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے ۱۷۶۱ء میں نواب محمد علی والا جاہ کے توسط سے ایک ایلچی کو روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۷۸۲ء میں لارڈ مکارٹنی (مدراس کا گورنر) نے پوری طور پر یقین دلایا کہ ہماری ریاست ہم کو بحال کر دی جائیگی۔ اس کیلئے یہاں سازش کی گئی۔ لیکن عین وقت پر ٹیپو کو اس کا علم ہو گیا۔ اور ہم ناکامیاب رہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے۔ کہ لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں کیا گذری۔ اب سنا جاتا ہے کہ آپ اس ارادہ سے یہاں تشریف لاتے ہیں کہ ہماری حکومت ہمیں واپس دلادی جائے۔ اس کیلئے اگر آپ کوشش کریں تو اخراجات جنگ کے طور پر ایک کروڑ پگوڈے (ایک پگوڈا۔ ساڑھے تین روپئے) آپ کی نذر کئے جائیں گے۔ ترل راؤ سے آپ کو تفصیلات معلوم ہونگی۔"

اس خط میں رانی نے ترل راؤ کو لکھا تھا:۔

"گورنر اور انگریزوں سے کہو کہ وہ اگر ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو نہ کریں۔ لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کیلئے فرانس والوں کے اس ملک میں پہونچنے سے پیشتر ضروری ہے کہ سلطان سے بھگت لیا جائے۔"

اس خط کے ساتھ رانی نے اس معاہدہ کی نقل بھی ملفوف کی تھی۔ جو سلطان اور فرانس والوں کے درمیان ہوا تھا۔ (کتاب پروہانس آف میسور صفحہ ۳۵)

سلطان آگے بڑھا۔ اور انگریزی فوج کے ایک حصہ سے اس کا مقابلہ ہوگیا۔

انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔"

راجہ کی اطلاع وہی سے انگریزی فوج کا دوسرا حصہ جو پیچھے آرہا تھا۔ نمبر دار ہوگیا۔ سلطان اب اس پر متوجہ ہوا۔ چونکہ انگریزی فوج کے بڑے حصہ کو شکست مل چکی تھی۔ سلطان نے میر قمرالدین کو دوسرے حصہ کی سرکوبی پر مامور کرکے آپ مشرقی محاذ میں آکر چن پٹن کے قریب کیا مپ کیا۔

اس عرصہ میں حیدرآبادی و انگریزی فوجیں دلٹے کوٹہ سے نکلکر آنیکل پر قبضہ کرتی ہوئی چن پٹن کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ مگر جب انہیں سلطان کی موجودگی کی اطلاع ملی تو جنرل ہارس اس راستہ کو کاٹ کر خان خانہلی پر جا پہنچا۔ یہ دیکھکر سلطان نے ملولی پیچھے گلشن آباد کی سرحد پر جنگ کا سامان کیا۔ یہاں سلطانی فوج نے دل کھول کر داد مردانگی دی۔ قریب تھا کہ انگریزی مورچہ فتح ہو جائے۔ لیکن میر معین الدین اور پورنیا نے سلطانی سپاہ کو انگریزی توپ خانہ کی زد میں لگا دیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی توپوں نے سب کا ڈھیر کر دیا۔ تب سلطان نے ساری فوج جمع کرکے حملہ کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی سید غفار، نواب حسین علیخاں اور نواب محمد رضا خاں سپہ سالاران افواج سلطانی ایک ایک طرف سے ٹوٹ پڑے۔ عین اس وقت جب اپنے درپے حملے ہو رہے تھے تو نواب محمد رضا خاں کو گولی لگی۔ اور وہ جاں بحق ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سلطان نے نواب کی لاش پالکی میں ڈالکر سرنگاپٹم روانہ کردیا۔ اور خود دشمن کے مقابلہ پر آیا۔

عام ہے کہ شہر چاپور وغیرہ میں بہت سے ایسے مسلمان تھے۔ جو انگریزوں کو اپنے مکانوں میں چھپائے ہوئے رکھے تھے۔ انگریزی فوج خفیہ طور پر آگے بڑھ رہی تھی مگر میر صادق اور پورنیا وغیرہ سلطان کو دھوکہ دے رہے تھے۔ کہ انگریزوں کی کیا مجال ہے۔ جو ملک کے اندر قدم رکھ سکیں۔ اگر ایک طرف مدراس کی جانب سے جنرل ہارس کے ماتحت انگریزی فوج بڑھ رہی تھی تو دوسری طرف ملیبار اور کورگ کے راستہ سے اور ایک انگریزی فوج جنرل اسٹوارٹ کے ماتحت پایۂ تخت پر آرہی تھی۔ سلطان کو جب اسکی خبر ہوئی تو اس کو حیرت ہوئی کہ اسکے ۱۳ر فروری کے خط کا جواب دینے کے عوض فوج کشی کی گئی ہے۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ انگریزی فوج کے مقابلہ کے لئے نکلا۔

سنکلیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"سداسیر کے مقام پر انگریزی وسلطانی فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔"

لوئیس رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۲۹ پر لکھتا ہے:۔

"۵ر مارچ کی صبح تھی۔ سلطان تین دن کے اندر پریاپٹن پہونچ گیا۔ پریاپٹن کا میدان خیموں اور ڈیروں سے بھرا ہوا تھا۔ جس میں سبز خیمہ نہایت نمایاں طور پر نظر آرہا تھا۔ سداسیر کی پہاڑی سے یہ منظر دیکھ کر کورگ کا راجہ نہایت سرعت کے ساتھ یہ خبر انگریزی لشکر میں پہنچا دیا۔"

انگریزی فوج کو گمان تک نہیں تھا کہ سلطان اس قدر جلد نقل وحرکت کر سکیگا اور خصوصاً کورگ کے جنگلوں میں۔ رئیس لکھتا ہے:۔

"دوسری صبح اس گھنے جنگل میں جب تمام ملع سخت کہر میں گھرا ہوا تھا۔

کے اندر جو فصیل قلعہ اور دریا سے بالکل نزدیک تھا۔ مورچہ لگا کر بیٹھ گیا۔

جنرل میڈوز اپنی کتاب ٹیپو سلطان میں لکھتا ہے:۔

"انگریزی فوجوں کو ہوسہلی کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل میں ٹھہراتے ہوئے قلعہ کے اس سب سے کمزور پہلو کو بتلانیوالا میر قاسم علی بن پٹیل سید نور الدین تھا۔"

غرض جب انگریزی فوجوں نے سرنگاپٹم کے اطراف میں اچھی طرح ضروری اور مضبوط مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی تو اس وقت ٹیپو سلطان نے اپنے افسروں اور معتمدوں کے طرز عمل سے معلوم کر لیا کہ

"یہ نمک حرام گندم نما جو فروش"

میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان نے موسیو سیپیو اور دوسرے افسران فرانسیس کو یاد فرما کر ان پر ظاہر کیا کہ:۔

"حالت موجودہ کو تم دیکھ رہے ہو۔ جس پر کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں کو میں اپنا معتمد اور یار غار جانتا تھا۔ ان کی مکاری اور دغا بازی کو حیرت سے دیکھ رہا ہوں۔ اور غنیم کا زور روز بروز ساعت بساعت ہر جگہ بڑھتا جا رہا ہے اب کیا کرنا چاہیے؟"

فرانسیسی سرداروں نے جواب دیا:۔

"ہم نے حضرت کا نمک کھایا ہے۔ اور حضرت نے ہمیشہ ہم پر بھروسہ کیا ہے ہم حضرت کے پسینے پر اپنا خون گرانے کیلئے تیار ہیں۔ اب صلاح وقت یہ ہے کہ حضرت جواہرات کی پیٹیاں اور اشرفیاں اور توشکخانہ کا قیمتی سامان لیکر مع خواتین حرم سرا کے

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور حملہ

سلطان کا نیر اقبال ڈوب چکا تھا۔ اور اتحادیوں کی چال کامیاب ہو گئی تھی۔ کیا میدان جنگ اور کیا دارالسلطنت ہر جگہ نمک حرام افسر انگلیوں پر رقصاں تھے میدان جنگ میں سلطان کو خبر پہونچی کہ سرنگاپٹم پر حملہ کی تیاری ہو رہی ہے۔ میر قمرالدین نے غداری کر کے انگریزی فوج کا کورگ میں مقابلہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ جنرل اسٹوارٹ بغیر کسی رکاوٹ کے پایۂ تخت تک پہونچ گیا۔

ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"میر قمرالدین انگریزی فوج کے پیچھے پیچھے اس طرح آیا کہ گویا وہ بھی بار برداروں میں شامل ہے"

اس غیر متوقع خبر کے ساتھ ہی سلطان دارالسلطنت کو مراجعت فرما ہوا۔ سلطان کے پلٹتے ہی انگریزی فوج بغیر کسی مدافعت کے سرنگاپٹم پر بڑھی۔ اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج سے مل گئی۔ اور ان مورچوں پر قبضہ ہو گیا۔ جو سلطان نے قلعہ کے سامنے شمال میں تعمیر کیے تھے۔ یہاں بھی سازش کی وجہ سے مدافعت بالکل نہیں ہوئی۔ انگریزی فوج کا وہ حصہ جو جنرل ہارس کے ماتحت تھا ہرہلی کے پاس دریا عبور کر کے قلعہ کے عین مقابل جنوب مغرب میں ایک گنجان[1] باغ

---

[1] مصنف کتاب نے اس مقام کو دیکھا ہے۔ یہاں کے باغات اب بھی اسی طرح گنجان ہیں۔ یہاں چھپی ہوئی فوج فصیل سے نظر نہیں آتی۔ اس باغ سے فصیل قلعہ تک درمیان میں صرف دریائے کاویری اور خندق ہے۔ دریا کی چوڑائی اس جگہ بالکل کم رہ گئی ہے۔ درمیان میں مختلف مقامات پر ایسی پتھریلی زمین ہے۔ جو بالکل خشک رہتی ہے۔ اس لئے بجز اس موسم کے جبکہ دریا میں طغیانی آئی ہو۔ اس مقام کو آسانی کے ساتھ عبور کیا جا سکتا ہے۔ اور فصیل قلعہ بھی یہاں کچھ ایسی اونچی نہیں۔ (محمود)

"جہاں پناہ! اس قوم نے کس کے ساتھ وفا کی ہے۔ جو آپ کے ساتھ کریگی۔

فرانسیسی اور انگریز دونوں ایک ہیں۔

"سگ زرد برادر شغال"

حضرت: یقین فرمالیں کہ جیسے ہی حضرت نے قلعہ ان کے سپرد کیا۔ یہ انگریزوں کے تفویض کردیں گے۔" (نشانِ حیدری)

سلطان نے چاہا کہ انگریزوں سے صلح کرلے۔ مگر وہاں سے ایسی ذلیل شرائط آئیں کہ بجز جنگ کے چارہ ہی نہ رہا۔ اور ان میں فرانسیسیوں کی برطرفی، ساحل بحر کے تمام علاقہ کی حوالگی اور خراجگذاری کا مسئلہ بھی تھا۔ مگر غیور دل سلطان نے اپنے وفادار فرانسیسیوں کو حوالے کرنا، اور خود دوسروں کا مطیع ہو کر رہنا گوارا نہیں کیا۔ لہٰذا سلطان نے ان شرائط کو قبول نہیں کیا۔ اور خود انگریز معترف ہیں کہ سلطان کو شرائط ماننے کیلئے صرف چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی گئی۔ وزیر جنرل ہارس کو خفیہ ہدایات بھی تھیں کہ سرنگاپٹم فتح ہونے تک صلح کے متعلق کسی طرح کی کوئی گفت وشنید نہ کی جائے۔ لہٰذا انگریزی توپ خانہ سے قلعہ پر برابر گولہ باری ہوتی رہی۔ اور اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے کہ قلعہ سے جو گولے انگریزی فوج پر آرہے تھے۔

"ان میں سن اور مٹی بھری ہوئی تھی۔" (نشانِ حیدری)

پھر سلطان نے چاہا کہ تمام جواہرات وخزانہ اور توشکخانہ کا اعلےٰ سامان مع زنانہ قلعہ چتل درگ کو روانہ کردیا جائے۔ اور وہ سامان حسب الحکم صندوقوں میں رکھا گیا۔ تاکہ ہاتھیوں اور اونٹوں پر بار کیا جائے۔ اور زنانہ سواریوں کیلئے تیز رفتار بیلوں اور کہاروں کا انتظام ہوگیا۔ اور اس کے متعلق دوسرے انتظامات بھی کئے گئے۔

آدھی رات کے بعد خاموشی کے ساتھ قلعہ میسئے سے باہر تشریف لے جائیں۔ باہم
ملکر دس ہزار سوار جرار اور پانچ ہزار فوج باقاعدہ پیادہ کا زبردست بدرقہ معہ
بیس ضرب توپ کے ساتھ ہیں۔ اور بہ بیل یلغار صوبہ سرا و قلعہ چیلدرگ پر جا پہنچیں
اور نہایت معتمد افسروں اور جاں نثاروں کو مختلف کاموں پر مامور فرمادیں۔ اور
یہ قلعہ فدوی اور سیبو لالی سپہ سالار کے تفویض کر جائیں۔ جبتک ہم میں سے
ایک بھی باقی رہیگا حضرت کے ادائے نمک میں قصور نہ ہوگا۔ اور اگر یہ بات منظور
خاطر نہ ہو تو حضرت ہم سب فرانسیسوں کو پکڑ کر انگریزوں کے سپرد کر دیں۔ وہ ہمارے
نکالنے سے حضرت کے ساتھ مصالحت کی گفتگو کرنے لگیں گے۔ کیونکہ ان کو زیادہ تر
ہمارے ہی ساتھ کینہ و پرخاش ہے"۔

ٹیپو سلطان نے موسیو سیبو سردار فرانسیس کا یہ جواب سن کر قوم فرانسیس کی نمک حلالی، وفاداری اور بہادری کی تعریف کی اور جواب دیا:۔

"دوستو! تم غریب الوطن میری طلب پر آئے ہو۔ اور تم نے کبھی میری رفاقت
اور وفاداری میں قصور نہیں کیا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم جیسے شریف، بہادر،
نمک حلال اور وفادار دوستوں کو دشمن کے حوالے کر دوں؟ اگر میری تمام سلطنت
تلف اور تاراج ہو جائے تو میں اس پر راضی ہوں۔ لیکن تم کو ہرگز دشمنوں کے حوالے
نہیں کر سکتا"۔

ٹیپو سلطان نے اپنے نمک حرام دیوان میر صادق اور پورنیا سے اس مشورہ کا ذکر کر کے انکی رائے دریافت کی۔ دغابازوں نے سخن سازی کی تمہید بیان کر کے نہایت متمردانہ اور خیر خواہانہ لہجہ میں عرض کیا کہ:۔

کو اڑا دیا جائے۔ سرداروں کو مع فوج سوار و پیادہ اور توپ خانہ کے ضروری مقامول پر معمور کیا۔ اور ایک دستہ فوج انگریزوں کا سامان رسد روکنے کیلئے روانہ کیا۔ لیکن یہاں تو سب ہی بھگت کے سردار تھے۔ سلطان کے کسی حکم کی صحیح تعمیل نہیں ہوئی۔ بلکہ یہاں تک غداری ہوئی کہ کرنل بٹسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"۳۰ر اپریل اور ۱ر مے کی شب میں لفٹنٹ پل اور لفٹننٹ لارنس خندق پار ہو کر قلعہ میں ہو آئے تھے"

تسخیر سرنگاپٹم اور سلطان کی شہادت

مئے ۴ر تاریخ کی صبح میں دس بجے نجومیوں نے آکر عرض کیا کہ آج کا دن حضور کیلئے نہایت منحوس ہے کچھ صدقہ دینا ضرور ہے۔ چنانچہ سلطان نے غسل فرما کر ایک ہاتھی کالے مخمل کی جھول سمیت جس کی جھالریں کئی سیر موتی اور جواہر ٹکے ہوئے تھے۔ فقراء اور درویشوں کو مرحمت فرمایا۔ اور اس جگہ آیا جہاں قلعہ کی شمالی فصیل ٹوٹی ہوئی تھی۔ فصیل کے معائنہ کے بعد دوپہر میں سلطان نے اسی جگہ جہاں سایہ دار آم کے درخت ہیں۔ بیٹھکر خاصہ طلب فرمایا۔ ابھی ایک لقمہ تناول فرمایا تھا۔ اور دوسرا لقمہ اٹھایا چاہتا تھا۔ کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے دوڑتے آتے۔ کہ سید غفار وفادار نے اپنی جان کو شہ پر نثار کیا سلطان نے اس لقمہ کو ویسا ہی چھوڑ کر دستر خوان سے ہاتھ اٹھایا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اس وقت سلطان نے ان امراء و وزراء پر جو وہاں حاضر تھے نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ:۔

" اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا۔ جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اس ملک میں محتاج اور ذلیل ہو کر ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک ایک گٹھی

اور ہمراہی کیلئے نہایت معتمد و جاں نثار افسر تجویز کئے گئے۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر سلطان نے اپنے امرائے خاص کو یاد کر کے اس تجویز کو ظاہر کیا۔ یہ سنکر دوسرے امراء نے خاموشی اختیار کی۔ لیکن بدرالزماں خاں نائطہ نے عرض کیا کہ :-

" قبلۂ عالم! جیسے ہی حضرت کا مع خواتین و خزانہ و شہزادگان کے قلعہ چھوڑ کر باہر تشریف لیجانا معلوم ہو گا۔ سب جاں نثاروں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور شیرازۂ جمعیت قائم نہ رہیگا۔ پس اس وقت یہ عمل ہرگز شایانِ ہمت شاہانہ نہیں ہو سکتا" (نشان حیدری)

(نوٹ :- ان غدار امراء و وزراء کو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ اگر سلطان قلعہ سے باہر نکل گیا تو پھر انکی سازش کامیاب نہ ہو سکیگی -)

ٹیپو سلطان نے بدرالزماں خان کا یہ جواب سنکر ایک حیرت زدہ نگاہ ان امراء کی شرم آگین صورتوں پر ڈالی۔ اور بدرالزماں خاں کے چہرے کو متعجبانہ طور سے دیکھکر ایک نہایت گہری اور ٹھنڈی سانس بھری۔ اور آسمان کی طرف دیکھکر یہ الفاظ زباں سے نکالے

" رضائے مولیٰ بر ہمہ اولےٰ "

اور خدائے قادر کی رضا پر راضی ہو کر عزم فسخ کر دیا۔ لیکن وہ تمام صندوق اور گٹھریاں ویسی ہی بندھی بندھائی توشک خانہ میں رکھوا دی گئیں۔ (نشان حیدری)

سلطان حیران تھا۔ کہ میرے سردار بجا بجا متعین ہیں مگر ان سے کچھ نہیں ہو سکتا یہ بغیر سازش کے ممکن نہیں۔ ان حالات کا یقین کر کے اس نے حرم سرا کی چاروں طرف ایک خندق کھدوا کر بارود بچھوا دی۔ کہ اگر انگریز اندر آ جائیں تو حفظ ناموس کیلئے حرم سرا

کھڑا ہوا آداب بجالا رہا ہے۔ اور پیچھے مڑکر انگریزی فوج کو اشارہ بھی دے رہا ہے)۔ سلطان علم تیزی کی طرف بڑھا۔ دہلی دروازے کے قریب اس کا اس انگریزی فوج کے ساتھ مقابلہ ہوگیا۔ جو قلعہ کی اس فصیل پر آرہی تھی۔ سلطان اور اسکے باڈی گارڈ نے انگریزی فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ یہاں نہ صرف بندوقوں سے لڑائی ہورہی تھی۔ بلکہ تلواریں بھی استعمال ہورہی تھیں (اگر جنوبی فصیل پر سے پورنیا فوج کو نہ ہٹا لیتا تو جنوبی فصیل پر بھی انگریزی فوج کو روک دیا جاتا) تقریباً تین گھنٹے تک سلطان انگریزی فوج کو بڑھنے سے باز رکھا۔ لیکن اب وہ انگریزی فوج جو پورنیا و میر معین الدین کی غداری سے جنوبی فصیل اور مشرقی دروازے پر قابض ہوچکی تھی۔ شہر کی اندرونی فصیل پر قابض ہوکر جنوب طرف سے گولیاں چلانے لگی۔ جس سے مجبور ہوکر سلطان پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جب ڈوڈی دروازے پر پہنچا تو اس کو بند پایا۔ (کیونکہ سلطان کے نکلتے ہی نمک حرام میر صادق نے اس کو بند کردیا تھا) سلطان اور آگے بڑھا۔ انگریزی فوج اندرونی فصیل پر سے برابر گولیاں برساتی رہی۔ لیکن سلطان قدم قدم پر مدافعت کرتے ہوئے ہٹ رہا تھا۔ اور عین اسوقت جب وہ شہر کے بڑے دروازہ کے قریب پہونچا تو اس وقت پشت یعنے جنوب مشرق سے بھی آنیوالی انگریزی فوج سے مقابلہ ہوگیا۔ جس کی وجہ سے سلطان معہ اپنے جاں نثاروں کے تین طرف سے محصور ہوگیا۔

اس موقع پر سلطان کے ایک افسر نے کہا کہ حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کردیں۔ سلطان نے پلٹ کر غصہ سے جواب دیا۔

"گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایکدن کی زندگی اچھی ہے"۔

کو ترسیگی !

یہ کہکر سلطان نے تلوار پرتلے میں ڈالی۔ اور اپنی دونالی بندوق ہاتھ میں لی۔ اور چھوٹے دروازے سے باہر نکلا۔ اس وقت سلطان نیم رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا۔

جس وقت سید غفار کو گولہ لگا، دوپہر کا وقت تھا۔ مگر سپاہ برابر مستعدی کے ساتھ اپنے کام پر لگی ہوئی تھی۔ پورنیا نے حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے۔ سپاہی آکر اپنی تنخواہ لے جائیں۔ اور در پردہ سازش یہ تھی کہ جب سپاہ یہاں سے ہٹ جائے تو انگریزی سپاہ کو چڑھ آنے کیلئے اشارہ کیا جائے۔ حسب الحکم سپاہی اپنی تنخواہ لینے کیلئے مسجد اعلیٰ کے پاس چلے گئے۔ اور ادھر انگریزی فوج کو سفید نشان اٹھا کر (جس کا پہلے ہی سے سمجھوتہ تھا) خبر دیدی گئی کہ میدان خالی ہے۔ آجائیں۔ چنانچہ تمام انگریزی فوج نہایت آسانی کے ساتھ (مامے اور گرمی کے دن ہونیسے دریا پایاب تھا) فصیل پر چڑھکر قلعہ میں داخل ہوگئی۔

جنرل میڈوز اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی سب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ انگریزی فوجوں کو خندقوں سے لیکر نکلا۔ اور دریا پار ہو کر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے اول تھا، وہ جنرل بیرڈ تھا۔ مگر اس کی راہنمائی کے لئے ایک اور شخص اس سے آگے آگے تھا۔ اور وہ "میر قاسم علی" تھا۔ جو فصیل قلعہ پہ بیرڈ سے بھی آگے چڑھا۔"

سلطان ڈوڈی دروازے سے باہر نکلکر اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ علم ہیتری کیطرف بڑھا۔ یہ خبر اسکے نمک حرام وزراء نے فوراً انگریزی فوج میں پہنچا دی (اس واقعہ کی طرف دریا دولت کی ایک تصویر میں صاف طور پر اشارہ ہے کہ سلطان کے سامنے میر صادق

پرسیوس کا آخری مقابلہ

اس مختصر سی جگہ پر جو دروازے کے سامنے تھی، لڑائی ہونے لگی۔ جوانمردوں نے دل کھولکر داد شجاعت دی۔ خوب گھمسان کی جنگ ہوی۔ ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھوڑے کو لگی۔ جس سے وہ وہیں گر گیا۔ لہٰذا سلطان پیادہ ہو کر لڑنے لگا۔ اس موقع پر اس بلا کی خوں ریزی ہوئی کہ چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ سلطانی جاں نثار اخیر دم تک نمک حلالی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے شیر دل آقا پر نثار ہونے لگے۔ غداروں سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ سلطان بذاتِ خود اس لڑائی میں شریک ہے۔ تمام انگریزی فوج کی پوری طاقت اس جگہ مصروف کارزار تھی۔ اس دست بدست لڑائی میں جس میں سلطان داد شجاعت دے رہا تھا سلطان کے دل کے قریب ایک گولی لگی۔ جس سے وہ زخمی ہو کر گر گیا۔ گویا دوپہر کے ڈیڑھ بجے سے شام کے سات بجے تک دست بدست جنگ کے بعد سلطان اور اس کے جاں نثار شہید ہوے۔ زخمیوں اور مارے جانیوالوں کی تعداد اس قدر تھی کہ یہ معلوم بھی نہ ہو سکا کہ سلطان کس جگہ ہے۔ اور اس پر کیا گذری بارہ ہزار جاں نثار اپنی اس شمع آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے۔ اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اس شہید قت سلطان کی روح کب اپنے قفس عنصری سے جدا ہو کر اعلےٰ علیین میں پہونچی۔ مگر قرین قیاس ہے کہ وقت مغرب کا تھا۔ سلطان کی عمر اس وقت سنہ ہجری کے حساب سے پچاش سال اور عیسوی سنہ کے حساب سے ۴۸ سال کے قریب تھی۔

(نوٹ:۔ انگریزی حساب سے اس جنگ میں کل پانچ ہزار آدمی مارے گئے۔ لیکن کتاب الاعراس میں ۱۲ ہزار کی تعداد بتلائی گئی ہے۔ کتاب الاعراس کے مضمون کی نقل کسی اور جگہ دی گئی ہے۔)

یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ ان جاں نثارانِ وطن میں جو سلطان کے ساتھ شہید ہوے

تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔

کانسٹنس پارسنس اپنی کتاب سرنگاپٹم کے صفحہ ۸۹ میں لکھتی ہے:

"ٹیپو سلطان کی لاش کے نزدیک بے شمار عورتوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں جن کے لباس، وضع اور قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ غالباً حرم سلطانی ہیں۔"

ایلسن جان کننگ جو لاشوں کے اٹھانے پر مامور تھا۔ لکھتا ہے:۔

"عورتوں کی ان لاشوں میں ایک خوبصورت برہمن لڑکی کی بھی لاش ملی۔"

کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی فوج میں شامل کیا تھا۔"

ایک اور انگریز افسر لکھتا ہے:۔

"لاشوں میں کئی ایک عورتوں کی بھی لاشیں تھیں۔ جن کے قیمتی کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ حرم سلطانی سے تعلق رکھتی ہیں۔" (سرنگاپٹم از پارسنس صفحہ ۸۲)

مقامی روایت ہے کہ:۔

"حرم سلطانی کے پردہ نشین خواتین اس آخری وقت میں آبروئے وطن و ملت کی خاطر اپنی جان دینے کیلئے آمادہ ہو کر میدان جنگ میں آگئی تھیں۔"

جنرل ہارس کے حکم سے سلطان کی لاش پالکی میں ڈالکر محل میں بھیجدی گئی۔ اور محل پر انگریزی فوج کا پہرہ ڈالدیا گیا۔

قلعہ پر حملہ کے متعلق سازش

یوں تو قلعہ کی مدافعت کیلئے ہر جگہ سپاہ متعین اور ان کی کمان مختلف سپہ داروں کے

میر معین الدین کی غداری محتاج ثبوت نہیں۔ انگریزی فوج جس وقت قلعہ پر چڑھکر آئی تو خندق جس حالت میں تھی۔ اسکے متعلق میجر بٹسن لکھتا ہے :۔

" خاص اس جگہ جہاں فصیل قلعہ میں شگاف پڑا ہوا تھا۔ خندق میں پانی صرف گھٹنوں برابر تھا۔ گو دوسری جگہ گہرائی زیادہ تھی "

اس سے پایا جاتا ہے کہ میر معین الدین نے عمداً خندق کو خالی رکھا۔ یا کوئی ایسی ترکیب کی گئی کہ اس جگہ زیادہ پانی بھرنے نہ پائے۔

سید غفار کے ہوتے ہوئے انگریزی فوج کا قلعہ پر چڑھ آنا ممکن نہیں تھا۔ سید غفار کو پہلے یہاں سے ہٹا دیا گیا۔ کہ جاکر سلطان کو اطلاع دے آئے۔ کہ شاید حملہ آج ہی ہو۔ اس عرصہ میں انگریزی فوج کو اطلاع دیدی گئی۔ کہ تیار ہو جائے۔ سید غفار جب فصیل قلعہ پر واپس آئے۔ تو انہیں نشانہ بنایا گیا اور وہ توپ کے ایک گولہ سے شہید ہو گئے۔ اور دراصل یہی اطلاع تھی۔ جو انکی غیر حاضری میں انگریزی فوج کو دی گئی۔ کہ انہیں نشانہ بنا لیا جائے۔

(نوٹ :۔ عام طور پر مقامی روایت جو میسور، سرنگاپٹم اور بنگلور وغیرہ میں مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب سید غفار سلطان کو انگریزی حملے کی خبر دے کر واپس آئے تو انگریزی فوج کو بتلانے کے لئے ان پر سبز جھنڈی پکڑی گئی۔ کہ یہی سید غفار ہیں۔)

سید غفار کے شہید ہوتے ہی فوج کو وہاں سے ہٹا لیا گیا۔ کہ انگریزی فوج کے آنے کیلئے راستہ صاف رہے۔ پورنیا نے حکم بھیجا کہ فوج آکر اپنی تنخواہ لیجائے۔ دراصل یہ دونوں غدار پورنیا اور میر معین الدین اس کا بندوبست کر رکھے تھے۔ فوج کے سپاہی تنخواہ

ہاتھ میں تھی۔ مگر قلعہ کے دو پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جہاں سے انگریزی فوج کا حملہ ممکن تھا۔ ایک پہلو تو وہ ہے جو شمالی فصیل قلعہ پر محل کے بالکل قریب تھا۔ اور یہاں سلطان بذات خود نگرانی کرتا تھا۔ بظاہر انگریزی فوج کی زیادہ تر گولہ باری اسی پہلو پر ہوئی (جس کے نشان دیوار قلعہ پر اب بھی نظر آتے ہیں) کہ سلطان کی توجہ دوسری طرف منتقل نہ ہو۔ قلعہ کا دوسرا اہم پہلو علم تیری ہے۔ جو قلعہ کا جنوب مغربی گوشہ ہے۔ اور اس کے عین مقابل انگریزی فوج باغ میں پڑی ہوئی تھی۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ انگریزی فوج اس پہلو سے چڑھ کر آئی۔ اور یہیں شگاف پڑا ہوا تھا۔ شگاف کی جو حقیقت ہے وہ ہم ظاہر کر چکے ہیں۔ اور اب واضح طور پر دکھایا جاتا ہے۔ کہ قلعہ پر انگریزی فوج کا حملہ کیوں اسی پہلو سے ہوا۔ یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ کرنل میڈوز لکھتا ہے کہ :-

"یہ پہلو کمزور تھا۔ میر قاسم علی اسی لئے انگریزی فوج کو اس کے مقابل لا کر ٹھہرایا۔"

حقیقت میں یہ پہلو کمزور تھا یا نہیں۔ اس کی صحت و عدم صحت اس وقت ناممکن ہے مگر واقعات بتلا رہے ہیں کہ انگریزی فوج نے قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے مخصوص طور پر اس جگہ کا انتخاب اپنی جانب سے نہیں کیا تھا۔ بلکہ سلطان کے غدار امراء و وزراء نے کیا تھا۔ اس کا ثبوت کرنل ولکس کی مندرجۂ ذیل تحریر سے ملتا ہے :-

"قلعہ کی مدافعت کے لئے جن مختلف ناکوں پر سلطانی سپاہ متعین تھی۔ اس میں قلعہ کے اس جنوب مغربی پہلو پر میر معین الدین متعین تھا۔ اور سپہ دار سید غفار میر معین الدین کے ماتحت تھا۔"

سلطان کو انگریزی فوج کے چڑھ آنے کی اطلاع عین اسی وقت نہیں دیگئی جب سید غفار شہید ہوئے۔ بلکہ انگریزی فوج کے داخل ہو چکنے کے کافی عرصہ بعد اطلاع دی گئی جس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ میجر بٹس نے میر معین الدین کو دیکھکر جب اس سے دریافت کیا کہ سلطان کہاں ہے تو اس نے جواب دیا کہ :-

"محل میں ہے"

میجر بٹس اور آلن کے بیان سے معلوم ہوگا کہ تمام انگریزی فوج قلعہ میں آجانے کے بعد سب سے اخیر میں یہ دو افسر آئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان کو اطلاع اسوقت دی گئی۔ جب غداروں کی تمام کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔

غرض یہ وہ سازش تھی جس کے سبب انگریزی فوج کا قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔ سلطان کی شہادت چونکہ مغرب کے وقت ہوئی۔ اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ سلطان کو ڈیڑھ بجے کے وقت اطلاع دی گئی تھی۔

یہ آگے لکھا جا چکا ہے کہ میر قمر الدین سپہ سالار افواج سلطانی تھا۔ اس کو سلطان نے کورگ میں فوج دیکر اس لئے روانہ کیا تھا کہ انگریزی فوج کو پیش قدمی سے روکے۔ مگر انگریزی فوج بغیر مزاحمت بڑھتی آئی۔ یہاں تک کہ اس نے آکر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ کسی تاریخ میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ میر قمر الدین نے جو قلعہ سے باہر فوج لئے ہوئے تھا کیا کارروائی کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کہیں ادھر اُدھر جا کر بیٹھ رہا۔ جب فوج اس کے پاس تھی تو اسے چاہئے تھا کہ وہ مدافعت کرتا کہ انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ نہ کرنے پاتی۔ یا اگر محاصرہ ہو چکا تھا تو اس کیلئے نہایت آسان تھا کہ پشت پر سے انگریزوں پر حملہ آور ہوتا اسکی غداری کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ وہ انگریزی فوج کے قریب ہی کہیں پڑا تھا۔ کیونکہ

لیئے چلا گئے۔ میدان خالی تھا۔ جھنڈیوں کے ذریعہ میر معین الدین نے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی۔ کہ آ جائے

اگر اس طرح غداری نہ ہوتی تو ممکن نہیں تھا کہ عین دن کے وقت انگریزی فوج اس قدر کم تعداد سے قلعہ پر حملہ کرے۔ جب یہ معلوم تھا کہ قلعہ میں سلطان کی بے شمار فوج موجود ہے۔

انگریزی فوج کے حملے کے متعلق میجر بٹسن لکھتا ہے :-

" ڈیڑھ بجے جنرل بیرڈ حملہ کرنے کیلئے نکلا حملہ آور ہراول دو کالموں میں منقسم تھی۔ ہر ایک کالم میں ایک افسر اور بارہ سپاہی تھے۔ اور انکے پیچھے اور ایک کالم تھا۔ فوج کا ایک بڑا حصہ پیچھے تیار رکھا گیا۔ کہ فصیل پر قبضہ ہو جانے کے بعد بڑھے "

سلطانی سپاہ یہاں سے ہٹ چکی تھی۔ انگریز اسی لیئے اس قدر کم فوج سے اتنی جرأت کے ساتھ بڑھ آئے۔ اگر میر معین الدین نمک حرام نہ ہوتا تو سب سے پہلے حملہ آور انگریزی فوج کا نشانہ وہی بنتا۔ مگر اسکے خلاف وہ اس جگہ کی فوج کو ہٹا کر آپ خود بھی وہاں سے چلا گیا۔

میجر بٹسن لکھتا ہے :-

" قلعہ کی جنوبی فصیل شگاف سے تین سو گز دوری پر ہم کو تین آدمی نظر آئے۔ جو بظاہر مر گئے تھے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ان میں ایک سید صاحب (میر معین الدین) ہے۔ دوسرے دو آدمی اس پر گرے ہوئے تھے۔ جب اس کو اٹھایا گیا تو اس کو تھوڑے وقت بعد ہوش آیا۔ اور اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لیئے "

(نوٹ :- معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اتفاقاً کوئی چوٹ لگ گئی تھی)۔

سید غفار سپہ دار نے آکر اطلاع دی کہ حملہ دن میں ہوگا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ دن کے وقت حملہ نہ ہوگا۔

قریب ایک بجے کے سلطان کلالی ڈوڑی پر پہونچا۔ اور یہاں کھانے پر بیٹھا ابھی کھانا ختم نہیں ہوا تھا کہ یکدم شور ہونے لگا۔ سلطان فوراً ہاتھ دھو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہتھیار باندھے۔ عین اسی وقت معلوم ہوا کہ سید غفار سپہ دار شہید ہوگئے سلطان نے کہا:-

"مجاہد موت سے نہیں ڈرتے۔ سید غفار کبھی موت سے نہیں ڈرا"

سید قاسم کو حکم بھیجا کہ سید غفار شہید کی جگہ متعین رہے۔

یہاں سے سلطان قلعہ کی فصیل پر چڑھکر اس جگہ گیا۔ جہاں حملہ ہوا تھا۔ (مورخ حملات حیدری اور نشانِ حیدری لکھتے ہیں:- سلطان نے طاؤس نامی گھوڑے کو طلب کیا اور اس پر سوار ہوکر نکلا۔ محمود) جب سلطان قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ انگریزی فوج قلعہ پر آچکی ہے۔ اور سامنے راستہ نہیں۔ یہاں سلطان اپنی بندوق سے انگریزی سپاہ پر فائر کرنا شروع کیا۔ جس سے چار پانچ انگریز نشانہ اجل ہوئے۔ جب ہجوم زیادہ ہونے لگا۔ تو سلطان واپس لوٹا۔ پانی کے دروازہ پر پہنچکر سلطان نے چاہا کہ اندر چلا جائے۔ مگر ہجوم اس قدر تھا کہ راستہ نہ ملا۔ یہاں سلطان کو ایک گولی سیدھے بازو میں لگی۔ سلطان تین چار قدم اور آگے بڑھا۔ کہ ایک اور گولی وہیں سیدھے بازو میں لگی۔ گھوڑی زخمی ہوکر بیٹھ گئی۔ یہاں سلطان نے راجہ خاں سے کہا کہ وہ زخمی ہوگیا ہے۔ راجہ خاں نے کہا حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کردیں۔ سلطان نے کہا:-

سلطان کی شہادت کے بعد ہی وہ قلعہ میں آگیا۔

رئیس لکھتا ہے :-

"قلعہ میں دوسرے دن جن افسروں نے ہتھیار رکھ دیا۔ انہیں میر قمرالدین بھی تھا"

میر صادق کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس غدار نے کیا کارروائی کی۔

قلعہ پر حملہ اور سلطان کی شہادت کے متعلق مختلف بیانات

کرنل بٹسن جو اس جنگ میں شریک تھا۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

"محاصرہ کے آخری چودہ دن سلطان نے کلالی ڈوڈی کے پاس بسر کئے، یہ ڈوڈی قلعہ کی اندرونی فصیل میں محل کی شمال مغرب میں) ہے۔ اور یہ پانی لانے کیلئے استعمال کی جاتی تھی۔ اس ڈوڈی کے قریب سلطان ایک چھوٹی پتھر کی بنی ہوئی چولتری میں رہتا تھا۔ جو دروازہ میں تھی۔ اس چولتری کے قریب چار چھوٹے خیمے ملازمین کے لئے تھے۔

مئی کی ۴ تاریخ کی صبح کو مسلمان اور برہمن نجومیوں نے سلطان سے آکر کہا کہ آج کا دن ذات سلطانی کیلئے نامبارک ہے۔ دس بجے کے قریب سلطان نے چن پٹن کے سنیاسی کو ایک ہاتھی۔ ایک تھیلا تل اور دوسو روپے دئے۔ اور دوسرے برہمنوں کو ایک ایک سیاہ بیل ایک ایک گاؤمیش۔ ایک ایک بکری، کپڑے، تیل، اور دو دو سو روپے دئے۔ اسکے بعد وہ محل میں گیا۔ مگر زنانہ میں داخل نہیں ہوا۔ یہاں سلطان کو معلوم ہوا کہ آج کی شب قلعہ پر چڑھائی ہو گی لیکن

قلعہ پر حملہ اور سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن کا بیان (بشن کی تاریخ سے) :-

" قلعہ پر حملہ کرنے والی فوج کا افسر جنرل بیرڈ تھا اور یہ وہی افسر تھا۔ جو سرنگا پٹم میں تین برس تک مقید تھا۔ وہ میسور کی دوسری جنگ میں کرنل بیلی کی شکست کے معرکہ میں گرفتار ہوا تھا۔ اور جوش انتقام سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے خندق سے نکلکر تلوار میان سے کھینچی اور بآواز بلند کہا کہ :-

"اے مردانِ دلاور میرے پیچھے چلے آؤ۔ اور آج انگریزی سپاہیوں کی آبرو رکھ لو۔"

جنرل بیرڈ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ترتیب یہ تھی کہ شگاف پر چڑھنے کے بعد ایک حصہ جنوبی دیوار پر قابض ہو کر بنگلوری دروازے تک قبضہ کرلے اور دوسرا حصہ شمالی فصیل پر قابض ہو کر اسی دروازے پر آکر ملجائے۔ دریا پایاب تھا اور خندق میں خاص اس جگہ گھٹنوں برابر پانی تھا۔ فوج کے یہ دو حصے لفٹنٹ لارنس کے زیر کمان دئے گئے۔ (ہم یہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ دونوں افسر نمکحرام وزراء کی سازش سے ۳۰ اپریل اور ۲ مئی کو قلعہ میں ہو آئے تھے)

خندقوں سے نکلکر شگاف قلعہ تک پہونچنے تک چھ منٹ بھی امید و بیم میں گذرے۔ اب انگریزی فوج نے شگاف پر چڑھکر اپنا جھنڈا بلند کر دیا۔ اور چند منٹ کے بعد ہی تمام فوج فصیل قلعہ پر تھی۔ فوج دو حصوں میں ہو کر آگے بڑھی۔ جنوبی فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ وہ بغیر کسی مقابلہ کے بنگلوری دروازے

"کیا تم دیوانے ہوگئے ہو۔ خاموش رہو۔"

راجہ خان نے سلطان کو گھوڑے پر سے آتارا۔ اور آتارتے وقت وزن سے ہ نہ سکا سلطان اور وہ دونوں ملکر گرے۔ سلطان کو فوراً ملازمین نے اٹھا کر پالکی میں بٹھا دیا۔ اور پالکی دروازے میں رکھدی گئی۔ سلطان پالکی ہی میں تھا۔ کہ ایک انگریز سپاہی کا گذر ادھر سے ہوا۔ جس نے سلطان کی پیٹی اور شمشیر لینی چاہی۔ جب اس نے ہاتھ دراز کیا تو سلطان نے تلوار سے اسکے پاؤں پر ضرب لگائی۔ جس پر اس نے اپنی بھری ہوئی بندوق سلطان پر خالی کر دی۔ جس سے سلطان شہید ہو گیا۔

راجہ خان کہتا ہے کہ وہ تمام دوپہر سلطان کے ساتھ رہا۔ سلطان کو تمام وقت حرم سرا کی فکر رہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ناموس حرم بچانے کے لئے محل میں پہونچکر اس کو اڑا دینے کا خیال تھا۔"

اس کے برخلاف دوسرے انگریزی مورخین لکھتے ہیں :-

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا۔ اور اس کو گولیاں لگیں۔"

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے :-

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا۔ آخر وقت تک داد شجاعت دی۔ ایسے وقت میں اس کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ اور وہ پانی مانگ رہا تھا۔ سلطان کہہ رہا تھا۔ "خدا کیلئے پانی کا ایک قطرہ دو" سلطان کو تین گولیاں لگیں اور وہ تشنہ لب ہی شہید ہو گیا۔"

کیا تو اس نے یقین دلایا کہ سلطان محل میں ہے۔ ہم دو سپاہیوں کو سید صاحب کی حفاظت پر متعین کر کے جنرل بیرڈ کو سلطان کی محل میں موجودگی کی خبر دینے کیلئے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سید صاحب اٹھ کھڑا ہوا، مگر اس کے پیر لڑکھڑا گئے۔ اور وہ گر کر مر گیا!"

سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن لکھتا ہے :-

"جب ہم بنگلوری دروازے پر پہونچے تو جنرل بیرڈ نے مجھے حکم دیا کہ فوج کا ایک دستہ لیکر سلطانی محل میں جا کر یہ اطلاع دوں کہ اگر وہ بغیر کسی مقابلہ کے اپنے آپ کو حوالے کر دیں تو ان کے جان کی حفاظت کی جائیگی۔ ورنہ محل کے ہر شخص کیلئے نتیجہ بُرا ہوگا۔ میں ایک سفید جھنڈا لیے ہوئے محل کے دروازہ پر پہونچا۔ یہاں قلعہ دار سے کہا کہ فوراً اس اعلان کی اطلاع دی جائے۔ اور اس کیلئے میں خود آیا ہوا ہوں۔ قلعہ دار پہلے تو راضی نہ ہوا۔ مگر دھمکانے پر مجھے اور افسروں کو اندر لے گیا۔ محل کے صحن میں چند آدمی ہتیار باندھے کھڑے تھے۔ میں نے ان کو سفید جھنڈا بتلایا۔ اور کہا کہ یہ امن کا جھنڈا ہے۔ اور اطمینان دلانے کیلئے میں نے اپنی تلوار نکال کر ان کے ہاتھ میں دیدی۔ قلعہ دار اندر چلا گیا۔ جب واپسی میں دیری ہوئی تو پھر میں نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ دیر کرنا انکے لئے خطرناک ہے۔ اس پر قلعدار نے آ کر مجھے اندر لے گیا۔ یہاں فرش پر سلطان کے دو شہزادے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک شہزادہ معزالدین تھا۔ جو میسور کی تیسری جنگ میں بطور یرغمال انگریزوں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ شاہزادے سہمے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو تسکین دیتے ہوئے معزالدین

تک پہونچ گئی۔ مگر شمالی فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ اس کا سلطان سے مقابلہ ہوگیا۔ جو حملہ کی خبر سنکر آگیا تھا۔ جنوبی فوج نے آسانی سے ہر مقام پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ کی اندرونی دیوار پر محافظت کیلئے کوئی نہیں تھا۔ اس سے سہولت یہ ہوئی کہ انگریزی فوج کا قبضہ اندرونی فصیل پر بھی ہوگیا۔ اور اس طرح اس فوج پر جو سلطان کے ساتھ تھی۔ ہر طرف سے گولیاں پڑنا شروع ہوئیں۔ شمالی فصیل پر جو ڈویژن تھی وہ سامنے سے حملہ کرتی تھی۔ اندرونی فصیل پر جو فوج قابض تھی وہ بائیں جانب سے گولیاں برساتی رہی۔ اور شمال کی طرف سے گولے برس رہے تھے۔ اور جنوب میں پانی کے دروازے تک جنوبی فوج فصیل پر قابض ہوکر گولیاں چلا رہی تھی"۔

میجر ڈالس اور میجر آلن کہتے ہیں کہ ہم شگاف پر کھڑے ہوئے شہر اور لڑائی کا نظارہ کر رہے تھے۔ کہ قریب سو فیٹ دوری پر سامنے تین آدمی پڑے ہوئے پائے گئے۔ بظاہر وہ مر چکے تھے۔ ہم ان کو جب دیکھنے کیلئے اٹھایا۔ تو ان میں ایک جاں بلب تھا۔ اور دو مر چکے تھے۔ جب تھوڑا وقت گذرا تو یہ شخص اٹھا اور ہماری چہرے حیرت سے دیکھنے لگا۔ میجر ڈالس نے اسکو پہچانتے ہوئے پکارا "سید صاحب! (میر معین الدین)؟

"ہاں میں وہی ہوں"!

اس نے جواب دیتے ہوئے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے۔ جب میں نے (میجر آلن) دریافت کیا تو میجر ڈالس نے کہا کہ یہ کسی وقت کپنی کی فوج میں ملازم تھا۔ سید صاحب کیلئے پالکی منگوائی گئی۔ اس عرصہ میں ہم نے سلطان کے متعلق دریافت

مجسمہ روح ہو کر پڑا تھا۔ دریافت پر اس نے وہ جگہ بتلائی۔ جہاں سلطان گھوڑے پر سے گرا تھا۔ یہاں تلاش کرنے پر سلطان کی لاش مل گئی۔ قلعدار نے سلطان کو شناخت کر لیا۔ پالکی منگوا کر لاش محل میں لائی گئی۔

جس وقت سلطان کی لاش ملی۔ اسکی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ جسم اس قدر گرم تھا کہ مجھے اور کرنل ونزلی کو دھوکہ ہو گیا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ نبض دیکھی گئی تو ساکت تھی۔ سلطان کو گولی کے چار زخم آئے تھے تین جسم پر اور ایک سیدھے کان میں۔ سلطان سفید کپڑے کی قمیص اور پھولدار چھینٹ کا ڈھیلا پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اور ایک سرخ ریشم کا کپڑا کمر پر باندھے ہوئے تھا۔ ایک قیمتی پیٹی کمر میں تھی۔ عمامہ اس ہنگامہ میں کہیں گر گیا تھا۔ سیدھے بازو پر ایک تعویذ تھی جس کو کھولا گیا۔ ریشم کے کپڑے کے اندر چاندی جیسی ایک دھات پر عربی و فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

سلطان کا قد ۵ فیٹ ۸ انچ تھا، شانے ابھرے ہوئے، گردن کوتاہ اور موٹی تھی، ہاتھ اور پیر قابل الذکر طور پر چھوٹے اور نازک تھے، رنگ گندمی، آنکھیں بڑی بڑی اور نمایاں تھیں، ابرو کماندار اور ناک خمیدہ تھی، چہرہ پر رعب تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عام آدمیوں سے اس کی ذات بالا و برتر ہے۔

ے کہا کہ سلطان کہاں ہیں ہمیں اطلاع دیدو کیونکہ ان کا بچکر جانا محال ہے —
معزالدین نے تھوڑے وقفہ کے بعد کہا کہ بادشاہ محل میں نہیں ہے۔ اس پر میں
نے کہا کہ محل کے دروازے کھول دئے جائیں۔ کہ اندر تلاش کر کے اطمینان کر لیا
جائے۔ شاہزادے اس پر راضی نہ ہوئے کہ بغیر حکم سلطانی وہ اس طرح نہیں کر
سکتے میں نے ان کو ہر طرح اطمینان دلایا کہ کوئی بھی بغیر میری اجازت کے اندر نہ
آئیگا۔ آخر دروازہ کھولدیا گیا۔ یہاں جنرل بیرڈ اپنے سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا
ہوا تھا۔ اسوقت جنرل بیرڈ سخت غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ اس کو یہ غلط خبر ملی تھی کہ
انگریزی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مگر جب شاہزادے اسکے روبرو آئے تو وہ
ان سے خندہ پیشانی سے ملا۔ یہاں شہزادوں کو لفٹننٹ کرنل آگنیو اور کپتان
میارٹ کی حراست میں دیدیا گیا۔ کہ ان کو انگریزی کیامپ میں پہونچا دیا جائے۔
نیز یہ ہدایت کی گئی کہ انکی تعظیم بجالائے۔

جنرل بیرڈ سلطان کے لئے تمام محل کی تلاشی لینے پر تلا ہوا تھا جس میں سپاہیوں
کا پہرہ کھڑا کر کے ہم اندر بڑھے۔ قلعہ دار نے نہایت ہی متانت و سنجیدگی سے سمجھایا
کہ سلطان محل میں نہیں ہے۔ بلکہ خبر ہے کہ قلعہ کی اندرونی فصیل کے دروازے کے پاس زخمی
ہوا پڑا ہے قلعہ دار کو ساتھ لے لیا گیا۔ اور اس سے کہا گیا کہ اگر اسکی اطلاع غلط نکلی
تو اس کا نتیجہ اسکے حق میں برا ہو گا۔

ہم دروازے پر پہونچے۔ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ بے شمار لاشیں پڑی ہوئی
تھیں۔ تمیز کرنا مشکل تھا۔ لاشوں کو کھینچ کر نکالا گیا۔ مگر یہ ختم نہ ہوتے تھے۔ تاریکی
زیادہ بڑھ گئی تو مشعلیں منگوائی گئیں۔ اسی تلاش میں ہم کو یہاں راجہ خاں ملا۔ جو

ناک و عبرت انگیز سماں چھا گیا۔ کہ گویا اہل زمیں پر ایک بہت ہی بڑی مصیبت آگئی تھی جس پر آسمان بھی غم کر رہا ہے۔ اور برق و باد اس کے شریک ماتم ہیں۔

گو اس زمانہ میں اس قسم کے واقعات پر یا تو یقین نہیں کیا جاتا۔ یا ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ تاریخیں اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ اور اس کا بیّن ثبوت دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو مافوق الفطرت واقعات کے منکر ہیں۔ خود معترف ہو گئے ہیں۔ ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ صرف اسلامی تاریخوں ہی میں ہی نہیں بلکہ انگریزی تاریخیں بھی اس کا ثبوت دے رہی ہیں۔

لوئیس رئیس اپنی تاریخ اور بورنگ حیات ٹیپو میں لکھتا ہے:۔

" اس وقت ایک طرف تو قلعہ سے ماتمی توپیں سر ہو رہی تھیں اور دوسری طرف بجلی کی چمک اور بادل کی نہایت خوفناک گرج سے اس عبرتناک واقعہ کی سنجیدگی اور بھی دو بالا ہو گئی تھی "

سرنگاپٹم کے بڑے بوڑھوں کی زبان پر عرصہ تک یہ بات تھی کہ انکی مدت العمر میں اس قسم کا خوفناک طوفان کبھی نہیں آیا تھا۔ جیسا کہ سلطان کی تدفین کے دن آیا۔ اتنی بجلیاں گریں کہ جن کا حساب نہیں۔ معلوم ہو رہا تھا کہ شہر پہ کوئی خوفناک مصیبت آگئی ہے۔ در و دیوار لرزہ براندام تھے۔ اور دریا کی طغیانی اس جوش و خروش پر تھی کہ ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اور انہیں حسرت تھی کہ دریا کیوں ایک دن پہلے نہیں آیا۔ کہ حملہ نہ ہو سکتا تھا۔

جنرل میڈوز ٹیلر اپنی کتاب ٹیپو سلطان کے صفحہ ۴۴۲ پر لکھتا ہے:۔

" رات ختم ہو گئی۔ صبح ہوئی۔ رات بھر شہر میں خوف و ہراس چھایا رہا۔ ہر جگہ

سُلطان کی تدفین

جنرل ہارس کے حکم سے صبح کے وقت سلطان کا دیدار سب شاہزادوں، ندیموں وغیرہ کو دکھلا کر تجہیز و تکفین کا حکم دیا گیا۔ جنازہ نہایت ہی احترام واحتشام کے ساتھ ۰ار ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ کو بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا۔ تمام شاہزادے، سردار اور عہدہ دار شریک تھے۔ گورہ فوج کی چار کمپنیاں پیچھے پیچھے ساتھ تھیں۔ راستہ میں جس گلی کوچہ سے سلطان کا جنازہ نکلتا۔ وہاں بلاتفریق مذہب وملت مرد وزن کی صدائے نوحہ وماتم سے ایک قیامت برپا معلوم ہوتی تھی۔ آگے بڑھکر نواب حیدر علی خانؒ کے مقبرہ پر جس کو گنبد کہتے ہیں۔ جنازہ ٹھہرایا گیا۔ قاضی شہر نے نماز جنازہ پڑھائی بارہ ہزار روپے فقراء کو دیئے گئے۔ اور اس پیکر جلال کو اسکے باپ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اور یہ ایک مدت تک بڑے بوڑھوں کی زبان پر تھا کہ جب جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر پہونچی اور وہ لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ :-

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

سلطان شہید کی موت درحقیقت اسلامی جاہ وجلال اور اسلامی شان وشوکت کی موت تھی۔ ہندوستان کی آزادی کی موت تھی، ہندوستان کی غیرت وخودداری کی موت تھی کہ اس حالت زار پر آسمان کو بھی بغیر آنسو بہائے نہ رہا گیا۔

دفعتاً ایک طوفان اٹھا، بادل کی مہیب گرج اور بجلی کی خوفناک کڑک نے زمین کو ہلا دیا۔ تدفین کے وقت اکثر مقامات پر بجلی گری۔ خصوصاً سلطان کے دیوان خانہ اور محل سرا اور مسجد اعلیٰ پر۔ دریائے کاویری جو پایاب تھی۔ یکایک پوری طغیانی پر آ گئی۔ ایک ایسا ہیبت

ہوا تھا۔ کبھی کبھی کوئی آدمی سر اٹھاتا تو جلدی ہی خوف سے سر نیچے کر لیتا۔

اسی حالت میں جنازہ لال باغ تک پہنچا۔ ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ لوگوں کی گریہ وزاری کی آواز تمام فضا میں گونج رہی تھی۔ قلعہ سے ماتمی توپیں چھوٹ رہی تھیں۔ مگر انکی آواز لوگوں کی گریہ وزاری میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس ہنگامۂ غم والم میں اگر کبھی ایک لمحہ کیلئے وقفہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ تمام آسمان پر بجلیاں ایک گوشہ سے نکلکر دوسرے گوشہ کی طرف پیہم جا رہی تھیں۔

جنازہ عین مقبرہ کے روبرو پہونچا۔ بیانڈ کا بجنا تھم گیا۔ جنازہ کے آگے چار کمپنیاں جو جلو میں تھیں۔ دورویہ صف باندھکر کھڑی ہو گئیں کہ جنازہ ان کے درمیان سے مقبرہ میں لے جایا جائے۔ جنازہ آہستہ آہستہ لا کر اتارا گیا۔ اور خطیب اور دوسرے لوگ قطاریں باندھ کر نماز کے لئے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔

خطیب کی آواز نہایت زوردار تھی اور جیسا ہی اسکی زبان سے تکبیر کہنے کے لئے لفظ "اللہ" نکلا تو یہ معلوم ہوا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے ایک ہیبت ناک کڑکے کے ساتھ بجلی چمکی اور ایک زور کی روشنی سے سب کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور ایک زبردست گرج کی آواز نے دلوں کو ہلا دیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ خطیب کی زبان سے اللہ کے بعد کوئی لفظ نکلا بھی یا نہیں۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک خاموشی طاری رہی۔ نماز ختم ہوئی۔ لاش کو اس

بندوقوں کی آواز اور مجروحوں کے چیخوں اور مستورات و بچوں کے آہ و فغاں کی آوازیں آتی رہیں۔ رات بھر شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری ہوتی رہی۔ سلطان کی لاش زخمیوں اور مردوں کے ڈھیر میں شب ہی کو مل گئی تھی۔ غسل دیکر اس کو خاص مکہ کے بنے ہوئے کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ قریب چار بجے کے جنازہ اٹھایا گیا۔ انگریزی فوج جو کل تک سلطان کے خلاف صف آرا تھی آج شہر کے راستوں پر جہاں سے جنازہ گذرنے والا تھا، دو رویہ صف بستہ تعظیم کیلئے کھڑی تھی۔ جنازہ کے آگے چار انگریزی کمپنیاں تھیں۔ جنازہ کے ہمراہ سلطنت کے اعیان و امراء اور جنازہ کے پیچھے شہزادہ عبدالخالق، سلطان کا دوسرا شہزادہ برہنہ سر گھوڑے پر سوار تھا۔

جنازہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ راستے میں ہزارہا لوگ انتہائے غم سے نالاں و گریاں تھے۔ ان میں مسلمان بھی تھے۔ اور ہندو بھی۔ سینکڑوں آدمی جنازہ کے آگے آگے لیٹ جاتے تھے۔ بلا تفریق مذہب ہندو، و مسلمان عورتیں سروں پر مٹی ڈال ڈال کر ماتم کرتی تھیں۔ اس طرح جنازہ قلعہ سے نکلکر شہر میں ہوتا ہوا مقبرہ تک پہونچا اور ہر ہر قدم پر آدمیوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔

آج کا دن خصوصاً حد درجہ گرم تھا۔ ہوا تمام دن بند رہی۔ ایک پتہ تک کہیں ہلتا نہ تھا۔ آسمان پر سیاہ اور ڈراؤنی بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک قسم کی گہری اور مہیب آواز آتی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ لوگ اس گرمی کو سختی سے محسوس کر رہے تھے۔ فضا کی بھیانک پن سے دلوں پر ایک رعب چھایا

میں سے گذرا۔ ہزارہا لوگ رستے میں کھڑے زور و شور سے آہ و زاری کرتے تھے۔ اور بعض جنازہ کے آگے آکر لیٹ جاتے تھے۔

مسٹر ایلم مع چند حیدرآبادی افسروں کے مقبرے کے پاس آکر ملا جب نماز جنازہ ختم ہوگئی تو لاش کو مقبرہ میں نواب حیدرعلی کے بازو دفن کردیا گیا پانچہزار روپیہ فقراء میں تقسیم کئے گئے۔ اس سانحہ کو دوبالا کرنے کیلئے ایک سخت اور مہیب طوفان آیا۔ بارش، گرج اور بجلی غضب ڈھا رہی تھی۔ انگریزی کیمپ پر بجلی گری۔ جس سے دو افسر اور چند سپاہی ہلاک اور بہت سے زخمی ہوگئے۔"

شہادت کے بعد

سلطان کی شہادت کے بعد ایک قہر الٰہی تھا جو اسی وقت سرنگاپٹم پر ٹوٹ پڑا۔ قریباً بارہ ہزار شہیدانِ وطن اپنی جانیں سلطان پر نثار کرچکے تھے۔ ادھر سلطان کی لاش محل میں لائی گئی۔ اور ادھر شہر میں ہر جگہ لوٹ مار، قتل اور غارتگری کا بازار گرم ہوگیا۔ قمری ماہ کی آخری رات تھی۔ گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے کو جلتے ہوئے مکانات کے شعلے، زخمیوں کی چیخ و پکار، بے بس اور مظلوم عورتوں کے نالہ و فریاد، اور بھیانک بناتی ہوئی تھی۔ شعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آرہا تھا اس سے انسانیت کی روح بھی کانپ جاتی تھی۔ گھروں کی تباہی، مال و زر کی لوٹ، عورتوں کی بے حرمتی، مردوں اور بچوں کا قتل ایسے نظارے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام ارضی و سماوی بلیات اس مختصر سے خطۂ زمین پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

کی آخری آرام گاہ میں رکھا گیا۔ اور جونہی لاش رکھ کر السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہا گیا۔ پھر ایک بجلی چمکی۔ ایک کڑک ہوئی۔ لوگوں پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کیا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد بجلی اور گرج کا ایک مہیب مسلسلہ شروع ہوگیا۔ ابھی تک بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں اترا تھا۔ کالی گھٹا سے معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر اترنے والی ہے۔ بجلی کی چمک سے زمین و آسمان ایک ہو رہے تھے۔ اور لوگوں کی نظریں خوف و ہراس سے ادھر ادھر اٹھتی نہ تھیں۔ اس وقت ظاہر ہو رہا تھا کہ قدرت کے آگے انسانی طاقت کتنی حقیر ہے۔ درحقیقت آفرینندۂ خلق کی آواز اس وقت سنائی دے رہی تھی۔

فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اتارے۔ ادھر بندوقیں چھوٹیں۔ اور ادھر آسمان سے ہزاروں توپیں چھوٹنا شروع ہوگئیں۔ جن کی آواز میں بندوقوں کی آواز بالکل دب کر رہ گئی۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ فیر کے بعد جو بینڈ بجایا گیا وہ کس قسم کا تھا۔ گویا بینڈ کی آواز حقیقت میں آسمانی آوازوں کا منہ چڑا رہی تھی۔"

میجر بٹسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

" سرنگا پٹم کے سرقاضی کو سلطان کی تجہیز و تکفین کا انتظام سپرد کیا گیا۔ شاہی پالکی کو جنازے کے لئے تیار کیا گیا۔ محل کے تمام لوگ جنازے کے ہمراہ ساتھ تھے۔ چار انگریزی کمپنیاں آگے آگے تھیں۔ اور شہزادہ عبدالخالق پیچھے گھوڑے پر سوار تھا۔ قاضی آیات قرآنی پڑھتا تھا۔ اور لوگ دہراتے تھے۔ جنازہ شہر کی گلیوں

اس کا نتیجہ وہ سلطان کی شہادت کے چند گھنٹے بعد ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ایک خدائی انتقام تھا جو فوراً اسی وقت قدرت کی طرف سے لیا گیا۔ انکا مال وزر، ان کی عزت و وقار بلکہ انکی عورتوں کی ناموس تک غداری کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ اس لئے

"صبح ہوتے ہی جب ان واقعات کی خبر جنرل ہارس کو پہونچی تو اس نے جنرل بیرڈ کے عوض کرنل ولزلی کو انتظام پر مامور کرتے ہوئے بڑے بڑے سرداروں کے گھروں پر فوجی پہرہ ڈال دیا۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

لیکن شہر میں قتل و غارتگری کا بازار پھر بھی کم نہ ہوا۔ چار دن تک لوٹ ہوتی رہی۔ کوئی گھر اور کوئی خاندان اس سے محفوظ نہیں رہا۔ آخر تنگ آ کر کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا۔

ملس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"سرنگاپٹم کے زوال کے بعد وہاں کی رعایا پر اس قدر ظلم و ستم کیا گیا کہ اس کے آگے ٹیپو سلطان کے مفروضہ مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ یہ ظلم و ستم کرنے والے سپاہی انگریز تھے۔ یہاں تک کہ کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو تحریر کیا کہ، انگریزی حاکم شہر (کوتوال) کو میرے پاس بھیجدیں کہ میرے حکم کے تابع رہے، جب تک چند لوٹنے والوں کو پھانسی نہ دی جائے گی۔ اس وقت تک لوٹ کو روکنا محال ہے۔ اس وقت ہماری رجمنٹوں کے سپاہی اور جنرل استوارٹ شہر میں ہے۔ اسکی وجہ سے اور زیادہ خوف و دہشت پھیل رہی ہے جب تک ہم موثر ذرائع اختیار نہ کریں گے۔ لوگ اپنے اپنے مکانات کو واپس نہ آئیں گے۔"

میجر آلن جو اس جنگ میں شریک اور اس شب سرنگا پٹم میں موجود تھا۔ اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے :۔

" جنرل بیرڈ جو دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ آرام لینے کیلئے محل کے برآمدے میں لیٹ گیا ابھی اس کی آنکھ بھی نہیں لگی تھی کہ اس کو لوگوں نے جگا دیا۔ اور کہا کہ شہر میں مختلف مقامات پر آگ لگ گئی ہے۔ اور ہر جگہ عام طور پر لوٹ ہو رہی ہے ایک دو جگہ وہ اس کو روکنا چاہا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ قلعہ کی فتح کے بعد سپاہی اپنے پلٹنوں کو واپس نہیں گئے۔ اور بار برداری کیلئے جو لوگ باہر کیمپ میں تھے۔ وہ بھی شہر کے اندر آگئے تھے۔ اور سب کے سب لوٹ میں مشغول تھے۔ کئے ایک لوگوں کو پیٹا جا رہا تھا۔ کہ اپنی چھپی ہوئی دولت کا پتہ بتائیں۔ عورتیں مکانات چھوڑ گلیوں اور کوچوں میں کھڑی تھیں کہ اپنی عصمت کو بچا سکیں۔ چند ہی گھنٹوں کے اندر اندر سونے، اور جواہرات کے ڈھیر لٹیروں کے ہاتھ میں تھے بڑے بڑے سرداروں اور شہزادوں کے گھر لوٹ کر بالکل خالی اور تباہ کر دئے گئے۔ اگرچہ سلطانی خزانہ پر جہاں بے حساب دولت رکھی ہوئی تھی۔ پہرہ ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن کئی ایک سپاہی ایک خفیہ راستے سے دروازے توڑ کر خزانہ میں داخل ہو گئے تھے۔ اور عجیب تربات یہ تھی کہ لوگ مال لوٹ لوٹ کر اپنی جیبیں تو بھر رہے تھے۔ مگر ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر لوٹ سے منع کرتے تھے "

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۱۶)

اس انگریزی چشم دید واقعات کے بعد اگر مقامی روایات کو لیا جائے تو قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ ان واقعات کو لکھ سکے۔ کہا جاتا ہے کہ غداروں نے جو غداری کی تھی۔

" مال غنیمت کی تقسیم کے لیے جو ایجنٹ مقرر کئے گئے ہیں وہ جونکوں سے زیادہ خونخوار ہیں۔ انہوں نے سلطان کے محل کے دروازے اور سلطان کے پاس اور کپڑوں کو تک فروخت کر دیا۔ اور ابھی ان کے پاس سلطان کے ملبوسات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ وہ کپڑے ہیں جو سلطان کے استعمال میں تھے۔ اور وہ پہنا کرتا تھا۔ اگر ان کے فروخت کی فوراً ممانعت نہ کی گئی تو مجھے خوف ہے کہ اس جگہ کے وہ مسلمان جو ہمارے قبضہ سے بیزار ہیں۔ ان کپڑوں کو بطور نشانی و تبرک خرید کر لیں گے۔ یہ ہمارے لئے ایک شرمناک بات ہوگی۔ اس لئے میری رائے ہے۔ کہ گورنمنٹ خود ان ملبوسات کو خرید کر لے۔ اور انہیں شاہزادوں کے حوالے کر دے یا جس طرح مناسب ہو عمل میں لائے۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

پرائز کمیٹی یا ان لوگوں نے جو مال غنیمت تقسیم کرنے پر مامور تھے یہاں تک چیرہ دستی سے کام لیا کہ محل کے زنانہ حصہ کی بھی تلاشی لی کہ کہیں مال و زر یہاں بھی چھپا کر نہ رکھا گیا ہو۔ لارڈ ولزلی کو جب معلوم ہوا تو اس نے اسکے متعلق پرائز کمیٹی والوں پر اعتراض کیا۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ :-

" زنانہ حصہ میں جو عورتیں تھیں، انہیں تلاشی سے پہلے ہی محل کے ایکدوسرے حصہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۲ پر لکھتا ہے :-

" مال غنیمت کو تقسیم کرنے پر جو جماعت مامور تھی وہ محل کی دولت دیکھکر حیران و ششدر ہو گئی۔ لاکھوں جواہرات کے علاوہ سونا اور چاندی کی سلاخیں زیورات اور نہایت قیمتی و نایاب چیزیں محل کے اندر رکھی ہوئی تھیں۔ زنانہ

کرنل ولزلی نے انہیں واقعات کی خبر اپنے بھائی لارڈ ولزلی گورنر جنرل کو بھی دی۔ وہ لکھتا ہے :۔

"۴ مے کی شب میں سرنگاپٹم پر جو مصیبت آئی۔ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ شہر میں مشکل سے کوئی مکان ہوگا جو لوٹ سے بچا ہوا ہو۔ ہماری کیمپ کے بازار میں ہمارے سپاہی بیش قیمت جواہرات، سونے کی سلاخیں اور دوسری قیمتی اشیا بالکل سستی قیمت پر فروخت کر رہے ہیں۔ یا انہیں دوسری چیزوں کے عوض دے رہے ہیں۔ ایک ایک بیش قیمت موتی ایک شیشہ شراب کے عوض دیا جا رہا ہے۔ ایک فوجی ڈاکٹر نے ایک سپاہی سے دو بازو بند خرید کیا ہے۔ جس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بازو بند میں ایک جو بہ نسبت دوسرے کے کم قیمت کا بتلایا جاتا ہے۔ اس کو حیدرآباد کے ایک جوہری نے تیس ہزار پونڈ کا بتلایا ہے۔ دوسرے بازو بند کے متعلق جوہری نے کہا ہے کہ وہ اس قدر قیمتی ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس قدر مال و دولت حاصل کرنے کے باوجود بھی ہمارے افسر اور سپاہی اس تمام املاک، اور خزانے کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو محل سے دستیاب ہوا ہے"۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

کرنل ولزلی نے اپنے بھائی کو یہ بھی لکھا کہ :۔

"فوج کا ہر شخص بلکہ جنرل ہارس تک اس کیلئے مضطرب ہے کہ مال غنیمت جلد از جلد تقسیم ہو جائے۔ فتح مند فوج جس کو اور کوئی کام نہیں ہے۔ بالکل قابو سے باہر ہو رہی ہے"۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق کرنل ولزلی اپنے بھائی کو لکھتا ہے :۔

چینی کے ظروف تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑی سی بڑی دوکان ہے۔

ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں نہایت قرینہ سے کتابیں رکھی گئی تھیں بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے وجواہرت سے مرصع تھیں۔ ایک اور کمرے میں ایک نہایت ہی قیمتی ہودا اور تخت رکھا ہوا تھا۔

محل سے ملحق بیش انا ج کے مخزن اور سامان کے گودام تھے۔ جن میں۔ دھان، راگی، گرم مصالح وغیرہ بھرا ہوا تھا۔ ایک گودام میں گیارہ سال آگے کے دھان رکھے ہوئے تھے۔ جو نہایت عمدہ حالت میں محفوظ تھے۔ قلعہ میں ایکہزار توپ، پانچ لاکھ گولیاں، بارہ ہزار گولے، اور ساٹھ ہزار بندوق رکھے ہوئے تھے۔ ان توپوں میں اکیاون توپ انگریزی ساخت کی تھیں۔ باقی سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ ان کے متعلق جب تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ساخت کے لحاظ سے بالکل اعلےٰ درجہ کی ہیں۔

اس تمام مال غنیمت میں سے ٹیپو سلطان کی ایک تلوار تو جنرل بیرڈ کو بطور انعام دی گئی۔ اور دوسری لارڈ ولزلی کو، اس کے علاوہ لارڈ ولزلی کو ایک ہیروں کا جھومرا اور تھوڑے زیورات تحفۃً بھیجے گئے۔ سلطان کی پگڑی اور ایک تلوار لارڈ کارنوالس کو بطور تحفہ بھیجے گئے۔ مال غنیمت میں جنرل ہارس کے حصہ میں ایک لاکھ بیالیس ہزار نو سو دو (۱۴۲۹۰۲) اشرفی آئے۔ جن کی قیمت موجودہ شرح تبادلہ سے ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔

آج مفلوک الحال ہندوستان کا تہی دست باشندہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اس عروس البلاد دکن یعنے سرنگا پٹم میں کس قدر دولت جمع تھی۔ صرف سلطانی املاک

حصہ کے سوا محل کی تمام عمارت اور دربار کا کمرہ ان چیزوں کو رکھنے کے لئے استعمال میں لایا گیا۔

جواہرات مقفل صندوقوں میں تھے جو محل کے اندر تاریک کمروں میں رکھے ہوئے پائے گئے۔ یہ جواہرات جن صندوقوں میں تھے۔ ان پر حیدر علی اور سلطان کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اسی طرح سونے کے سلاخ اور زیورات جن کی خوبصورتی بیان میں نہیں آسکتی ایک دوسری جگہ سربمہر صندوقوں میں رکھے ہوئے تھے۔ زیورات میں بازوبند، انگوٹھیاں، گلوبند اور سر کی آرائش کی بے شمار چیزیں تھیں۔ اوپر کے کمرے میں چاندی کی سلاخیں اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کے ذخیرے تھے۔ ایک جگہ دو ہودے تھے، جو پورے کے پورے چاندی کے بنے ہوئے تھے بہت سے چاندی کے بڑے بڑے طبق تھے جن میں ہیرے اور دوسرے جواہر لگے ہوئے تھے۔ ہتھیار ایک اور کمرے میں تھے۔ اس میں کئی بندوق اور تلواریں تھیں۔ جن میں سونا اور جواہرات لگے ہوئے تھے۔ ہاتھی دانت کے دروازے اور دوسرے کئی قیمتی بڑی بڑی اشیاء بھی محل کے اندر پائی گئیں۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ نہایت قیمتی فرنیچر اور بے شمار بیش قیمت قالین بھی تھے۔

نہایت عمدہ ململ، ساٹن، ریشم، شال اور دوسرے قیمتی کپڑوں کی گٹھریاں بندھے بندھائے رکھے تھے۔ جن کا اندازہ کیا گیا کہ پانچسو اونٹ انکے اٹھانے کیلئے درکار ہوں گے۔

مال غنیمت میں دوربینیں اور دوسرے شیشے ہر آنکھ کیلئے موزوں اور مختلف قد و قامت کے آئینے اور بے شمار تصاویر تھیں۔ اور اسقدر کانچ اور

بیرونی دروازوں سے سپاہی اور توپ خانوں کے لوگ گھس آئے تھے، اور کافی مال لیکر چمپت بنے تھے۔

شہر میں بھی ہر شخص نے (خواہ وہ ہندوستانی افسر تھا یا یوروپین) خوب لوٹ مار کی۔ بیسوں گھروں میں جاکر روپیہ چھین لیا۔ ڈاکٹر مِش کو ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے ایک سپاہی نے نہایت معمولی رقم میں پردہ اور کپڑے بیچے۔ جس میں اس قدر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ کہ انکی مجموعی قیمت کا اندازہ ایک ہندوستانی جوہری ۴۰ ہزار پونڈ لگایا تھا۔ بعض اور زیوروں کی قیمت کا اندازہ لگانے سے جوہری بھی قاصر تھے۔ اس سپاہی نے یہ کپڑے ایک گھر میں چرائے تھے، اور اپنی رجمنٹ کے ڈاکٹر کے ہاتھ نہایت معمولی رقم پر فروخت کردئے تھے"

تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ تمام جواہرات اور زیورات کو میز پر پھیلا دیا گیا تھا۔ اور ڈھیریاں بنادی گئی تھیں۔ پھر ہر ڈھیری کی قیمت ایک جوہری کے ذریعہ سے تخمینہ کرائی گئی۔ جس کے بعد یہ چیزیں افسروں کو تقسیم کردی گئیں۔ سوائے لارڈ ہیرس کے جو کہ کمانڈرانچیف تھا، باقی سب افسر میزوں کے گرد بے تابی کے ساتھ جمع ہوگئے۔ لارڈ صاحب اپنی بڑی پوزیشن کیوجہ سے نہیں آئے مگر انہیں انکا حصہ خیمہ میں بھجوا دیا گیا۔

لارڈ ہیرس کے ڈھیر میں ایک وہ ہار بھی تھا جسکی قیمت (۱۳۵۰) پونڈ بتائی جاتی ہے۔ یہ ہار ایک مندر کی مورتی کے پیٹ میں سے نکلا تھا، یہ مورتی ٹیپو سلطان نے ایک بدھ مندر سے اٹھواکر محل میں رکھوادی تھی۔

مسٹر ڈیوڈ ہیرڈ کو اس کے حصہ میں ایک انگشتری ملی۔ جس کی قیمت پچاس

جو تقسیم کی گئیں۔ ان میں سے صرف جنرل ہارس کو اگر ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ مل سکتے ہیں تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ دولت کس قدر کثیر ہوگی۔ جو دوسرے افسروں اور عام سپاہیوں میں تقسیم ہوئی۔ اور اس کے ساتھ اس کثیر دولت کا بھی تصور کیا جائے جو تقسیم سے پہلے ہی سلطانی محل کے علاوہ امراء، وزراء اور عام باشندگان شہر کے گھروں سے سپاہیوں نے ظلم و ستم کر کے لوٹ لیا تھا۔ اوپر کرنل ولزلی کا بیان دیا گیا ہے۔ اب ذیل میں مسٹر گرے کی تاریخ ہند سے میجر پرائس کا بیان دیا جاتا ہے۔ جو اس لوٹ میں شامل تھا۔ میجر پرائس لکھتا ہے:-

"ٹیپو سلطان کے محلات کو کیونکر لوٹا گیا؟

طلسمی دولت

سرنگاپٹم کے مشہور قلعہ کو فتح کرنے کے بعد کمپنی نے فیصلہ کیا کہ جواہرات، روپیہ اور سامان (جس کی مجموعی قیمت پچیس لاکھ پونڈ تھی) کو موقع پر ہی تقسیم کر لیا جائے۔ جس افسر نے جس قدر خدمت کی ہے۔ اس کا لحاظ اور اندازہ لگا کر اسے مال غنیمت میں سے حصہ دیدیا جائے۔ اس تقسیم کے لئے ایجنٹ مقرر کر دئے گئے۔

میجر پرائس لکھتا ہے کہ میں بھی اسی میں تھا۔ قلعہ کی دولت دیکھ کر آنکھیں پھر گئیں دیکھا نہیں جاتا تھا کہ نا قابل یقین دولت اور لاتعداد زر و جواہر قلعہ میں کہاں سے آ گئے؟ مختلف قسم کے پارچہ جات اور طرح طرح کی قیمتی اور نادر اشیاء، سونے چاندی کے ظروف اور جواہرات موتیوں کے بے مثل و لاجواب ذخیرے سامنے کھلے پڑے تھے۔ ہماری عقل حیران تھی۔ فرد حساب بھی تیار نہ کر سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ

کی خاطر کئی کئی سو روپیہ کی مالیت کے جواہرات کوڑیوں کے دام بیچ ڈالے۔"

ان تفصیلات سے جو سرکاری کاغذات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ سمجھا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے دوسرے حصص مثلاً بنگال کے محلات، اودھ کے شاہی خاندانوں، دہلی کے بادشاہ، اور پنجاب کے علاقوں اور سندھ کے امیروں راجپوتانہ کی ریاستوں اور دیسی راج دھانیوں سے انگریزی افسروں، فوجی حاکموں، گماشتوں، کارندوں اور چھٹے کے معمولی سپاہیوں نے جائز و ناجائز طریقہ سے کس قدر روپیہ اینٹھا ہوگا۔" (تاریخ ہند از گربے)

مال غنیمت کی تقسیم اور ٹیپو سلطان کا ہار

سلطانی محل اور شہر میں جس قدر دولت تھی سب کی سب تقسیم کر لی گئی۔ لیکن انگریزوں کو حیرت تھی کہ سلطان کے گلے میں موتیوں کا جو بیش قیمت ہار ہمیشہ رہتا تھا وہ کیا ہوا؟ ۴ مئی یعنی شہادت کے دن سلطان کے گلے میں یہ ہار موجود تھا۔ اس لئے گمان ہونے لگا کہ کسی انگریز سپاہی نے اس کو سلطان کے گلے سے نکال لیا ہوگا۔ لیکن سخت جستجو کے بعد بھی یہ ہار نہیں ملا۔ آخر جب اس دن یعنی ۴ مئی کے واقعات کو جوڑ کر غور کیا گیا تو نتیجہ نکلا کہ یہ ہار سلطان کے نو مسلم مرہٹہ غلام راجہ خان نے نکال لیا تھا۔ لہٰذا اس ہار کے متعلق ۴ مئی کے واقعات سمجھ میں آنے کیلئے مختلف تاریخی کتب (ٹیپو سلطان از سید ولی شہید سرنگاپٹم از پارسنس۔ محاصرہ سرنگاپٹم از تھامسن وغیرہ) سے حالات یکے بعد دیگرے یکجا پیش کئے جاتے ہیں:۔

ہزار تھی۔ مگر اس نے اس وقت غصہ میں آکر اسے پھینک دیا کہ یہ تو رنگا ہوا شیشہ ہے۔ ایک سپاہی نے اٹھا کر پانچ ہزار میں فروخت کیا۔

میجروں کو جواہرات تقسیم کرنے کے بعد باقی جواہرات اور قیمتی اشیاء دیگر افسروں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

ٹیپو سلطان نے ایک تخت بے مثل ساخت کا بنوایا تھا۔ جو خالص سونے کی چادروں کا تھا۔ اس کے پشتہ پر ایک ہما کی تصویر تھی۔ جو سونے اور جواہرات کی بنی ہوئی تھی۔ تخت چار سونے کے شیروں کی پشت پر قائم تھا۔ اس تخت کے ٹکڑے کر کے ڈھیر لگا دئے گئے۔ ۱۰۰۰ پونڈ ہر شخص کے حصہ میں آئے۔ تخت کی چھت جنرل گانٹ کے ہاتھ ۲۵۰۰ پونڈ میں فروخت کر دی گئی۔ جو اس نے بعد میں اسے ۳ گنا زیادہ قیمت پر علیحدہ ٹکڑوں کی صورت میں فروخت کر دیا۔

اس تخت کے سامنے کے دو شیر جو ٹھوس اور خالص سونے کے تھے، بادشاہ کو ولایت بھیج دیے گئے۔ اس کے ساتھ کچھ اور ہیرے جواہرات اور قیمتی ہتھیار بھی روانہ کئے گئے۔

یہ تو افسروں اور حاکموں کو ملا۔ ہر سپاہی کو جسے "پرائیویٹ" کہا جاتا ہے۔ تقریباً چھ چھ پونڈ ضرور مل گئے۔ لیکن انہوں نے پرائیویٹ طور پر کافی روپیہ پیدا کر لیا۔ کیونکہ میجر پرائس لکھتا ہے۔ کہ بہت سے یورپین سپاہیوں نے کئی کئی ہزار کے جواہرات بیچے۔ اور پھر اپنی نوکری چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بعض سپاہیوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے ایک شراب کی بوتل

کر زخمیوں کے انبار میں پناہ لیتا ہے۔ جس کے تھوڑی ہی دیر بعد سلطان کے سینے میں گولی لگی ہے۔ سلطان غش کھا کر گرتا ہے۔ اس سے پہلے ہی ہنگامہ کی شدت میں شاہانہ پگڑی سے گر جاتی ہے۔ اس لئے انگریزی فوج کو یہ معلوم تک نہیں ہوتا کہ سب سے آخیر میں گرنے والا کون تھا؟ جب مدافعت کرنیوالوں میں کوئی باقی نہیں رہتا تو انگریزی فوج یہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ ایسے وقت راجہ خاں سلطان کے قریب آ کر اس کے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اتار کر اپنے کپڑوں میں چھپا لیتا ہے۔" (محاصرہ سرنگاپٹم)

"عرصہ تک انگریزی حکام کو حیرت رہی کہ سلطان کے گلے میں جو قیمتی ہار تھا وہ کیا ہو گیا؟ گمان تھا کہ کسی انگریز سپاہی کے قبضہ میں ہوگا۔ ڈی مرون رجمنٹ کے ایک سپاہی کرسچینو نامی پر شبہ ہوا۔ اس سے کہ سلطان کی شہادت کا باعث اسی سپاہی کو سمجھا جاتا تھا۔ کرسچینو اور اسکے خاندان پر عرصہ تک نگرانی بھی رہی۔ لیکن اس خاندان میں کبھی شان امارت ظاہر نہیں ہوئی۔"

(سرنگاپٹم از کانٹس پارسنس)

"ان موتیوں کا پتہ کسی صورت نہ چلا۔ کرسچینو کے خاندان میں امارت کی شان کبھی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ جو ہار کے ملنے پر یقیناً ہو سکتی تھی۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ سلطان کے گرتے ہی راجہ خان نے شہزادوں کو دینے کے لئے یہ ہار نکال لیا تھا" (جے۔جے۔ کاٹن۔ ای۔ سی۔ یس۔ کتاب سرنگاپٹم)

لیکن کہیں یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ ہار شہزادوں کے حوالے کیا گیا۔ اگر کیا جاتا تو یقیناً انگریزی افسروں کو اس کی جستجو عرصہ تک نہ رہتی۔ عام طور پر میسور وغیرہ میں

۴ رمئی ۱۷۹۹ء کے واقعات

اس بات پر تمام مغربی و مشرقی مورخین متفق ہیں کہ سلطان کا نومسلم مرہٹہ غلام راجہ خاں (جس کا مرہٹی نام راجہ راؤ تھا) آخری وقت تک سلطان کے ساتھ میدان جنگ میں موجود تھا۔ اور جب سلطان کی تلاش میں جنرل بیرڈ اور دوسرے انگریزی افسر دروازے پر پہونچے تو اس وقت راجہ خاں لاشوں کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اور اسی نے دریافت کرنے پر جنرل بیرڈ کو سلطان کی لاش بتلائی تھی۔

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:۔

"سلطان قریب ایک بجے کے محل سے باہر نکلا اور شام کے ۷ بجے تک میدان جنگ میں دست بدست لڑتا ہوا شہید ہوگیا۔ اس تمام عرصہ میں دھوپ کی شدت سے اس کا حال نہایت برا رہا۔ ایک طرف تو مئی کی چلچلاتی ہوئی دھوپ اور دوسری طرف دشمنوں سے دست بدست جنگ اسکی تشنگی کو لحظہ بہ لحظہ بڑھاتی رہی۔ اس نے بار بار اپنے غلام سے پانی طلب کیا۔ چھاگل موجود تھی۔ لیکن ایک قطرہ پانی نہیں دیا گیا۔"

پھر آگے چلکر یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"چند منٹ گذرتے ہیں۔ پھر پیاس لگتی ہے۔ سلطان پلٹ کر راجہ خاں سے کہتا ہے: "خدا کیلئے ایک قطرہ پانی" لیکن پانی نہیں ملتا" (ٹیپو سلطان)

"سلطان کا باڈی گارڈ سلطان پر نثار ہو جاتا ہے۔ کوئی باقی نہیں تھا سلطان یکہ و تنہا رہ جاتا ہے۔ ایسے وقت راجہ خاں بھی سلطان کو چھوڑ

کوئی نہیں رہا تھا۔ اور وہ کئی دنوں کی بھوک سے بے تاب ہو کر نہایت وحشت ناک ہو رہے تھے۔ کرنل آرتھر وزلی کو عجیب مشکل پیش آئی۔ کہ اس "مال غنیمت" کو کیا کیا جائے۔ میر عالم (سپہ سالار افواج حیدرآباد) سے کہا گیا کہ اگر وہ چاہے تو شیروں کو لے سکتا ہے۔ مگر میر عالم نے ان کو قبول کرنے سے معذرت ظاہر کی آخر کار سلطان کے ان محبوب شیروں کو بندوق کا نشانہ بنا دیا گیا۔"

شہادت کے بعد دیگر واقعات

شاہزادہ فتح حیدر کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان کی شہادت کے دن شاہزادہ فتح حیدر فوج لئے ہوئے کری گڈی پہاڑی کے اس پار تھا۔ جب اس کو سلطان کی شہادت اور قلعہ پر انگریزی فوج کے قبضہ کی خبر معلوم ہوئی تو وہ پریاپٹم چلا گیا۔"

کرمانی یہ بھی لکھتا ہے:۔

"سلطان کے غدار امرا اور وزرا شاہزادے تک جنگ کی صحیح خبریں پہونچنے نہیں دیتے تھے۔"

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ:۔

"شاہزادہ فرنچ راکس میں مقیم تھا۔"

بہر طور شاہزادہ کو رام کرنے کے لئے قمرالدین اور پورنیا کو بھیجا گیا۔ انہوں نے شاہزادے کو سمجھانا شروع کیا۔ کہ اگر وہ اظہار اطاعت سے کام لے تو ریاست اسکو دیدی جائیگی۔ شاہزادہ نے یہ سن کر ہتھیار ڈالدئے۔ اور ۱۲ مے کے دن سرنگاپٹم پہونچکر اپنے آپ

بھی یہی مشہور ہے کہ راجہ خان نے اس ہار کو نکال لیا تھا۔ واللہ اعلم!

(نوٹ :۔ کتاب "سرنگا پٹم" کی مصنفہ کاتھلین ای پارسنس لکھتی ہیں :۔

"راجہ خان کو موضع کڑکولہ میں جاگیر دی گئی۔ اس کی قبر میسور میں کولس گارڈن کے دروازے کے قریب ہے۔ اور اس کے نام سے میسور میں ایک سڑک کو موسوم کیا گیا ہے۔")

مقامی طور پر یہ روایت بھی عام طور پر مشہور ہے کہ جب انگریزی فوج کی قلعے پر آنے کی خبر پہونچی تو محلات میں بہت سے جواہرات یا تو کنوؤں میں ڈالدئے گئے یا چھپادئے گئے۔

مالِ غنیمت میں حیدرآباد کا حصّہ

مالِ غنیمت کی تقسیم میں میر عالم نے بھی حیدرآبادی فوج کیلئے حصہ طلب کیا لیکن اسکو جنرل ہارس نے جواب دیا کہ قلعہ انگریزی فوج نے فتح کیا تھا۔ اس لئے حیدرآبادی فوج کو حصہ نہیں دیا جاسکتا۔

نوٹ :۔ اسکے متعلق تاریخ "نظام علی خان" میں لکھا ہے کہ وزیر اعظم ارسطو جاہ اور میر عالم نے لارڈ ولزلی سے اس سلوک کی شکایت کی۔ لیکن ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۸ پر لکھتا ہے :۔

"جب انگریز تمام مالِ غنیمت باہم تقسیم کر چکے اور کچھ باقی نہ رہا تو انجام کار محل میں سلطان کے کثیر التعداد شیروں پر نظر پڑی۔ جو زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ جنگ کی ہلاکت آفرینیوں کے سبب انکی غور و پرداخت کیلئے اب

تو اس کے جان و مال کی حفاظت کے علاوہ اسکے مراتب بڑھا دیئے جائیں گے.
سلطان کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے وہ دار الخلافہ آیا. یہاں سلطان نے اسکی نہایت آؤ بھگت کی. اسکے اس مرتبہ سے نمک حرام میر صادق کو رشک پیدا ہوا اور وہ موقع کی تلاش میں رہا. ایک طرف تو رات دن اسکے خلاف سلطان سے شکایت کرتا تھا. اور دوسری طرف اسکی تباہی کی سازشیں کرتا رہا. آخر ایک دن اس کو موقع مل گیا. سلطان کے پاس اس قدر جھوٹ بیان کیا کہ خان موصوف کی زود طلبی ہوئی. جب وہ محل کے دروازہ پر پہونچا تو اس کو گرفتار کر کے حراست میں رکھا گیا. اسکی فوج سلطانی فوج میں داخل کر لی گئی. مگر سلطان کے دل میں اسکے لئے جگہ تھی. باوجود اسکے سلطان نے اسکے اخراجات کیلئے دس فنم سلطانی (موجودہ تین روپئے) روزانہ مقرر کئے. چند دن کے بعد سلطان نے ایک پلٹن خاص ملک جہاں خاں کے نام سے تیار کی. اور خان موصوف کی رہائی کا حکم دیا. مگر میر صادق نمک حرام نے کہا.

" جہاں پناہ! ڈونڈیا سا مکار اور بد طینت شخص دنیا کے پردہ میں اور کوئی نہ ہوگا. اس نے آزاد رہکر سلطنت خداداد، حیدر آباد اور مرہٹوں کے ملک پر مٹھی بھر سواروں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ذات شاہانہ سے مخفی نہیں. اگر اس کو اس قدر بڑا عہدہ اور کثیر فوج دیدی جائے گی تو سلطنت کی خیر نہیں "

سلطان نے رہائی کا حکم موقوف کر دیا. ڈونڈیا واغ کو بھی خبر تھی کہ سلطان کے دل میں اسکی کس قدر عزت ہے. چند دن اسی طرح بسر ہوئے. پھر آخر سلطان

کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اسی وقت اسکے ساتھ ایک سو بیس فرانسیسی تھے (نوٹ: کل سلطنت خداداد میں فرانسیسوں کی تعداد ہی ایک سو بیس تھی۔ محمود) اگرچہ آخر وقت تک سپہ سالار ملک جہاں خاں اور میر میراں ناصر علی شاہزادے کو یہی کہتے رہے کہ قمرالدین، پورنیا اور انگریزوں کے وعدوں کا اعتبار نہ کرے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ صرف ایک سرنگاپٹم کا قلعہ ہاتھ سے گیا ہے۔ ابھی تو سلطنت خداداد کا وسیع ملک اور مضبوط قلعے باقی ہیں۔ اور ہم جیسے وفادار بھی ساتھ رہیں گے۔ فتح حیدر نے فوج اور دیگر عہدہ داروں کی حالت پر غور کیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ سوائے چند لوگوں کے باقی لوگ اس کی رفاقت نہیں کریں گے۔ اس لئے اس نے ارادہ کر لیا کہ سرنگاپٹم چلا جائے۔ ملک جہاں خاں کو شاہزادے کا یہ فیصلہ ناگوار گذرا۔ وہ تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر شاہزادے کے کیمپ سے باہر نکل گیا۔

مورخ ملس لکھتا ہے:۔

"کتاب تذکرۃ البلاد والاحکام کے دسویں باب میں ملک جہاں خان کے حالات اس طرح تحریر ہیں:۔

ملک جہاں خاں بلحاظ قومیت مرہٹہ تھا۔ اس کا پہلا نام ڈھونڈیا واغ تھا۔ خان موصوف ایک نہایت شجاع و جری مردِ میدان تھا۔ سلطان کی ملازمت میں آنے سے پیشتر اس کے پاس تین چار سو سوار تھے۔ اور ہمیشہ مرہٹوں، نظام اور سلطنت خداداد پر ادہر اُدہر چھاپے مار کر لوٹ مار کرتا تھا۔ اور کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ سلطانی فوج بھی اس کی گرفتاری و سرکوبی سے عاجز آگئی تھی۔ اس وقت سلطان نے ایک اقرارنامہ بھیجا۔ کہ اگر وہ ملازمت سلطانی میں آجائے

سنہ ۱۷۹۰ء میں جب لارڈ کارنوالس نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کیا تو یہ دھانڈو واگ فرار ہو کر ادھر ادھر قزاقی کرتا پھرتا رہا۔ سنہ ۱۷۹۴ء میں ٹیپو سلطان نے اس کو طلب کیا اسکے ساتھ دو سو (۲۰۰) سوار تھے۔ جب وہ آیا تو سلطان نے اس کو اسلام قبول کرنے کیلئے کہا۔ انکار پر اسے قید کر دیا گیا۔ جب سنہ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے سرنگاپٹم پر قبضہ کیا تو اس کو اس حالت میں پایا کہ ایک دیوار سے زنجیروں میں وحشی جانور کے مانند جکڑا ہوا ہے۔ اس کو رہا کیا گیا۔ وہ یہاں سے فرار ہو کر مرہٹی سرحد پر جا کر ایک بڑی فوج جمع کر کے میسور پر حملہ کرنے لگا۔ آخر کرنل ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کو اس کے مقابل بھیجا گیا۔ مہینوں کی مسلسل کوشش اور جنگوں کے بعد یکایک ایک جگہ یہ اور اس کی فوج انگریزوں کے نرغے میں پھنس گئی۔ اور یہ اسی معرکہ میں مارا گیا"۔

نوٹ :۔ سلطان کے بعد دوسرا نامور مجاہد جب انگریزوں کی محکومی سے متنفر ہو کر استخلاص وطن کے راستے میں شہید ہوتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ رئیس کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں، جس پر ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی مضحکہ اڑائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تحریر روبرو ہے۔ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ اس میں کس قدر سچائی ہے۔ تعجب ہے کہ سلطان اس کو قید و بند کی مصیبت دے۔ اور وہ پھر بھی اس سے اور اس کے خاندان سے وفاداری کرے۔ اور انگریز محسن بنیں اور وہ انہیں پر تلوار اٹھائے۔ (محمود)

نے اسکو رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد ڈونڈیا مسلمان ہو گیا۔ اور نام شیخ احمد رکھا گیا۔ مگر اس نے اپنے لیے ملک جہاں خاں کا نام پسند کیا۔ بہر صورت سے بچکے بچکے خان موصوف شاہزادہ فتح حیدر کی ملازمت میں آ گیا۔

اس وقت جب شاہزادہ فتح حیدر پر اسکی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو یہ مغرب کی طرف چلا گیا۔ اور بہت جلد اسکے پاس چند سوار جمع ہو گئے۔ ادھر ادھر تاخت وتاراج کرکے اُس نے اس قدر طاقت پکڑ لی کہ اسکے پاس بیس پچیس ہزار فوج جمع ہو گئی۔ اور ڈوآبہ تنگ بھدرا و کرشنا میں اس کے نام سے دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اس نے سلطان کے دشمنوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ مرہٹی سردار گو کھلے اور پرسرام ناظم مبیچ جو کئے دفعہ سلطان کے مقابلہ میں آئے ہوئے تھے۔ مارے گئے۔ انکے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر تشہیر کیا گیا۔

انگریزی فوج کے کئی دستے اسکے مقابلہ میں گئے۔ اور ہر دفعہ انکو ناکامی ہوئی۔ آخر کرنل ہرآرتھر ولزلی ایک زبردست فوج کے ساتھ مقابلہ میں آیا اور خان موصوف کی فوج میں سازشوں کا دروازہ کھل گیا۔ تاہم دو برس کی متواتر دن رات کی لڑائیوں کے بعد چونکہ اسکے قبضہ میں کوئی مضبوط قلعہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ کڑپہ اور کرنول کے پٹھانوں کی غداری سے کونال بھنوار کے قریب شہید ہو گیا۔"

سلطان کے بعد یہ دوسرا محب وطن تھا جو اس طرح ناموری کیساتھ شہید ہو گیا۔

اس کے مقابل رٹیس کی تحریر دیکھئے :۔

"ملک جہاں خان مرہٹہ تھا۔ جو حیدر علی کے سواروں میں نشئہ میں داخل ہوا

قدر دست نہیں دیکھی تھی۔

میسور کے قدیم ہندو خاندان کے متعلق :-

(۱) میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اپنے حق سے دست برداری نہیں دی۔ اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنا چاہا۔

(۲) حیدرعلی یا ٹیپو سلطان نے کبھی علانیہ طور پر ان کو اس حق سے محروم نہیں کیا۔

(۳) دسہرہ کا سالانہ تہوار اور دربار جو ایک سیاسی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ممانعت حیدرعلی و ٹیپو سلطان کی جانب سے کبھی نہیں ہوئی۔ جسکی وجہ سے ہندو رعایا میں میسور کے قدیم خاندان کا وقار بجنسہ باقی ہے۔

مذکورۂ بالا دلائل پر غور کرنے کے بعد کمیشن نے ملک کی موجودہ سیاسی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے حسب ذیل نتائج مرتب کیا

(۱) اگر سلطنت سلطان کے شاہزادوں کو تفویض کیجائے، تو ممکن ہے کہ ان کے دل میں انتقام لینے کا جذبہ موجود رہیگا۔

(۲) سلطان کے شاہزادے دربار سلطانی کا جاہ و جلال اور سلطنت کی وسعت دیکھ چکے ہیں، وہ اس کو فراموش نہ کرتے ہوئے اسکے حصول کی کوشش کریں گے۔

(۳) سلطان کے شاہزادوں کو معلوم ہے کہ کس طرح انکے والد نے فرانسیسوں اور دیگر سلطنتوں سے انگریزوں کے خلاف معاہدے کئے تھے۔ اور ابھی جبکہ فرانسیسی خطرہ پوری طرح دور نہیں ہوا ہے۔ اور ہندوستان میں دوسری طاقتیں بھی موجود ہیں تو ممکن ہے کہ شاہزادے پھر سازباز شروع کردیں۔

(۴) اگر بالغرض سلطان کے کسی شہزادے کو تخت نشین کیا جائے تو یقیناً وہ ان لوگوں

سلطنتِ خداداد کے حصّے بخرے

جب شہزادہ فتح حیدر نے بھی ہتھیار ڈال دیئے تو کسی قسم کا خوف باقی نہیں رہا۔ اس لئے سلطنتِ خداداد کا آئندہ انتظام کرنے کیلئے جنرل ہارس کی صدارت میں ایک کمیشن (مجلس) مقرر ہوئی۔ اس کمیشن کے ارکان کرنل ولزلی، سر باری کلوز اور لفٹنٹ کرنل کرک پیاٹرک تھے۔ نظام علی خاں کی منظوری لے لی گئی۔ میر عالم اور سلطان شہیدؒ کے چند وزراء کو صرف مشاورت کیلئے منتخب کر لیا گیا۔ کمیشن کے روبرو ایک نہایت اہم کام تھا۔ سلطنت کے دو دعویدار تھے۔ ایک طرف تو سلطان کے شاہزادے اور دوسری طرف میسور کا قدیم ہندو خاندان۔ معاملات کی چھان بین کرنیکے بعد کمیشن کے آگے دونوں جانب سے مندرجہ ذیل دلائل موجود تھے۔

سلطان کے شہزادوں کے متعلق:۔

(۱) حیدر علی کو اگر غاصب سلطنت قرار بھی دیا جائے تو اس پر اس قدر عرصہ گذر چکا ہے کہ سلطنت پر انکا حق مسلّم ہو چکا ہے۔

(۲) حیدر علی اگر غاصب سلطنت تھے تو انکے فرزند ٹیپو سلطان اور اسکے بعد انکے شہزادے اس الزام سے بالکل بری اور جائز وارث سلطنت ہیں۔

(۳) ٹیپو سلطان نے اپنے شاہزادوں اور خصوصاً پہلے چار فرزندوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی ہے کہ وہ سلطنت کرنے کے اہل اور انکے دل امیدوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

(۴) سلطنت کا رقبہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے۔ کہ میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اس

مطابق ہونے کے علاوہ ان تمام خدشات سے نجات مل جائیگی۔ جو بصورت دیگر شاہزادوں کو تخت دینے کی وجہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ پالیسی انسانیت اور فیاضی کا بھی یہی تقاضہ ہے ؟

کمیشن کا یہ فیصلہ لارڈ ولزلی کے پاس بھیجدیا گیا۔ اس پر لارڈ ولزلی نے دریافت کیا کہ اگر ہم سلطنت ہندو خاندان کو تفویض کردیں تو سلطان کی حکومت کے دوسرے افسروں کی رائے اور انکا طرز عمل کیا ہوگا! اس کے جواب میں سر ہیاری کلوز نے لکھا "ملک میں ہماری مخالفت کرنے والا ہی کون ہے۔ برہان الدین، بخشی نواب، معین الدین، میر صادق اور سید غفار تو مارے گئے۔ پورنیا ہماری مرضی پر کام کرنے پر آمادہ ہے۔ اور قمر الدین ہماری فیاضی پر بھروسہ کئے ہوئے ہے"

اس خط کے پہونچنے کے بعد لارڈ ولزلی نے ملک کی تقسیم اس طرح کی :-

(۱) کل اضلاع کرناٹک و پائین گھاٹ و ساحلی علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملے۔

(۲) ضلع اننت پور، کڑپہ، کرنول اور بلاری نظام حیدرآباد کو دئے جائیں۔

(۳) تنگ بھدرا کے شمال میں جتنا ملک ہے وہ مرہٹوں کیلئے اس شرط پر محفوظ رکھا جائے کہ وہ سب سی۔ڈیاری سسٹم قبول کرلیں۔

(۴) بقیہ ملک (جو اب موجودہ ریاست میسور پر مشتمل ہے) قدیم خاندان راجگان میسور کے حوالے کردیا جائے۔

(۵) سرنگاپٹم کا جزیرہ انگریزوں کے قبضہ میں رہے۔

(۶) سالانہ خراج سات لاکھ پگوڈا ادا کئے جائیں

(۷) ریاست کے کاروبار کی نگرانی کیلئے رزیڈنٹ مقرر ہوگا۔

کو معاف نہیں کریگا۔ جو سلطنت کی تباہی اور خاندان کی موجودہ محکومانہ حالت کے ذمہ دار ہیں۔ (نوٹ:۔ غداروں کی غداری کا ثبوت اور یہ انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ محمود)

(۵) نظام علی خاں والیٔ حیدرآباد جو اس جنگ میں ہمارا حلیف ہے سلطان کے شہزادوں کو تخت دینے کا مخالف ہے۔ اسکے ثبوت میں کمیشن کے پاس حیدرآباد کے وزیراعظم ارسطو جاہ کا خط تھا۔ اس خط میں ارسطو جاہ نے میر عالم کو لکھا تھا:۔

"ٹیپو سلطان کے فرزندوں اور پسماندوں نے انگریزی کمپنی کے ذریعہ جا ستدعا کی تھی کہ بغرض پرورش نصف حصۂ ملک اور نصف خزانہ ان کو ملے۔ کیوں نہیں کہتے کہ قلعہ ہم نے حملہ کرکے فتح کیا ہے اور وہ اسیران جنگ میں ہیں۔ ان کے لئے قوت لایموت کے موافق تجویز کرنا چاہئے۔ (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۸)

پھر اسی خط میں کمیشن کو مخاطب بناتے ہوئے ارسطو جاہ نے لکھا تھا:۔

" ایں جانب (ارسطو جاہ) کو یقین ہے کہ ٹیپو سلطان کے لڑکوں اور پسماندوں کو منشاء سرکار دولت مدار او رانجناب میر صاحب (میر عالم) کے موافق کیا جائے گا۔ اور نصف ملک ہرگز ان کو نہ دیا جائیگا" (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۹)

کمیشن کے اپنے خاص دلائل اور حیدرآباد کی رائے دریافت ہونے کے بعد کمیشن نے سلطان کے امراء و وزراء سے بھی رائے لی۔ اسوقت لنگڑے غلام علی نے کہا:۔

" افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست"

اسکے بعد کمیشن کے آگے تخت نشینی کا مسئلہ بالکل صاف تھا۔ اس لئے سلطان کے شاہزادوں کو تخت سے محروم کرتے ہوئے کمیشن نے لارڈ ولزلی سے سفارش کی کہ:۔

"اگر سلطنت ہندو خاندان کے تفویض کردی جائے تو یہ عین مصلحت وقت کے

رکھتے ہوئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تخت سلطان کے وارثوں کو دیا جائے
اس سے سات لاکھ کی پنشن گذارہ کیلئے مخصوص کیگئی ہے۔ اس لئے اب
یہ طے شدہ ہے کہ نئی حکومت قائم ہونے سے پیشتر وہ (شہزادہ فتح حیدر)
اور سلطان کے اہل خاندان کو میسور کے حدود سے باہر بھیج دیا جائے"

اس کارروائی کیلئے دوسرا دن مقرر کیا گیا۔

شہزادہ فتح حیدر نے اس تجویز اور حکم پر اظہار تعجب کیا اور کہا :۔

" اس نے انگریزوں کے قول پر بھروسہ کر کے اپنے آپ کو سپرد کر دیا
تھا۔ اگر کمپنی تخت وتاج نہیں دے تو وہ اپنے باپ دادا کی مزاروں
کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

کرنل ولزلی نے اسکے جواب میں کہا کہ :۔

" قول جو دیا گیا تھا۔ اس کی کوئی اور معنی نہیں لئے جا سکتے۔ یہ
یقین نہیں دلایا گیا تھا کہ تخت وتاج دے جائیں گے۔ اس کے علاوہ
یہ انگریزی قانون ہے کہ وہ اگر چاہے تو اپنی رعایا میں سے ہر شخص کو
اسکی جائے سکونت چھوڑ کر دوسری جگہ رہنے پر مجبور کرے۔ یہ سچ
ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے تخت وتاج کے معاملہ میں انصاف اور رحمدلی
سے غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب موجودہ وقت میں یہ اسکے
مفاد کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب اس کو یہ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان
اور اسکے اہل خاندان کا رجحان فرانس والوں کی طرف زیادہ ہے۔
جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس عطیہ کو بیوہ رانیوں نے ۲۴ ر جون ۱۷۹۹ء کو تحریر ذیل لکھکر شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

"آپ نے ہمارے بچے کیلئے میسور نگر کی حکومت مع متعلقات کے بحال کر دی ہے اور پورنیا کو دیوان مقرر کیا ہے۔ اس سے ہم بے حد مسرور ہوئے ہیں۔ ہماری سلطنت کو ہمارے ہاتھ سے نکلے ہوئے چالیس برس ہوگئے تھے۔ اب آپ نے اپنی مہربانی سے پھر ہمارا ملک ہم کو دیا۔ اور پورنیا کو ہمارا دیوان مقرر کیا ہے۔ ہم جب تک مہ و خورشید تاباں ہیں۔ کبھی آپ کی گورنمنٹ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرینگے۔ ہم ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کے زیر سایہ اور آپ کا تابع فرمان سمجھیں گے آپ نے ہمارا نام قایم کیا۔ یہ بات ہمارے خاندان میں پشتہا پشت تک یادگار رہیگی۔ ہماری اولاد آپ کی گورنمنٹ کے اس اظہار حسن عقیدت کو کبھی فراموش نہ کریگی۔ اسی کی امداد پر ہمارا بھروسہ ہے۔"

دستخط (۱) لچھمی امنی

(۲) دیواجی امنی

اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد نئے راجہ کی تخت نشینی کا مسئلہ پیش ہوا۔ مناسب سمجھا گیا کہ اس سے پیشتر سلطان کے شہزادوں کو ملک سے باہر بھیجدیا جائے۔ اس کے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۳۱ پر لکھتا ہے:-

"جب یہ طے ہوگیا کہ ہندو راج قایم کیا جائے تو کرنل ولزلی نے شہزادہ فتح حیدر کو اطلاع دی کہ:-

"گورنر جنرل کے خیال میں انگریزوں اور اتحادیوں کے مفاد کو مدنظر

داشت۔ام کی زندگی اب تک بسر کر رہا ہے۔

ان تمام امور کو طے کرنے کے لئے ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ جس پر لارڈ ولزلی نے ۶ جون ۱۷۹۹ء اور نظام الملک نے ۱۳ جون ۱۷۹۹ء کو دستخط کیا۔

شاہزادوں کو رخصت کرنے کے بعد نئے راجہ کو ۳۰ جون ۱۷۹۹ء کو میسور میں تخت نشین کیا گیا۔ ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۹۹ پر لکھتا ہے:۔

"تخت نشینی کی رسم دوپہر میں منائی گئی۔ کمیشن (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی جانب سے جنرل ہارس اور حیدرآباد کی جانب سے میر عالم راجہ کے دونوں بازو تھامے ہوئے تھے۔ تخت پر بٹھانے کے بعد جنرل ہارس نے دربار میں اعلان کیا کہ گورنر جنرل نے پورنیا کو اس نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا ہے۔"

زوالِ سلطنتِ خداداد پر انگریزوں کی خوشیاں

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ جب لارڈ ہارس سلطان کی لاش پر آیا تو فرطِ خوشی سے پکار اٹھا کہ:۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

اس سلسلہ میں جو خوشیاں منائی گئیں اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنتِ خداداد کا اثر سیاسیات ہندوستان پر کتنا زبردست تھا اور سلطان کی ذات کس قدر بلند مرتبہ تھی۔ اسکی دُوررس نظر، اسکی تنظیم و تنسیق، اسکے بلند ارادے ہندوستان میں کیا کرنا چاہتے تھے۔ اسکی ایک جھلک اس کے خط و کتابت اور فوجوں کی آراستگی سے معلوم ہوتی ہے حقیقت میں یہ سلطان ہی کی ذات تھی۔ جو ہندوستان اور انگریزی قبضہ کے

اس کے ساتھ ہی شیخ حیدر کو دھمکی بھی دیگئی کہ اگر وہ گورنر جنرل کے حکم کی خلاف ورزی کریگا تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ یہی بات شہزادہ عبدالخالق، معزالدین اور محی الدین سے کہی گئی۔

لہٰذا یہ بد قسمت شہزادے ۱۸ جون کو ویلور بھیجدئے گئے۔"

شہزادوں کے اخراجات کیلئے سالانہ دو لاکھ چوبیس ہزار پگوڈا منظور رکئے گئے جو قریباً ۶ لاکھ بیس ہزار روپیوں کے ہوتے ہیں۔ اس قافلہ میں سلطان کے بارہ فرزند اور ایک دختر تھی۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱) شہزادہ فتح حیدر سلطان (۲) شہزادہ عبدالخالق سلطان

(۳) شہزادہ محی الدین سلطان (۴) شہزادہ معزالدین سلطان

(۵) شہزادہ محمد سبین سلطان (۶) شہزادہ محمد سبحان سلطان

(۷) شہزادہ شکر اللہ سلطان (۸) شہزادہ سرورالدین سلطان

(۹) شہزادہ جامع الدین سلطان (۱۰) شہزادہ منیرالدین سلطان

(۱۱) شہزادہ غلام محمد سلطان (۱۲) شہزادہ احمد سلطان

اور نواب حیدر حسین خاں داماد سلطان اور انکے علاوہ سلطان کے چھوٹے بھائی نواب کریم شاہ مع اپنے فرزندان غلام علی اور امام بخش بھی تھے۔

انکے علاوہ وہ لوگ بھی جنہیں سلطان سے ذرہ بھر بھی خون کا رشتہ تھا شہزادوں کے ساتھ روانہ کردئے گئے۔ لہٰذا میسور میں حیدر علی و ٹیپو سلطان کے خاندان کا کوئی ایک بھی باقی نہیں رہا۔

نوٹ :- اس خاندان کو ۱۸۰۶ء میں ویلور سے نکال کر کلکتہ بھیجدیا گیا۔ جہاں یہ نہایت عزت

حد نہ رہی۔ لارڈ ولزلی کو جواب تک "ارل آف مارننگٹن" تھا "مارکوئیس" کا خطاب دیا گیا۔ جنرل ہارس کو جو ایک غریب پادری کا لڑکا تھا

"لارڈ ہارس آف سرنگاپٹم"

کا خطاب ملا۔ انگریزی فوج کے ہر سپاہی کو علاوہ انعامات کے تمغے دئے گئے۔ اس قسم کا ایک تمغہ میری نظر سے بھی گذرا ہے اس میں ایک جانب تو سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء ثبت ہے اور دوسری جانب دریائے کاویری میں ایک شیر کو بچھاڑ کر سنٹ جارج جو گھوڑے پر سوار ہے نیزہ مار رہا ہے۔ گو کہنے کو تو یہ ایک معمولی تمغہ ہے۔ مگر اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطان واقعی شیر ہندوستان تھا۔ اور اس طرح انگریزوں نے بھی جو اسکے حریف تھے۔ اسکی "شجاعت اور بہادری" کا اعتراف کیا ہے۔

درمیان حائل تھی - اس کے زوال پر جو کچھ بھی خوشیاں منائی جائیں وہ کم تھیں۔
لارڈ ولزلی اپنے ایک دوست کو خط میں لکھتا ہے :-

"میں ہندوستان میں اپنی فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع کرونگا کہ خود ڈائرکٹران کمپنی ہندوستان پر رحم کرنے کیلئے درخواست کریں" (تاریخ باسو)

اور ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک مراسلہ میں لکھتا ہے :-

"ٹیپو سلطان کی موت اور اسکی سلطنت کا خاتمہ دیگر ہندوستانی حکمرانوں کیلئے ایک ایسا سبق ہے کہ وہ آئندہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کی جرات نہ کرسکیں گے"۔

(ماڈرن میسور)

لارڈ ولزلی کو سر جان اینس تھروٹر، ۱ر مئی ۱۷۹۹ء کو لکھتا ہے :-

"ہماری تاریخ ہندوستان کا سب سے نمایاں، سب سے شاندار اور سب سے بڑا کارنامہ اس طرح آپ کے ہاتھوں انجام پانے پر میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں"۔

۱۰ر فروری ۱۸۰۰ء کو لارڈ ولزلی نے کلکتہ واپس پہونچکر ایک شاندار جلوس نکالا۔ جس میں لارڈ ولزلی، چیف جسٹس اور کمانڈر انچیف (سر الفرڈ کلارک) ممبران کونسل اور دیگر سرکاری، سیول و فوجی افسر پیادہ پا گرجا تک گئے۔ راستوں میں فوج دورویہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستان میں یہ پہلا وقت تھا کہ اس قدر شاندار جلوس انگریزوں کا نکلا ہو۔ اس جلوس کو مذہبی رنگ دیا گیا تھا۔ اور گورنر جنرل نے اس کو شاندار بنانے میں اپنا پورا زور صرف کر دیا تھا۔

جب زوال سلطنت خداداد کی خبر انگلستان میں پہونچی تو وہاں کی خوشی کی کوئی

اپنی طرف کرلی۔ میسور صوبہ سرا کے ماتحت تھا۔ نظام الملک اول کے زمانہ سے سرا کا صوبہ بھی ارکاٹ میں ضم ہو چکا تھا۔ لیکن بسالت جنگ نے سرا کی صوبہ داری جب حیدر علی کو دیدی تو محمد علی والاجاہ جو اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے تمام جنوبی ہند کا مالک سمجھتا تھا۔ حیدر علی کا مخالف بن گیا اور حیدر علی کے خلاف انگریزوں سے سازباز کرنے لگا۔

(۲) نواب نظام علیخاں۔ نظام الملک دوم۔

نواب بسالت جنگ کو معزول کرنے کے بعد مسندنشین ہوا تھا۔ بہ حیثیت صوبہ دار دکن تمام جنوبی ہند یعنے صوبہ ارکاٹ وصوبہ سرا اس کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ حیدر علی کا اس وجہ مخالف بن گیا کہ حیدر علی نواب بسالت جنگ کا بنایا ہوا صوبہ دار تھا۔ اور ساتھ ہی اسکو حیدر علی کی روز افزوں فتوحات سے یہ خوف بھی پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں تمام ہندوستان سلطنت خداداد کے قبضہ میں نہ آجائے۔ اور اس طرح شہنشاہیت کا جو خواب وہ دیکھ رہا تھا پورا نہ ہو؟

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی۔

ہوس ملک گیری میں ارکاٹ اور حیدرآباد میں اپنا دام تزویر عرصہ سے پھیلا رکھی تھی۔ والاجاہ محمد علی کی بدولت کورومنڈل کے بہت سے علاقوں پر حکمرانی بھی کر رہی تھی۔ اور محمد علی کے بقیہ علاقوں کی ایجنٹ بھی تھی۔ اس کو حیدر علی کا عروج اس کے مقاصد میں ہارج نظر آرہا تھا۔ اس نے پہچان لیا کہ اگر حیدر علی کی سلطنت قایم رہی تو ہندوستان میں اسکے قدم نہیں جم سکتے۔

(۴) مرہٹے۔

انہیں ایک نئی اسلامی سلطنت کا وجود میں آنا ناگوار گذر رہا تھا۔

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب پر ابھی تک کسی تاریخ میں مفصل روشنی نہیں ڈالی گئی۔ عام طور پر جو مشہور ہے وہ یہی ہے کہ سلطان کے وزراء و امراء نے آخر وقت میں سلطان سے غداری کی تھی اور اسی وجہ سے سلطنت پر زوال آگیا۔ گو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، اور تاریخ نشان حیدری و حلات حیدری کے مصنفوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ ان افسروں نے غداری کس وجہ سے کی؟ انکی اس غداری کے متعلق جن وجوہات کو بتلایا گیا ہے، وہ بالکل سطحی ہیں۔ اس لئے ذیل میں ان تمام حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جو اس غداری کی اصلی محرک تھیں۔ اس سلسلہ میں ممکن ہے کہ بعض واقعات کو جن کا ذکر آگے آچکا ہے، دہرانا پڑیگا۔ لیکن انکے دہرائے بغیر مطلب پورا نہیں ہوسکتا۔ (محمود)

نواب حیدر علی نے جس زمانہ میں اپنی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ اس وقت جنوبی ہند میں انکے مقابل مندرجۂ ذیل حریف موجود تھے:۔

(۱) نواب محمد علی والا جاہ۔

تاریخ بین اصحاب واقف ہیں کہ والا جاہ محمد علی انگریزوں کی تائید سے ارکاٹ کا نواب بنا تھا۔ اسکی آرزو تھی کہ حیدر آباد کا بھی حکمران بنجائے۔ اور اس مقصد کے لئے اس نے انگریزوں اور چند امرائے حیدر آباد کو اپنے ساتھ ملا کر حیدر آباد میں سازشیں کر رہا تھا۔ لیکن عین اسی وقت میسور میں حیدر علی کے عروج نے اسکی توجہ کو حیدر آباد سے ہٹا کر

حیدر علی جو سابق میں اسی خاندان کے ملازم تھے۔ اپنا اقتدار بطور پیرامونٹ پاور (اعلیٰ طاقت) قایم کرے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خاندان اس پالیسی میں اپنی سبکی محسوس کرنے لگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ رانیوں نے سلطنت خداداد کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔

پہلی سازش **۱۷۶۱ء**

کتاب ہسٹری آف میسور کے صفحہ ۴ پر تحریر ہے کہ:۔

"حیدر علی نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ تو رانیوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کے پاس حیدر علی کے خلاف تائید حاصل کرنے کیلئے اپنے ایک معتمد راجی ورگ سرینواس راؤ کو مدراس روانہ کیا۔ اس وقت لارڈ پیگاٹ گورنر تھا۔ اس نے تائید دینے کا وعدہ کر لیا"

دوسری سازش **۱۷۶۵ء**

لیکن باوجود وعدہ کے جب انگریزوں کی جانب سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تو رانیوں نے اپنا ایک ایلچی ۱۷۶۵ء میں مرہٹوں کے پاس پونا روانہ کیا۔ اور درخواست کی کہ میسور کو حیدر علی کی سرپرستی سے نجات دلائی جائے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیشوا مادھو راؤ نے حیدر علی پر فوج کشی کردی۔ لیکن پے در پے مشکلات نے اس کو مجبور کردیا کہ حیدر علی سے صلح کر لے کر واپس ہو جائے۔

تیسری سازش **۱۷۶۶ء**

نواب حیدر علی کے خلاف یہ سازش والا جاہ محمد علی (ارکاٹ) نظام علی خاں (حیدرآباد) اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہوتی ہے۔

یہ آگے بتلایا جا چکا ہے کہ والا جاہ محمد علی ارکاٹ کا خود مختار حکمران ہونا چاہتا تھا۔ اور انگریز اسکے ایجنٹ تھے۔ صوبہ دار دکن کی ارکاٹ پر سیادت کا خاتمہ کرنے کے

(۵) میسور کا قدیم ہندو خاندان۔

یہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنا اور آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے میسور کی رانیاں کوشش کرنے لگیں۔

حالات نواب حیدرعلی میں لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ میسور کے راجہ کے سپہ سالار تھے تو انکے خلاف راجہ اور کھنڈے راؤ نے مرہٹوں کی امداد سے سازش کرتے ہوئے انکی جان لینی چاہی۔ لیکن حیدرعلی نے میدان جنگ میں ان حریفوں کو شکست دیکر سرنگاپٹم پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کو اس کا قدیم علاقہ تین لاکھ کی جاگیر دیتے ہوئے اس کو بھی سرنگاپٹم میں ہی رہنے کی اجازت دی۔ راجہ کے اقتدار کو محدود کرتے ہوئے داخلی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اس کا شاہانہ کروفر بھی بحال رکھا جس کی وجہ سے ہر سال دسہرہ کا دربار اگلی شان وشوکت کے ساتھ ہی منایا جاتا تھا۔ لیکن راجہ اور اس کا خاندان اس پر قانع نہیں ہوا۔ انہوں نے حیدرعلی کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

نواب حیدرعلی نے یہ غلطی کی کہ انہوں نے اپنی سلطنت کا پایۂ تخت بھی سرنگاپٹم کو ہی بنایا۔ ممکن ہے کہ نواب نے اس وقت یہ سمجھا ہو کہ اس طرح نگرانی بھی خوب رہیگی اور راجہ کا خاندان بھی قانع رہیگا۔ لیکن یہ اصول طبیعت انسانی کے خلاف تھا۔ سرنگاپٹم زمانۂ دراز سے راجہ کے خاندان کا پایۂ تخت تھا۔ اور یہاں بلاشرکت غیرے اسکا اقتدار رہا۔ اس لئے راجہ کے خاندان کو باوجود تمام مراعات حاصل رہنے کے بھی یہ امر حد درجہ شاق گذر رہا تھا۔ کہ اسی شہر میں جہاں کی رعایا اس کو مختار مطلق تسلیم کرتی تھی

"حیدر علی خان کی ہمسایہ ریاستوں میں ایک طرف مرہٹے اور دوسری طرف سرکار نظام، تیسری طرف نواب کرناٹک تھے۔ نواب کرناٹک کے پردے میں دراصل انگریز کرناٹک پر حکمران تھے جن کی نظر میں حیدر علی خاں کی روز افزوں طاقت کھٹک رہی تھی اور انہیں کوئی خطرہ تھا تو حیدر علی خان ہی سے تھا۔ اور حیدر علی خان کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ اس اجنبی قوم کو علاقہ دکن سے نکال باہر کردیں۔ لیکن نواب کرناٹک کی سادہ مزاجی کی وجہ سے اس قوم کے قدم علاقہ کرناٹک میں مستحکم طور پر جم گئے تھے۔ ایک حد تک انہیں کے ذریعہ اس قوم نے نظام علی خاں کے پاس، چار رسوخ پیدا کرلیا۔"

(نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۰)

اس جنگ کا نتیجہ اتحادیوں کیلئے نہایت مایوس کن نکلتا ہے۔ جنگ کا خاتمہ ۱۷۶۹ء میں انگریزوں کی شکست اور صلحنامہ مدراس پر ہوتا ہے۔

چوتھی سازش
۱۷۷۰ء

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تیسری سازش میں میسور کے قدیم خاندان نے کس قدر حصہ لیا تھا یا بالکل ہی نہیں لیا۔ لیکن جب انگریزوں کو اس جنگ میں شکست ہو چکی تو رانیوں نے ہمت نہیں ہاری اور اس دفعہ یعنی ۱۷۷۰ء میں انہوں نے اپنے پردھان ترمل راؤ کو پیشوا مادھوراؤ کے پاس پونہ روانہ کیا۔ اس وقت رانیوں کی درخواست کے علاوہ مرہٹوں کے پیش نظر اور دو امور تھے۔

(۱) میسور کو اپنے قبضہ میں کرنا۔

(۲) اپنی شکستوں کا حیدر علی سے انتقام لینا۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے مادھوراؤ اور اس کے سپہ سالار ترمل راؤ نے

لئے حیدرآباد میں سازشیں ہو رہی تھیں۔ حیدرآباد کا وزیر اعظم رکن الدولہ اور میر عالم ایسٹ انڈیا کمپنی کے جال میں پھنس چکے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کمپنی نے حیدرآباد سے ایک معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ حیدرآباد میں ۲۲ فروری ۱۷۶۶ء میں ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے :-

(۱) والا جاہ محمد علی کو صوبہ ارکاٹ کا مستقل اور آزاد حکمران تسلیم کرتے ہوئے نذرانہ اور پیش کش سے بھی معافی دیدی گئی۔

(۲) نظام علیخاں دریائے کرشنا سے نیچے تمام ملک سے دست برداری دیدی

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی کو والا جاہ محمد علی کا نمائندہ (ایجنٹ) تسلیم کر لیا گیا۔

(کتاب سندس انڈر ٹیریز جلد ۹ صفحہ ۲۸)

والا جاہ محمد علی یا صوبہ ارکاٹ کا معاملہ طے کرنے کے بعد کمپنی نے صوبہ سرا کا معاملہ بھی اسی معاہدہ میں طے کر لیا۔ اس معاہدہ کی شرط (۱) کی رو سے نظام علیخاں نے صوبہ سرا کی دیوانی سات لاکھ روپئے سالانہ پیش کش کے عوض کمپنی کو بخش دیا۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ صوبہ سرا پر نواب حیدر علی قابض ہو چکے تھے۔ اس لئے بحیثیت صوبہ دار دکن نظام علیخاں نے اس معاہدہ کی شرط ۴ سے انہیں غاصب قرار دیا۔

اس معاہدہ کے بعد یعنے اندرونی طور پر سازش کو مکمل کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی۔ والا جاہ محمد علی اور نظام علی خاں نے حیدر علی پر فوج کشی کر دی۔ جو تاریخ میں میسور کی پہلی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سازش پر حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخ اس طرح روشنی ڈالتی ہے :-

کی اجازت دیدی اس آزادی سے فائدہ اٹھاکر اس نے سرنگا پٹم میں میسور کی رانیوں سے ملا۔ اور کل حالات سے واقف ہوکر تنجاور کو واپس پہونچا۔ یہاں اس نے میسور کی رانی کی جانب سے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی اہم شرائط کتاب سندس انڈر ٹریٹیز جلد نہم کے صفحہ ۲۰۰ اور ۲۰۱ سے یہاں دی جاتی ہیں۔

میسور میں ہندو راج قائم کرنے کے لئے معاہدہ

مورخہ ۲۷؍ اکتوبر ۱۷۸۲ء

شرائط

ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے	رانی لکشمتما کی جانب سے
	ایسٹ انڈیا کمپنی حیدر علی سے ہمارا تمام ملک ہم کو واپس لیکر دیدے تو:- (۱) انگریزی فوج جب حیدر علی کے خلاف نقل و حرکت شروع کریگی تو انگریزوں کو تین لاکھ کنٹی رایا پگوڈا (طلائی سکے) دئے جائیں گے۔ (۲) جسوقت انگریزی فوج میدانی ملک چھوڑ کر بالاگھاٹ پر بڑھے گی اور ادھیلی یا دیسی ہم کے مقامات پر قبضہ کریگی تو مزید ایک لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے۔ (۳) جس وقت انگریزی فوج میسور پر قبضہ

۱۷۷۴ء میں پھر میسور پر فوج کشی کی۔ اس جنگ کا سلسلہ چار سال تک رہا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ مرہٹے واپس ہو گئے۔ اور اس طرح اس دفعہ بھی ہندو راج قایم کرنیوالوں کے توقعات بر نہ آئیں۔

نوٹ:۔ حیدر علی کو معلوم ہو گیا کہ اس سازش کا سرغنہ ترمل راؤ ہے۔ جو رانیوں کا پردھان یعنے دیوان ہے۔ حیدر علی نے اس کو گرفتار کر دیا۔ لیکن بعد میں عفو و ترحم سے کام لیکر اسکو رہا کرتے ہوئے کڑپہ میں نواب عبدالحلیم خاں کے دربار میں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ (محمود)

پانچویں سازش
۱۷۷۹ء

اوپر کی نوٹ میں لکھا جا چکا ہے کہ حیدر علی نے ترمل راؤ کو کڑپہ میں اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ یہاں ابھی اس کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا۔ کہ اسکو معلوم ہوا کہ مدراس میں لارڈ پیگاٹ کمپنی کا گورنر مقرر ہو کر آیا ہے۔ یہ وہی گورنر تھا جس نے ۱۷۶۱ء میں رانیوں کو تائید دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہاں ترمل راؤ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ لارڈ پیگاٹ ریاست تنجاور کے اندرونی معاملات میں دخل دے رہا ہے۔ اس لئے ترمل راؤ اور اسکا بھائی نارائن راؤ کڑپہ سے فرار ہو کر تنجاور پہونچے۔ جہاں انکی خوش قسمتی سے تنجاور کا راجہ اور رزیڈنٹ جان سلیوان ان کے ہمراز بن گئے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام کے تمام اسوقت میسور کی اندرونی حالت سے ناواقف تھے۔ اس لئے مدراس کی حکومت نے سی۔ ڈی شوارٹز کو ایلچی بناکر حیدر علی کے پاس بھیجا۔ یہ شخص ایک پادری تھا۔ بظاہر پادری شوارٹز نے مدراس کے گورنر کی جانب سے حیدر علی کے نام ایک خط لایا جس میں لکھا گیا تھا کہ حکومت حیدر علی سے تلافی مافات کرنے اور بہت زیادہ دوستی کی خواہاں ہے۔ اسی خط میں گورنر نے حیدر علی سے یہ بھی درخواست کی تھی، کہ شوارٹز کو پادری ہونے کی حیثیت سے مذہبی تبلیغ کی اجازت دی جائے۔ ۲۵ ر اگست ۱۷۷۹ء کے دن پادری شوارٹز سرنگاپٹم پہونچا۔ نواب حیدر علی نے اس کو مذہبی راہنما سمجھ کر تبلیغ

	اپنے افسروں کو ہدایت کریگی کہ وہ رقم لیکر مال غنیمت چھوڑ دیں۔
(۹) حیدر علی اور دوسرے تمام افسر جو میدان جنگ میں اسیر ہوں۔ میسور کے راجہ کے حوالے کر دئے جائیں۔	کمپنی حیدر علی کے خلاف بطور حریف جنگ آزما ہو رہی ہے۔ اس لئے اس شرط کو منظور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ میسور کی راجدھانی کے فوائد مدنظر رکھے جائیں گے۔
دستخط (۱) سی۔ ٹی۔ شوارٹز (۲) ترمل راؤ (برائے راجہ میسور)	دستخط جان سلیوان رزیڈنٹ تنجاور (برائے ایسٹ انڈیا کمپنی)

اسی سلسلہ میں کتاب پر دہانس آف میسور کے صفحات ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ پر علاوہ اس معاہدہ کے اور تین خطوط دئے گئے ہیں۔ ان خطوط میں ایک خط ترمل راؤ اور اسکے بھائی نارائن راؤ کا ہے۔ جس میں انہوں نے جان سلیوان اور تنجاور کے راجہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ کہ انکی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ دوسرا خط لارڈ مکارٹنی مدراس کے گورنر کا ہے۔ جو میسور کی مہارانی لکشما کے نام ہے۔ اس خط میں لارڈ مکارٹنی نے رانی کو تائید دینے کا یقین دلایا ہے۔ تیسرا خط بھی لارڈ مکارٹنی کا ہے۔ جس میں اول الذکر معاہدہ کی تصدیق کی گئی ہے۔ بہرطور جب مدراس اور تنجاور میں یہ سازشیں ہو رہی تھیں تو اسی زمانہ میں پایۂ تخت سرنگاپٹم میں بھی سازشیں شروع کر دی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ میسور کی دوسری جنگ حیدر علی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہو رہی تھی۔ سازش حیدر علی کے خلاف کی گئی تھی۔ لیکن اتفاقاً اسی زمانہ میں حیدر علی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہی سازش اب ٹیپو سلطان کے خلاف استعمال ہوتی

کرکے اس ملک کو ہمارے قبضہ میں دیدیگی تو پھر ایک لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے۔	
(۴) جسوقت سرنگاپٹم کو تسخیر کر لیا جائیگا تو مزید ۵ لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے۔	ایسٹ انڈیا کمپنی یہ چاروں شرائط منظور کرتی ہے۔
(۵) سرنگاپٹم فتح کرنے کے بعد جس تاریخ سے رانی لکشمی کا منظور کردہ راجہ تخت پر بیٹھے گا تو اسی تاریخ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو پانچ لاکھ پگوڈا بطور خراج دئے جائیں گے۔ اور اسکے علاوہ سرکار میسور میں ایک لاکھ کی جاگیر بھی کمپنی کو دیجائیگی۔ اور کمپنی کو اپنی فوج کا ایک حصہ ہماری حفاظت کیلئے یہاں رکھنا ضروری ہوگا۔	کمپنی اس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ رانی کے منظور کردہ راجہ کو تخت نشین کرے۔ لیکن رقم کے متعلق اس وقت تعین نہیں کیا جاسکتا معلوم نہیں کہ ملک کی حفاظت کیلئے کس قدر فوج کی ضرورت ہوگی۔
(۷) کمپنی کو ملک کے اندرونی نظم ونسق میں کوئی دخل نہ ہوگا۔	کمپنی اندرونی معاملات میں دخل نہ دیگی۔ لیکن وہ خراج جو مرہٹوں یا شہنشاہ مغلیہ کے صوبہ داروں کو میسور کی جانب سے دیا جاتا ہے اس کو کمپنی کے ذریعہ ادا کیا جائے۔ براہ راست خراج ادا کرنے کا میسور کو اختیار نہ ہوگا۔
(۸) حیدر علی کی تمام املاک، مال وزر، ہاتھی اور گھوڑے اور قلعوں میں جس قدر سامان ہو وہ میسور کے حوالے کردینا ہوگا۔	یوروپی قاعدۂ جنگ کے مطابق تمام مال غنیمت سپاہیوں کا حق ہوجاتا ہے۔ اگر اس مال غنیمت کے عوض کوئی رقم مقرر کی جائے تو کمپنی

پہلی تجویز کو عمل میں لانے کیلئے ترپل راؤ اور شوارٹز کے معاہدہ نے راستہ صاف کر دیا تھا۔ بمبئی سے انگریزی فوج کرنل ہمبرٹن کی ماتحتی میں ساحل ملیبار پر اتر چکی تھی۔ لیکن مشرقی محاذ میں سرائر کوٹ نے اس تجویز سے نااتفاقی ظاہر کی۔ اور کہا کہ بمبئی کی فوج بھی مشرقی محاذ کی فوج کے ساتھ ملکر پالگھاٹ (کوئمبٹور) کے راستہ سے میسور پر چڑھائی کرے۔ ابھی یہ تجاویز ہو ہی رہی تھیں کہ ٹیپو سلطان نے منگلور میں اس فوج کا محاصرہ کرلیا۔ جو کرنل ہمبرٹن کے ماتحت تھی اس لئے اس تجویز کا پہلا حصہ ناکامیاب رہا۔ اغلب گمان ہے کہ اس کی خبر بروقت سرنگاپٹم میں نہیں پہونچی۔ اور وہاں سازش کے دوسرے حصّہ پر عمل شروع ہو گیا۔ اس کیلئے یہ تجاویز کی گئی تھیں کہ :-

(۱) تنخواہ کے دن جب فوج کے مسلمان سپاہی تنخواہ لینے آئیں تو انہیں ہندو سپاہیوں اور پہرہ داروں کے ذریعہ گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ یہ اس لئے ممکن سمجھا گیا کہ اس وقت فوجی سپاہی نہتے ہوتے ہیں۔

(۲) رسالدار اسد خاں کو اسی وقت قتل کرتے ہوئے خزانہ کے علاوہ تمام فوجی میگزین یعنی گولہ بارود اور ہتھیار پر قبضہ کر لیا جائے۔

(۳) ان تجاویز کو عمل میں لانے کیلئے فوج کے ہندو سپاہی اور پہرہ داروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔

(۴) ضلع کوئمبتور کے آصف سنگیا کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ انگریزی فوج کی نقل و حرکت میں مدد دے۔

(۵) رنگیا برادر شامیا کے ذمہ یہ کام تھا کہ قلعہ میں جو انگریزی قیدی اسیر ہیں انہیں آزاد کر کے انکی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ رنگیا نے اس مقصد

ہے۔ اس سازش کا مفصل بیان میسور گزیٹیر جلد دوم کے حصہ سوم کے صفحات ۲۵۵۲ سے ۲۵۵۰ تک دیا گیا ہے۔ اور اسی سے یہاں اقتباس لیا جاتا ہے:-

اسلامی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی کوشش

۱۷۸۲ء تا ۱۷۸۳ء

حیدر علی کی میدان جنگ میں وفات اور ٹیپو سلطان کی پایۂ تخت سے غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس جماعت نے جو اس سلطنت کا خاتمہ کرنیکا بیڑا اٹھائے ہوئی تھی۔ اپنا کام شروع کی۔ اس سازش کے سرغنے انچے شامیا، رنگیا، نرسنگ راؤ، اور سنگیا تھے۔ انچے شامیا کا پورا نام شاما اینگار تھا۔ اس شخص کو حیدر علی نے ۱۷۷۹ء میں محکمۂ ڈاک کا افسر اعلیٰ بنایا تھا۔ رنگیا جس کا پورا نام رنگا اینگار تھا انچے شامیا کا حقیقی بھائی تھا۔ نرسنگ راؤ سرنگا پٹم میں بلدیۂ شہر کا صدر اور خزانہ کا افسر تھا۔ سنگیا ضلع کوئمتور کا آصف تھا۔ ان تمام سازشیوں کے درمیان طے ہوا کہ سرنگا پٹم پر قبضہ کر کے ہندو راج قائم کیا جائے۔ اس سازش کو عمل میں لانے کیلئے مندرجہ ذیل دو تجاویز سوچی گئیں:-

(۱) موقع ملنے پر ٹیپو سلطان کو بھی میدان جنگ میں قتل کر دیا جائے۔ یا انگریزوں سے مدد حاصل کر کے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں۔ جس سے ٹیپو سلطان کی میسور کو واپسی ناممکن ہو جائے۔

(۲) ایک مقررہ دن خاص پایۂ تخت میں علم بغاوت بلند کر کے قلعہ پر قبضہ اور تمام مسلمان افسروں کو قید کر لیا جائے۔

گویا اب اس معاہدہ کے بعد انگریز اپنا ذاتی انتقام بھی لینے پر آمادہ ہو گئے۔

چھٹویں سازش
۱۷۸۶ء

میسور کی دوسری جنگ جو چار سال تک رہی اور جس کا خاتمہ ۱۷۸۴ء میں ہوا، حیدرآباد میں نظام علی خاں اور پونا میں مرہٹوں کے دلوں میں یہ امید پیدا کر دی تھی۔ کہ اس جنگ میں سلطنتِ خداداد کا خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن خلاف امید جب سلطان مظفر و منصور نکلا تو پھر ان دونوں نے سلطان کے خلاف سازش کرتے ہوئے اپنی قوت آزمانی چاہی۔ اور اس کیلئے انہوں نے باہم معاہدہ کر لیا۔ جو تاریخ میں معاہدۂ ایت گیر ۱۷۸۴ء کے نام سے مشہور ہے۔

(نوٹ :۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ یہ معاہدہ صلح نامۂ منگلور کے چند ہی دن بعد ہوتا ہے)۔

شاید مرہٹوں اور نظام علی خاں کو یہ خیال تھا کہ مسلسل چار سالہ جنگ سے سلطنتِ خداداد کی فوجی طاقت گھٹ گئی ہو۔ اس معاہدہ پر مرہٹوں کی جانب سے نانا فرنویس اور حیدرآباد کی جانب سے خود نظام علی خاں نے دستخط کئے تھے۔ حیدرآباد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوئی۔

کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۴۳ پر تحریر ہے :۔

"جب پیشوا کو یہ علم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدۂ سابقہ کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت وصول چوتھ اپنے ایلچی روانہ کئے۔ جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا کہ ان کے والد نے چند ضرب توپ اور بندوق کے سوائے کوئی اور چیز متروکہ میں نہیں چھوڑی ہے۔ جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اسی جواب سے مرہٹوں نے نانا فرنویس کا چلا

کے لیے دس دن پیشتر تمام قیدیوں جن میں جنرل میاتھوز بھی تھا، ملاقات کی۔

(۹) ان تجاویز کو عمل میں لانے کیلئے ۲۴ جولائی ۱۷۸۳ء کا دن مقرر کیا گیا۔

اس کے ایک دن پہلے ہندو سپاہیوں، پہرہ داروں وغیرہ کو ہتھیار تقسیم کیے گئے۔ لیکن اسی شب یعنے ۲۳ اور ۲۴ کی درمیانی شب جب قلعہ دار رشید محمد خان اپنے دفتر سے مکان کو جا رہا تھا، تو کسی نے آکر آہستہ سے کہا کہ وہ ایک اہم راز کا افشا کرنے والا ہے۔ قلعہ دار نے نہایت توجہ سے اسکی بات سنی۔ اور فوراً اسی وقت قلعہ کے دروازہ پر پہرہ مقرر کر دیا۔ اور اس ہرکارے کو بھی گرفتار کر لیا جو انگریزی فوج کے نام خط لے جا رہا تھا۔ خط کے ملتے ہی سب سے پہلے نرسنگ راؤ کو گرفتار کر لیا گیا۔ جس نے تمام حال کہہ سنایا۔ اور اس کے بعد ہی اسی شب انچے شامیا اور رنگیا اور دوسرے سرغناؤں کو بھی گرفتار کر کے منگلور روانہ کر دیا گیا۔ نشاب راے نے جو سابق قلعہ دار تھا۔ اسکو بھی گرفتار کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں جب معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ ہے تو اس کو رہا کر دیا گیا۔

منگلور پہونچنے پر یہ تمام سرغنے قتل کر دیئے گئے۔

اس طرح یہ چوتھی لیکن رانیوں کی جانب سے تیسری سازش جو سلطنت خداداد کے خلاف تھی ناکام رہگئی۔ اور انگریزوں نے بھی ۱۷۸۴ء میں سلطان سے معاہدہ کر لیا۔ یہ عہدنامہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مجبوراً قبول کیا۔ اس سے جنوبی ہند میں انکے اقتدار کو سخت دھکا لگا۔ جنوبی ہند کے باشندوں اور ریاستوں میں ان کی ساکھ ختم ہوگئی۔ انگلستان میں ایک کہرام مچ گیا۔ انس منرو جو اس جنگ میں شریک تھا لکھتا ہے:۔

"مجھے یقین ہے کہ ٹیپو سے جو صلح نامہ ہوا ہے وہ عارضی ثابت ہوگا۔ کوئی انگریز ان ذلتوں کو برداشت نہیں کر سکتا، جو اس جنگ میں اٹھانی پڑیں۔"

(میسور گزیٹیر صفحہ ۲۵۴۰)

بہر طور نظام اور مرہٹوں نے جنگ شروع کر دی یہ جنگ مسلسل تین سال یعنی ۱۷۸۷ء تک جاری رہی آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ نظام علیخاں اور مرہٹوں کو شکست ہوتی ہے سلطنت خداداد کے مسعود پرچم کا آدھونی سے اس پار کپل تک، ادھر مرہٹی ملک میں بلگام تک کا علاقہ سلطان کے ہاتھ آجاتا ہے۔

ساتویں سازش ۱۷۸۸ء

اس تمام عرصہ میں یعنی ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۸ء تک تنجاور میں ترل راؤ جورانیوں کا ایجنٹ تھا۔ مذکورہ بالا جنگ کے نتیجہ کا بے صبری سے انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب جنگ کا نتیجہ اسکے حسب مراد نہیں نکلا تو اس نے پھر انگریزوں سے سازشیں شروع کر دیں۔ گو ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس عرصہ میں بظاہر خاموش تھی۔ لیکن اندر ہی اندر سلطان کے خلاف ہندوستان اور انگلستان میں شدت سے پروپاگنڈہ کر رہی تھی۔ اسکو اپنی گذشتہ شکستوں کا انتقام لینا تھا۔ تمام انگریزی مورخین متفق ہیں کہ اس وقت انگریز اپنی سابقہ شکستوں کا بدلہ لینے کیلئے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اور انکا جذبۂ عناد وحشت اور جنوں کی حد تک جا پہنچا تھا۔ چنانچہ کیپٹن لٹل اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:-

"گذشتہ چند سالوں سے انگریزی زبان کے ان تمام الفاظ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا جا رہا ہے۔ جن سے ٹیپو سلطان کو بدنام کیا جا سکے۔ لغات میں ذیل سے ذلیل الفاظ سلطان کی مذمت کی غرض سے تلاش کر کے نکالے جا رہے ہیں۔ باوجود اس کے بہت سے لوگوں کو رنج ہے کہ زبان میں اس قدر وسعت نہیں کہ ٹیپو سلطان کو دل بھر کر گالیاں دی جائیں۔ اس لئے وہ نئے اصطلاحات وضع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔" (سیاحت نامہ کیپٹن لٹل۔ از ایڈورڈ مور مطبوعہ لندن ۱۷۹۴ء)

انگلستان میں اس زمانہ میں مسٹر پٹ وزیر اعظم تھا۔ اس کو انگریزی مقبوضات

ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علی خان کے ساتھ اتحاد قائم کر کے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔"

ایت گیر کے معاہدہ کو خود نظام علی خاں کا مصنف حق بجانب نہیں سمجھتا۔ اس لئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۳ پر اس طرح لکھتا ہے:۔

"اس موقع پر ٹیپو سلطان کے خلاف عمل جارحانہ اختیار کرنے میں نظام علیخاں کو حق بجانب قرار دینے کیلئے صاحب تزک آصفیہ ٹیپو سلطان کی زیادتیوں کو بیان کرتا ہے اور اسکے بعد نظام علیخاں کی نمایش۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ ۱۹۶۱ھ کے اوائل میں ٹیپو سلطان نے اپنا روپیہ (جو وزن میں دو تولے اور جس میں انکے نام کے ساتھ سلطان کا لفظ شامل تھا) مسکوک کر کے میسور کے علاقے میں جاری کرنے کے علاوہ ممالک محروسہ بندگان عالی میں بھی جاری کرا دیا چنانچہ ایسا بہت سا روپیہ حیدرآباد میں بھی پہونچکر کر بکو چہ رائج ہو گیا۔ اور یہ خبر عام طور پر مشہور ہو گئی کہ وہ بندگان عالی کے مقابلہ میں خروج کر رہے ہیں ان کے مراسلات جو اسی زمانہ میں بندگان عالی کی خدمت میں وصول ہوئے۔ اسکی تائید کرتے تھے کہ خلاف رسم قدیم اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف انہوں نے مراسلات میں برابری کی مد نکال کر مساویانہ طریقہ پر خطوط بھیجے۔ اور ان قلعہ جات و پرگنوں کو جنہیں ان کے باپ حیدر علی خان کھو بیٹھے تھے۔ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا۔"

یہ تو صحیح ہے کہ سلطان نے نئے سکے مسکوک کیا تھا اور ممکن ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں انکا رواج حیدرآباد میں بھی ہوا ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا تھا کیونکہ تمام ہندوستان میں اسوقت اسکا ہم پلہ کوئی نہیں تھا۔ لیکن صاحب تزک آصفیہ کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ ٹیپو سلطان نے حیدرآباد کے علاقہ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا۔ کیونکہ معاہدہ ایت گیر کی تاریخ ۲۰ مارچ ۱۷۸۴ء ہے اور صلحنامہ منگلور کی تاریخ ۱۱ مارچ ۱۷۸۴ء ہے۔ اور اس تاریخ تک سلطان انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا

پیدل سپاہ کے ساتھ درہ گجل ہٹی کو عبور کر کے ستی منگل پر حملہ کرنے والا تھا۔ تو انہوں نے کرنل فلائیڈ کو اس کی اطلاع دیدی۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج شکست سے محفوظ ہو گئی۔"

باوجود اس کی جنگی فرست اور تدابیر و سازشوں کے جنرل میڈوز کو متواتر شکستیں ہوتی ہیں۔ جن سے جھنجلا کر ۱۷۹۱ء میں وہ ترمل راؤ کے ذریعہ میسور کی رانی کو خط لکھتا ہے

"جنرل میڈوز گورنر چینا پٹن (مدراس) کا سلام قبول ہو۔ آپ کا خط آپ کے ایجنٹ ترمل راؤ کے ذریعہ پہونچا، اور مضمون سے آگاہی ہوئی خدا ہی جانتا ہے کہ ٹیپو کب مریگا۔ اور ملک کو اس سے نجات کب ملیگی۔ فتح خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر وہ ہمیں اتنی طاقت عطا کرے کہ ہم آپ کا ملک آپ کو واپس لیکر دیدیں تو اس سے بڑھکر ہمیں اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔" دستخط ولیم میڈوز

(کتاب پروانس آف میسور صفحہ ۳۰)

آٹھویں سازش ۱۷۹۱ء

لارڈ کارنوالس کو امید تھی کہ جنرل میڈوز کی جنگی قابلیت سلطان کو شکست دیدیگی۔ لیکن خلاف توقع جب جنرل میڈوز کو پے در پے شکستیں نصیب ہوئیں تو اس نے اپنے مغربی دماغ سے کام لیکر یہی مناسب سمجھا کہ ملک کی تمام طاقتوں کو یعنی نظام علی خاں (حیدرآباد) اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیکر سلطان کے خلاف جنگ کرے۔ ورنہ کوئی ایک طاقت بھی علیحدہ طور پر سلطان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حیدرآباد اور پونا میں رزیڈنٹوں کے ذریعہ سازشوں کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اور سلطان کو ہر طرح سے بدنام کیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حیدرآباد اور مرہٹے انگریزوں کے ساتھ مل گئے۔

وسیع کرنیکی دھن لگی ہوئی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی ناکامی دیکھکر اس نے گورنر جنرل کے عہدہ لیئے لارڈ کارنوالس کو اور مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز کو منتخب کیا۔ دونوں کے دونوں ماہر جنگ تھے۔ پٹ کو اس بات کا بھی خیال تھا کہ کارنوالس کو امریکہ میں جو داغ بدنامی لگ چکا ہے وہ اسکی تلافی ہندوستان میں کرسکیگا۔ اور ادھر کارنوالس کو بھی اپنی عزت و شہرت کو قایم رکھنے کیلئے ضرور تھا کہ ہندوستان میں آکر اپنی پوری طاقت سے کام لیکر ٹیپو سلطان کو نیچا دکھائے۔ اور انہیں یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ سلطان نے فرانس، ترکی اور ایران میں اپنی سفارتیں روانہ کی تھیں۔

غرض جنرل میڈوز مدراس پہونچکر فوراً ہی ترمل راؤ سے سازش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جو میسور میں ہندو راج قایم کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنی سپہ سالاری کے زعم میں بغیر کسی عذر کے سلطنت خداداد پر ۱۷۹۰ء میں حملہ کر دیتا ہے (یہ قابل الذکر امر ہے کہ یہ جنگ نظام اور مرہٹوں کی جنگ کے ایک سال بعد شروع ہوتی ہے) جنرل میڈوز کے اس حملہ کو کامیاب بنانے کیلئے ترمل راؤ نے اپنی قوت صرف کر دی۔ ٹیپو سلطان کی تمام فوجی نقل و حرکت کا پتہ جنرل میڈوز کو دیا جانے لگا۔

کتاب پردہانس آف میسور کے صفحہ ۹ پر تحریر ہے:۔

"اس موقع پر پردہانوں (ترمل راؤ اور نارائن راؤ) نے ایک سو سوار اور دو ہزار پیادہ سپاہی پیش کئے۔ اور جنرل میڈوز کے ساتھ ہو گئے۔ کہ انگریزی فوج کو رسد فراہم کی جائے۔

اسی کتاب پردہانس آف میسور کے صفحہ ۱۰ پر اس جنگ کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے:۔

" جب پردہانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان چھ ہزار سوار اور چالیس ہزار

سنائی برائیوں کو دھرا کر اس رشتہ سے ناراضی ظاہر کر دی۔ جس سے بندگان عالی
سخت متاثر ہو گئے۔ اور باہر آکر اس پیغام کو۔ اس امر کے۔ اظہار کے ساتھ کہ وہ
بیگٹ۔ ونی نایک کے بیچے کے ساتھ قرابت قایم نہیں کر سکتے۔ مسترد کر دیا۔ اس کے
ساتھ ہی نظام علیخاں نے اپنے ان ممالک کے قبض و تصرف کا سوال پیش کر دیا۔
جن پر ٹیپو سلطان متصرف تھے۔ اس انکار سے انگریزی کمپنی کو بڑا فائدہ ہوا۔
اس واسطے کہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ دکن ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا کوئی
رئیس بیٹے زوجی رئیس سے متحد رہے۔ تاکہ ہر دو کی باہمی مخالفت سے فریق ثالث
(انگریزی کمپنی) کو اس کا فائدہ حاصل ہو"
بہر طور انگریزوں کی پالیسی کامیاب رہی۔ اس زمانہ میں جب ٹیپو سلطان کے
سفیر حیدر آباد میں مقیم تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا وکیل جان کناوے بھی یہاں موجود تھا۔
اس نے ٹیپو سلطان کے سفیروں کی کارروائیوں سے لارڈ کارنوالس کو اطلاع دی۔ اور
اس نے اپنی سرگرمیاں اور بڑھا دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف نظام علی خاں،
ایسٹ انڈیا کمپنی سے مل گیا۔ چنانچہ کتاب نظام علیخاں کے صفحہ ۱۹۲ پر تحریر ہے:-
" ٹیپو سلطان کے سفیروں کے حیدر آباد آنے کے بعد غالباً انگریزی کمپنی کے
ہوا خواہوں کی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں۔ جن کی تائید سے۔ انگریزی کمپنی کو کامیابی
ہو گئی۔"
اسی طرح پونہ میں مسٹر مالٹ کے ذریعہ سازشیں جو کی گئیں۔ ان میں بھی انگریزوں
کو کامیابی ہوئی۔ اور وہاں سے بھی سلطان کے سفیر ناکامیاب واپس آئے۔ ورنہ سلطان
تو ہندوستان کی آزادی کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو گیا تھا۔

انگریزوں کی ان ریشہ دوانیوں کی خبر جب سلطان کو پہونچی تو اس نے بھی اپنے سفیروں کو پونا اور حیدرآباد روانہ کیا۔ اور ملک کی آزادی اور سربلندی اسلام کا واسطہ دلاکر مرہٹوں اور حیدرآباد کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہا۔ بلکہ اس نے اس معاملہ میں یہاں تک ایثار سے کام لیا کہ مرہٹوں اور نظام کے تمام مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ اور نظام اسلاک سے رشتہ داری کی بھی تجویز کی (اگرچہ پہلے ایک وقت جب حیدر علی نے یہ تجویز پیش کی تھی تو نظام علی خاں نے مسترد کردی تھی) کہ کسی طرح ملک وملت کی آزادی کیلئے مسلمان متحد ہو جائیں۔ کتاب نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۵۰ پر اسکے مصنف نے لکھا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے ایلچی محمد غیاث وقطب الدین خاں وعلی رضا خاں ٹیپو سلطانؒ کے خط اور تحائف لیکر آئے۔ اور باریاب حضور ہوئے۔ نظام علیخاں چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے بھی اتحاد قایم کرلیں۔ اور ٹیپو سلطان بھی اس تخیل سے متفق تھے۔ لیکن اس خیال سے کہ باہمی تعلقات میں مزید استحکام ہو انہوں نے نظام علیخاں کے ساتھ سمدھانے کے رشتۂ اتحاد کے قیام کی تحریک کی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس وقت برسر دربار سفیروں نے اس مسئلہ کو پیش کیا تو نظام علیخاں کے چہرے سے رضامندی کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ جن کو ٹیپو سلطان کے ان مخالفین نے جو حاضر دربار تھے۔ محسوس کرکے محل میں اسکی اطلاع کرادی اور ٹیپو سلطان کی غیر واقعی برائیوں کو بھی گوش گذار کرادیا۔ جس پر محل میں ایک بے چینی پیدا ہوگئی۔ اور قبل اسکے کہ سفراء ٹیپو سلطان کو کوئی تشفی بخش جواب دیتے۔ نظام علی خاں کو محل میں جانا پڑا۔ جہاں محلات نے ٹیپو سلطان کی سنی

مسلمان و ہندو امراء و وزراء (سوائے چند ہندو افسروں کے جو میسور میں ہندو راج کے حامی تھے) سلطان کے نہایت وفادار تھے۔ ہندو امراء و وزراء میں پورنیا اور کرشنا راؤ قابل ذکر ہیں اور مسلمانوں میں میر صادق وغیرہ انہیں افسروں نے حیدر علی کی وفات پر انکی موت کی خبر اس وقت تک چھپا رکھا جبتک ٹیپو سلطان ملیبار سے نہیں آچکے تھے۔ لیکن کرنل ریڈ کا بے پناہ پروپگنڈا اور عیاریوں نے انہیں اپنی جانب ملالیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل نوائط، سادات اور مہدوی بھی انگریزوں کی جانب مائل ہوگئے۔ نوائط کا مقصد اپنی ذاتی توہین کا انتقام لینا تھا۔ جو ان کے خیال میں سلطان کے ہاتھوں انہیں اٹھانی پڑی تھی۔ (اس کا بیان بدرالزماں خاں کے حال میں دیا گیا ہے) سادات اور مہدویوں کی مخالفت کی وجہ سلطان کے مذہبی اصلاحات تھیں جو کسی اور جگہ بیان کئے گئے ہیں۔

بہر طور کرنل ریڈ کے پروپاگنڈہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ جب جنگ شروع ہوتی ہے تو تمام سلطنت خداداد میں سلطان کے خلاف سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا ہوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے سلطان کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع انگریزوں کو ملتی رہتی ہے۔ بلکہ شہر چاپور (بالاپور) دیون ہلی وغیرہ کے باشندے انگریزوں کو اپنے گھروں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ جس کا معاوضہ آج تک بھی چراغی کے نام سے بعض خاندانوں کو مل رہا ہے۔ ان سازشوں میں کرشنا راؤ کی سازش سب سے خطرناک سازش تھی۔ جس نے جنگ پر نہایت برا اثر ڈالا۔ اس سازش کا حال ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتا ہے۔

"اتفاقاً (میدان جنگ میں) کرنل ریڈ کا ایک جاسوس پکڑا گیا۔ جس کے پاس محمد عباس کے نام ایک کنڑی خط تھا۔ اس جاسوس نے اس خط کو ایک بانس میں

سلطان کے سفیروں کو بے نیل و مرام واپس بھیجدینے کے بعد مرہٹے اور نظام علیخاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی تاریخ ۱۷۹۰ء ہے۔ اس معاہدہ کی دوسری شرط اس طرح لکھی گئی :-

"ٹیپو باوجود ہر تین سرکاروں سے عہد کرنے کے بھی نقض عہد کیا ہے۔ اس لئے تینوں سرکار متفق ہوکر اس کی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ اس میں بدعہدی کرنے کی کوئی طاقت نہ رہے۔ اور ٹیپو کا جو ملک اور مال بطور غنیمت ملیگا۔ اس کو مساوی طور پر تقسیم کر لیا جائیگا"

نوٹ :- یہ پورا عہدنامہ کتاب سندس انڈسٹریس کے صفحہ ۴۴ پر درج ہے۔ اور کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۲۳ پر بزبان فارسی دیا گیا ہے (محمود)

اس اتحاد ثلاثہ کے باوجود ایسٹ انڈیا کمپنی کو یقین نہیں تھا کہ جنگ میں اس کو کامیابی ہوسکیگی۔ اس لئے اس نے سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشیں کرنے کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا۔ کرنل ریڈ کو محکمہ جاسوسی کا افسر اعلیٰ بنا کر اسکے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ سلطان کے تمام امراء و وزراء کے علاوہ ان تمام پالیگاروں اور زمینداروں کو بھی اپنا بنا لیا جائے جو سلطنت خداداد کے اندر تھے۔ ان پالیگاروں یا زمینداروں میں تو سب کے سب ہندو تھے۔ اور صرف دو اسلامی ریاستیں تھیں۔ جن کا نام شاہنور اور بنگن پلی ہے۔ ان میں اول الذکر ہمیشہ مرہٹوں کی اور دوسری نظام حیدرآباد کی طرفدار رہی۔

میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جاچکا ہے کہ یہ سازشیں کس وسیع پیمانے پر کی گئیں تھیں سیم و زر کی بارش اور مستقبل کے وعدوں نے سلطان کے بہت سے ہندو اور مسلمان امراء و وزراء کو انگریزوں کی جانب مائل کر دیا۔ اس سے پہلے سلطان کے تمام

چاہیں خوشی سے بھریں۔ بلکہ اس نے یہاں تک کیا کہ ان سوانگ بھرنے والوں کو انعامات دیتا اور کھڑے ہو کر علموں کی تعظیم کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے عوام یہ سمجھنے لگے کہ انگریزی قوم اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے بھی اچھی ہے۔"

(تاریخ حمید نمانی)

(نوٹ:۔ سلطان نے اپنی سلطنت میں مذہبی اصلاحات کے سلسلہ میں محرم کی ان بدعات کو جو جنوبی ہند میں شیعی سلطنتوں یعنے۔ احمد نگر اور بیجا پور کے زمانہ سے رائج تھیں بند کر دئے تھے۔ اس کا مفصل بیان سلطان کے مذہبی اصلاحات میں دیا گیا ہے)

غرض یہ تھا وہ پروپاگنڈا جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سلطان کے خلاف کام لیا اور اسکی وجہ سے سلطان کو شکست ہوئی۔ اور سرنگاپٹم کا معاہدہ لکھا گیا۔

نوٹ:۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آج بھی یوروپین اقوام اسی پروپاگنڈہ سے کام لے رہی ہیں۔ اور اس میں انگلستان کو جو ید طولیٰ حاصل ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

انگریزوں کے پروپاگنڈہ سے یوروپین اعظم لیسے شہنشاہ نے پناہ مانگی جسکہ ۱۹۱۴ء کے جنگ عظیم میں قیصر جرمنی اس کی تاب نہ لاسکا۔ ترکان احرار، حجاز و عراق چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ غازی امان اللہ خان کو افغانستان کے تاج و تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ لہٰذا اگر قدار سلطانی کو بھی اورنگ زیبوں کے بے پناہ پروپاگنڈہ سے صدمہ پہونچا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

ہندوستان کے سادہ لوح باشندوں کو ایک ایسی اجنبی قوم سے سابقہ پڑا تھا۔ کہ جنکی چالوں کی گہرائیوں تک پہونچنا ان کے لئے سخت مشکل تھا۔ اس وقت ایک سلطان ہی تھا۔ جس کی نظروں میں اس قوم کی سیاست پورے طور پر بے نقاب ہو چکی تھی۔ مگر افسوس! اس وقت سلطان کی شخصیت کا سمجھنے والا ہی کون تھا۔ اغیار تو اغیار ہی تھے۔ اپنے پرایوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے (محمود)

جس کو وہ بطور عصا استعمال کرتا تھا، چھپا رکھا تھا۔ اس خط میں شیشاگری ر..ؤ کا بھی نام تھا جو کرشن راؤ کا حقیقی بھائی تھا۔ راز کے افشا ہونے پر سلطان نے شیشاگری کو گرفتار کرنا چاہا، لیکن وہ بچکر سرنگاپٹم چلا گیا۔ جہاں اسکے بھائی کرشنا راؤ نے قلعہ پر قبضہ کرلینے کی سازش کی ہوئی تھی۔"

اس سازش کا راز سرنگاپٹم میں سلطان کی والدہ کو معلوم ہو چکا تھا۔ انہوں نے سلطان کو اسکی اطلاع دیدی۔ یہ اطلاع سلطان کو ایسے وقت ملی۔ جب میدانِ جنگ میں انگریزی فوج پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ سلطان نے سپہ دار سید صاحب کو سرنگاپٹم بھیجا۔ جہاں اس نے کرشنا راؤ وغیرہ کو گرفتار کرکے قتل کر دیا۔ کرشنا راؤ نے مرتے دم یہ بالکل سچ کہا کہ:-

"میں نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکیگی۔"

غرض ان سازشوں کی وجہ سے سلطان کو ہر جگہ شکست ہوتی ہے اور وہ پایۂ تخت میں محصور ہو جاتا ہے۔ لیکن انگریزی پروپاگنڈا یہیں نہیں ختم ہوتا۔ سلطان کی اس محصوری سے فائدہ اٹھا کر اسکے خلاف رعایا میں اس سے بددلی پھیلائی جاتی ہے۔ ایمپائر ان ایشیا کا مصنف لکھتا ہے کہ:-

"سلطان کے وقار کو خاک میں ملانے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔"

اس کے علاوہ لارڈ کارنوالس نے اس وقت جس حربہ سے کام لیا۔ اس کا ادنےٰ نمونہ اس سے نظر آسکتا ہے کہ:-

"ایام محرم میں اس نے سلطان کی تمام مملکت میں منادی کر دی کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی ہے۔ اس لئے جو مسلمان محرم منانا اور شیر، ریچھ وغیرہ کا سوانگ بھرنا

نہ کریں۔ لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کے لئے فرانس والوں کو پہونچنے سے پیشتر
سلطان سے جنگ لیں۔ انگریزی فوج میں راستے سے ہی بڑھے گی۔ اس کو سامان
رسد اور پانی افراط سے ملیگا۔ اور ہم اپنی جانب سے ایک کروڑ روپیہ بطور اخراجات
جنگ ادا کریں گے (اقتباس از کتاب پردہ اٹھا آف میسور صفحہ ۲۱)

رانی نے یہ خط ترمل راؤ کو ۱۷۹۲ء میں لکھا تھا اس وقت کمپنی کا گورنر جنرل
سرجان شور تھا۔ اسلئے اس خط پر کمپنی کے ڈائرکٹروں کو افسوس کے ساتھ لکھا:۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ٹیپو کی روز افزوں طاقت کو توڑ دیا" (تاریخ یا ہم)

سرجان شور کے مذکورۂ بالا جملہ میں الفاظ "روز افزوں طاقت" بے وجہ استعمال نہیں
ہوئے تھے۔ بات یہ تھی کہ تیسری جنگ کے بعد سلطان کے دل میں بھی انگریزوں سے انتقام
لینے کی آرزو پیدا ہوگئی تھی۔ اور وہ بحری اور بری طاقت کو ترقی دینے میں حد درجہ
مصروف ہوگیا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے نئے سرے پھر آزادئ ہند اور اتحادِ
بین المسلمین کی کوششیں کرنے لگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس سے غافل نہیں تھی۔ اور اس کی خوش قسمتی سے سرجان شور
کے عوض لارڈ ولزلی گورنر جنرل بنکر آیا تھا۔ جو انگلستان ہی سے سلطان اور فرانسس
والوں کے خلاف جذبات لیکر آیا۔ ہندوستان پہونچتے ہی اس نے ایک طرف تو میسور کی
رانیوں کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط و کتابت شروع کر دی تو دوسری طرف مرہٹوں اور
نظام علی خاں کو اپنی جانب ملا لینے کی کوشش شروع کر دی۔ لارڈ ولزلی کو اس وقت بہت
زیادہ خوف نپولین سے تھا۔ جو اس وقت مصر آ چکا تھا۔

بہر طور لارڈ ولزلی کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ نظام علیخاں ٹیپو سلطان کے خلاف

اس تیسری جنگ کے بعد سلطان کو بھی پتہ لگ گیا کہ اسکی شکست اسکے غدار امرا و وزرا کی رہین منت ہے۔ لیکن وہ ایک بہادر سپاہی تھا۔ اس نے عفو و ترحم سے کام لے کر تمام کو معاف کرتے ہوئے ملک کی آزادی کیلئے ہر ایک سے سجدا علیٰ میں قسم لی لیکن جس طرح کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"ان نمک حراموں کے دل بدل چکے تھے۔ انہوں نے اپنی سازشوں کو نہ چھوڑا"

اور جب میسور کی چوتھی جنگ چھڑ گئی۔ تو انہوں نے نہایت فراخ دلی سے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ اگر مقامی روایات پر اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ کی ہوئی تھی تو اہل نوائط کے گھروں سے انگریزی افسروں کو پلاؤ اور مٹھائی پکا کر بطور تحفہ بھیجے جاتے تھے۔

میسور کی تیسری جنگ کے خاتمہ پر تمام امراء وزراء اور افسروں سے قسم لینے کے بعد سلطان مطمئن ہو گیا۔ اس نے پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی۔ کہ ملک کا انتظام رعایا خود اپنے ہاتھ میں لیلے۔ اور آپ نئے سرے سے بری اور بحری فوجی تنظیم اور ملک کی صنعت و تجارت کو ترقی دینے کے وسائل سوچنے میں منہمک ہو گیا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے پھر ایک بار کوشش کی کہ سربلندیٔ اسلام کیلئے تمام مسلمانوں کو متحد کرے۔ اور ادھر ہندوستان کی آزادی کیلئے تمام ہندوستانی رئیسوں کو متفق کرلے۔

نویں سازش ۱۷۹۶ء

سرنگاپٹم کو فتح کئے بغیر کارنوالس کی واپسی سے اس جماعت کو جو میسور میں ہندو راج قایم کرنا چاہتی تھی۔ مایوسی ہو گئی۔ اس کا اظہار رانی نے اپنے خط میں اس طرح کیا ہے:۔

۔۔۔۔ کمپنی بہادر کے جملہ سرداروں سے عرض کیجئے کہ اگر وہ ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو

اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں جو بورڈ آف کنٹرول کے پریسیڈنٹ کے موسومہ خط میں ظاہر کیا تھا "ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علیخاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی"

ایک طرف تو لارڈ ولزلی حیدر آباد سے معاہدہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اور اسی وقت دوسری طرف سلطان کے خلاف سازشوں کا وسیع جال پھر ایک بار بچھایا جاتا ہے چنانچہ اپنے ایک خط میں اس نے مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے:-

"چونکہ آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کے سرانجام کیلئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی، لفٹننٹ کرنل آگنیو، کپتان مہم، اور کپتان مکالے کو تجویز کرتا ہوں"

ان افسروں نے سازشوں کا جو وسیع جال پھیلایا اور جو بے پناہ پروپاگنڈہ کیا۔ اس میں پھر سلطان کے ہندو مسلمان افسر پھنس کر رہ گئے۔ ۱۷۹۲ء کی جنگ نے میدان صاف کر رکھا تھا۔ زیادہ جد و جہد کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ نظام سے معاہدہ اور سازشوں کے انتظام سے فارغ ہونیکے بعد انگریزی اور حیدر آبادی فوجیں سرحد سلطنت خداداد پر بڑھتی ہیں۔ ان سازشوں کا اثر جو کچھ ہوا۔ اس کے متعلق خاص حیدر آباد کی تاریخ "نظام علیخاں" کے صفحہ ۱۸۱ پر اس طرح لکھا گیا ہے:-

"واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ ٹیپو سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے سلطنت منتزع ہو جائے۔ اور وہ اس جنگ میں کام آجائیں چنانچہ قلعہ سرنگاپٹم پر قبضہ ہونے تک بھی انکو صحیح خبریں نہیں پہنچائی جاتی رہیں۔ اور مقابلہ سے پہلو تہی کرتے رہے"

فوج کشی پر آمادہ ہو گیا۔ اس معاہدہ پر حیدرآباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ نے دستخط کیا۔

سلطان کو جب ولزلی کی اس جدوجہد کا پتہ چلا تو اس نے بھی اپنی جانب سے نظام علیخاں اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لینا چاہا۔

ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ :۔

"اس سلسلہ میں ہندوستان کی کوئی چھوٹی یا بڑی ایسی ریاست باقی نہیں رہی جہاں ٹیپو سلطان کے ایلچی اور خطوط نہ پہونچے ہوں۔ نیپال، کشمیر، جے پور، اور جودھپور کی چھوٹی ریاستوں میں تک سلطان کے خطوط پائے گئے۔"

ان خطوط میں اس نے ہندوستان کے تمام رئیسوں کو ہندوستان کی آزادی کا واسطہ دیکر انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف صف آرا کرنا چاہا۔ لیکن ملک کی قسمت بدل چکی تھی۔ کسی نے اس پر توجہ نہیں کی۔ بلکہ اس کے برخلاف حیدرآباد نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو فوجوں سے مدد کی۔ کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۲۴ پر اس کے مصنف نے لکھا ہے :۔

"یہ ضرور ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے موافق نہیں تھے۔ اور عجب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ صرف اپنے مفتوحہ ملک کو انگریزوں سے واپس لیں۔ بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر کریں۔

بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا۔ اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہو سکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روز افزوں قوت کو ہمیشہ کیلئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو ساحل ملیبار و کورومنڈل پر اترآنے کے احکام دئے۔

ولکس اور بار رنگ لکھتے ہیں کہ:۔

"میسور کی تیسری جنگ کے بعد اس نے رعایا پر تشدد کرنا شروع کر دیا تھا مطلب یہ تھا کہ رعایا کو سلطان سے بددل بنا دیا جائے۔"

یہ کہیں لکھا جا چکا ہے کہ میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے جو اصلاحات جاری کیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اس نے ملک میں مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ قائم کر کے ہوئے رعایا کو ذمہ دار حکومت دیدیا تھا۔ سلطان نے اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا تھا۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ جب رعایا سلطنت کی ذمہ داری اپنے سر لیگی تو ملک میں سازشیں نہ ہونگی اور رعایا حکومت کو اپنی سمجھ کر اس کی حفاظت و ترقی میں ساعی رہیگی۔

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں کہ:۔

"میر صادق نے اپنے رسوخ سے اس پارلیمنٹ کو بےکار بنا دیا تھا۔"

اور اسی کتاب میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ:۔

"یہ میر زادہ جب کبھی سلطان کے روبرو ہوتا تو بات بات پر قرآن کی قسم کھاتا تھا۔ اس لئے سلطان کو اس پر حد درجہ اعتماد تھا۔"

میسور گزیٹیر کا مصنف بحوالہ کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"میر صادق سلطان تک کوئی خبر پہونچنے نہیں دیتا تھا۔"

اسی لئے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں سلطان کو شکستیں اٹھانی پڑیں۔ سرنگاپٹم کے محاصرہ کے آخری دن یعنے ۴ مئی کو انگریزوں کے آنے کی خبر سن کر جب سلطان ڈ ڈ ی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ کو اندر سے بند کرا دیا۔ اس غدار کو خوف تھا کہ کہیں سلطان واپس آ کر انگریزوں سے صلح نہ کرلے۔ دروازہ بند کر دینے کے بعد اسی غدار نے

کیا ان حالات کے ہوتے ہوئے سلطنتِ خداداد کا زوال کوئی تعجب انگیز ہے؟

آخر میں ہم اس حقیقت کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظام علیخان، مرہٹے، والاجاہ محمد علی اور میسور کی رانیوں کا چاہے اس وقت کچھ بھی خیال ہو۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کا خیال صرف اپنی ہوس ملک گیری کو پورا کرنا تھا۔ اس کو کسی سے ہمدردی نہیں تھی۔ یہ لارڈ ولزلی کی ایک پالیسی تھی کہ سلطان کی شہادت کے بعد اپنے سیاسی اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے میسور میں ہندو راج قایم کیا گیا۔ ورنہ اگر لارڈ ولزلی کے شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے سلطان باجگذار بنجاتا تو ہندو راج کبھی قایم نہ ہو سکتا۔

اب ذیل میں سلطان کے امراء و وزراء کے ذاتی حالات دئے جاتے ہیں۔ جو سازشوں میں آلۂ کار بنکر سلطنت خداداد کی تباہی کا باعث ہوئے۔

میر صادق پہلے سرا میں مقیم تھا۔ بعد میں ارکاٹ چلا گیا۔ جب نواب حیدر علی نے ارکاٹ فتح کر لیا تو سلطنت حیدری میں ملازم ہو گیا۔ ارکاٹ کا ناظم مقرر ہوا۔ عہد سلطانی میں آصف کے درجہ پر ترقی پائی۔ بعد اسکے سلطان کا چیف سکریٹری اور وزیر بنا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھائی تھا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ (نوٹ: لغت میں لکھا ہے کہ میر فارسی لفظ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سادات عجم نے عرب اور عجم میں امتیاز رکھنے کیلئے بجائے سید کے جو عربی لفظ ہے۔ میر کا خطاب اختیار کر لیا۔)

دشمنی کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ سلطان نے ایکدفعہ اس کو معزول کر دیا تھا لیکن بعد میں پھر بحال کر دیا۔ لیکن یہ میر زادہ اپنی توہین کا درپردہ انتقام لینے پر تلا ہوا تھا

آگئی۔ بارش سے پناہ لینے کیلئے یہ بھاگنے لگا۔ ساتھ والے ترکی افسر نے کہا کہ:۔

"بارش رحمتِ الٰہی ہے۔ اس سے کیوں بھاگے جا رہے ہو!"

اس کی حاضر جوابی ملاحظہ فرمایئے۔ جواب دیتا ہے:۔

"واقعی بارش رحمتِ الٰہی ہے مگر میرا بھاگنا اس سے یہ مقصد رکھتا ہے کہ کہیں رحمتِ الٰہی قدموں تلے نہ آجائے۔ اور یہ اس کی بے حرمتی کا باعث ہو"۔

غلام علی کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جب وہ قسطنطنیہ سے براہ مصر و عرب واپس ہو رہا تھا تو شریف مکہ نے کاروانِ سلطانی کا جاہ و تجمل دیکھکر غلام علی سے یہ تجویز کی کہ سفارت کے خزانے میں جو روپیہ ہے وہ بطور قرض دیا جائے۔ غلام علی نے سمجھ لیا کہ شریف اس کو کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے رہیگا۔ اس لئے اس نے ایک جعلی خط بنا کر چند آدمیوں کو باہر بھیجدیا۔ یہ لوگ اس جعلی خط کو جو غلام علی کے نام تھا۔ لیکر مکہ پہونچے۔ یہاں حسب توقع شریف مکہ نے ان نوواردوں کی تلاشی لی اور یہ خط برآمد ہو گیا۔ خط بظاہر سلطان کی جانب سے تھا۔ اس میں اس نے اطلاع دی تھی کہ خدا کے فضل و کرم سے تمام ہندوستان فتح ہو گیا ہے۔ اور ایک زبردست فوج سے عنقریب ساحل عرب پر حملہ کیا جائیگا۔ تاکہ اماکن مقدسہ پر سلطنت خداداد کا قبضہ رہے۔ اس خط کو دیکھ کر شریف مکہ کے عزم و ارادے ٹھنڈے ہو گئے۔ بلکہ اس نے غلام علی کی حد درجہ تواضع کرنا شروع کر دی۔

اس کے لنگڑے ہونیکا سبب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حد درجہ متکبر اور خوددار تھا۔ کبھی کسی کے آگے جھکنا اس کو گوارا نہیں ہوا۔ اس خیال سے اس نے کوئی دوا استعمال کر کے پیر خشک کر لیا۔ جب کبھی دربار میں آتا تو چوکی میں بیٹھکر آتا۔ اس لئے انگریزوں میں اس کا نام "غلام آف دی سلور چیر" (نقرئی چوکی کا غلام) مشہور تھا۔

فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی سے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی فوج سمٹ کر تین طرف سے فصیل قلعہ پر گولیاں برسانا شروع کردی۔ اور سلطان شہید ہوگیا۔ میر صادق کی اس سازش کا ثبوت اس تصویر سے بھی ملتا ہے۔ جو دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر بائیں جانب ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے۔ کہ سلطان کے آگے میر صادق گھوڑے پر ہاتھ جوڑے تسلیم کرتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ "سلطان یہی ہے"۔ اس تصویر میں اور غداروں کو بھی بتلایا گیا ہے۔ جو داہنے اور بائیں سے انگریزی فوج کو اشارہ کرتے ہوئے بتلا رہے ہیں کہ سلطان یہی ہے۔ یہ تصویر کرنل ولزلی کے حکم سے کھینچی گئی تھی۔

نوٹ :- میر صادق کی غداری کی جو وجہ دی گئی ہے وہ بالکل سطحی ہے۔ اسکی اس قدر گہری غداری کی اصلی وجہ ابھی تک ایک سربستہ راز ہے۔ معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ اس نے بنگالہ کے میر جعفر کی طرح انگریزوں سے کوئی معاہدہ کیا تھا۔ چونکہ یہ ہم رمے ۱۷۹۹ء کا دن ہی مارا گیا اس لئے یہ راز اسی طرح چھپا ہوا رہ گیا۔ (محمود)

میر غلام علی (لنگڑا)

جب نواب حیدر علی کے ہاتھوں ارکاٹ پر تباہی آئی تو میر صادق کا یہ دست بازو میر غلام علی بھی نواب کی سلک ملازمت میں داخل ہوگیا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ عہد سلطانی میں قلعہ جات اور افواج کا ناظر اعلیٰ (انسپکٹر جنرل) تھا۔ بعد میں میر یم (لارڈ آف دی ایڈمیرلٹی) اور وزیر بنا۔ میر غلام علی حد درجہ طرار اور چالاک و تیز فہم تھا۔ اس کی یہی تیز فہمی تھی۔ جس کے سبب سے اس کو سفیر بنا کر سلطان ترکی کے دربار میں اور دیگر مقامات پر بھیجا گیا۔ حاضر جوابی میں شہرۂ آفاق تھا۔ چنانچہ ایک وقت جب یہ قسطنطنیہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا تو بارش

"افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست"

لیکن سلطان کے شہزادوں کو تخت سے محروم کر دیا۔

نوٹ :- اس جملہ سے اسکے خبث باطنی کا پتہ لگتا ہے۔ اپنے آقا کو سانپ سے تشبیہ دیتے ہوئے اسکے بچوں کو بھی اس نے نہیں چھوڑا۔ ان غداروں کو خوف تھا کہ اگر سلطنت سلطان کے شہزادوں کو دیگئی تو اس غداری کا انتقام ضرور لیا جائیگا (محمود)

اس کی قبر اسی کے بنائے ہوئے مقبرے میں موجود ہے۔ مقبرہ بالکل سادہ اور ویران پڑا ہوا ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں۔ ایک چھوٹی اور ایک بڑی۔ بڑی قبر غلام علی کی ہے کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے ڈر سے یہ بڑی قبر ایک زمانہ تک زنانہ وضع پر بنی ہوئی تھی۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ مس کانٹنس ای پارسنس نے بھی ۱۹۳۱ء میں لکھا ہے کہ یہاں صرف زنانہ قبریں ہیں۔ اس لئے اس نے نتیجہ نکالا ہے کہ اس کی قبر ویلوریا حیدرآباد میں ہوگی۔ جہاں اسکے عزیز واقربا ابھی موجود ہیں۔ لیکن اب حال میں جب مصنف نے ۱۹۴۳ء میں یہاں جاکر دیکھا تو بڑی قبر مردانہ وضع پر بنی ہوئی ہے۔ اس سے دس سال پہلے یہ قبر زنانہ طرز کی تھی۔

غلام علی غالباً انتزاع سلطنت کے دس بارہ سال تک بھی زندہ رہا۔ کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے کہ اس نے ۱۸۰۹ء میں اس کو سرنگاپٹم میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کو تین ہزار طلائی پگوڈا پنشن ملتے تھے۔

بدرالزماں خاں نائطہ

کرنل ولکس لکھتا ہے :-

" اہل نوائط ارکاٹ فتح کرنے کے بعد سرنگاپٹم آئے اور حیدر علی کی ملازمت قبول کرلی۔ سب سے پہلے حیدر علی کے افسروں میں انہوں نے

نواب حیدر علی کے زمانہ کی طرز معاشرت کچھ اور تھی۔ اور سلطانی دربار کا جاہ و جلال کچھ اور ہی تھا۔ اور یہی وجہ اسکے پیر خشک کر لینے کی تھی۔ کہ دربار میں تعظیم بجا لانے سے اس کو معذور سمجھا جائے۔ لارڈ کارنوالس سے شرائط طے کرنے کیلئے میر غلام علی ہی کو منتخب کیا گیا تھا۔ جب یہ انگریزی کیمپ میں آیا تو طلائی چوکی پر آیا۔ خیمہ میں جہاں لارڈ کارنوالس سر جنرل سردار اور میر نظام علی خاں تھے۔ چوکی سے اتر کر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ لنگڑا ہے۔

قسطنطنیہ سے جس وقت واپس آیا، تو اسکے خلاف شکایت ہوئی کہ بہت سا سامان تحائف جو سلطان ترکی نے سلطان کو بھیجا تھا۔ چھپا رکھا ہے۔ سلطانی حکم سے خانہ تلاشی ہوئی۔ اور اسباب بھی مل گیا۔ جس پر غلام علی کو نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ غلام علی جب قسطنطنیہ گیا ہوا تھا۔ تو اس نے سلطان کے منصوبوں سے وہاں کے انگریزی سفیر کو اطلاع دیدی تھی۔

چند دن کی نظر بندی کے بعد سلطان نے عفو و حلم سے کام لیکر معافی دیدی۔ اور اس کو وزیر بحر بنا لیا۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ پارسنس لکھتی ہے کہ :۔

"سلطان کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ سلطنت کے تمام اہم امور میں اسی سے مشورہ لیا کرتا تھا۔"

لیکن باوجود نوازش ہائے سلطانی کے میر غلام علی اپنی نظر بندی کیلئے سلطان سے انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔ اور اسکی دشمنی یہاں تک ترقی کر گئی کہ شہادت کے بعد جب سلطنت کی تقسیم ہونے لگی اور سلطان شہید کے کسی شہزادے کو تخت نشین کرنے کی تجویز زیر غور ہوئی تو کمیشن کے روبرو یہی غلام علی تھا جس نے :۔

مرشد

زوال سلطنت کے بعد بدر الزماں خاں ایک عرصہ تک زندہ رہا۔ ولکس اپنی تاریخ مرتب کرنے میں اس سے بہت مدد لی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک جگہ لکھا ہے کہ اسکی باتوں میں سچائی نہیں ہوتی تھی۔

میر معین الدین

تمام انگریزی تاریخوں میں اس کا نام صرف سید صاحب لکھا گیا ہے۔ اور اسی نام سے مشہور بھی تھا۔ نواب حیدر علی کی ملازمت میں آنے سے پیشتر کرناٹک کی انگریزی فوج میں ایک معمولی عہدہ پر مامور تھا۔ میسور کی پہلی جنگ کے بعد سلطنت خداداد میں ملازم ہوا۔

مورخ رئیس لکھتا ہے :-

"نواب حیدر علی کے وقت اس (میر معین الدین) نے غداری کر کے مرہٹوں سے مل گیا تھا۔ اور اس کے عوض گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی تھی"

مرہٹوں کے جانے کے بعد حیدر علی نے اس کو معاف کر دیا۔

نوٹ :- گرم کنڈہ - گرم کنڈہ نواب حیدر علی کی جاگیر تھی۔ نواب بسالت جنگ جب سرا کی صوبہ داری حیدر علی کو دلادی تو یہ جاگیر بھی حیدر علی کے نام لکھدی تھی۔ لیکن ولکس لکھتا ہے کہ گرم کنڈہ کی جاگیر سلطنت مغلیہ کے زمانہ سے میر علی رضا کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ میر علی رضا نواب حیدر علی کے نسبتی برادر تھے۔ یعنے حیدر علی نے میر علی رضا کی حقیقی بہن سے شادی کی تھی۔ جب میر علی رضا کی محرو بندہ میں شہادت ہوگئی تو اس جاگیر کو سلطنت خداداد میں شامل کر لیا گیا۔

گرم کنڈہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ جنگی نقطۂ نظر اور اس کے جائے وقوع کے لحاظ سے یہ قلعہ میسور و پائین گھاٹ کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ یعنے جو طاقت بھی اس پر قبضہ رکھتی تھی اس کے لیے آسان تھا کہ میسور و کرناٹک پر اپنا اثر ڈالے۔ میر معین الدین اس قلعہ کی جنگی اہمیت سے واقف

ہی بددلی پھیلائی۔ فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کی معزولی انہیں کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ اہل نوائط میں آداب نشست و برخاست و آداب گفتگو وغیرہ کا صد درجہ خیال رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے حیدر علی کے زمانہ ہی میں درباری آداب وغیرہ میں انقلابات پیدا کر دیئے۔ اس سے پہلے حیدر علی کو ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی۔ اہل نوائط کو اپنے ذاتی حسب و نسب پر بہت بڑا فخر ہے۔"

بدرالزماں بن مراد خاں بھی اہل نوائط سے تھا۔ حیدر نگر کا گورنر مقرر ہوا۔ بعد میں سلطان کا وزیر بن گیا۔ بدرالزماں اور دیگر اہل نوائط سلطان سے اس لئے ناراض ہو گئے کہ سلطان نے بدرالزماں کی بیٹی کا نکاح اپنے نسبتی برادر برہان الدین سے کرنا چاہا۔ اس کو اہل نوائط نے اپنی توہین سمجھی۔ کہا جاتا ہے کہ نکاح کے بعد ہی اسی شب لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کر لی تھی۔ یہ وہ واقعہ تھا جس نے تمام اہل نوائط کو سلطان کا دشمن بنا دیا۔ وہ جوش انتقام میں تڑپ رہے تھے۔ **اپنی عالی نسبی کے آگے ایک اسلامی سلطنت کی ہستی بھی کچھ چیز نہ سمجھی گئی۔**

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میر صادق نے سلطان سے اسکی شکایت کرتے ہوئے اس کو چند روز تک نظر بند کر دیا تھا۔ لیکن سلطان نے پھر معافی دیکر اس کو وزیر بنا لیا۔

کرمانی لکھتا ہے کہ اسی جذبۂ انتقام کی وجہ سے میسور کی تیسری جنگ میں جب انگریزوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا تو مہدی علی نائطہ نے عیدگاہ کا مورچہ غداری کرکے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور میسور کی چوتھی جنگ میں جب سلطان چیلدرگ جانا چاہا تو بدرالزماں نے اس کو جانے سے روک دیا۔ اس لئے میسور کے مسلمان اس سلطنت کی تباہی کے ذمہ دار تمامتر اہل نوائط کو گردانتے ہیں۔

مل گیا۔ اور گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھرا لی۔

نوٹ :- یہاں یہ کہا جائیگا کہ جب میر معین الدین اور میر قمرالدین دونوں گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں تھے تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے دونوں سے ایک ہی جاگیر کے متعلق کس طرح معاہدہ کیا ہوگا۔ لیکن مغربی سیاست اور تاریخ کا جنہوں نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان وعدوں کی معنی کیا ہوتے ہیں۔ اگر موجودہ زمانے میں فلسطین کے معاملہ کو ہی لیا جائے۔ تو یہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انگلستان کی حکومت نے اس ملک کا ایک ہی وقت میں یہودیوں سے بھی وعدہ کیا تھا اور عربوں سے بھی۔ اس کو اگر مدنظر رکھا جائے تو معین الدین اور قمرالدین سے ایک ہی وقت میں گرم کنڈہ کا وعدہ کرنا کوئی تعجب خیز نہیں رہتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معین الدین سے کوئی اور وعدہ کیا گیا ہو۔ لیکن انکی اسی وقت موت نے اس راز کو ہمیشہ سربستہ رکھدیا ہے۔ اور قمرالدین نے گرم کنڈہ کی جاگیر حاصل کر لی۔ (محمود)

میر قمرالدین کی غداری کی وجہ کرمانی یوں لکھتا ہے :-

"میر قمرالدین کی غداری کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ وہ سلطان کی دختر کا خواستگار تھا لیکن سلطان نے اس رشتہ کو منظور نہیں کیا۔ ان وجوہات کی بناء پر اس غدار کے دل میں سلطان کے خلاف عناد پیدا ہوگیا۔ اور اس نے سلطان کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔"

قمرالدین کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ فتح نرکنڈہ کے وقت حیدرآباد سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ جس کی رپورٹ سپہ سالار برہان الدین نے حضور سلطانی میں کی تھی۔ اور سلطان نے چند دن کیلئے اسکو نظربند کرکے رہا کردیا۔ لیکن کرنل ولکس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۱ پر ایک اور واقعہ لکھتا ہے۔ وہ یہ ہے :-

"جس وقت سلطان ادھونی پر حملہ کر رہا تھا۔ تو سراج الدین محمود خاں متعلق ارکاٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور انکا جنازہ تزک و احتشام سے سرنگاپٹم روانہ کیا گیا۔ تمام ملک

اور اپنی ایک علیحدہ حکومت قایم کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے مرہٹوں سے سازش کی تھی میسور کی چوتھی جنگ میں بھی یہی ہوا۔ یعنے اس جاگیر کی ہوس میں اس نے سلطان سے غداری کی۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ نواب حیدر علی نے اسکو معاف کرتے ہوئے پھر اس کو سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا تھا۔ میسور کی تیسری جنگ میں یہ نہایت وفادار رہا۔ اسکی یہی وفاداری کی وجہ تھی۔ کہ سلطان نے اسکو سپہ سالاری کے عہدہ پر ترقی دی ۱۷۹۰ء میں سلطان نے اسکی دختر خدیجہ زمانی بیگم سے نکاح کیا۔ اس بیگم سے ۱۷۹۲ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لیکن چند ہی دن بعد زچہ اور بچہ کا انتقال ہو گیا۔

میسور کی تیسری جنگ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان کے وفادار کون اور غدار کون ہیں۔ میسور کی چوتھی جنگ میں انگریزوں نے ان تمام وفاداروں پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ انگریزوں کو پہلے ہی معلوم تھا کہ میر معین الدین اور میر قمر الدین گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں ہیں۔ اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس جاگیر کے وعدے پر اس کو اپنا بنا لیا۔ اور اس نے پورنیا سے مل کر وہ غداری کی جو اگلے صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔ یعنے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کی دوپہر میں پورنیا کا شریک ہو کر فوج کو فصیل قلعہ پر سے ہٹا دیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج بغیر کسی مقابلہ کے قلعہ پر قابض ہو گئی۔

میر قمر الدین

میر علی رضا (گرم کنڈہ) کی ایک حرم کے بطن سے تھا۔ اور اس لحاظ سے گویا سلطان کا سوتیلا ممیرا بھائی تھا۔ گرم کنڈہ کی جاگیر پر شروع ہی سے اسکی نظر تھی۔ بلکہ اس کے حوصلے یہاں تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ خود سلطنت خداداد کا حکمران ہونا چاہتا تھا۔ جس کے لئے اس نے کوششیں بھی کیں۔ اسی ہوس میں میر معین الدین کی طرح میسور کی چوتھی جنگ میں یہ بھی انگریزوں سے

ٹیپو کی تصویر ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ کوئی نام بتلایا جاتا ہے اور نہ کوئی ثبوت دیا جاتا ہے۔ میدانِ جنگ اور سازش میں سلطان کے ٹیپو کو سلطان کے ساتھ بتلانے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ صرف قمرالدین کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا ہے۔ یہ تصویر حقیقت میں میر قمرالدین کی ہے۔ میر قمرالدین ایک نہایت قوی اور گرانڈیل جوان تھا۔ اس کا ثبوت اس تصویر سے ملتا ہے۔ نیز آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی کتاب "سرنگاپٹم" میں بھی اس تصویر کو میر قمرالدین کی تصویر ہی بتلایا گیا ہے۔

میر قاسم علی بن خلیل میر نورالدین

اسکی تمام عمر ملازمت سلطانی میں بسر ہوئی اس کا وطن ریاست حیدرآباد کی سرحد پر تھا۔ اور یہ بھی میر صادق و میر غلام علی کی طرح عجمی النسل اور مذہباً شیعہ تھا۔

ایک دفعہ میر قاسم علی سلطان سے رخصت لیکر اپنے وطن جاتا ہے۔ اسکے جانے کے بعد میر صادق اور پورنیا نے سلطان سے شکایت کی کہ وہ بہت سا سرکاری مال اپنے ساتھ لئے جا رہا ہے۔ جس پر احکام جاری ہوئے کہ اس کو پکڑ کر واپس لایا جائے۔ اس کو واپس لایا گیا۔ تلاشی پر اسکے پاس کوئی مال نہ نکلا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دیا گیا کہ وطن جا کر آئے۔ مگر اس کے دل میں سلطان کے خلاف عناد بیٹھ گیا۔ اور وہ انتقام کیلئے موقع کا منتظر تھا۔ واپس آنے کے بعد اس کو سرنگاپٹم کی قلعداری پر مامور کیا گیا۔

چند سال بعد یعنی اپریل ۱۷۹۹ء میں قاسم علی نے سلطان سے اجازت چاہی کہ وطن جا کر اپنے آخری ایام وہیں بسر کرے۔ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے سلطان نے ایک دن دربار عام میں میر قاسم علی کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"تم نے اپنے بادشاہ سے نمک حلالی کی ہے۔ تمہارا سلطان تمہاری وفاداری سے

میں یہ خبر پھیل گئی کہ خود سلطان کا انتقال ہوگیا ہے یہ خبر ہندوستان بھر میں اس سرعت سے شہرت پذیر ہوئی کہ مسٹر ہنگفرسن جو عارضی گورنر جنرل تھا۔ میسور کو ایک سفیر بھیجا کہ سلطان کے جانشین کو مبارکباد دے۔ جس وقت سلطان کے انتقال کی خبر مشتہر ہوئی تو اس وقت میر قمر الدین جو کسی دوسری جگہ تھا۔ فوج کے ایک حصہ کو اپنی جانب ملا کر خود تخت نشین ہونے کیلئے سرنگاپٹم آیا سلطان نے بمشکل اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس موقع پر سلطان نے قمر الدین کو دو سال تک نظر بند کر دیا۔"

میر قمر الدین کو یہ بھی حسد تھا۔ کہ سلطان کے پاس برہان الدین کی (جو سلطان کا نسبتی برادر تھا) بہت زیادہ قدر و منزلت تھی۔ سلطان نے برہان الدین کا درجہ بڑھا کر اس کو بھی سپہ سالار اور قمر الدین کا ہم رتبہ بنا دیا تھا۔

برہان الدین سے اس کو اس لئے بھی عداوت تھی کہ اس نے فتح نرگنڈہ کے وقت اسکی سازش سے سلطان کو آگاہ کر دیا تھا۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر اس نے میسور کی چوتھی جنگ میں اس غداری سے کام لیا۔ جس کا ذکر اگلے صفحات میں آچکا ہے۔ یعنے میسور کی چوتھی جنگ میں اس نے بمبئی سے آنیوالی انگریزی فوج سے جنگ کرنے کے عوض اس فوج کو قلعہ سرنگاپٹم پر آجانے دیا۔ اور سلطان کی شہادت تک بھی باوجود قلعہ سے باہر رہنے کے کچھ کارروائی نہیں کی۔

نوٹ ۱ـ میر صادق کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر کرنل ولزلی نے آخری سازش کی جو تصویر اپنے حکم سے کھنچوائی تھی۔ اس میں جہاں میر صادق کو سلطان کے روبرو بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح اسی تصویر میں سلطان کے بائیں جانب میر قمر الدین کو سبز لباس میں گھوڑے پر سوار بتلایا گیا ہے۔ اس کو توہین سے بچانے کیلئے عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ سلطان کے

بوجہل و بولہب کے اس ذریات کی کارروائی اسی پر منتہی نہیں ہوتی۔

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے :۔

" دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ فوج کو خندقوں سے لیکر نکلا اور دریا پار ہو کر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے آگے تھا وہ جنرل بیرڈ تھا۔ اور اسکی رہنمائی کیلئے ایک شخص اس سے بھی آگے آگے تھا اور وہ شخص میر قاسم علی تھا جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا "

غرض اس تمام سازش کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ لارڈ ولزلی کو ان نمک حراموں کی کارروائی پر اعتماد کلی تھا۔ کہ وہ سلطان کو ضرور دھوکہ دینگے۔ اس لئے اس نے جنرل ہارس کو قطعی حکم دیا تھا کہ :۔

" جبتک سرنگاپٹم پر قبضہ نہ ہو جائے۔ صلح کی گفتگو نہ کرے "

اپنے اس خط میں لارڈ ولزلی لکھتا ہے :۔

" اس شہر کے ہمارے قبضہ میں آجانے سے ہندوستان کی قسمت کا دروازہ ہمارے لئے کھل جائیگا "

جنرل ہارس نے سلطان کو جو شرائط بھیجے وہ کامل اطاعت کے تھے۔

اگر مندرجہ بالا سطور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنگ سے پیشتر ہی لارڈ ولزلی کو اس سازش کی کامیابی کا کسدرجہ یقین تھا۔

پورنیا نواب حیدر علی کے زمانہ میں سلک ملازمت میں داخل ہوا۔ کمسریٹ (ٹرانسپورٹ) کا افسر اعلیٰ بنایا گیا۔ اسکے بعد وزیر مالیات اور دیوان مقرر ہوا۔ بہ حیثیت دیوان اور وزیر مالیات سلطنت کے کل محکموں پر اسکو دسترس حاصل تھی

خوش ہے۔ اور اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے وطن جاکر آرام کی زندگی بسر کرو۔ جو لوگ کہ نمک حلالی اور وفاداری سے ملازمت کرتے ہیں انکی قدردانی لازمی ہے۔ اس لئے سلطان کے دل میں تمہاری قدرومنزلت ہے۔ کہ آئندہ یہ نہ کہا جائے۔ کہ سلطان کے نزدیک تمہاری قدر نہیں تھی۔" (میڈوز ٹیلر)

اس خطاب کے بعد سلطان نے اپنے دستِ خاص سے میر قاسم علی کو زریں شال ایک ڈوپٹہ، ایک مرصع زین، ایک گھوڑا (خاص سلطانی اصطبل کا) ایک مرصع تلوار اور ایک ڈھال عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"تمہارا سلطان وفاداروں کی قدردانی کرتا اور انعام بھی دیتا ہے۔"

میر قاسم علی آداب بجالا کر رخصت ہوا۔

نوٹ :۔ عجب نہیں کہ میر قاسم علی کا اس وقت وطن جانے کی درخواست کرنا پورنیا، میر صادق و دیگر غداروں کے ایماء سے ہو۔ (محمود)

یہ وہ وقت تھا کہ انگریزی سازشوں کا جال ہر طرف پھیل رہا تھا۔ میر قاسم کو موقع ملا کہ سابقہ توہین کا بدلہ لے۔ سلطان کے اس الطافِ شاہانہ و قدردانی کا بدلہ جس طرح اس نمک حلال میرزادے نے دیا۔ وہ میڈوز کی اس تحریر سے ظاہر ہے :۔

"میر قاسم علی بجائے حیدرآباد جانے کے انگریزوں سے جاکر ملتا ہے۔ اور انکی فوج کو ہر جگہ کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل اس گنجان باغ میں ٹھہراتا ہے۔ جہاں سے انگریزی فوج ہمیشہ حملہ آور ہوتی۔ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ انگریزی سپہ سالار کو جس شخص نے قلعہ کے اس کمزور پہلو سے مطلع کیا۔ وہ یہی میر قاسم علی تھا۔"

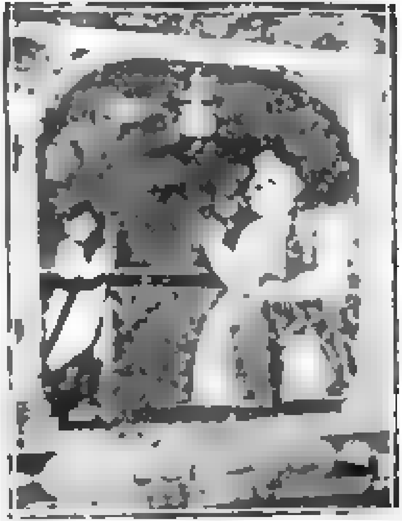

پورنیا

کارگاہِ دہر میں ابلیس کا مظہر ہوں میں
جس نے دی تعلیمِ غداری وہ پیغمبر ہوں میں

میر صادق — دریا دولت باغ کی ایک تصویر سے

اس لئے اکثر غدار اس کے اشاروں پر رقصاں تھے۔ سلطان کے محکمۂ جاسوسی کو بیکار کرنے اور اخیر حملے کے وقت تنخواہ تقسیم کرنے کی غرض سے فوج کو علم بیتری سے عین وقت پر ہٹا کر جو غداری اس نے کی اس کا حال آگے آچکا ہے۔

پورنیا کے حال میں ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"پورنیا ۱۷۴۶ء میں ضلع ترچناپلی میں موضع تروکیور میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے باپ کا نام کرشنا چاری ہے۔ اور ماں کا نام لکشمی اما۔ پورنیا جب گیارہ سال کا ہوا تو اس وقت اس کا باپ فوت ہو گیا۔ خاندان بالکل غریب تھا۔ اس لئے گذر اوقات کے لئے اسکی ماں دوسرے لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ پورنیا کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ جس کا نام وینکٹاراؤ تھا۔ ۱۷۵۸ء میں یہ خاندان تروکیور چھوڑ کر ستی منگل میں آکر مقیم ہوا۔ یہاں پورنیا نے ایک بنئے (رنگیا) کی ملازمت کرلی۔ اس بنئے کے تعلقات سرنگاپٹم کے ایک اور بنئے سے تھے۔ جو محلات شاہی سے تجارتی تعلقات رکھتا تھا۔ ان تعلقات کی وجہ سے پورنیا اکثر سرنگاپٹم آیا جایا کرتا تھا۔ اور بعد میں اسی بنئے اننداسٹی کے پاس ملازم ہو گیا۔ اب اسکی آمد و رفت محلات شاہی میں ہونے لگی۔ یہاں داروغہ محلات شاہی کرشنا راؤ سے اسکی شناسائی ہو گئی۔ جس نے نواب حیدر علی سے سفارش کر کے اس کو سرکاری ملازمت دلادی۔ یہاں سے اسکی ترقی کا زمانہ شروع ہوا۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی نوازشوں سے اس نے اس قدر ترقی کی کہ اس کو نوبت، نقارہ، پالکی و عماری کے علاوہ طلائی چتر پکڑنے کی بھی اجازت تھی۔"

بجا طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ جب اسکے حال پر سلطان کی اس قدر نوازش تھی تو

اس نے غداری کس وجہ سے کی۔ ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۲۳۱ پر لکھتا ہے :۔

"میسور کی رانی لکشمی نے اس سے درخواست کی کہ میسور میں دوبارہ ہندو راج قایم کرنے میں وہ (پورنیا) اسکی مدد کرے تو وہ اس تجویز کا مخالف نہیں تھا۔ لیکن اس نے کھنڈے راؤ جیسی کھلی بغاوت بھی نہیں کی۔ اسکی اس پالیسی کی وجہ سے انگریزوں نے اس کو میسور کا دیوان منتخب کیا۔ اور رانی نے بھی قبول کر لیا۔"

اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ پورنیا کی غداری کس قدر گہری تھی۔ اخیر وقت تک بھی سلطان کو اسکے خیالات کا پتہ نہ چل سکا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے۔ کہ نواب حیدر علی نے اپنے اخیر وقت میں سلطان کے نام ایک خط لکھا تھا۔ جس میں سلطان کو تاکید کی تھی کہ پورنیا اور میر صادق کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ ان پر اور نوازشیں کرنی شروع کر دیں۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ان نمک حرام غداروں کی وجہ سے اسکی سلطنت تباہ ہو گئی۔

ماڈرن میسور کی اس تحریر سے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ پورنیا کے دل میں ہندو راج قایم کرنے کا شروع ہی سے ارادہ تھا۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ ملازمت کیلئے اسکی سفارش کرشن راؤ نے کی تھی۔ اور جب کرشن راؤ کے آخری جملہ پر "میں نے جو آگ لگائی ہے وہ سلطان کے بجھائے بجھ نہ سکیگی" پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کرشن راؤ کو پورنیا پر کامل اعتقاد تھا۔ کہ اسکے بعد پورنیا ضرور سازش کو کامیاب کر کے رہیگا۔ یہ تمام سازشیں سری رنگا کے مندر میں ہوتی تھیں۔ ایک مصنف نے بالکل سچ لکھا ہے "اگر اس بت کی زبان ہوتی تو وہ کہہ سکتا کہ کس قدر راز اسکے سینے میں محفوظ ہیں۔" یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر پورنیا جیسا غدار نہ ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ میسور کی دلی کو اس

نمک حرامی اور غداری چاہے مسلمانوں میں ہو یا ہندوؤں میں بدترین گناہ ہے۔ اسی لئے مسلمانوں میں جس طرح میر صادق کا نام بطور منافق و نمک حرام مشہور ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں پورنیا کا نام مشہور ہے۔ یہاں تک کہ ایک کنڑی زبان کے شاعر نے اسکی اور میر صادق کی غداری کے حالات نظم میں لکھے ہیں اور یہ نظم ہر جگہ گراموفون پر لگائی جاتی ہے۔

جہاں تک معلومات نے اجازت دی۔ غداروں کے ذاتی حالات اور انکی دشمنی کے وجوہات لکھدی گئی ہیں۔ اگر مسلمان امراء و وزراء کی غداری پر غور کیا جائے تو جو وجوہات دی گئی ہیں، وہ بالکل سطحی و معمولی ہیں۔ آج بھی ہر جگہ یہی ہوتا اور ہورہا ہے۔ لیکن اس سے سلطنتوں میں انقلاب نہیں آتا۔ تاوقتیکہ ایک دوسری طاقت ان کی پشت و پناہ بنکر انہیں غداری پر آمادہ نہ کرے۔ حیدرآباد، ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹوں کا طرز عمل اس سلطنت کے ساتھ کیا رہا ہے۔ اسکی تشریح پہلے ہی کی جاچکی ہے۔ اب رہا سلطان کے ہندو امراء و وزراء ان کے مدنظر ایک خاص مقصد تھا۔ جس کے حصول کیلئے انہوں نے غداری کی:

عہد نامہ (جو فرانس اور سلطان کے درمیان ہوا تھا) کی نقل مچاتی۔ اور جس کو رانی نے مدراس کے گورنر کو ترمل راؤ کے ذریعہ بھیجا تھا۔

پورنیا کی غداری آخر وقت تک بے نقاب نہیں ہوتی۔ جب سب کچھ ہو چکتا ہے اور یہ یقین ہو جاتا ہے تو یہ اب اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھ کر علانیہ نمک حرامی کرتا ہے یعنے شگاف اور جنوبی فصیل کی متعینہ فوج کو تنخواہ کے بہانے سے مسجد اعلیٰ کے پاس بلاکر انگریزی فوج کو قلعہ پر چڑھ آنے کی سہولت دی جاتی ہے۔ اور اس طرح انچے شاما یا اور کرشن راؤ نے جو تجویز کی تھی۔ اس کو اب پورنیا عملی جامہ پہناتا ہے۔

بہر طور پورنیا کی گہری پالیسی کامیاب ہوئی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اسکے صلہ میں میسور کی نئی حکومت کیلئے پورنیا کو دیوان مقرر کیا گیا۔ مورخ باسو اپنی تاریخ کے صفحہ ۳۲۳ پر لکھتا ہے:۔

"یہ اسی سازش کا صلہ تھا جو پورنیا کو میسور کا دیوان بنایا گیا۔"

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۱۸ پر لکھتا ہے:۔

"جب سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا تو پورنیا کو نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا گیا۔"

اگرچہ ترمل راؤ کو رانی کی سفارش حاصل تھی۔ مگر مسٹر وب نے رانی کو ایک خط لکھ کر سمجھا دیا۔ یہ خط مرہٹی زبان میں تھا اور اس پر "مسٹر وب" دستخط تھے۔

پورنیا کے متعلق مورخ باسو لکھتا ہے:۔

"پورنیا نواب حیدر علی، اور سلطان ٹیپو دونوں کی ملازمت میں رہ چکا تھا۔ لیکن وہ بغیر کسی حسرت و افسوس کے اب اپنے نئے ہندو آقا کی ملازمت میں اس طرح منسلک ہو گیا جیسا کہ ملک میں کوئی انقلاب ہی رونما نہیں ہوا۔"

لڑتے رہتے تھے۔ وجیانگر کی عظیم الشان ہندو سلطنت جو قریباً تین سو سال تک حکومت کرتی رہی اس نے بھی اسی طرز حکومت کو قایم رکھا تھا۔ اسکے بعد بیجاپور والوں نے بھی اس کو بحال رکھا۔ بیجاپور کے بعد مغلیہ سلطنت بھی اسی اصول پر کاربند رہی۔ لیکن طاقتور پالیگاروں کا زور توڑنے کیلئے عالمگیر نے یہ کام کیا کہ انکی قدیم جاگیرات لے کر انہیں دوسرے غیر آباد علاقے دے گئے۔ عالمگیر کی اس پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ غیر آباد علاقے بھی آباد ہو جائیں۔ لیکن مغلیہ سلطنت کا اقتدار بالکل کم عرصہ تک رہا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد جو افتراق تفرقی اور طوائف الملوکی پھیلی اسکی وجہ سے پالیگاروں میں اور اضافہ ہو گیا ملک کی یہ حالت نواب حیدر علی کے زمانے تک بھی چلی آتی تھی۔ گو حیدر علی نے چند بڑے بڑے پالیگاروں کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن چھوٹے پالیگاروں یا زمینداروں کا جال ملک میں بدستور پھیلا ہوا تھا۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی جاگیرداری کا یک لخت خاتمہ کر دیا۔ زمین سرکار کی ملکیت قرار پائی۔ کسان براہ راست سرکار کو لگان دینے لگے۔ اور یہ قانون نافذ ہو گیا کہ جب تک کسان زمین کو آباد رکھے۔ اس کو زمین سے بے دخل نہ کیا جائے۔ اور زمین کو دواماً اسی کی ملکیت سمجھی جائے۔

اس اصلاح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسان جو زمانہ ہائے دراز سے ہر قسم کی مصیبتوں اور تکالیف میں مبتلا تھے۔ آزاد اور فارغ البال ہو گئے۔ زمین کی تقسیم از سر نو ہونے سے مزدور بھی کاشتکار اور خوشحال بن گئے۔ سلطان کا یہ بھی فرمان تھا۔ کہ جو شخص بھی زمین آباد کرنے کے لئے درخواست دے۔ اس کو زمین مفت دی جائے۔ اور اس وقت تک اس سے لگان نہ لی جائے۔ جبتک زمین میں پیداوار نہ ہو۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

اصلاحاتِ سُلطانی

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب کے عنوان کے تحت کہیں لکھا جا چکا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پروپاگنڈہ سے متاثر ہو کر بہت سے پالیگار (جاگیردار) اور زمیندار، سلطان کے وزرآ و امرار، سادات اور اہل نوائط بھی انگریزوں سے مل چکے تھے۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان نے ملک میں چند ایسی اصلاحات جاری کیں جو ان لوگوں کو ناگوار گذریں یہ اصلاحات دو قسم کی تھیں۔ ایک ملکی اور دوسری مذہبی۔

(۱) ملکی اصلاحات

تمام ملک میسور بلکہ جنوبی ہند میں زمانہ قدیم سے فیوڈل طرز کی حکومت چلی آ رہی تھی یعنے ہر جگہ چھوٹے چھوٹے جاگیردار جنہیں پالیگار کہا جاتا تھا۔ اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار چلے آتے تھے۔ اسکے عوض وہ سلطنت کو ایک مقررہ رقم دینے کے علاوہ ضرورت کے وقت سپاہ سے کمک دیتے تھے۔ یہ پالیگار اندرونی طور پر بالکل خود مختار تھے۔ کسانوں سے بطور خود لگان وصول کرتے اور اپنے علاقہ کی درآمد و برآمد پر محصول لگاتے تھے۔ اور اسکے علاوہ قسم قسم کی ٹکسیں وصول کی جاتی تھیں۔ اس قسم کی زمینداریاں ملک میں اس کثرت سے تھیں کہ بعض بعض مقامات پر بقول کرنل ولکس بیس میل کے اندر اندر دو تین پالیگار رہتے تھے۔ اور ایک مسافر کو جو ملک میں سفر کرنا چاہتا تھا۔ دوران سفر میں ہر پانچ دس میل پر محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ اسکے علاوہ یہ پالیگار ہمیشہ ایک دوسرے سے

سلطان کے ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کا چپہ چپہ آباد اور ہر جگہ زراعت ہونے لگی۔ اور جاگیروں و زمینداریوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی لئے آج بھی کل میسور علاقے میں کہیں زمینداری یا جاگیرداری نہیں ہے۔

کیپٹن ٹل جو میسور کی تیسری جنگ میں ایک نمایاں حصہ لیا تھا اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

"ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ وہ ایک جابر و ظالم حکمران ہے۔ جس کی وجہ سے اسکی تمام رعایا اس سے بیزار ہے۔ لیکن جب ہم اس کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں، رعایا اپنے اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آیا۔ قابل کاشت زمین جس قدر بھی مل سکتی ہے ان پر کھیتیاں لہرا رہی ہیں۔ ایک انچ زمین بھی بیکار نہیں۔ رعایا اور فوج کے دل میں بادشاہ کا احترام اور محبت اتم درجہ موجود ہے۔ فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ یورپ کی کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہے۔"

نوٹ :- کیپٹن ٹل بمبئی کی اس انگریزی فوج کے ساتھ آیا تھا جس کو حکم تھا کہ بمبئی سے منگلور دھارواڑ کے راستے سے ہوتے ہوئے سرنگاپٹم تک پہونچے۔ اس کی یادداشتیں ایک کتاب کی صورت میں ۱۷۹۴ء میں لندن میں طبع ہوئی تھیں۔ اور اس کا مرتب ملہ۔ جو ہے۔

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے :-

"جس وقت انگریزی فوجیں ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئیں تو دیکھا گیا کہ تمام رعیت ہندو اور مسلمان نہایت خوشحال ہے۔ تمام ملک سرسبز ہے۔ زراعت اچھی ہو رہی ہے

"یہ ایک تسلیم شدہ امر تھا کہ جبتک کاشتکار اور اسکے ورثا زمین کو آباد رکھیں اور مقررشدہ لگان ادا کریں۔ زمین ان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ اور جب یہ زمین کو آباد کرنا ترک کردیں اور مقررہ لگان ادا نہ کریں تو اس وقت حکومت زمین کو دوسرے کاشتکار کے حوالے کرتی تھی۔ زمین گو سرکار کی ملکیت تھی، لیکن جب تک کاشتکار لگان ادا کرتا تھا زمین اسی کی سمجھی جاتی تھی۔" (صفحہ ۳۰)

"لگان کے تعین کرنے میں زمین کی وسعت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ پیداوار کس قدر ہوتی ہے۔ لگان ہر جگہ زرنقد کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ یہ رقم اس وقت اناج کی قیمت کے لحاظ سے مقرر کی جاتی تھی۔ اور جب کبھی کاشتکار اور عاملان حکومت میں رقم کے تعین کرنے میں اختلاف ہوتا تھا تو عاملان حکومت کو حکم تھا کہ اناج لے لیا جائے۔" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ زمینات جن کیلئے انہار یا تالابوں سے آبپاشی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ کاشتکاروں کو اس شرط پر دی جاتی تھیں کہ ان میں اگر پیداوار ہو تو لگان ادا کیا جائے۔ اور یہ لگان پیداوار کا آٹھ فی صدی حصہ ہوتا تھا۔" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ زمینات جو عرصہ دراز سے غیر آباد پڑے تھے۔ اور جنہیں کوئی آباد کرنے راضی نہ ہوتا تھا۔ کاشتکاروں کو کرایہ پر دی جاتی تھیں۔ اس طریقہ کو کشتہ یا کہا جاتا تھا۔ کرایہ پہلے سال بالکل معاف تھا۔ دوسرے سال سے پانچویں سال تک پیداوار کا چوتھائی حصہ اور پانچویں سال کے بعد پورا کرایہ لیا جاتا تھا (صفحہ ۳۰)

"قریہ زمین کے کاشتکاروں کو خشک زمینات بغیر لگان دی جاتی تھیں۔"

(صفحہ ۲۹۶)

جو اس رواج کی وجہ سے جاگیردار بنے ہوئے تھے۔ دل ہی دل میں سلطان کے خلاف ہوگئے میر معین الدین، قمر الدین، میر آصف، شیر خاں وغیرہ کی غداری کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔ اسکے ثبوت میں کرنل بیاری کلوز کے خط کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔ سرنگا پٹم کے زوال کے بعد لارڈ ولزلی نے سلطنت کی تقسیم سے پہلے سلطان کے افسروں کے رجحان کو دریافت کرنا چاہا۔ اس خط کے جواب میں کرنل بیاری کلوز نے لکھا تھا:۔

"ٹیپو کا طرز حکمرانی اس طرح کا تھا کہ اس نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے کسی کو موروثی یا مستقل عہدے نہیں تھے۔ کہ وہ حکومت مسلط کے خلاف کچھ کرسکیں۔ اس لئے سلطان کے آصفوں و دیگر عہدہ داروں سے خوف کرنے کیلئے وجوہات نہیں ہیں" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

(۲) مذہبی اصلاحات

مسلمانوں کی اس وقت کی حالت

عالمگیر اورنگ زیب نے ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ہی مغلیہ فوجیں جنوب کی طرف بڑھیں۔ اور اسکے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کثیر آبادی دکن کی اسلامی سلطنتوں سے نکل نکل کر جنوب میں آباد ہونے لگی۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کو یہاں آئے ہوئے نصف صدی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ یہ مسلمان اپنے ساتھ دکن کے تمام رسم و رواج اور روایات کو لیکر آئے تھے۔ دکن کی چارسو سالہ رہائش اور مرہٹے ہندوؤں کے ساتھ میل جول نے ان مسلمانوں کی معاشرت پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا۔ جسکی وجہ سے بہت سے مرہٹی و ہندی رسوم انکی شادی بیاہ وغیرہ میں رائج ہوچکے تھے۔

کل رعیت سلطان کے نام پر فدا ہے۔ جس وقت انگریزی فوج سرنگاپٹم میں داخل ہوئی تو ان لوگوں نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے لاکر رکھدی۔ کہ وہ سلطنت کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی ہر دلعزیز تھا۔"

مسٹر ڈبلیو ٹارنس۔ ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب ایمپائران ایشیا میں لکھتا ہے:۔۔۔

"ٹیپو کے زیر حکمرانی میسور۔ تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے۔ اسکے خلاف انگریزی اور انکے باجگذار مقبوضات کرناٹک اور اودھ وغیرہ بلکہ بنگال بھی صفحۂ دنیا پر ایک بدنما دھبہ تھا۔ اور رعایا قانونی شکنجے میں کسے ہوئی بالکل پریشان حال تھی۔"

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار یعنے وہ لوگ جو پالیگار اور جاگیر دار تھے سلطان کے خلاف ہو گئے۔ اور ان میں بہت سے ملک چھوڑ کر کرناٹک میں جاکر آباد ہوئے۔ اور موقع کے منتظر تھے۔ میسور کی تیسری جنگ کے آغاز میں کرنل ریڈ نے انہیں پالیگاروں سے فائدہ اٹھایا۔ اور انہیں سبز باغ دکھا کر ملک میں جاسوسی کرنے اور انگریزی فوج کو رسد اور چارہ فراہم کرنے پر متعین کیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے بیان میں بہت سے ان پالیگاروں کے نام دئے گئے ہیں۔ جو انگریزوں سے مل گئے تھے۔

نواب حیدر علی سے پیشتر ملک میں یہ رواج جاری تھا۔ کہ ضلعوں کے بڑے افسروں کو تمام محکموں پر اختیارات حاصل تھے۔ اور ان تمام افسروں کو تنخواہ کے عوض جاگیرات دی جاتی تھیں۔ سلطان نے اس رواج کو موقوف کرتے ہوئے فوجی اور سیول محکمے علیحدہ کر دیئے۔ اور ہر افسر کی تنخواہ مقرر کر دی گئی۔ جس کی وجہ سے وہ تمام افسر

شامل ہو گئے۔

غرض یہ تھی وہ معاشرت اور رسم و رواج جو دکنی مسلمان جنوب میں اپنے ساتھ لائے۔ اگر عالمگیر کے بعد سلطنت مغلیہ کو استقلال نصیب ہوتا تو ممکن تھا کہ بہت کچھ اصلاح ہو جاتی۔ لیکن دہلی میں بادشاہوں کے عزل و نصب اور صوبہ داروں کی غداریوں نے مسلمانوں میں مدھدھ جا افراتفری پیدا کر دی اور ایک مضبوط مرکز کی نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان دن بدن مذہب سے دور ہوتے چلے گئے۔

اسی افراتفری کے زمانہ میں نواب حیدر علی کا آغاز ہوا۔ اور اس جانباز سپاہی نے سلطنت خداداد کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اس کی ۲۲ سالہ مدت حکومت ہمیشہ جنگ و جدال میں گذری۔ مگر نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت خداداد کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ اور سلطان تخت نشین ہوا۔ اس نے مسلمانوں کی اس کمزور حالت کا احساس کرتے ہوئے :-

(۱) منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ (یہ حکم بلا امتیاز مذہب ہر شخص کیلئے تھا)۔

(۲) ہر شہر اور گاؤں میں قاضی مقرر کئے۔ جن کے ذمہ مسلمانوں کی مذہبی نگرانی تھی۔

(۳) مسلمانوں کو مذہب آشنا بنانے کیلئے کتاب فتح المجاہدین کے پہلے باب کی ہزارہا نقلیں ملک میں تقسیم کیں۔

نوٹ :- اس کتاب کا پہلا باب "مسائل عقاید و نماز و جہاد و ترکہ وغیرہ" پر مشتمل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز جمعہ میں پڑھنے کیلئے نئے خطبات تدوین کئے گئے۔ جن میں زیادہ تر جہاد پر توجہ دلائی گئی۔ ان میں ایک خطبہ اسی کتاب میں کسی اور جگہ دیا گیا ہے۔

(۴) ان لوگوں پر جو صرف پیری مریدی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ پابندیاں عاید کر دیں۔

فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :-

"جب عادل شاہ کے لڑکوں کی ختنہ ہوئی تو دکنی رسم و رواج کے مطابق لڑکوں کو سرخ لباس پہنائے گئے - انکے گلے میں پھولوں کے ہار اور سر پہ سہرا تھا - بلجہ کے ساتھ شب گشت نکالا گیا تھا - تمام راستے میں آتش بازی ہو رہی تھی اور طوائف ناچ رہے تھے ۔"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دکن میں مسلمانوں کی معاشرت کس قدر بدل چکی تھی ۔ لوگ عیش و آرام کے خوگر اور ہر قسم کی عیش و عشرت کے دلدادہ بن چکے تھے - اور اس پہ طرہ یہ ہوا کہ دکن کے اسلامی سلاطین اپنی سلطنتوں کو عالمگیر اورنگ زیب کے حملوں سے بچانے کیلئے مرہٹوں سے بہت زیادہ مل چکے تھے ۔ اور اپنے آپ کو ملکی کہتے ہوئے مغلوں کو غیر ملکی کے نام سے منسوب کرنے لگے - گویہ ایک سیاسی چال تھی - اور اس سے انکا مطلب ہندوؤں اور مرہٹوں کی تائید حاصل کرنا تھا - لیکن اس کا اثر یہ پڑا کہ معاشرت کے لحاظ سے جو فرق ہندوؤں اور مسلمانوں میں باقی تھا - وہ بھی مٹنا شروع ہو گیا -

دکن کی اسلامی سلطنتیں جیسے احمد آباد ، گولکنڈہ اور بیجاپور بلحاظ عقیدہ شیعہ سلطنتیں تھیں - انہوں نے محرم کو بہت زیادہ رواج دیا - علموں اور تعزیوں کے لئے عاشور خانے بنائے - اور انہیں جاگیرات دی گئیں - اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج بھی اننت پور ، بلاری ، کڈپہ ، میسور ، گدگ اور ہبلی وغیرہ ضلعوں میں ہر جگہ گاؤں اور دیہات میں مسجد تو نہ ہو گی - لیکن عاشور خانے ضرور ملیں گے - جن کے لئے جاگیریں وقف ہیں - حکومت وقت کی تقلید میں مرہٹے اور ہندو بھی محرم کی رسمات میں شامل ہونے لگے - جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تعلی اور دسہرہ کی بہت سی رسوم محرم میں

ان ملکی ومذہبی اصلاحات کو دیکھتے ہوئے پروفیسر جاے سرکی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ:

"ٹیپو اپنے زمانہ سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا"

میسور گزیٹیر کی جلد دوم کے صفحہ ۲۹۸۸ پر تحریر ہے :-

" ابھی تک ملک میں اس (ٹیپو سلطان) کے اصلاحات پر وہ نظر نہیں ڈالی گئی۔ جس کی وہ مستحق ہے۔ یقیناً اسکے یہ اصلاحات صد درجہ قابل تعریف و توصیف ہیں۔ یہ ایک بدقسمتی ہے کہ ٹیپو کی زندگی کا صرف تاریک پہلو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے روشن پہلوؤں کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ٹیپو کی اصل شخصیت ابھی تک دنیا پہ ظاہر نہیں ہوئی۔"

زوال سلطنت کا ایک اور سبب

زوال سلطنت خداداد کے اسباب میں اندرونی و بیرونی سازشوں کے ساتھ ساتھ سلطان کے امراء و وزراء کی غداریوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اب یہاں فرانس اور سلطان کے تعلقات کو واضح کیا جاتا ہے۔ یہی وہ تعلقات تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو مضطرب بنا کر لارڈ ولزلی کو فوری کارروائی کرنے پر آمادہ کر دیتے تھے۔ جس کا نتیجہ میسور کی چوتھی جنگ اور زوال سلطنت میں نکلا۔

آزادیٔ وطن کیلئے سلطان کی جدوجہد

فرانس اور ٹیپو سلطان کے تعلقات

گذشتہ اوراق میں بتلایا جا چکا ہے کہ جب

(۵) محرم کی ان رسومات کو جو دکن کی اسلامی شیعہ سلطنتوں کے زمانے سے چلی آتی تھیں ممنوع قرار دیا گیا ۔ (جیسے شیر ریچھ، بندر وغیرہ کے سوانگ اور گروہ بنانا)

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ طبقہ جو پیری مریدی اور مروجہ محرم کی رسومات روٹی پیدا کرتا تھا سلطان کے خلاف ہو گیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے مسلمانوں کی اسی ذہنیت سے فائدہ اٹھا کر مذہبی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے خاص طور پر محرم منانے کی اجازت دی اور خود بھی تعزیوں اور جلوس کی تنظیم کی جس پر جاہل ملاؤں نے یہ مشہور کر دیا کہ اعتقاد کے لحاظ سے مسلمان بادشاہوں سے فرنگی بہت اچھے ہیں۔ پیری مریدی پر پابندیاں اہل سادات کو نہایت گراں گذریں۔ ان حضرات نے دکن کی اسلامی سلطنتوں میں اور بعد میں ارکاٹ اور سرا میں اپنی تعظیم و توقیر دیکھی ہوئی تھی۔ کہ کس طرح ان کے صرف سیّد ہونے کے لحاظ سے انہیں جاگیریں اور وظائف ملتے تھے۔ سلطان نے ان جاگیروں اور وظائف کو بند کرتے ہوئے انہیں تجارت اور ملازمت کرنے کی ترغیب دی اور اس میں اس نے نہایت فراخدلی دکھائی۔ اس کی سول لسٹ اگر دیکھی جائے تو اس میں کثرت سے سادات کے نام ملیں گے اور شبہ ہوتا ہے کہ کہیں سلطان سیّد پرست تو نہیں تھا؟

مسلمانوں میں حسب و نسب کا غرور اور خون کا امتیاز حد درجہ ترقی کر گیا تھا۔ سلطان مساوات کا دلدادہ تھا۔ اس نے اس برائی کی اصلاح کرنی چاہی۔ اس کے لئے اس نے ذاتی قربانیوں سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے نسبتی برادر برہان الدین کی شادی بدرالزماں نائطہ کی لڑکی سے کی۔ اسی لئے اہل نوائط جنہیں اپنے حسب و نسب پر بہت زیادہ فخر تھا سلطان کے خلاف ہو گئے۔

محمد علی کو تنبیہ بھی کی کہ ان معاملات میں دخل نہ دے۔ لیکن اس نے نہیں سنی۔ جس کی وجہ سے فرانسیسی مجبور ہو گئے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں۔ (اس کا مفصل بیان کتاب کے شروع میں آچکا ہے۔ (محمود)

اسکے بعد فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے گورنر ڈوپلے کو واپس بلا لیا۔ ہندوستانی معاملات سے ایک حد تک کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے صرف تجارت پر قانع ہو گئی۔ لیکن اہل فرانس کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف جذبات باقی رہے۔

سلطان فرانسیسیوں کے ان جذبات سے واقف تھا۔ اس نے جہاں ایران، افغانستان اور ترکی کو سفارتیں روانہ کیں۔ فرانس کو بھی ایک سفارت روانہ کی۔ اس سفارت کو سلطان نے اختیارات دئے تھے کہ شاہ لوئی سے مندرجۂ ذیل شرائط پر معاہدہ کرے۔

قلم اول :۔ اس معاہدہ کی مدت دس سال ہو گی۔ یہ معاہدہ انگریزوں سے جنگ کرنے کیلئے کیا جاتا ہے۔ قلعہ چینا پٹن (مدراس) مع ملک کرناٹک اور دیگر بندرگاہیں بمبئی اور بنگالہ پر قبضہ ہونے تک انگریزوں سے صلح نہ کی جائے۔

قلم دوم :۔ اس معاہدہ کی تحت فرانس کو چاہئے کہ دس ہزار سواران کلاہ پوش کو ہندوستان روانہ کرے۔ یہ فوج جب پلچیری (پانڈیچیری) یا کلیکٹ یا سلطنت خداداد کی جس بندرگاہ پر بھی اتریگی۔ اس وقت سے انکی رہائش، خوراک، تنخواہ وغیرہ کا انتظام سلطنت خداداد کے ذمہ ہو گا۔ اور تمام جنگی سامان بارود اور گولہ سرکار خداداد فراہم کریگی۔

قلم سوم :۔ تمام فرانسیسی سردار و سپاہی جنگی معاملات میں سرکار خداداد کے حکم کی اطاعت کرینگے۔ اور اگر کسی سے تقصیر ہو جائے تو انصاف کے مطابق انہیں سزا

۱۷۸۴ء میں میسور کی دوسری جنگ ختم ہوئی اور انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان منگلور کے عہدنامے پر دستخط ہو چکے۔ تو مرہٹوں اور نظام نے سلطان کے خلاف معاہدہ ایت گیر کرتے ہوئے سلطنت خداداد پر چڑھائی کی تھی۔ سلطان کو اس وقت یقین ہو گیا کہ اہل وطن میں نہ مرہٹوں کو اپنے وطن کے تحفظ کی فکر ہے اور نہ نظام الملک نظام علی خاں کو ۱۷۶۱ء سے وہ دیکھ رہا تھا کہ کس طرح نظام اور مرہٹے بار بار سلطنت خداداد پر چڑھائی کرتے رہے ہیں۔ اور حیدر علی کے ان ارادوں میں مزاحم ہوتے رہے۔ جو انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے کر رہے تھے۔ یہ تو کھلی ہوئی بات تھی کہ ہندوستان میں اس کا کوئی حلیف نہیں تھا۔ سب کے سب ایسٹ انڈیا کمپنی کی جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اس سے بے خبر تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عزم و ارادے کیا ہیں۔ تنہا ایک سلطان ہی تھا جس نے اس راز کو سمجھ لیا تھا۔ اور بار بار مرہٹوں اور نظام سے اتحاد کی کوشش کی۔ لیکن ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی۔ اگر حالات یہیں تک محدود رہتے تو اور بات تھی۔ لیکن یہ طاقتیں انگریزوں سے مل کر اسکی سلطنت کو مٹانا چاہتی تھیں اس لئے اب بجز اسکے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنے لئے حلیفوں کی تلاش کرے۔ اسکی نظریں بیرون ہندوستان ترکی، ایران، افغانستان اور فرانس پر اٹھیں۔ ان میں فرانسیسی پہلے ہی سے ہندوستان میں موجود تھے۔

فرانسیسیوں کے متعلق اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ سوائے تجارت کے ہندوستان میں انکا اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ گو انہوں نے جنوبی ہند میں ارکاٹ کے معاملہ میں دخل دیا تھا۔ لیکن تاریخ داں جانتے ہیں کہ انہوں نے مجبوری ایسا کیا تھا۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں میں تجارتی رقابت تھی اور اسی لئے دونوں قوموں میں جنگیں برپا ہوئیں۔ اور ان جنگوں میں والاجاہ محمد علی نے انگلستان کو مدد دینی شروع کی۔ فرانسیسی گورنر مسٹر ڈوپلے نے

صرف دوستانہ تعلقات رکھنا کافی سمجھی۔ اس لئے کہ اس کو اپنے ملک میں انقلاب کا ڈر لگا ہوا تھا۔

فرانسیسی مورخ بجا طور پر لوئی کو الزام دیتے ہیں کہ اس نے اس زرین موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔"

بہر طور سفارت بے نیل و مرام واپس ہوئی۔ اس ناکامیابی سے سلطان مایوس نہیں ہوا۔ دوسری مرتبہ سلطان نے پھر ایک اور سفارت بھیجی۔ اس دفعہ سمندر کی موجیں اسکی کامیابی کی راہ میں حائل ہو گئیں۔ اور جہاز خراب ہو کر منگلور واپس ہو گیا۔

اس عرصہ میں میسور کی تیسری جنگ چھڑ گئی۔ مرہٹے، نظام اور انگریزوں نے مل کر سلطنت خداداد پر چڑھائی کی۔ سلطان کو شکست ہوئی۔ اور معاہدہ سرنگاپٹم کی رو سے اتحادیوں نے سلطان کا نصف ملک لے لیا۔ اس جنگ کے حالات میں بتلایا جا چکا ہے کہ کس طرح سلطان نے نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کی کوشش کی۔ کس طرح اس نے انکا وہ ملک جس پر سلطنت خداداد کا قبضہ ہو چکا تھا۔ انہیں واپس کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ اور کس طرح اس نے اس اتحاد کو دیرپا بنانے کیلئے نظام سے رشتہ داری کی تجویز کی۔ لیکن اس کو مایوس ہونا پڑا۔ جنگ میں شکست کے بعد اسکی زندگی صرف انتقام لینے کیلئے رہ گئی۔ لیکن وہ مرہٹوں اور نظام سے انتقام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو تڑپ تھی تو یہی کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ اس لئے اس نے پھر نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کرنا چاہا۔ اور اسی سلسلہ میں ایک اور سفارت فرانس کو روانہ کی گئی۔ اس سفارت میں حسین علی اور شیخ ابراہیم تھے۔ ۱۹ جولائی ۱۷۹۶ء کو جہاز پورٹ لوئی ماریشس میں لنگر انداز ہوا۔

جب جنرل ملارٹی کو معلوم ہوا کہ یہ ٹیپو سلطان کے سفیر ہیں تو انکے اعزاز میں ۱۵ توپوں

دی جائیگی۔ اور اس میں فرانسیسی سرداروں سے مشورہ لیا جائیگا۔

قلم چہارم :۔ تمام ملک کرناٹک اور قلعہ چیناپٹن پر قبضہ کرنے کے بعد قدیم الایام سے جن بندرگاہوں پر تجارت ہوتی ہے۔ اور انکی متعلقہ زمین اور ملک کنارا کی بندرگاہیں سرداران فرانس کے حوالے کی جائیں گے۔ اور قلعہ ترچناپلی، تنجاور اور ملک کرناٹک جو قدیم الایام سے اہل اسلام کی ملکیت ہے۔ سرکار خداداد کے مقبوضات متصور ہوں گے۔

قلم پنجم :۔ بندرگاہ بمبئی اور کلکتہ کی تسخیر کے بعد تمام بندرگاہیں اور انکی متعلقہ زمین فرانس والوں کے حوالے کی جائیگی۔ اور دوسرے علاقہ جات جن پر انگریز قابض ہیں، سرکار خداداد کی ملکیت متصور ہوں گے۔

(ان ہدایات کو سلطان کی ایک قلمی بیاض سے لیا گیا ہے۔ اور اسکی تصدیق اس اعلان سے بھی ہوتی ہے۔ جو فرانسیسی گورنر طارٹی نے مراشس میں کیا تھا۔)

فرانس کے بادشاہ لوی شانزدہم نے اس سفارت کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور اس خوشی میں خاص تمغے دے گئے۔ جن کی عبارت حسب ذیل ہے :۔

"ایلچیان ٹیپو سلطان غازی محمد درویش خان و اکبر علی خان و محمد عثمان خان

با ولیس بادشاہ فرانسیس ملاقات کردند ششم ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۲ ہر سہ ایلچیان

بدار الضرب اشرفی در ملکہ پرلیس تشریف کردند بتاریخ ہشتم ماہ ذی حجہ ۱۲۰۲ اشتہارہ"

(از صفحہ ۴۴، ۴۵ سیاحت نامہ کیاپٹن ٹل مطبوعہ لندن)

فرانس کے لوی کے وزراء ٹیپو سلطان کی ان شرائط کو دیکھکر اسکی دریا دلی اور جود و کرم سے بہت خوش ہوئے۔ انہیں ٹیپو کی آزادانہ ذہنیت نے متحیر کر دیا۔ اور وہ فرانسیسی سپاہیوں کو بھیجنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن لوی نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اس نے

جتنے بھی اسلحہ ہم یورپینوں اور خصوصاً فرانسیسیوں کیلئے ضروری ہیں۔ اس نے مہیا کرنے کا اٹل وعدہ کیا ہے۔ لیکن شراب وکباب یقیناً یہ چیزیں وہ ہمارے لئے مہیا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ہندوستان میں اس کا بالکل رواج نہیں۔ اور نہ اٹھے یہ مشروبات کہیں مل سکتی ہیں۔ اس نے ہمیں خط میں لکھا ہے کہ ہمارے استقبال کا اس نے بڑی گرمجوشی سے انتظام کیا ہے۔ اور دیکھو وہاں پہونچنے کے بعد فرانسیسی عہدہ دار اپنی ضروریات کی وہ تمام چیزیں تیار پائیں گے جو ایک یوروپین کو بوقت جنگ رکھنی ضروری ہیں۔ بہر حال وہ صرف اس گھڑی کا منتظر ہے جبکہ فرانسیسی اسکی امداد کیلئے پہونچیں۔ اور برطانیہ کی جڑ اکھیڑنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ یہ اس کی دلی تمنا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی راج نہ رہے۔ بلکہ خود ہندوستانی اپنے ملک سے مستفید ہوں۔ ۱۵۰ ویں رجمنٹ بندرگاہ فرانس پر متعین ہے۔ اس لئے ان کا بھیجا جانا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے شہر یہ ہماری تم سے التجا ہے کہ ٹیپو کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ سلطان ٹیپو نہ صرف افواج شاہی کا استقبال کریگا۔ بلکہ ہمارا ہر وہ شہری جو میسور جائے گا۔ مہر وعنایت کے دروازے اس کے لئے کھول دئے جائیں گے۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ جو شخص چاہے وہ فوجی ہو یا معمولی شہری میسور جائیگا۔ ٹیپو اسے اس فوری امداد کے صلہ میں ایک بڑی رقم دیگا۔ اسکے سفراء سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس کا مطلب بر آنے پر ان تمام فرانسیسیوں کو واپس کر دیا جائیگا۔ جو اپنے وطن کو واپس ہونا چاہتے ہیں۔"

بندرگاہ نارتھ ووسٹ　　۳۰ رجولائی ۱۷۹۸ء　　"ملارتی"

کی سلامی دی گئی۔ رعایا نے انکے ساتھ اظہار عقیدت کیا اور ان پر چو طرف سے پھول برسائے گئے۔ سلطان کے خطوط کا پاس رکھتے ہوئے جنرل ملارتی نے معاہدہ کیا۔ لیکن مراشس کی گورنمنٹ نے اس معاہدہ کو مسترد کر دیا۔

جنرل ملارتی اپنے معزز مہمانوں کو مایوس ہوتے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ "وہ ہندوستان کو فرانسیسی فوج روانہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔ اور برطانیہ کو نکال باہر کرنے میں سلطان کا ساتھ دیگا۔ اور ایک جنگی جہاز معہ سلطان کے خطوط کے پیرس روانہ کرکے فوری امداد کا مطالبہ کریگا"۔ سفراء کی روز افزوں مایوسی سے انہیں تکلیف ہونے لگی۔ اس نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو کوئی سلطان میسور کی امداد کیلئے ہندوستان جانا چاہیے اسے بخوشی روانہ کیا جاتا ہے۔ اعلان کی عبارت ذیل میں درج ہے:-

"آزادی اور مساوات! جمہوریہ فرانس یہی چاہتی ہے۔

اعلان ۔ منجانب اینی جوزف ہپولٹ ملارتی امیر اعظم و گورنر جنرل جمہوریہ فرانس حکومت متحدہ و نو آبادیات ورا س امید۔

شہریو! ہم نے ہمیشہ سے تم میں جوش اور ملک و قوم کی خدمات کا جذبہ پایا ہے اسی جذبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم تمہارا ٹیپو سلطان سے تعارف کرانا چاہتے ہیں ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہماری ایک معمولی سی امداد کے لئے اس نے کیا کیا خطرات قبول کئے ہیں، اس نے کئی خطوط نظارت عالیہ کو لکھے ہیں۔ اور یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی مدد کریں۔ وہ چاہتا ہے کہ فرانسیسی اسکے ساتھ خلط ملط ہو جائیں اور اسکے منشا کے موافق کام کریں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ ہم جب تک ہندوستان میں ٹھہرے رہیں گے۔ وہ ہمارے اخراجات کیا مالی کیا معاشی اور کیا جانی برداشت کریگا

بحر قلزم کے سواحل پر اپنا ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ میری اور میری فوج کی دلی خواہش اور تمنا ہے کہ کسی طرح آپ کو برطانیہ کے آہنی پنجہ سے چھٹکارا دلایا جائے۔ میرا خیال ہے کہ مسقط اور مونحا کے راستے آپ تک پہونچوں۔ لیکن اس سے قبل آپ کے ملک کی سیاسی حالت کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے آپ اپنے ایک سربرآوردہ اور دیانتدار عہدہ دار کو جس پر آپ پورا اعتقاد اور اعتماد رکھتے ہیں۔ سویز یا قاہرہ کے راستے روانہ کریں۔ جس کے ساتھ میں گفتگو کر سکوں۔" "نپولین"

ابھی یہ خط سلطان کو پہونچا بھی نہیں تھا کہ مصر میں انگریزی بیڑے نے اگست ۱۷۹۸ء میں اس فرانسیسی بیڑے پر اچانک طور پر حملہ کر دیا۔ جو خلیج ابوقیر میں لنگر انداز تھا۔ (اس جنگ کا نام جنگ نیل ہے) نتیجہ یہ نکلا کہ فرانسیسی بیڑا تباہ ہو گیا۔ نپولین یہ دیکھکر شام کی جانب بڑھا۔ جہاں ترکوں نے اس پر حملہ کر دیا اور وہ بندرگاہ عکہ میں محصور ہو گیا۔

اس طرح سلطان کی ان تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جو اس نے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کیلئے کی تھیں۔

نوٹ:۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ اس قسم کا کوئی خط جو نپولین کی جانب سے منسوب کیا جاتا ہے سلطان کے کاغذات میں نہیں ملا۔ اگر اس خط کی کوئی حقیقت ہوتی تو میجر اسٹوارٹ (جو داروغہ کتب خانہ تھا) ضرور اپنی یادداشتوں میں اس کا تذکرہ کرتا

نپولین کا یہ خط جعلی ہو یا اصلی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ انگلستان اسوقت ہندوستان میں ٹیپو سلطان اور یورپ میں نپولین سے سخت خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ انگلستان کی فضا میں نپولین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے فرانس کی پارلیمنٹ میں کہے تھے:۔

"یورپ اور ہندوستان کے درمیان آمد و رفت کا راستہ مصر ہی ہے۔ اس پر قابض

اس اعلان کے بعد جنرل مارٹن نے حسب وعدہ مرکزی گورنمنٹ (پیرس) کو متوقع فوائد کے زیر نظر توجہ دلائی اور سلطان کے خطوط پیرس روانہ کئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی جاسوسوں نے جو اس سفارت کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اسکی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ راستے میں ایک انگریزی جہاز نے اس فرانسیسی جہاز پر حملہ کر دیا۔ جو سلطان کے خطوط پیرس لیجا رہا تھا۔ فرانسیسی جہاز تباہ ہو گیا۔ اور اس طرح فرانس کی نظارت عاملہ کو ٹیپو سلطان کے یہ خطوط پہونچ نہ سکے۔

لیکن سلطان پھر بھی پست ہمت نہ ہوا۔ اس نے پھر ایک سفارت روانہ کی۔ اب فرانس میں نپولین کا دور دورہ تھا۔ اس سفارت میں دو میسوری سفیر اور ایک فرانسیسی امیر البحر ڈیبک تھا۔ فرانس کی نظارت عاملہ نے اس سفارت کا شاندار استقبال کرتے ہوئے نپولین کے آگے ٹیپو سے معاہدہ کرنے کی گذارش پیش کی۔ نپولین نے اس گذارش کے جواب میں ٹیپو سلطان کے نام مصر سے ایک خط لکھا:۔

"آزادی! مساوات!! بونا پارٹ!!!

ممبر آف دی نیشنل کنونشن۔ جنرل ان چیف

صدر مقام۔ قاہرہ

۲ر تاریخ

سال ہفتم۔ جمہوریت

میرے سب سے زیادہ عظیم الشان سلطان، میرے سب سے عزیز دوست ٹیپو سلطان کی خدمت میں!

آپ کو یہ اطلاع تو غالباً پہونچ گئی ہوگی کہ ہماری فوج ظفر موج نے آج کل

سے اس کو پابند کیا گیا تھا کہ کسی سے تعلقات نہ بڑھائے۔ فرانس سے اگر اس نے تعلقات بڑھائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا۔ نظام مرہٹے اور انگریز بار بار بغیر کسی وجہ کے اسکے ملک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نظام نے انگریزوں سے دوستی حاصل کرنے کیلئے اس کا ملک ۱۷۶۸ء میں ایک سند کی رو سے انگریزوں کو دے چکا تھا۔ جنرل میڈوز نے بلاوجہ اور بغیر اعلان جنگ فوج کشی کر دی تھی۔ لارڈ کارنوالس نے بھی یہی کیا۔ ان حالات میں سلطان کیلئے ایک حلیف کی ضرورت تھی۔ اس لئے نہیں کہ وہ دوسروں کا ملک اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ خالص اپنی حفاظت کیلئے۔ اس نے فرانس کو یہ نہیں لکھا کہ حیدرآباد اور مرہٹوں کا ملک انہیں دیا جائے گا۔ اسکی شان آزادی کی جھلک اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اس نے انگریزوں کو ملک سے بدر کرنے کے بعد فرانسیسیوں کو اختیار دیدیا تھا کہ اپنے ملک کو واپس چلے جائیں وہ ہندوستان کی ایک انچ زمین بھی سوائے ان تجارتی کوٹھیوں کے جہاں انگریزوں کا قبضہ تھا، فرانس کو نہیں دینا چاہتا تھا۔ فرانس اس وقت آزادی و جمہوریت کا دلدادہ تھا نپولین نے سلطان کو مدد دینا چاہا تو نہ صرف انگریز بلکہ ترک بھی اس کے سدِّراہ ہو گئے۔ قسطنطنیہ اور مصر میں انگریزی رسوخ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ سلطان کی سفارت ناکام رہ گئی اور مملوکوں اور ترکوں نے انگریزوں سے ملکر نپولین کے راستے میں حائل ہو گئے جس کی وجہ سے سلطان کی توقعات آزادیٔ ہند کے متعلق بر نہ آئیں۔

نپولین کی جس تقریر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو واضح کرنے کیلئے اس صفحہ کی پشت پر ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ یہ نقشہ سلطان کی ان تجاویز کو بھی سمجھنے میں مدد دیگا۔ جو اس نے ایران و ترکی کے آگے اسلامی ممالک و ہندوستان کی حفاظت کیلئے پیش کیا تھا۔

ہوکر ہم انگلستان کو تباہ کرسکتے ہیں۔ اس قبضہ سے بحیرۂ روم ہمارے قبضہ میں آجائیگا
اور وہ گویا فرانسیسی جھیل بن جائیگا۔ مصر پر قابض ہوجانے سے دو باتیں
ہمارے اختیار میں ہوجائیں گے۔ خواہ مصر کو فرنچ نوآبادی اور میگزین بنائیں
اور خواہ یہ کام لیں کہ انگلستان کے ایشیائی مقبوضات کو فتح کرنے کیلئے بحیرۂ
قلزم میں زبردست بیڑا بنائیں۔ ہندوستان کی تجارت راس امید کے راستے
زیادہ عرصہ نہیں ہوتی رہے گی۔ اور وہ ضرور مصر کی طرف عود کریگی۔ شام،
عرب اور کل آفریقہ کی تجارت کی منڈی تو اس وقت بھی قاہرہ ہی ہے
ان سب کی تجارت ہمارے ہاتھ میں آجائیگی۔ مصر بہت زرخیز ملک ہے۔ اور ہر
قسم کا اناج وہاں بافراط پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا قبضہ امریکہ کی فرنچ
نوآبادیوں کے چھن جانیکا خاصہ معاوضہ ہوجائیگا۔"

(تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم صفحہ ۲۵۹)

یہ تھے وہ الفاظ جو لارڈ ولزلی کو سلطنت خداداد کا جلد از جلد خاتمہ کرنے پر آمادہ کردئے تھے۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ اگر ایک طرف نپولین اور دوسری طرف ٹیپو سلطان اشتراک کریں تو پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہے۔

بعض مورخوں نے سلطان کو الزام دیا ہے کہ اس نے فرانسیسیوں سے کیوں خط و کتابت کی تھی۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسکی سلطنت تباہ ہوگئی۔ سلطان ایک آزاد حکمران تھا۔ اسکو اختیار تھا کہ جس سے چاہے دوستانہ تعلقات بڑھائے۔

آجکل بھی دنیا کی تمام سلطنتیں یہی کرتی ہیں۔ اور اپنی حفاظت کیلئے دوسروں سے معاہدے کئے جاتے ہیں۔ اگر سلطان نے بھی یہی کیا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ اور نہ کسی معاہدے

انتظامِ سلطنتِ خداداد

نقشہ جس میں یورپ سے ہندوستان کا راستہ براہ راس امید دکھایا ہے۔ موجودہ راستہ براہ جبرالٹر، سویز و عدن سے
ٹیپو سلطان نے ہندوستان سے براہ عمان۔ بصرہ و استنبول تجویز کیا تھا۔

اور مرہٹی۔ بعض مقامات کیلئے مرہٹی کے عوض دکھنی زبان کا رواج تھا۔ ہر فرمان آصف ضلع کے پاس روانہ کیا جاتا۔ اور وہ اسکی نقل اپنے دستخط سے عاملان تعلق کو بھیج دیتا تھا۔ جہاں سے وہ طرفداروں (شیخداروں) میں تقسیم ہوتے تھے۔

زمانہ قدیم سے میسور میں قصبوں اور دیہات کا انتظام پٹیل اور شانبھوگ کرتے آئے ہیں سلطنتِ خداداد کے وقت ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور آج بھی یہی طریقہ جاری ہے۔

(نوٹ:۔ ہندوستان میں شانبھوک اور پٹیل کو پٹواری اور ذیلدار کہا جاتا ہے۔)

سلطنتِ خداداد میں سلطان نے علاوہ معمولی کاموں کے یہ کام بھی انکے ذمہ کردیا تھا۔ کہ اپنے علاقوں میں جو شاہراہیں اور دوسرے اہم راستے ہوں انکی دیکھ بھال کریں اور سایہ کیلئے دو طرفہ درخت لگاتے رہیں۔ راستوں کی مرمت اور دیہاتوں کی حفاظت کیلئے جو دیواریں یا جھاڑیاں ہوں ان کو اچھی حالت میں رکھیں۔

انتظام ضلع و تعلقہ

نواب حیدر علی کے بعد جب سلطان تخت نشین ہوا تو اس نے تمام ملک کو پانچ ہزار ہن کے تعلقوں پر تقسیم کردیا۔ اور انتظام کیلئے مندرجہ ذیل عملہ رکھا گیا:۔

ہر تعلقہ کیلئے:۔ ایک عامل۔ ایک سررشتہ دار۔ تین محستد۔ چار طرفدار (شیخدار) چھ اتھاونی[ف۱] چپراسی

ماہانہ تنخواہ:۔	۱۰ ہن	۵ ہنا	۴ ہن	۳ ہن	۲ فنم
	ایک گنگہ[ف۲]۔	ایک صراف	ایک فارسی منشی	ایک چپراسیوں کا نائیک (ڈفعدار)	
	۸ فنم	۸ فنم	۱ ہن	۸ فنم	

ف۱ اتھاونی:۔ وجیانگر کے زمانہ میں میسور میں ملگذاری کے چپراسیوں کو اتھاونی اور فوجی سپاہیوں کو کنڈاچار کہا جاتا تھا۔

ف۲ گنگہ:۔ جسکے ذمہ روپیہ رکھنا اور جمع پونجی کا کام تھا۔ آج بھی میسور کے تعلقوں اور قریہ میں خازن کو گنگہ یا گرزی کہا جاتا ہے تعلقوں اور شہروں میں جتنی فوج رکھی جاتی تنخواہ ۲ ہن سے ۸ ہن تک ماہانہ تھی۔ اسکے علاوہ جو ذخائر وغیرہ تھے وہ درجہ بدرجہ بھی تقرر تعداد تھی)

انتظامِ سلطنتِ خداداد

سلطان نے جس اصول پر سلطنت خداداد کا انتظام کیا تھا۔ اسکی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

سلطان بحیثیت بادشاہ ہونے کے حاکم اعلےٰ تھا۔ اور ہر فرمان پر سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

انتظامِ سلطنت کیلئے سب سے بڑا محکمہ صدر الصدور تھا۔ جس کا صدر دیوان اور اسکے بعد دوسرے وزراء تھے۔ جنکے ماتحت مختلف محکمے تھے۔ سلطنتِ خداداد سے پیشتر ہندوراج میں یہ محکمے اٹھارہ کچہری کہلاتے تھے۔ اور ان اٹھارہ کچہریوں کو بلحاظ انکی نوعیت کے علیحدہ علیحدہ نام دیئے گئے تھے۔ حیدر علی اور سلطان نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ ان میں اور محکموں کا اضافہ کر دیا۔ گو بڑے محکمے اٹھارہ ہی تھے۔ دراصل یہ محکمے باب حکومت تھے۔ جسکو آجکل سکریٹریٹ کہا جاتا ہے۔ اور ہر محکمے کیلئے ایک میر آصف مقرر تھا۔ جو اپنی رپورٹ وزراء کو دیتا تھا۔ تاریخ نشانِ حیدری میں ان محکموں کی تعداد ۹۹ بتائی گئی ہے اور وجہ یہ لکھی جاتی ہے کہ ننانوے اسمائے الہٰی کے صفات کے لحاظ سے جو نظام قدرت کے قیام کیلئے قادرِ مطلق نے خود قائم کیا ہے۔ سلطان نے بھی ۹۹ محکمے قائم کئے۔ اور ان ہی محکموں سے تمام عاملان حکومت کے نام احکام جاری کئے جاتے تھے۔ جن پر صدر محکمہ کے دستخط کے بعد وزیر یا دیوان اور سب سے اخیر میں سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

ان محکموں سے جو فرمان جاری ہوتے وہ تین زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ فارسی۔ کنڑی،

(۲) سید امام	(۲) سید غلام محی الدین
برادر حقیقی	میر میراں
عملدار ہوسدرگ	

نسبت ایشاں درخانہ شیخ محی الدین باشندۂ دورگ ونسبت والد ایشان درخانۂ شیخ ندیم باشندۂ بیجاپور ونسبت جد ایشاں درخانۂ علاؤ الدین باشندۂ بیجاپور۔
پنجاہ وپنج سالہ

(۲) عامل عالمباری باسم سید امام ولد سید حسین ابن سید بڈھن قوم سادات حسینی مذہب حنفیہ پیدایش پنکنڈہ وپیدایش والدہم وپیدایش جدہم پنکنڈہ

اقارب	واقف
(۱) سید رسول عامل دویم	(۱) سید رسول عملدار
گلشن آباد	بلے ہنود ۔ کچھری نگر
برادر حقیقی	
(۲) شیخ محمد عامل	(۲) عملدار برکے
تعلقہ مصطفےٰ آباد	باسم سید احمد
برادر نسبتی	

نسبت ایشان درخانہ سید حسین باشندۂ پٹن نسبت والد ایشان درخانہ سید مصطفےٰ باشندۂ پٹن نسبت جد ایشان درخانہ سید مجن باشندۂ کولار ۔ سی سالہ

(اقتباس از کتاب "دریافت حسب نسب عاملان میر آصف کچہری

روبروی سید محمد میر آصف ومیر فخر الدین میر میراں وشیخ اسمٰعیل میر خانساںؒ)

حدودوسعت اورآبادی کے لحاظ سے ہر بیس سے تیس تعلقوں پر ایک آصف مقرر ہوتا تھا جس کا دفتر ضلع کے صدر مقام میں رہتا تھا۔ اوراسکے تحت میں مندرجۂ ذیل عملہ تھا۔

ہر ضلع کیلئے:-	آصف اول، آصف دوم۔	دو سررشتہ دار	دس محرر	چالیس چپراسی	ایک صراف
ماہانہ تنخواہ:-	۵۰ سے ۱۰۰ ہن تک	۱۵ سے ۲۰ ہن	۱ سے ۵ ہن	۱ سے ۵ فلم	۲ ہن

ایک منشی	ایک شیلچی	ایک فارسی داں سررشتہ دار	ایک فارسی داں محرر	ایک گلہ (خازن)
۸ ہن	۱ سے ۵ فلم	۱۵ سے ۲۰ ہن تک	۸ ہن	۲۰ ہن

سول لسٹ سلطنت خداداد میں تمام سرکاری ملازمین کی ایک فہرست یا سول لسٹ رکھی جاتی تھی۔ یہ فہرستیں ضلع وار تیار ہوتی تھیں۔ انکی ایک نقل محکمۂ صدرالصدور میں اور ایک نقل ضلع کے میر آصف کے دفتر میں رہتی تھی اس قسم کی ایک سول لسٹ جو ضلع جعفرآباد سے متعلق تھی مصنف کی نظر سے بھی گذر چکی ہے۔ اور اسی سے یہاں اقتباس دیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کس قدر جامع اور وقتِ ضرورت مطلوبہ شخص کے حالات کا پتہ لگانے میں کس قدر مدد و معاون ہوسکتی ہے۔

کچہری جعفرآباد

(۱) عامل اتی پیادہ باسم سید محمد ولد سید جلال الدین ابن سید سلطان مذہب حنفیہ قوم سادات حسینی پیدائش فرحیاب حصار و پیدائش والدایشان شاہ نور و پیدائش جدایشان بیجاپور۔

اقارب	واقف کار
(۱) میر محمد سید سلطان	(۱) منشی حبیب اللہ
برادر حقیقی	در حضور

نام جاری کیا تھا۔

تصدیق باسم
عامل کولار

سواری بقیمت چہار صد روپیہ بادہ و بچہ کشتی باید کرد۔ اگر ندارد
منجملہ تحریر کہ در صدر مسطور است طلب نخواہد شد و تاریخ داشتند
اسپ در دفاتر متصدیان باید نویسانید۔

موازی یک صد و پنجاہ نفر را مبلغ یک صد و شصت و ند رانچے در ماہ مقرر فرمودہ شد
باید کہ بعد انقضای ایام مذکور قسم زر موافق نرخ بازار در وجہ طلب و تحریر بموجب تفصیل
صدر تقسیم باید نمود۔ منجملہ مردمان قدیم کسانیکہ مثل حضور و کچہری شدہ منشور و رقم کچہری
آوردہ باشند آنہا را من ابتدائے غرۂ ماہ احمدی سال ساحر ۱۲۲۱ محمد موافق تصدیق
طلب بدہند و آنندہ کسانیکہ از حضور پرنور و کچہری مثل شدہ رقم و منشور لامع النور
بیارند۔ از روز داخل شدن تعلقہ و حاضر بودند بکار سرکار خداداد موافق نوشتہ
صدر طلب باید داد و در تعلقہ مذکور مردم قدیم مثل عامل را از تاریخ مذکور
ذکور السنہ طلب دادہ و نو ملازم را از تاریخ نو ملازمی وجہ در ماہ دست بدست تقسیم
نمایند و عوض زر تقسیم شدہ ماہ بماہ قبض الوصول می گرفتہ باشند و وجہ در ماہ ماہ
نباید کہ بعد ۳ سال یک تعدی آید و او نو در کار نیست و از پیادہ ہائے متعینہ قلعہ نوشتہ
صدر و تحصیلے اگر ہنگامہ و زد و پایگاران غیرہ شود و جمعیت آنہا ازیں دو چند باشد از
پیادہ ہائے مذکور رعایا ئیکہ برائے داشتن تفنگ با آنہا حکم فرمودہ شد تنبیہ دزداں باید

محکمۂ پولیس

نواب حیدر علی خاں کے زمانہ میں محکمہ پولس اعلیٰ درجہ پر تھا۔ اس پولس کے ساتھ خفیہ پولس بھی تھی۔ جو مشتبہ لوگوں کی نقل و حرکت پر نگرانی رکھتی تھی۔ اور یہ اکثر سرحدوں پر متعین تھی۔ نواب حیدر علی ان سے اکثر یہ کام بھی لیتے تھے کہ اپنے امراؤ وزراؕ کے خیالات سے آگاہ ہوں۔ سلطان کے زمانہ میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پولس اپنے کام میں اس قدر مستعد رہتی تھی کہ ایک مرتبہ ایک خونی مجرم سرنگاپٹم سے فرار ہوا اور تین دن کے اندر اندر اس کو دوبارہ ماگڑی کے جنگلوں میں گرفتار کر لیا گیا۔ پولس کے ذمہ خصوصًا رعایا کے امن و امان کا کام تھا۔ رعایا کے امن و آسائش کا سلطان کو اس قدر خیال تھا کہ اس نے پولس کو رعایا کے جان و مال کی سلامتی کا ذمہ دار بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کہیں چوری ہو جائے تو افسران پولس اسکے ذمہ دار گردانے جاتے تھے۔ اور جو نقصان کہ رعایا کو ہوتا تھا۔ اسکی تلافی ان افسرانِ پولس کی تنخواہ سے کی جاتی تھی۔ جو اس جگہ مامور ہوتے تھے۔

اور جس جگہ قزاقوں اور ڈاکوؤں کا خوف رہتا تھا۔ وہاں رعایا کو بھی ہتھیار رکھنے کیلئے لائسنس دئے جاتے تھے۔

پولس کو ماہ بماہ تنخواہ تقسیم کی جاتی تھی۔ اور نئے ملازموں کو پیشگی رقم دیکر ان سے ہر ماہ تھوڑی تھوڑی رقم وصول کر لی جاتی تھی۔

تمام محکموں میں ملازموں کو ہر سہ سال پر ترقی دی جاتی تھی اور ہر تین سال کے خاتمہ پر یکمشت رقم بھی بطور انعام دی جاتی تھی۔ اور اس مبلغ سے وہ رقم جو بطور پیشگی دی جاتی تھی۔ وضع کر لی جاتی تھی۔

مذکورۂ بالا بیان کے ثبوت میں سلطان کے اس فرمان کی نقل دیجاتی ہے جو اسنے محکمۂ پولس کے

محکمۂ ڈاک

رسل و رسائل کیلئے محکمہ ڈاک قایم تھا۔ اس زمانہ میں ایک شہر کر دوسرے شہر سے سواروں اور پیادوں کے ذریعہ ڈاک بھیجی جاتی تھی۔ ڈاک کو جلد از جلد پہنچانے کیلئے سلطان نے محکمۂ ڈاک کے ملازموں کو تین گروہ پر تقسیم کیا۔ جن میں سب سے تیز رو قاصدوں کو بجلی اور ڈاک تقسیم کرنے والوں کو آنچے کا نام دیا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو ڈاک کا انتظام کرتا تھا۔

نوٹ :۔ آج بھی ریاست میسور، ملیبار و ٹراونکور کے دیہات میں چٹھی رسانوں کو آنچل ہی کہا جاتا ہے اور بہت سے خاندان آنچل کے نام سے موسوم ہو گئے ہیں۔ (محمود)

مالگذاری منشیات

حیدر علی کے زمانہ میں منشیات جیسے شراب، تاڑی، افیون وغیرہ پر حسب معمول اور قدیم طریقہ پر محصول لیا جاتا تھا۔ جب سلطان تخت نشین ہوا تو نشہ کی چیزیں فروخت کرنے کیلئے لائسنس (سرکار سے منظوری) حاصل کرنیکا فرمان جاری کر دیا اور بغیر لائسنس کوئی شخص انکی خرید و فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنیوالے کیلئے سخت سزا مقرر تھی۔ اس طرح منشیات پر جب پابندیاں عاید ہو گئیں تو چند سال کے بعد ہی سلطان نے تمام سلطنت میں منشیات کا استعمال بالکل ممنوع قرار دیدیا۔ اس سلسلہ میں سن اور خشخاش کی کاشت کرنا بند کر دی گئی۔ اور اس پر اس سختی سے عمل کیا کہ لوگوں کو اپنے خاص باغوں میں بھی انکے بونے کی اجازت نہیں تھی۔ صندولے کے درخت جن سے تاڑی نکلتی ہے۔ تمام سلطنت میں کٹوا دئے گئے اور احکام جاری ہوئے کہ آئندہ کوئی درخت نہ بویا جائے۔ منشیات کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دینے سے اگرچہ سلطنت کی آمدنی میں کافی کمی واقع ہو گئی۔ لیکن سلطان کو رعایا کی اخلاقی ترقی اور مفاد اس درجہ عزیز تھا کہ اس نے اس خسارہ کی کوئی پرواہ نہیں

نمود۔ بدیں موجب اگر بندوبست نہ نمود، تغافلے کرد بآرام خواہند نشست نصیحتے کہ
بروزواں مقرراست بشما خواہد شد وطلب مردمان صدر از ابتدائے نوملازمی از شما
گرفتہ خواہد شد۔ ایں معنے یقین دانستہ بندوبست باید نمود۔ سوائے آں اگر بیگار وندعاں
ازیں افزودہ شود تحقیق کرد۔ بدستخط و مہر شما کہ فلانے بجمعیت ایں قدر آمدہ است
بحضور عرض داشت نوشتہ بفرستید بندوبست آں از حضور نمودہ خواہد شد
ومرمت قلعہ بروقت از رعایائے متعلقہ بعمل آوردہ درست دارند۔ چوکی و پہرہ
قلعہ از پیادہا متعینہ بعمل آوردہ باشند۔ منجملہ پیادہائے کنڈاچار ہر قدر کہ بعلاقہ
قلعہ مقرر گشتہ و ہر قدر کہ باقی باشند آنہا را معہ کار زراعت سازند

تحریر فی التاریخ

(نبی مالک)

بست و پنجم ماہ احمدی سال ساحر شنہ ۱۲۲۱ محمدی پادچہ سمر ہندی

الواثق باعطاف السلطان المبین
السید محمد صادق آصف حضور پُرنور

الواثق باعطاف السلطان المبین ... السید ... آصف ...

۱۲۲۱

۱۲۲۱

(نوٹ:۔ جہاں کہیں فرماں میں الفاظ دُت گئے تھے۔ انہیں چھوڑ دیا گیا ہے (محمود)

جہاں تک ہو سکے، اپریل والے کی تنخواہیں بے باق کر دیں۔"

نوٹ :۔ اپریل میں سرنگا پٹم کا محاصرہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے ذمہ صرف اپریل کی تنخواہ تھی، اوائل مئے میں سلطنت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

رشوت کا سدباب

میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھا ہے :۔

" سلطان کو رشوت سے اس قدر نفرت تھی کہ ماہ جون ۱۷۹۳ء میں سلطان نے اپنے تمام ۳۷ آصفوں اور انکے عملے کو دارالسلطنت میں طلب فرمایا اور یہاں اٹھارہ کچہری (سکرٹریٹ) کے عملے کے ساتھ انہیں محل میں مدعو کر کے ان سے اقرار لیا کہ کبھی سے رشوت نہ لیں گے۔ مسلمان قرآن پر، برہمن اپنی شاستروں پر اور بعض دوسرے دودھ اور چاول پر قسم کھائے۔"

اسی جرنل میں لکھا ہے کہ :۔

" باوجود حلف اٹھانے کے بھی بہت سے افسروں نے اس پر عمل نہیں کیا۔"

لیکن جب کبھی سلطان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی افسر نے رشوت لی ہے تو وہ بالکل سخت سزا دیتا تھا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

" میر صادق ایسے واقعات سلطان تک پہنچنے نہیں دیتا تھا، اس لئے کہ وہ خود ہی لوگوں پر ظلم کرتا تھا۔"

عاملانِ حکومت کی مجلس مشاورت

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

" ٹیپو سلطان نے اپنے افسران ضلع کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر سال وہ پایۂ تخت میں جمع ہو کر انتظامی معاملات میں

کی۔ تورنگ لکھتا ہے :-

"ٹیپو نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک عاقل ریفارمر کا کام کیا تھا"

رئیس لکھتا ہے کہ :-

"منشیات کو ممنوع قرار دینے سے سلطنت کی آمدنی میں جو کمی ہوئی۔ اس کو سلطان نے دوسرے طریقوں سے پورا کیا"

لگان کی وصولی زمین کی تقسیم اور مالگذاری کے متعلق سلطان کے ملکی اصلاحات کے زیر عنوان مفصل لکھا گیا ہے۔ اس لئے یہاں صرف مورخ رئیس کی کتاب سے یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ ہر علاقہ میں سلطنت کی جانب سے دو برہمن ہرکارے خفیہ اطلاعات بھیجنے کیلئے مامور تھے۔ انکے ذمہ یہ کام تھا کہ کاشتکار کو اگر حاکم ضلع یا تعلقہ سے کوئی شکایت ہو تو اسکی اطلاع صدر دفتر میں دیجائے۔ اور ہر سال تمام بنجر زمینوں کی بھی اطلاع دیں۔ حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان انہیں خوف تھا کہ عمالان حکومت کاشتکار سے بنجر زمین کا لگان بھی وصول نہ کریں۔ یہ ہرکارے حاکم ضلع یا تعلقہ کے ماتحت نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے انکی تمام اطلاعات براہ راست صدر دفتر میں موصول ہوتی تھیں۔ اسکی وجہ سے عمالان حکومت کو رعایا کو ستانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

تقسیم تنخواہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانہ میں ہر ملازم کو ماہانہ تنخواہ وقت مقررہ پر ملتی تھی۔ اسکی پابندی کا سلطان کو حد درجہ خیال تھا۔ کہ ملازمین کو تکلیف نہ پہونچے۔ اس کا ثبوت لارڈ ولزلی کے خطوط سے بھی ملتا ہے۔ جو اس نے تسخیر سرنگاپٹم کے بعد جنرل ہارس کے نام لکھا تھا :-

"آپ فوراً تمام قلعداروں اور اعیوں کی تنخواہ فیصل کرنے کی طرف توجہ کریں اور

ارتکاب جرم کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔"

چوری کے متعلق رئیس لکھتا ہے :۔

"چور کا پتہ چلانے سے پیشتر چوری گیا ہوا اسباب تلاش کیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ خوف تھا کہ کہیں اس نقصان کی تلافی عاملانِ حکومت کی تنخواہ سے پوری نہ کی جائے۔"

مقدمات کے متعلق یہی مصنف لکھتا ہے :۔

"اس زمانہ میں تنازعات بالکل شاذ و نادر ہوتے تھے۔ جب مقدمہ پیش ہوتا تو مدعی و مدعا علیہ دونوں عدالت میں حاضر ہو کر اپنے بیانات دیتے، اور تائید میں سندات پیش کرتے۔ گواہوں کا بیان لیا جاتا۔ مگر ان سے قسم نہ لی جاتی تھی۔ تمام مقدمہ سن کر پنچایت کے لوگ اس کی تحقیق کرتے۔ اور رجع کر اپنا بیان دیتے۔ ہر ایک کارروائی زبانی ہوتی تھی۔ فریقین سے مچلکہ یا ضمانت لے لی جاتی تھی کہ پنچایت کے فیصلہ پر وہ راضی ہیں۔"

مذکورۂ بالا سطور سے ظاہر ہے کہ مقدمات پر فریقین کی ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوتی تھی۔ اور مقدمے عدالت میں جس دن داخل ہوتے تھے فیصل ہو جاتے تھے۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں اسٹامپ کورٹ فیس وغیرہ کے مصارف ہرگز نہیں ہوا کرتے تھے۔

انتظام سلطنت کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ

مجلسِ وطنی

بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں کہ سلطان نے اپنی سلطنت کے انتظام میں رعایا کو حصہ دینے کیلئے پارلیمنٹ یا مجلسِ وطنی بھی قایم کی تھی۔ اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" تھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ شخصی اقتدار کا خاتمہ

مشورہ کریں۔

آج انگریزی حکومت میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ چند سال سے ہر صوبہ کے کلکٹروں کی ایک کانفرنس صوبہ کے کسی ایک مقام میں منعقد ہوتی ہے۔ جس میں تبادلہ خیالات کے علاوہ انتظامی معاملات پر بحث و مباحثہ بھی ہوتا ہے۔

عدالت و انصاف

ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک پنچائت مقرر تھی۔ قدیم دستور کے مطابق ہر گاؤں میں پٹیل معمولی تنازعات کا پنچائت کی رائے سے فیصلہ کر دیتا تھا۔ تعلقوں اور ضلعوں میں عامل اور آصف فیصلہ کرتے تھے۔ اگر فریقین مقدمہ کو اس فیصلہ سے تشفی نہ ہوتی تو مقدمہ صدر عدالت تک اور اسکے بعد سلطان تک پہونچایا جاتا تھا۔ صدر عدالت میں دو حاکم رہتے تھے۔ ایک مسلمان اور ایک ہندو۔

مسلمانوں کے شرعی مقدمات کیلئے ہر شہر میں قاضی مقرر تھے۔ اور یہ بھی پنچائت کے ذریعہ ہی فیصلہ کرتے تھے۔ شرعی مقدمات بھی صدر عدالت تک پہنچائے جاتے تھے۔ خاص ہندوؤں کے مقدمات شاستروں کی رو سے پنڈت فیصلہ کرتے تھے۔ قاضیوں کے ذمہ علاوہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے مندرجہ ذیل کام بھی تھے۔

کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"قاضیوں کا یہ کام بھی تھا کہ خصوصاً جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی حاضری دیکھیں اور مسلمانوں کو منشیات سے دور رکھیں (یعنے فرائض محتسب بھی ادا کریں) اس زمانہ میں مقدمات شاذ و نادر ہی فیصلہ کے لئے آتے تھے۔ کیونکہ چوروں اور مجرموں کو سخت اور عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ جن سے دوسروں کو

فوجی انتظام

(فوجی انتظام کے متعلق اردو فارسی تاریخوں میں کچھ سواد نہیں ہے۔اس لئے
تمام مضمون انگریزی تاریخوں سے لیا گیا ہے)

بَرّی فوج

جس طرح ملکی انتظام کیلئے مختلف محکمے قایم کئے گئے۔ اسی طرح فوجی انتظام کے لئے بھی علیحدہ محکمہ قایم ہوا۔ اور اس کے ماتحت دوسرے محکمے تھے۔

یہ تمام محکمے گیارہ سپہ سالاروں کے ماتحت تھے۔ جن کا صدر مقام سرنگاپٹم تھا۔

فوجی محکمے

(۱) پیادہ فوج (۲) تعمیر قلعہ جات (۳) سوار فوج (۴) توپ خانہ (۵) کمسریٹ۔
(۶) چراگاہیں (۷) تنخواہ (۸) بحری فوج (۹) تعمیر جہازات (۱۰) تیاری سامان حرب وغیرہ (۱۱) محکمۂ نظارت (انسپکٹر)

سلطنت کے کل رقبہ کو ۲۲ فوجی اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ہر رقبہ ایک سپہ سالار کے ماتحت تھا۔ جس کے ماتحت ۲۰ سے ۳۰ سپہ دار ہوتے تھے۔

بہ حیثیت بادشاہ ہونے کے سلطان فوج کا سب سے بڑا افسر یا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔

ولکس لکھتا ہے:۔

"میر غلام علی (لنگڑا) وزیر فوج اور انسپکٹر جنرل قلعہ جات اور میسیم بھی تھا"

سلطنت خداداد میں کل فوج کی تعداد تین لاکھ بیس ہزار تھی۔

سلطان کی بری فوج کے انتظام کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھتا ہے:

کر کے ہوئے ملک کی زمامِ حکومت رعایا کے ہاتھ میں دیدی جائے۔ اور بادشاہ ایک کانسٹیٹیوشنل (آئینی) حکمران رہے۔ اس مجلس کو "زمرۂ غم نہ باشد" کا نام دینے سے اسکی مراد یہ تھی۔ کہ پھر سلطنت کو کسی طرح کا اندرونی خطرہ باقی نہ رہیگا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک اس وقت اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھا کہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ مگر اس مجلس کے قیام سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سلطان کے دل میں جمہوریت اور مساوات کا کس قدر احساس تھا۔ اس سلسلہ میں کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے :۔

"جمہوریت جس کی اس وقت فرانس میں دھوم تھی وہ یہاں ٹیپو کے پاس کوئی نئی یا تعجب خیز بات نہیں تھی۔ اس نے ہر شخص کو مساوات دے رکھی تھی"۔

لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس زمانے میں ملک اس مجلس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں ایسے لوگ منتخب ہوئے جو حکومت کے نااہل تھے۔ مورخ کرمانی نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ :۔

"یہ لوگ میر صادق کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے"۔

اور اس طرح یہ جماعت نہ ہونے کے برابر تھی۔

نوٹ :۔ اسلامی مورخین نے جو زوال سلطنت کے بعد ہی تاریخیں لکھی ہیں۔ انہوں نے یہی یہ سمجھا ہی نہیں، کہ یہ مجلس یا پارلیمنٹ کیا ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے گو اس کا ذکر تو کیا ہے۔ لیکن قسم قسم کی تاویلات سے کام لیا ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک فوجی دستہ تھا۔ اور کسی نے اور کچھ لکھا ہے۔ کرمانی بھی اسکی تہ تک نہیں پہنچا۔ ورنہ وہ ضرور اسکی اہمیت کو نمایاں کر دکھاتا۔ اس نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ غم نباشد کے حروف تہجی سے مراد مندرجۂ ذیل قومیں لی گئی تھیں :۔

غ ۔ غیر وطنی۔ م ۔ مغل اور مرہٹے۔ ن ۔ نوائط۔ ب ۔ برہمن اور سندھ ۔ ا ۔ افغان۔ ش ۔ شیعہ۔ د ۔ اہل دکن ۔ اہل شہر

(۳) سلحدار جن کے اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے۔

(۴) صناع جیسے معار وغیرہ

(۵) بار یعنے باقاعدہ پیادہ فوج

(۶) باڈی گارڈ یعنے محافظ فوج

(۷) مختلف شہروں اور قلعوں کی محافظ فوج

(۸) افریقی (حبشی) فوج

(۹) ہرکارے اور جاسوس

(۱۰) پائنیر یا سفرمینا

(۱۱) بہیر اور خیمہ و باربردار

(۱۲) لوہار و بڑھائی۔ جو اسلحہ سازی کے کارخانوں میں کام کرتے تھے؟

اوپر جو مختلف مورخوں کی تحریروں سے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنت کا فوجی محکمہ کس قدر بڑا اور باقاعدہ تھا۔ یہی نہیں کہ سلطنتِ خداداد کی فوج اس زمانے میں نہایت ہی منظم تھی۔ بلکہ اس زمانے کے جدید سے جدید اسلحہ سے بھی مسلح تھی۔ اور یہ اسلحہ سلطنت خداداد میں اس قدر تیار ہوتے تھے کہ جنگی نقطہ نظر سے فوج میدان جنگ کیلئے ہر وقت تیار رہتی تھی ان اسلحہ کیلئے سلطنت خداداد یوروپین یا دوسرے کسی ملک کی محتاج نہیں تھی۔ بلکہ تمام کے تمام چھوٹے بڑے اسلحہ ملک کے اندر ہی تیار ہوتے تھے (نوٹ۔ تفصیلات صنعت و حرفت کے باب میں دیا گیا ہے)

سلطان نے تمام فوجی انتظام یوروپین طرز پر رکھا تھا۔ اس نے فوجی افسروں کی تربیت کے لئے ایک مدرسہ قایم کیا۔ اور پایۂ تخت میں ایک مسل (ملٹری لیباریٹری) بھی تھا۔ فوج کے لئے ایک خاص وضع کی وردی تھی۔ گو مختلف رجمنٹوں کیلئے مختلف رنگ تھے۔

"سلطان نے ایک فرمان کی رو سے بری فوج کو جس کا نام "پیادہ عسکر" تھا، پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کیا تھا۔ اور ہر ڈویژن میں ۲۷ قشون یا رجمنٹیں تھیں۔ اور ہر رجمنٹ میں ۱۰۹۲ سپاہی تھے۔ جن میں ۱۰۵۶ سپاہیوں کے پاس بندوقیں ہوتی تھیں۔ ہر رجمنٹ کے ساتھ دستے بار برداری کے جوان بھی تھے۔ ہر رجمنٹ میں دو توپیں اور گولہ انداز بھی رہتے تھے۔

سوار فوج کو سلطان نے تین محکموں میں تقسیم کیا تھا۔

باقاعدہ کیولری۔ سلحدار۔ کازک۔

ان میں اول الذکر کو سوار عسکر کہا جاتا تھا۔ اس عسکر کے تین ڈویژن تھے۔ جن میں ہر ایک میں چھ رجمنٹیں اور ہر رجمنٹ میں ۳۷۶ سوار متعین تھے۔ ان سواروں کو گھوڑے دئے جاتے تھے۔ لیکن سلحدار اور کازک جو تعداد میں چھ ہزار اور آٹھ ہزار تھے، اپنے خاص گھوڑے رکھتے تھے۔"

اس فوج میں نو سو ہاتھی۔ چھ سو اونٹ۔ تیس ہزار گھوڑے اور چار لاکھ باربرداری کے بیل تھے۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۲ پر لکھتا ہے:۔

"ملک کی مدافعت کے لئے ایک لاکھ اسی ہزار کی بہترین منظم باقاعدہ فوج تھی۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار پانچسو کی امدادی فوج تھی۔ جو مختلف فوجی کاموں پر مامور تھی۔

(۱) مستقل سوار فوج

(۲) پنڈاروں کی سوار فوج

ضمیمہ:- ایسے نسخہ جات جو بوقت ضرورت فوج کیلئے کار آمد ہوں۔

اسی کتاب سے وہ فوجی ترانے جو بیانڈ اور بگل کیلئے وضع کیے گئے تھے۔ نقل کئے جاتے ہیں۔ اور وہ نسخے بھی جن کا ذکر ضمیمہ میں کیا گیا ہے۔ لکھے گئے ہیں۔

در نغمہ ابیض بیت وقت طلوع صبح

تا سفیدہ شد وماں گردید ظلمت منتشر　　از عروج دیں شدہ مخذول کفار جہاں

بیت۔ وقت دوئیم نہضت

وصفِ عزمِ لشکرِ شاہنشہ دارا غلام　　می نماید صفحہ را چوں مہر تاباں راہوار

بیت۔ وقت سوئیم نہضت

ہر کجا گردد سیاہت جلوہ گر اے شاہ دہر　　نصرت و فتح و ظفر گردد ز گردش آشکار

در نغمہ اصفر بیت وقت چاشت و تبدیل منقلا

چو راکب گشت فوج و لشکر شاہ جہاں آئیں　　کند بر منقلائے او فلک فتح و ظفر تعیں

بیت وقت سرور و فرحت

چو گیرد رعد در کف چابک برق ابر میگرید　　ز ہول شاہ زنیساں گافراں غرق اندر شاشا

بیت وقت اجتماع

ز حکم محکم شاہنشہ خورشید و مہ آسا　　عجب نبود کہ گردد اجتماع روز و شب یکجا

در نغمہ احمر بیت وقت جلد قدم

سپاہ شاہ باشد جلد زاں ساں　　کہ زو شد شرمگیں برق درخشاں

بیت۔ وقت تشہیر

ز عدل شاہ گردد فتنہ بیروں　　شد از عالم ز زیر چرخ گردوں

سلطان نے اپنے فوجی محکمے کیلئے اپنی زیر نگرانی ایک کتاب لکھوائی جس کا نام تحفۃ المجاہدین تھا لیکن یہ کتاب فتح المجاہدین کے نام سے مشہور ہوگئی ہے مصنف تاریخ سلطنت خداداد کی نظر سے اس کتاب کی ایک نقل گذری ہے۔ جس پر سلطان کی مہر تھی۔ اور ہر مضمون کے اخیر میں سلطان کا دستخط بھی تھا۔ اس کتاب پر نام تحفۃ المجاہدین لکھا ہوا تھا۔) اس کتاب میں تمام فوجی قواعد وضوابط کے علاوہ قلعہ کشائی، تعمیر قلعہ جات، سامان حرب کی تیاری، فوجی تنظیم اور سپاہیوں کی ضروریات تک درج ہیں۔ یہ کتاب آٹھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل تھی۔

ناظرین کی آگاہی کیلئے اس کتاب کے ابواب کے عنوانات ذیل میں دئے جاتے ہیں:۔

باب اول :۔ مسائل عقائد و نماز، منع تمباکو، نمک حرامی، ترک و جہاد وغیرہ

باب دوم :۔ فالنامہ ادنیٰ علی، و اسمائے نومقرری برائے تقسیم حساب و لفظ وزن و تعداد و مقرر کردہ حساب گز شرعی۔

باب سوم :۔ در بیان تدابیر حرب۔ جس میں اکیس (۲۱) عنوان ہیں۔ جن میں جنگ محاصرہ کرنا۔ و قلعہ سازی کے تمام اصول وغیرہ آگئے ہیں۔

باب چہارم :۔ دربیان احکام بنام میر بخشی و متصدیان تعلق و کچہری حضور وغیرہ۔ جس میں نو عنوان ہیں۔ ان میں دفتری کاموں کے تمام احکام ہیں۔

باب پنجم :۔ دربیان ضابطۂ تفویض خدمات۔ جس میں گیارہ عنوان ہیں۔

باب ششم :۔ دربیان سام قواعد و سلام و دران حضور یعنے سپر برداران چھ عنوان ہیں تمام نیزہ برداران وغیرہ کے قواعد ڈرل اور طریقے آگئے ہیں۔

باب ہفتم :۔ دربیان قواعد سواران تعلقہ عسکر۔ چودہ (۱۴) عنوان ہیں۔

باب ہشتم :۔ قواعد پیادہ تعلقہ عسکر۔ پندرہ (۱۵) عنوان

وقت یکپاس

جاہ تیرا دیکھنے لے جیجاہ جب عرض حشم — تنگیٔ جا کے سبب ہفت آسماں ہو شہر سما

در وقت تری اول نہضت

ابر کے مانند پر روشے ہوا ہوشے رواں — عزم تیرے کے صفت کہتے اگر یا کوہسار

در وقت تری دویم یعنے زین بندی

جب ترے سیں زیب پاوے خانۂ زین ہے عجب — جلوہ کر کر مہر ہو بر ابلق عیسیل و نہار

در وقت تری سیوم یعنے سوار شدہ راہ رفتن

مہر و ماہ روپوش ہو جوں زنگ آلود آئینہ — جب ترا گلگوں گرد انگیز ہو در کارزار

وقت آب خوردن اسپہا

گرم جولاں ہوشے جب وہ برق تک ہا معل نوا — چشمۂ آئینہ سیں سیراب ہوشے مور و مار

در وقت شمشیر کشیدن

اژدہا دم تیغ تیری جب علم ہو در مصاف — برق جھانکے ابر کے پردہ سیں پنہاں با بار

جا کرے جس طرح وہ افعی رہ ئیں درنیام — اژدہا اس تیغ ستی ہر گز نہ لاوے روبغا

در وقت جنگ

برق جاں کوہ گراں، پیک اجل دست قضا — تیغ و گرز و تیر و خنجر کے ترے ہیں نام چار

در وقت فتح

ہر ملک کوں ورود ہوا انا فتحنا دمبدم — جب تو ہو پا در رکاب از پے قصد کارزار

بجہت اجتماع مردم

حکم محکم سیں ترے لے مہر تاباں کیا عجب — گر نبات النعش یکجا جمع ہو پروں وار

بیت۔ وقتِ ضربِ سنانی

کند ضبحہ سِنان فوج سلطاں | عدو را در زماں نابود و بے جاں

در نغمہ زیر جد۔ بیت وقت آہستہ قدم

تا نفسے بہر کار بہستہ بود | کہ از صبر ہا آب گوہر شود

بیت روز عید

دل خلق لبریز شد از نشاط | کند دام گلشن از و انبساط

در نغمہ ورد۔ بیت وقت شان

شانِ خورشید و فلک پیش تو اے شاہ جہاں | نیست زاں گونہ کہ در خاطرش آرند کساں

بیت وقت نشانی در روزخش شام

زنشان گفت و از توپ نشاں خصم بسوخت | زانکہ ایں راز و بد خانہ او را برباد

در نغمہ عباسی۔ بیت وقت درخش یکپاس شب

از توپ شاہ گرد دل خستہ کافراں را | سوزاں ترا ست از برق بر جانِ مشرکاں را

بیت وقت اول ہفت

ہر کہ قلم ز بسید عزم سپاہ سلطاں | عزت کند از دوام خورشید و ماہِ تاباں

اُردو ترانے

وقتِ طلوع آفتاب

وصف حسن خلق تیرا گر لکھوں اے شہریار

بے گماں ہر بیت ہووے مطلع صبح بہار

کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کا ضمیمہ

نسخہ جات

علاج۔ سانپ، بچھو، دیوانہ کتا اور کوڑے کے زہر کا

۱۔ جس شخص کو سانپ کاٹا ہو۔ اس کو انگولے کی جڑ جس میں کانٹے نہ ہوں، ایک ہون (وزن) پانی میں گھس کر پلائیں اور یہی جڑ پیس کر زخم پر لیپ کریں۔

۲۔ شالی کی جڑ سوکھی ہو یا کچی دھو کر صاف کرکے کوٹ کر شیرہ نکال کر پلائیں۔ اگر جڑ خشک ہو تو ٹھنڈے پانی میں کوٹ کر شیرہ نکالیں (نوٹ) یہ جڑ ایک کدہ سے زیادہ استعمال نہ کریں۔ ایک کدہ سے زیادہ ہو تو زہر کی خاصیت پیدا کرتی ہے۔ اور انسان مرجاتا ہے۔

۳۔ چھچھوندر جس کا منہ لمبا ہوتا ہے۔ پکڑ کر اس کا پوست نکال لیں۔ پوست پر سے بال نکال کر خشک کریں۔ سانپ کاٹے ہوئے کو ایک ہون (وزن) پانی میں گھس کر کھلائیں زہر دفع ہو جائیگا۔

۴۔ سمندر پھل۔ ایک ہون وزن ٹھنڈے پانی میں گھس کر مارگزیدہ کو کھلائیں۔ اور جس جگہ سانپ کاٹا ہو۔ وہاں گھس کر لگائیں۔ یہی علاج بچھو کیلئے بھی کریں۔ گھوڑے کو بھی اگر سانپ کاٹا ہو تو یہی علاج کریں۔ مگر گھوڑے کیلئے مقدار دوائی ۴ ہون ہے اسی کا سفوف بنا کر نسوار کی طرح گھوڑے کی ناک میں پھونکیں۔

۵۔ اگر کسی کو چوہا یا گھونس کاٹے اور بدن گھاٹی دار ہو جائے، تڑک جائے، یا پیپ جاری ہو۔ اس کو سانپ کا پوست ایک فلم یا دو فلم وزن پیس کر گڑ (قند سیاہ) میں ملا کر چار وقت کھلائیں۔ شفا ہو گی۔

وقت یکساعت روز باقیماندہ بجہت نشان

کس طرح کہیے تجھے جیجاہ لے یکتا ئے دور
ہے کہیں بندہ میں تیری شان کبریٰ آشکار
(ہے)

وقت یکپاس شب گذشتہ

حکم تیرا گر کرے امر پیکداری بچرخ
ماہ ہو باخیل انجم در پہ تیرے پاسدار

وقت نہفت در ساز نر برسالۂ شتر عسکر باید نواخت

بیا تید وقت جہاد است ایں
غنیمت شمارید وقت چنیں

وقت راہ رفتن در ساز نر برسالۂ شتر عسکر باید نواخت

خدایا جہاں پادشاہی تراست
ز ما خدمت آید خدائی تراست

وقت جنگ در ساز نر برسالۂ شتر عسکر باید نواخت

بیا تید اے زمرۂ مسلمیں
کہ در درک اسفل ہمہ مشرکیں

فرسید و اجر عظیم از خدا
بیا بید بے شبہ روز جزا

نوٹ :-

سلطنت خداداد کی تباہی کے بعد ۱۸۰۱ء میں تمام سرکاری دفاتر فارسی سے کنڑی اور انگریزی میں بدل دئے گئے۔ مندرجۂ بالا ابیات سے اس زمانہ کی اردو کا پتہ چلتا ہے۔ میسور میں فارسی زبا نکل مفقود ہو چکی ہے، اور اب اردو کو مٹانے کی کوشش خود چند مسلمان ہی کر رہے ہیں۔ بہت سے گرا نجویٹ بجائے اردو کے کنڑی زبان لیکر پاس ہو رہے ہیں۔ (محمود)

اس کتاب میں خاص طور پر ایک باب میں تمباکو نوشی کے مضرات دکھلاتے ہوئے فوجی سپاہیوں اور رعایا کو تمباکو کے استعمال سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے باب میں تاجروں اور دوکانداروں کو ناپ اور تول میں خیانت کرنے سے منع کرتے ہوئے مذہب کی رو سے بھی خیانت کو مذموم بتلایا گیا ہے۔

صحت اور صفائی کے متعلق جو احکام دئے گئے ہیں۔ ان میں خاص طور پر افسران ضلع کو ہدایت دیگئی ہے۔ کہ شہروں اور دیہاتوں میں ایسے درخت لگائے جائیں جو غلیظ ہوا کو جذب کریں۔ دھوبیوں اور اسی قسم کے پیشہ وروں کو جنکی طرف سے گندگی پھیلنے کا احتمال ہو شہر سے باہر مکانات دئے جائیں۔

بحری فوج کا انتظام

حالات نواب حیدر علی میں لکھا جاچکا ہے کہ اپنی سلطنت کی حفاظت کیلئے نواب حیدر علی نے بحری طاقت کی طرف توجہ کی۔ اور جہازات بنانے کی ابتدا بھی کردی تھی۔ نواب حیدر علی کی وفات کے وقت چند جہازات موجود تھے۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی اس جانب اپنی پوری توجہ کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ایک ایسا زبردست بحری بیڑا بنایا جائے جو ساحل ہند کی حفاظت کے علاوہ ان تمام بحری راستوں کی بھی نگرانی کرے۔ جن سے ہو کر مغربی قومیں ہندوستان کو آرہی تھیں۔ اس مقصد کیلئے اس نے بندرگاہ بصرہ، بوشہر، عمان اور عدن کا انتخاب کیا۔ سلطان کی دوربین نظر اسی زمانے میں پہچان چکی تھی۔ کہ جب تک ان مقامات پر ہندوستان کا قبضہ نہ ہو۔ ہندوستان سلامت نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ان بندرگاہوں کے حصول کی کوشش

۶۔ علاج دیوانے کتے کے زہر کا:۔ چھوٹا سیاہ ببول جسکی پھلی چار انگل کے مقدار کے برابر ہوتی ہے۔ اور پھول زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ پھلی مع پوست و بیج گائے کے دہی میں پیس کر صبح کا وقت پانچ دن تک کھلائیں۔ غذا دہی کھانا کھائیں۔ اور پیاس لگے تو دہی پئیں۔ پانی ہرگز نہ پیا کریں۔

اگر دیوانہ کتا یا کوا گھوڑے کو کاٹے تو ایک ایک پوری پھلی دہی میں پیس کر صبح کا وقت پانچ روز کھلائیں

۷۔ علاج نارو:۔ ایک قلم یا دو قلم وزن سانپ کا پوست باریک پیس کر پرانے گڑ (قند سیاہ) میں صبح کا وقت سات دن تک کھلائیں۔

۸۔ علاج بچھو کاٹے کا:۔ اگر کسی کو بچھو کاٹے تو تین پتے کسوندے کے کھلائیں اور تھوڑا پتہ ہاتھ سے مل کر زخم پر لگائیں۔ (از کتاب فتح المجاہدین)

کیا کتاب فتح المجاہدین دیکھکر بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ سلطنت کا انتظام کس درجہ ترقی یافتہ تھا۔ اور اس کے علاوہ تمام مملکت میں حکام کی آگاہی کیلئے مندرجۂ ذیل کتابیں تقسیم ہوئی تھیں:۔

۱۔ منتخب ضوابط سلطانی (سول اور فوجی ضوابط)
۲۔ رسالہ کچہری (دفاتر کے نظم ونسق کیلئے احکام)
۳۔ ضابطۂ امثال راہ رفتن سواری (سوار فوج کیلئے احکام)
۴۔ وقائع منازل۔
۵۔ حکم نامہ

۷۲ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۱۰ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

۴۲ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۹۹ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

رئیس لکھتا ہے کہ :-

"سلطان کے احکامات پر ۱۷۹۶ء تک عمل نہیں ہوا"

نوٹ :- آج بھی ریاست میسور بھٹکل کو اپنا بندرگاہ بنانے کیلئے انگریزی گورنمنٹ سے خط وکتابت کر رہی ہے۔ سلطان کی وسیع النظری نے اسی زمانہ میں اس کو انتخاب کر لیا تھا۔

بورنگ اپنی کتاب حیدر علی و ٹیپو سلطان کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھتا ہے :-

"اسکی وہ آنکھیں جو ہمیشہ بیدار رہتی تھیں۔ ان سے ایک زبردست بحری بیڑے کی ضرورت بھی چھپی نہیں رہی۔ اسکے متعلق اس نے ایک فرمان جاری کیا جس میں جہازات بنانے کے طریقے، لکڑی کا انتخاب اور تمام بحری قواعد و ضوابط درج تھے۔ اس نے اس فرمان میں جزئیات پر تک بحث کی تھی۔ یہاں تک کہ جہازوں کے پیندوں کیلئے کس قسم کی دھات اور کیلیں لگائی جائیں اس میں لکھا ہوا تھا۔ اس فرمان کی رو سے اس نے ایک محکمۂ بحری (بورڈ آف اڈمیرلٹی) قایم کیا تھا جس میں گیارہ میر یم اور ۳۰ میر بحر تھے۔ اس فرمان میں حکم کیا گیا تھا کہ مندرجۂ ذیل جہازات بنائے جائیں :-

۲۰ اول و دوم قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر علی الترتیب ۷۲ اور ۶۰ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

۲۰ تیسری قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک ۴۶ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی بحری طاقت کو بھی ترقی دینے کیلئے احکام جاری کئے۔

رئیس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"بحری بیڑہ پہلے بورڈ آف ٹریڈ کے ماتحت رکھا گیا۔ اس سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ کہ بحری قزاقوں سے ساحل کی حفاظت کرے۔ ان میں بار برداری کے جہاز بھی تھے۔ اور یہ جہاز تجارتی سامان لیکر ایران و عرب کی بندرگاہوں تک جاتے تھے۔ ۱۷۹۲ء میں جب سلطان کو شکست ہوئی اور سلطنت کا کچھ حصہ ہاتھ سے نکل گیا تو سلطان کو معلوم ہوا کہ بحری بیڑے کی کمزوری کی وجہ اس کو شکست ہوئی ہے۔ سلطان نے اس کو محسوس کرتے ہوئے اسکی تنظیم شروع کی۔ کہ انگلستان کی بحری فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ جنگ کے بعد ۱۷۹۶ء میں سلطان نے بھٹکل میں بحری مدرسہ قائم کیا۔ طرز تعلیم انگریزی طرز جہازرانی پر رکھی گئی۔ بحری فوجی تعلیم کے لئے ایک کتاب لکھی گئی (افسوس ہے کہ اس کتاب کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ محمود) جس میں جہاز کے ایک کیل سے لیکر پورے جہاز کی ضروریات۔ جہازوں کی تعمیر، جنگ کے قواعد، جہاز چلانا، سپاہیوں کی خوراک ہاربر (جہازوں کا پناہ گاہ) بنانا وغیرہ کے متعلق مفصل اور مشرح احکام موجود تھے۔ جہازی بیڑے کو بورڈ آف ٹریڈ (محکمۂ تجارت) کے ماتحتی سے نکالکر ایک خاص بحری کمیشن کے سپرد کیا گیا۔ اس میں گیارہ میریم (لارڈ آف اڈمیرلٹی) اور تیس میر بحر (اڈمیرل) تھے۔ جن میں ۲۰ بیس ساحل پر اور دس جہازوں پر رہتے تھے۔

اس سال سلطان نے سو ۱۰۰ جنگی جہاز تیار کرنے کا حکم دیا۔ ۱۷۹۳ء میں سلطان نے بیس ۲۰ جہازوں کو ناقابل ٹھہرا کر توڑ دینے کا حکم دیا۔ سلطان کی بحری فوج میں دس ہزار پانچ سو بیس ملاح تھے۔ جنگی جہازوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

تھا۔ یہ کتاب آٹھ باب پر مشتمل تھی۔ اس میں تجارت کے تمام اصول، قواعد و ضوابط مندرج تھے۔

رئیس لکھتا ہے کہ :-

"سلطان نے اپنی مملکت میں ایسے احکام جاری کئے تھے جن کی رو سے وہ صدر التجار تھا۔ تجارت کی ترقی اور نگرانی کیلئے ایک بورڈ آف ٹریڈ (محکمۂ تجارت) قائم کیا گیا۔ اس محکمہ میں نو تجارتی میر آصف (ٹریڈ کمشنر) مقرر ہوئے اور انکی نگرانی میں غیر ممالک سے تجارت کرنے کیلئے سترہ کوٹھیاں کھولی گئیں۔ اور اندرون سلطنت صنعت و حرفت کو ترقی دینے کیلئے تیس کارخانے (فیکٹریاں) قائم ہوئیں۔ تاجروں کو درآمد و برآمد کرنے کیلئے محکمۂ تجارت یعنے بورڈ آف ٹریڈ کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھی۔ چند مخصوص اشیا جیسے تمباکو، صندل، کالی مرچ اور معدنیات کیلئے اجارے (مانوپلی) دیئے جاتے تھے۔"

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے :-

"تجارت میں سلطان کی یہ تمام جدوجہد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت اور انکے احکام و ضوابط کی نقل تھی۔"

رئیس لکھتا ہے :-

"سلطان کا نصب العین یہ رہا کہ ملک کا روپیہ ملک سے باہر نہ جائے۔ سلطان یوروپین تاجر اور خصوصاً انگریزوں کے ساتھ تجارت کرنے کو خطرناک سمجھتا تھا۔ باہر کے تمام مال کی درآمد سختی سے بند کر دی گئی۔ اور برآمد پر بھی بہت سے قیود لگا دئیے گئے تھے۔ میسور کی کالی مرچ کثرت سے باہر جاتی تھی۔ اور خصوصاً یوروپین تاجر اسکی خریدی کے لئے آتے تھے۔ سلطان نے کالی مرچ کی برآمد روک دی۔ مگر چونکہ یہ ساحلی علاقوں میں

سلطان نے یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ جب کبھی میر یم معائینہ کے لئے آئے تو سرکاری

خرچ پر جہازوں کے ملازم اس کی دعوت (ڈنر) کا انتظام کریں۔

اس بیڑے کی تقسیم سلطان نے اس طرح کی تھی۔

اول و دوم قسم کے جنگی جہازات ہیں

۲ بندرگاہ جمال آباد (منگلور) میں

۱۱ " واجد آباد میں

۷ " مجید آباد (سداسیوگڑھ) میں

مقیم رہیں۔

مندرجہ بالا تجویز کے مطابق جہازات کا بنانا شروع ہو گیا تھا لیکن ابھی یہ

تجویز تکمیل کو نہیں پہونچی تھی کہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔"

تجارت

یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ "رعایا کی فارغ البالی اور ملک کی عام خوشحالی حکومت کے طرز حکمرانی پر منحصر ہے" اس لحاظ سے سلطنت خداداد یقیناً کل

ہندوستان میں یگانۂ روزگار تھی۔

بچانن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :-

"سلطان ٹیپو ایک تجارتی دماغ لیکر پیدا ہوا تھا"

میجر آلن لکھتا ہے :-

"ٹیپو علاوہ بادشاہ ہونیکے ایک بہت بڑا تاجر بھی تھا"

تخت نشین ہونیکے بعد سب سے پہلا کام جو سلطان نے کیا وہ ملکی تجارت اور صنعت و

حرفت کو ترقی دینا تھا۔ تجارت کو ترقی دینے کیلئے سلطان نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "احکام

ترقی پر ہو تو خاص سلطان کو ہی کس طرح فائدہ پہونچ سکتا ہے؟ اس سے تو ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے اور سلطنت کی آمدنی میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہزاروں آدمیوں کے لئے معاش کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سلطان کی جدوجہد کا نتیجہ یہی نکلا کہ ملک بالکل خوش حال اور اس میں بیکاری کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ اس کا ثبوت ڈبلیو ٹارنس ممبر پارلیمنٹ کی تحریر اس طرح دے رہی ہے:۔

"ٹیپو کی زیر حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے"

بنک

رئیس لکھتا ہے :۔

"تمام سلطنت میں رفاہ تاجروں اور کاشتکاروں کی سہولت اور ان کے فائدے کیلئے بنک جاری تھے۔ ان میں خصوصی بات یہ تھی کہ غریب طبقہ اور چھوٹے سرمایہ والوں کو زیادہ فائدہ پہونچایا جاتا تھا۔ چنانچہ پانچ سو روپیہ جمع کرنے والے کو ۵۰ فی صدی سالانہ نفع اور پانچ سو سے پانچہزار تک ۲۵ فیصدی سالانہ نفع اور پانچہزار سے اوپر ۱۲ فیصدی سالانہ نفع ملتا تھا۔ یہ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل تھی۔ اور اس کا مقصد صرف لوگوں کو لوٹنا تھا"

افسوس ہے کہ رئیس نے اس لوٹ کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہونچایا۔ سلطان کا ہر ہنر دشمنوں کو عیب ہی نظر آیا۔ دروغ گو را حافظہ نباشد کے مصداق رئیس پھر اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"ان بنکوں کے ماتحت سرکاری دوکانات ہوتی تھیں۔ جہاں ہر قسم کا مال مہیا ہوتا تھا۔ جو سرکاری اور دوسرے لوگوں کو فروخت کیا جاتا تھا۔ اس طرح جو منافع

بھی ہوتی تھی اسلئے چوری چھپے انکی تجارت ہو جاتی تھی۔ جب سلطان کو یہ معلوم ہوا تو ساحلی اضلاع پر بھی ان کی کاشت مسدود کر دی گئی۔ صرف اندرونی علاقوں میں محدود رقبوں میں کاشت ہونے لگی۔

اس سے سلطان کا مقصد یہ تھا کہ سلطنت کے راز باہر افشا نہ ہوں۔ مگر چند ایسی اشیا بھی تھیں۔ جن کی برآمد کی اجازت سلطان نے دے رکھی تھی"۔

اگر سلطان کے مکاتیب اور وہ ہدایات جو اس نے لنگڑے غلام علی کو ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے دئے تھے اور انکے ساتھ ساتھ بچانن کی تحریر کا اقتباس جو کسی اور جگہ دیا گیا ہے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلطان کے حوصلے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ہندوستان کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ تمام ممالک اسلامیہ کی خوشحالی بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے ترکی، ایران، مصر، عربستان اور چین میں تجارتی کوٹھیاں قایم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد ان کوٹھیوں سے یہ تھا کہ مسلمان پھر تجارت صنعت و حرفت کی طرف راغب ہوں۔ اور وہ روپیہ جو تجارت کے ذریعہ یورپین اقوام لے جا رہے تھے اس کا سدباب ہو جائے۔

مندرجۂ بالا سطور سلطان کی تعریف کیلئے نہیں لکھے گئے۔ بلکہ ان کا ثبوت آئندہ اوراق میں بچانن کی تحریر کا اقتباس اور سلطان کے مکاتیب وغیرہ دے رہے ہیں۔ سلطان کا ارادہ تو یہ تھا کہ اپنا ملک خوشحال اور رعایا فارغ البال بنے۔ اسکی اس جد و جہد کا ذکر تو کیا ہے۔ لیکن پھر بھی تعصب سے لکھتا ہے:۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل کرتے ہوئے سلطان نے اپنی مملکت میں بہت سے احکام جاری کئے۔ جن سے اس کا مقصد ذاتی منفعت تھا"۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سلطنت میں تجارت زیادہ ہو اور صنعت و حرفت روز افزوں

اور یہ بھی سلطانی حکم تھا کہ جب تک زمین میں پیداوار نہ ہو۔ لگان نہ لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میسور کا چپہ چپہ زمین آباد ہوگئی۔

میجر ڈائرم جو میسور کی تیسری جنگ میں انگریزی فوج کا افسر تھا۔ اپنے چشم دید حالات اس طرح لکھتا ہے :-

"ٹیپو نے جن اصول پر سلطنت کا نظام قایم کیا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کا ملک ہر جگہ آباد دیا پایا گیا۔ اور زمین جو قابل کاشت ہے۔ اپنی انتہا تک کاشت کی گئی ہے۔ اس کا فوجی نظام اور میدان جنگ میں اسکے سپاہیوں کی وفاداری اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ اس نے ملک میں ایک ایسی حکومت قایم کر رکھی ہے جو رعایا کو شخصی آزادی دے رکھی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بادشاہ رعایا کو تکلیف دینے والا نہیں۔ بلکہ ان کے درد و دکھ کا شریک ہے۔ اس کا بے رحمانہ سلوک اگر کسی پر ہوتا ہے تو وہ وہی لوگ ہیں۔ جو اس کے دشمن سمجھے جاتے ہیں۔"

(میجر ڈائرمس نیاریٹیو صفحہ ۲۴۹)

سلطان سے پہلے ملک میسور ریشم اور اس کی کاشت سے بالکل بے گانہ تھا۔ ملک میں جو ریشمی چیزیں بنی ہوئی آتی تھی وہ یا تو چین سے آتی تھیں یا بنگالہ سے۔

سلطان نے دو وفد روانہ کئے۔ ایک چین کو اور دوسرا بنگالہ کو۔ وہاں سے ان وفود کے ارکان نے شہتوت کی چند شاخیں اور کچھ ریشم کے کیڑے لیکر واپس آئے۔ ملولی تعلقہ میں دھنگور اور ٹکور علاقہ میں موضع کنگل میں ریشم کی کاشت شروع کی گئی۔ وہاں سے ریشم سرنگاپٹم لاکر اس سے یہاں کپڑا تیار ہونے لگا۔ آج بھی ریاست میسور میں ایک خاص قسم کے شہتوت کو سلطانی کڈی کہا جاتا ہے۔

حاصل ہوتا وہ بنک کے ذریعہ لوگوں کو دیدیا جاتا تھا۔"

نوٹ :۔ سرکاری دوکانات سے ٹیپو کی مراد غالباً آج کل کی کواپریٹیو سوسائٹیاں ہیں۔)

زراعت

سلطنت خداداد سے پہلے میسور ایک خالص زراعتی ملک تھا۔ جہاں ضروریات زندگی پیدا کرلی جاتی تھیں۔ عام طور پر باشندوں کی غذا راگی ہے۔ جو کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ سرنگاپٹم اور اس کے نواح میں چاول کی بھی کاشت ہوتی تھی البتہ میسور کے جنگلات میں ساگوان اور شیشم کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اور اب بھی پیدا ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سلطنت خداداد سے پیشتر ملک میسور کو ہندوستان میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ یہ سلطنت خداداد کا احسان ہے کہ اس کا نام اطراف عالم میں گونج اٹھا آج بھی انگلستان و یوروپ میں اگر حیدرعلی و ٹیپو سلطان کا نام نہ لیا جائے تو میسور کی اہمیت کو کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میسور کی خام پیداوار اور صنعت و حرفت سے دنیا نا آشنا تھی سیاسی دنیا میں میسور کو اہمیت حیدرعلی و ٹیپو سلطان کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اسکے علاوہ صنعت و حرفت کی ترقی سے میسور کو دنیا سے جس نے روشناس کرایا وہ سلطان ٹیپو تھا

اگلی سطور میں تجارت کے متعلق لکھا جاچکا ہے اب یہاں سلطان کی اس جدوجہد کا بیان کیا جاتا ہے۔ جو اس نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے کی۔

سلطان کی ملکی اصلاحات میں بتلایا جاچکا ہے کہ اس نے زمینداریوں کو ختم کرکے کسانوں کو زمین کا مالک بنا دیا۔ جس کی وجہ سے کاشت کار جو سالہا سال سے قسم قسم کے محصولات سے دبے ہوئے تھے۔ آزاد ہوگئے۔ اصلاحات کی تحت میں یہ بھی لکھا جاچکا ہے۔ کہ زمین کا لگان کس حد تک کم کردیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ لگان زمین کی وسعت پر نہیں بلکہ پیداوار کے لحاظ سے لیا جاتا تھا۔ اور تری زمین کرنے والے کاشتکاروں کو خشک زمین مفت دی جاتی تھی۔

بیج منگوا کر یہ دیکھا جاتا تھا۔ کہ انکی کاشت اس ملک میں ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

بکانن اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے :-

" میں نے لال باغ دیکھا۔ یہاں زمین کو مربع قطعوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور قطعہ کے بازو راستہ ہے۔ جس پر دونوں جانب خوبصورت سرو کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ یہ قطعے پھلدار درختوں، اور گملوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ درختوں کی قسموں کو علیحدہ علیحدہ قطعے مخصوص کئے گئے ہیں۔ یہاں سرو، انگور، ناشپاتی، اور سیب کثرت سے اور نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ یہ تعجب سے دیکھا گیا کہ ٹیپو نے جنوبی آفریقہ سے صنوبر اور سرو کے جو درخت منگوا کر لگائے ہیں وہ نہایت اچھی حالت میں ہیں "۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۲۸۰)

(نوٹ :- بکانن ۱۸۰۰ء میں یعنے زوال سلطنت کے ایک سال بعد یہاں آیا تھا۔)

ایک اور سیاح لکھتا ہے :-

" لال باغ میں ٹیپو نے تجربہ کے طور پر دنیا کے تمام درخت لگائے ہیں۔ اور یہاں رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ کونسے مفید درخت یہاں کی آب و ہوا کے لحاظ سے موزوں ہو سکتے ہیں "۔

اسی سلسلے میں سرنگاپٹم کے لال باغ میں جو تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انجیر، امرود اور تربوز یہاں کی آب و ہوا میں خوب پھلتے اور شیریں ہوتے ہیں۔

نوٹ :- آج میسور گورنمنٹ نے سرنگاپٹم میں پھر انجیر کی کاشت پر توجہ کی ہے۔ اور کاشت کرنے والوں کو پانی اور زمین مفت دینے کے علاوہ دوسری سہولتیں بھی دی گئی ہیں۔

سلطان کے مکاتیب جو کسی اور جگہ دئے گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے

اس زمانہ میں جب یہ تاریخ لکھی جا رہی ہے۔ میسور نے ریشم کی کاشت اور مصنوعات میں اس قدر ترقی کی ہے کہ تقریباً دو لاکھ خاندان اس پر اپنا گذارہ کر رہے ہیں۔

ریشم کی طرح جا پھل سے بھی میسور نا آشنا تھا۔ سلطان نے ٹراونکور سے چند جا پھل کے پودے منگوا کر نہایت احتیاط سے انہیں لگوائے۔

مورخ ولکس لکھتا ہے:-

"سلطان نے بڑی احتیاط سے چند جا پھل کے پودے ٹراونکور سے لا کر لال باغ میں لگوائے۔"

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج میسور سے جا پھل باہر کے ممالک کو بھیجا جا رہا ہے۔

نوٹ:- یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ میسور میں اگلے زمانے میں کافی نہیں ہوتی تھی۔ آج سے تقریباً چار صدی پہلے بابا بڈھن نامی ایک بزرگ عرب سے ہندوستان آئے۔ اور خوش نصیبی سے اس قطعہ زمین پر اقامت فرمائے جو بعد کو میسور میں بابا بڈھن گری کہلاتا ہے۔ آپ کافی کے چند بیج اپنے ہمراہ لائے۔ یہاں پہونچکر اسکی زراعت کی ترویج دی۔ آج ملک میں کافی کے صدہا باغات ہیں جس سے رعایا اور حکومت دونوں فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

تجارت کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان نے تیس ۳۰ کوٹھیاں کھولی تھیں جہاں سے غیر ممالک کو مال بھیجا جاتا تھا۔ میسور سے جو خام پیداوار بھیجی جاتی تھی۔ ان میں کالی مرچ، صندل، الائچی اور کافی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

سلطان نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے بنگلور اور سرنگاپٹم میں دو باغ بنائے۔ سرنگاپٹم کا لال باغ تو آج موجود نہیں ہے۔ لیکن بنگلور کا لال باغ ابھی موجود ہے اور اسکی شہرت ہندوستان سے لیکر یوروپ و امریکہ تک پہونچ چکی ہے۔

لال باغ بنانے سے سلطان کا مقصد ایک زرعی معمل تھا جہاں اور ممالک کے درخت اور

یہ مشہور بند شہر سرنگا پٹم سے نو میل جانب مغرب میں ہے۔ اور اس کا رقبہ
تقریباً پچاس مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ بند ۱۲۴ قدم اونچا اور اس میں
پانی کی مقدار اوپر کی نالیوں کی سطح سے ۴۴۰۰۰ ملین مکعب فیٹ ہے۔
اس میں ایک چوتھائی حصہ برقی روشنی کیلئے اور تین چوتھائی آبپاشی کیلئے رکھا جائیگا"
اس موقع پر اگر ہم ایک تاریخی بے واقعہ کا ذکر کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ جب
اس بند کیلئے کھدائی کا کام ہو رہا تھا۔ تو ایک قدیم کتبہ ملا جس میں ٹیپو سلطان
کی یہ فارسی تحریر موجود ہے۔

کتبہ
بنیاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۱۲ھ بروز دوشنبہ علی الصباح
قبل طلوع آفتاب اچھی لگن اور نیک ساعت میں اللہ کے فضل اور اس کے
حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں زمین و زماں کے خلیفہ سلطان
جہاں حضرت ٹیپو ظل اللہ (خداوند تعالیٰ انکی سلطنت اور خلافت کو برقرار
رکھے) نے کاویری ندی پر دارالسلطنت کے قرب میں "محی" نام کے پشتہ کی سنگ
بنیاد رکھی۔ شروع کرنا ہمارا کام ہے اور تکمیل تک پہنچانا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔
جس مبارک ساعت میں بنیاد رکھی گئی۔ اس دن سورج۔ چاند۔ شکر (زہرہ)
اور برہسپت (مشتری) چاروں کا ایک ہی برج (راس) میں مبارک قیام تھا
اللہ کے فضل سے یہ پشتہ تا قیامت قایم و برقرار رہے۔
اس پشتہ کی تیاری میں جو لاکھوں روپئے سرکار خداداد نے خرچ کئے۔ وہ

یہاں زعفران کی کاشت کا تجربہ بھی کیا تھا۔

کسانوں کی حالت بہتر بنانے اور ملک میں زراعت کو ترقی دینے کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ دریائے کاویری کا وہ پشتہ ہے جس کو آج کرشنا راج ساگرا کہا جاتا ہے اس لئے بجا طور پر آج کے مورخین سلطان کو "ٹیپو دی ڈیام بلڈر" (Tipu the Dam Builder) لکھتے ہیں۔ بمبئی کے مشہور اخبار السٹریٹیڈ ویکلی مورخہ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں اسی عنوان سے دریا کاویری کے پشتہ کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ لیکن یہاں میسور گورنمنٹ کی کتاب گزیٹیئر میسور سے مضمون لیا جاتا ہے۔

"کرشنا راج ساگرا"

"دریائے کاویری کے دامن میں جو قابل زراعت زمین علاقہ میسور میں ہے۔ اس کی وسعت ۱۱۵۰۰ مربع میل ہے زمانۂ قدیم سے دریا سے نالے کاٹ کر زمین کاشت کی جاتی تھی۔ اس کا رقبہ کل ۱۰۰ میل ہے۔ بقیہ خشک زمین کی آبپاشی کرنے کیلئے میسور گورنمنٹ ایک عرصہ سے تجاویز سوچ رہی تھی۔ آخر ۱۹۱۱ء میں موجودہ بند جس کو "کرشنا راج ساگرا" کا نام دیا گیا ہے شروع کیا گیا۔ جس سے تین مقاصد زیر نظر ہیں۔

۱۔ گرمی کے دنوں میں قلت آب کی وجہ سیوا سمدرم میں برقی طاقت حاصل کرنے میں جو مشکلات ہوتی ہیں۔ ان کا سدباب کیا جائے۔

۲۔ سیوا سمدرم کی برقی طاقت جو کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ اس کو ایک حالت پر لایا جائے۔

۳۔ خشک زمینوں کا ایک وسیع رقبہ نہروں کے ذریعہ قابل کاشت بنایا جائے۔

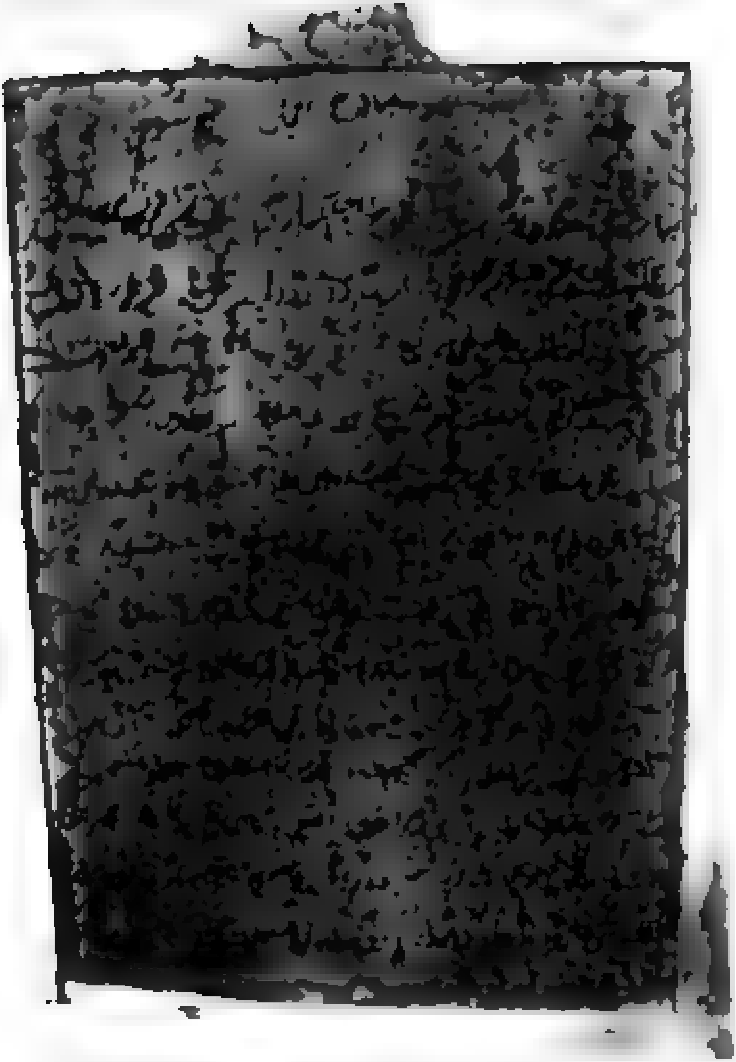

کتبۂ سندھی

یہ پتھر اب تک معدن سنگ پر لگا ہوا ہے

صرف اللہ ہی کی راہ میں صرف کئے گئے ہیں۔ قدیم یا جدید کاشت کے علاوہ بھی جو کوئی بھی اس تالاب سے آبپاشی کریگا۔ وہ اس پیداوار یا رقم کا جو اور رعایا قانوناً سرکار میں جمع کرتی ہے۔ صرف ۴/۱ حصہ سرکار خداداد کو دے۔ باقیماندہ ایک چوتھائی خدا کی راہ میں معاف ہے۔ اور جو کوئی، اس پشتہ (تالاب) سے نئی زمین میں کھیتی باڑی کریگا۔ تو وہ زمین اسکی اولاد اور وارثوں کے قبضہ میں نسلاً بعد نسلاً اس وقت تک رہیگی جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ اگر کوئی شخص اس میں رکاوٹ ڈالے یا اس کارِ خیر میں مداخلت کرے تو وہ کمینہ خصلت ملعون، شیطان کی طرح صرف کسانوں ہی کا نہیں بلکہ تمام انسانی نسل کا دشمن سمجھا جائیگا"

کتبہ سید جعفر (ترجمہ فارسی)

میسور گورنمنٹ نے اس کتبہ کو بند کے داخلہ کی جگہ پر ایک کمان باندھکر نمایاں طور پر لگایا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان نے لاکھوں روپیہ خدا کی راہ میں خرچ کئے۔ اور کسانوں کو اجازت دی کہ جو شخص تالاب یا نہر کے پانی سے زمین میں نئی زراعت کریگا۔ اس کو اوروں کی طرح زیادہ لگان دینے کے بجائے کم لگان دینا پڑیگا۔ اور سینچی ہوئی زمین اسکی موروثی سمجھی جائے گی۔

اس بند کی تعمیر اور اس کتبے کو دیکھتے ہوئے قدرتی طور پر خیال گذرتا ہے کہ سلطان کس قدر عالی دماغ تھا۔ اور اس زمانہ کے لوگ فن انجنیری میں کس قدر ماہر تھے۔ حکومت میسور نے جب دریائے کاویری پر بند باندھنا چاہا تو اس کے لئے میسور کے انجنیروں کے

علاوہ جرمنی، انگلستان اور امریکہ سے تک انجینیر طلب کئے جنہوں نے سالہا سال دریائے کاویری کا سروے کیا اور آخر اس نتیجہ پر پہونچے کہ یہ بند موضع بلگولا کے قریب جو سرنگاپٹم سے دس میل جانب مغرب ہے، تعمیر کیا جائے۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان ٹیپو کا انجینیری دماغ اور اسکی عالی دماغی ڈیڑھ سو سال پہلے اسی جگہ کو انتخاب کر چکی تھی۔ یہ ایک حسن اتفاق تھا۔ بلکہ قدرت کو منظور تھا کہ اس سلطان کا نام جس کو مغربی مورخین نے صد درجہ بدنام کر دیا ہے۔ دنیا میں پھر ایک بار روشن کرے۔ چنانچہ جب کھدائی ہوئی تو انجینیروں کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ وہاں ایک فارسی کتبہ زمین میں گڑھا ہوا ملا (اس کتبہ کی عبارت اوپر دی گئی ہے اور اس کا عکس بھی دیا گیا ہے) عبارت سے ظاہر ہے کہ سلطان کے دل میں رعایا پروری کا کس قدر صحیح جذبہ موجود تھا۔

کیا آج دنیا کی کوئی حکومت اس سے بڑھکر رعایا پروری، فراخدلی اور فیاضی کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

نوٹ:۔ یہ بند جس کا آغاز سلطان نے کیا اور سنگ بنیاد بھی رکھدیا تھا سلطنت کے سقوط کی وجہ سے تعمیر نہ ہو سکا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح علامہ اقبال نے کہا ہے کہ اسکی روح ابھی میسور میں کام کر رہی ہے۔ بند کی تعمیر کا خیال حکومت میسور کو آیا اور وہی جگہ منتخب ہوئی جو سلطان نے کی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ میسور کی موجودہ حکومت نے بھی اس پر لاکھوں روپیہ خرچ کی ہے اور اسکی تکمیل موجودہ مہاراجہ شری کرشنا راجہ وڈیر کے عہد حکومت میں ہوئی اور اسی لحاظ سے اس کو "کرشنا راج ساگرا" کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر تاریخی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ قرین انصاف تھا کہ میسور کے اس محسن سلطان کے نام پر اس بند کا نام رکھا جاتا۔ اس بند کے دیوار کی اونچائی ۱۲۴ قدم اور پانی کی مقدار ۴۱۵۰۰ ملین کیوبک فیٹ ہے۔ اس بند پر حکومت میسور نے ۲۹۵ لاکھ روپیہ خرچ

ترچناپلی سے ایک خاص قسم کے زیتین بچے کشتی کیلئے لائے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ بیلوں کی ایک خاص قسم جس کو میسور میں "ہلی کار" کہا جاتا ہے۔ پیدا ہوئی جو اپنی جفاکشی اور اپنی محنت کیلئے نہایت ہی مشہور ہے۔"

مسٹر مارک کبن لکھتا ہے:۔

"یہی وہ محکمہ ہے۔ جس نے حیدر علی کو کرناٹک کی جنگ میں صرف دو دن کے اندر ایک سو(۱۰۰) میل طے کر کے چدمبرم پر دھاوا کرنے میں مدد دی۔ یہی وہ باربرداری کے بیل ہیں۔ جو ٹیپو سلطان کو جزیرہ نمائے جنوبی ہند کو ایک ماہ کے اندر عبور کر کے تھے جو بدنور پر حملہ کر کے قبضہ کرنے میں مدو معاون ہوئے۔ اور یہی وہ جانور ہیں جنکی وجہ سے ٹیپو سلطان نے ۶۳ میل کا فاصلہ دو دن میں طے کر کے جنرل میڈوز کو شکست دی۔"

اسی محکمے کے بیل تھے جن سے انگریزوں نے بعد زوال سلطنت خداداد کام لیکر مرہٹوں کو شکست دی ڈیوک آف ولنگٹن کو یورپ میں جبکہ وہ جنگوں میں مصروف تھا تو یہی حسرت رہی کہ:۔

"سامان رسد اور توپوں کی جلد سے جلد نقل و حرکت کے لئے اس کے پاس محکمۂ امرت محل کے مویشی نہیں ہیں۔"

سلطنتِ خداداد کا یہ وہ احسان ہے۔ جس کے بارے میسور سر نہیں اٹھا سکتا۔ ان مویشیوں کو پالنے کیلئے خاص چراگاہیں مقرر تھیں۔ اور انکا رکھ رکھاؤ نہایت اعلیٰ درجہ پر تھا۔ زوال سلطنت کے بعد جب یہ محکمہ میسور کے راجہ کی تحت میں دیا گیا تو نسل کشی اور بیلوں کی قسم میں اس قدر انحطاط آگیا۔ کہ مجبوراً سرکار انگریزی کو یہ محکمہ اپنے ماتحت لینا پڑا۔

کیا ہے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس سے ڈیڑھ لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہو رہی ہے. بند کے نیچے جو باغات لگائے گئے ہیں وہ یقیناً اس شعر کی یاد تازہ دلاتے ہیں ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

زراعت کو تقویت دینے کیلئے سلطنت خداداد کا دوسرا بڑا کارنامہ امرت محل ہے

امرت محل

ایک زراعتی ملک کے لئے عمدہ قسم کے جفاکش مویشی کی جس قدر ضرورت ہے. محتاج بیان نہیں. میسور و ہندوستان میں زراعت بیلوں کے ذریعہ ہوتی ہے. سلطنت خداداد سے پیشتر جو مویشی ملک میں موجود تھے. وہ اس قدر چھوٹے اور کمزور تھے کہ زیادہ محنت کے قابل نہیں تھے. اور اسی لحاظ سے گائے بھی بالکل چھوٹی ہوتی تھی. جو بالکل کم دودھ دیتی تھی. اس لئے رعایا کو دودھ اور گھی کافی مقدار میں نہیں ملتا تھا. اس کے علاوہ فوجی نقطہ نظر سے بھی جو بیل میسور میں تھے. وہ باربرداری کے قابل نہیں تھے. اور نہ گھوڑے ہی ملک میں پیدا ہوتے تھے البتہ میسور کے جنگلات میں ہاتھی ملتے تھے.

سلطنت خداداد کے حکمران نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا اس ملک پر ایک بڑا احسان ہے. جو انہوں نے ایک محکمہ امرت محل کے نام سے قایم کیا. اور اس میں بیل، گائے گھوڑے، خچر اور ہاتھیوں کی پرورش اور عمدہ نسل کشی کا انتظام کیا.

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۹۹ میں لکھتا ہے:۔

"امرت محل جیسے نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ خاص دودھ کی فراہمی کیلئے ہے. یہ محکمہ فوجی ضروریات کیلئے قایم ہوا. حیدر علی کا مقصد اس محکمہ کے قایم کرنے سے یہ تھا کہ فوجی باربرداری کیلئے عمدہ اور محنتی مویشی حاصل کئے جائیں. اس غرض کیلئے

تھی۔ کہ آج بھی تمام جزیرہ نمائے ہند میں جہاں کہیں بہتر گھوڑا ہوتا ہے۔ اس کو کولاری کہا جاتا ہے "۔

ہاتھی:۔ رئیس لکھتا ہے :۔

" ہاتھیوں کی پرورش اور نسل کشی کے لئے مختلف مقامات میں چراگاہیں محفوظ تھیں "

(نوٹ:۔ اس وقت ریاست میسور میں جو محکمہ امرت محل ہے۔ اس میں صرف گائیوں کی پرورش اور نسل کشی ایک محدود پیمانہ پر ہوتی ہے۔ کنگل میں گورنمنٹ کی جانب سے گھوڑوں کی نسل کشی کے لئے بھی چھوٹے پیمانہ پر ایک فارم ہے اور یہاں کے گھوڑے ہندوستان بھر میں مشہور ہیں)

صنعت و حرفت

تجارت کا دارومدار زراعت اور صنعت و حرفت پر ہے۔ جس قدر پیداوار زراعت سے ہوگی۔ کسان اسی قدر فارغ البال ہوں گے۔ بشرطیکہ حکومت مسلط نہیں بھاری بھاری ٹیکسوں میں نہ جکڑے سلطنت خداداد میں کاشتکاروں کو جو سہولتیں سلطان نے دی تھیں۔ ان کا بیان اصلاحات سلطانی اور زراعت کے عنوانات کے تحت دیا گیا ہے۔ تجارت کے عنوان کے تحت یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ سلطان نے سترہ تجارتی کوٹھیاں اور تیس کارخانے کھولے تھے۔ جن میں ہزارہا آدمی کام کرتے تھے۔ ان کارخانوں میں جو چیزیں تیار ہوتی تھیں۔ انکا ذکر رئیس نے بھی کیا ہے اور سیاح بچانن نے بھی۔

رئیس نے جن صنعتوں کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے وہ حسب ذیل ہے :۔

(۱) **معدنیات** :۔ سونا اور تانبا وغیرہ نکالا جاتا تھا۔ بہت سے مقامات پر سونا اس طرح دستیاب ہوتا تھا۔ کہ سونے کی مٹی لیکر اس کو پانی میں چھان لیا جاتا تھا۔ سونا بوجہ بھاری ہونے کے تہ نشین ہو جاتا۔ اس طرح سونا زیادہ تر علاقہ کولار اور وائناڈ

خچر:- میسور اور جنوبی ہند میں نامعلوم تھے بار برداری کیلئے خچروں سے زیادہ مضبوط اور جفاکش جانور کوئی نہیں۔ خاص اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹیپو سلطان نے عرب سے نسل کشی کیلئے عمدہ گدھے منگوائے۔

رئیس لکھتا ہے کہ :-

"سلطان کی رعایا اس قسم کی نسل کشی کے خلاف تھی۔ اس لئے اس باب میں سلطان کچھ زیادہ کارروائی نہیں کر سکا"۔

(نوٹ: میسور کے لوگ جو زیادہ تر سادات تھے یہ خیال کرتے تھے کہ گھوڑے جیسے اعلیٰ اور گدھے جیسے ادنیٰ جانور کے ملاپ سے کیوں ایک اونچی اور ادنیٰ نسل پیدا کی جاتی ہے)

گھوڑے۔ کرنل ولکس لکھتا ہے :-

"اصل ہندوستان میں جو گھوڑے استعمال میں ہیں۔ وہ وہی بدنما ٹٹو ہیں۔ جن کی اونچائی بارہ ہاتھ سے بڑھکر نہیں ہوتی۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے گھوڑوں کی نسل عمدہ بنانے میں حد درجہ کوشش کی۔ نسل کشی کے لئے عرب اور مختلف ملکوں سے عمدہ جانور منگوائے گئے۔

گھوڑوں کی ترقی کیلئے محکمہ امرت محل کے ماتحت مختلف مقامات پر چراگاہیں اور فارم قایم کئے گئے۔ اور انکا انتظام نہایت ہی اعلیٰ درجہ پر تھا۔ جو نسل کہ یہاں حاصل کی گئی۔ وہ اس قدر جفاکش اور محنتی تھی کہ سلطنت خداداد کی کیوری میں یہی گھوڑے استعمال ہوتے تھے"۔

یہی کرنل لکھتا ہے :-

"اس محکمہ کے ماتحت کولار میں جو نسل پیدا ہوئی۔ وہ اس قدر شریر اور تند و تیز

کے قریب تالاب بھی ہیں۔ جن کے پشتہ پر صرف سـ ہجری لکھا ہوا ہے۔ اور یہ سـ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے زمانہ کا ہے۔

اس سے یہ مقصد نہیں کہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے زمانے میں ہی کان کنی کا رواج ہوا ہے بلکہ قدیم زمانہ سے (غالباً ہندو قوم جب اپنے عروج پر تھی) ہندوستان میں کان کنی جاری تھی۔ اور عجب نہیں کہ حیدر علی و سلطان کے زمانہ میں بھی ان کانوں پر کام کیا گیا ہو۔ محمود)

۲۔ مٹی کی مصنوعات:۔ علاوہ تمام گھریلو ضروریات کے جو ہر جگہ بنائی جاتی تھیں۔ کارخانوں میں چینی کے برتن۔ کانچ کے صراحی اور چراغوں کے فانوس اور آئینے وغیرہ بنائے جاتے تھے۔

۳۔ لکڑی کا کام:۔ میسور آج بھی اس کے لئے مشہور ہے۔ چن پٹن وغیرہ میں لکڑی کی بہترین اشیا اور کھلونے بنتے ہیں۔

۴۔ چرم سازی:۔ چمڑے کی دباغت اور چمڑے سے ہر قسم کا سامان بنایا جاتا تھا ہری ہر میں بھی کار قوم سرخ مراکو کا بہترین چمڑا تیار کرتی تھی۔

۵۔ تیل اور تیل کے دیگر مصنوعات:۔ (علاوہ ان تیلوں کے جو گھریلو زندگی کے لئے ضروریات سے ہیں ہر جگہ کشید کئے جاتے تھے) صندل کا تیل بھی نکالا جاتا تھا۔

۶۔ صندل:۔ صندل کی لکڑی سے بہت سی چیزیں بنتی تھیں۔ سرنگاپٹم کے علاوہ ساگر (ضلع شیموگہ) اس کیلئے خاص طور پر مشہور تھا۔ صندل کی لکڑی باہر کے ملکوں کو بھی جاتی تھی۔ اور اندرون ملک اگربتیاں اور دوسری خوشبوئیں بنائی جاتی تھیں۔

۷۔ رسی اور قالین:۔ بنگلور اپنی قالینوں کے لئے مشہور تھا۔ رسیاں طیار

میں ملتا تھا۔

نوٹ:۔ میری عمر کے تقریباً ۵۰ سال معدنہائے طلا میں گذرے ہیں۔ جن میں آخر کے چند سال نئے معدنوں کی دریافت میں بسر ہوئے۔ اس سلسلہ ملازمت میں میں نے میسور، اننت پور، کڈپہ، کرنول گدگ، دھارواڑ وغیرہ کے جنگلوں میں قیام کیا ہے۔ اور ذاتی تجربہ کی بنا پر میں اوپر ولکس کی تحریر پر یہ اضافہ کر رہا ہوں کہ سونا دو طرح سے نکالا جاتا تھا۔ ایک تو وہی طریقہ جو اوپر تحریر ہوا ہے اور دوسرا کان کنی کے ذریعہ۔ آج کل سونا نکالنے والی کمپنیوں کا دارومدار یہی سی پر ہے۔ کہ پرانے کان دریافت کریں اور وہاں کام جاری کریں۔ اننت پور میں جو معدنہائے طلا تھے۔ ان میں ناگ سمدرم ریلوے سٹیشن سے دس میل مغربی جانب پر قدیم کانوں کا ایک سلسلہ آٹھ دس میل طول پر پھیلا ہوا ہے کانوں کے اندر چونکہ ہوا پہونچانے کا ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے یہ کان صرف کنوئیں کے نمونہ کے ہیں۔ مگر ان کا طول و عرض پچیس تیس فیٹ ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض دو ڈھائی سو فیٹ گہرے ہیں۔ نہیں معلوم کہ پانی کس طرح خارج کیا جاتا تھا۔ گنتکل سے بیس میل پر چند کانیں ہیں۔ یہ بھی اسی طرح کی ہیں۔ مگر زمین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سطح زمین پر بھی سونا بکثرت تھا۔ جو پتھر کاٹ کر نکالا جاتا تھا۔ اور ہر ہر قدم پر کاٹنے کے نشانات ہیں۔ کرنول سے چالیس میل پر تانبے کی کانیں بھی اسی نمونہ کی ہیں۔ پتھر سے سونا نکالنے کیلئے ہر جگہ ان کانوں کے قریب پانی کے نزدیک پتھروں کے بڑے بڑے سل اور گڑھے موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے پتھروں کو یہاں لاکر پیس لیا جاتا تھا۔ اس قسم کے قصبہ ضلع اننت پور میں دریائے چتاور کے کنارے پانچ چھ مقامات پر ہیں۔ گدگ وغیرہ میں بھی بہت سے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ گرم کنڈہ کے قریب ایک پہاڑ پر لوہے کے پگھلے ہوئے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لوہا نکال کر ڈھالا جاتا تھا۔ اننت پور کے بہت سے ایسے کانوں

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ فن نہایت عروج پر تھا۔ اور مختلف قسم اور قد و قامت کے شیشے بنائے جاتے تھے۔ بچا نن کی مراد شیشوں سے آئینوں کی ہے۔ اور اگر اس تحریر کے ساتھ ان انگریزی افسروں کی تحریر بھی ملا کر دیکھی جائے، جو سلطانی محل کی لوٹ میں شامل تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں دوربین بھی تیار ہوتی تھیں۔

ریشم اور روئی کی مصنوعات:۔ یوں تو سلطنت کے طول و عرض میں ہر قسم کے کپڑے بنائے جاتے تھے، لیکن سرنگاپٹم اور بنگلور خاص طور پر اپنی بعض مصنوعات کے لحاظ سے نہایت مشہور تھے۔ سرنگاپٹم کے کارخانوں میں ریشمی کپڑا، پھولدار چھینٹ اور بہترین قسم کا ململ تیار ہوتا تھا۔

(نوٹ:۔ ململ کے بہت سے نمونے میسور کے مہاراجہ صاحب کے محل میں موجود ہیں۔ ابھی حال میں یعنی ۱۹۳۶ء میں دسہرہ کی نمائش میں انہیں رکھا گیا تھا۔)

بنگلور میں ریشمی کپڑا، قالین، گوٹا، کناری اور رنگی بنائی جاتی تھی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۱ پر لکھتا ہے:۔

"پٹو نگر اور کھتری قوم کے لوگ نہایت اعلیٰ درجہ کا مضبوط ریشمی کپڑا تیار کرتے تھے ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے تھے۔ جو لوگ ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، وہ ان جولاہوں کو نصف قیمت پہلے ہی بطور اڈوانس دے رکھتے تھے۔ اور جب مانگ نہ ہوتی تھی تو جولاہے ان سوداگروں سے روپیہ قرض لیا کرتے تھے۔ جو بعد میں مال کی قیمت میں وضع کر لیا جاتا تھا۔ اسی طرح کپڑا بنانے والے جولاہے بھی اڈوانس حاصل کرتے تھے۔ زنگار و قوم کے لوگ ایک قسم کا سفید کپڑا بناتے تھے۔ جن کے کنارے سرخ رنگ کے ہوتے تھے۔ اس کپڑے کی ساڑیاں بنتی تھیں جو غریب طبقہ میں بہت مستعمل تھیں۔"

تیں بنائی جاتی تھیں۔

۸۔ **ہاتھی دانت کا کام** :- یہ فن میسور میں مسلمان اپنے ساتھ لائے۔ ان سے آگے میسور اس فن سے نابلد تھا۔ صندل اور شیشم کی لکڑی میں ہاتھی دانت سے منقش کام کیا جاتا ہے۔

۹۔ **نمک بنانا** :- نمک بھی ملک کے اندر بنایا جاتا تھا۔

۱۰۔ **زری** :- سونے کی تار نکالنا۔

۱۱۔ **کاغذ پر سونے کا رنگ چڑھانا** :- یہ وہ معمولی کاغذ نہیں جو آج سنہری رنگ کا فروخت ہوتا ہے یہ خاص طور پر تیار ہوتا تھا اور اکثر محلات وغیرہ میں زیبائش کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اور برسوں تک خراب نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی اس قسم کا کاغذ دولت باغ پر چڑھا ہوا ہے۔ یہ صنعت اب بالکل معدوم ہو گئی ہے رئیس نے اپنی کتاب میں اسکے بنانے کا طریقہ لکھا ہے

۱۲۔ **اون** :- اون کی مصنوعات جیسے کمل، شال وغیرہ

۱۳۔ **فنون لطیفہ** :- نقاشی و مصوری (سلطان خود بھی ایک بڑا آرٹسٹ تھا)

۱۴۔ **ریشم** :- ریشم کی کاشت اور اسکے مصنوعات

۱۵۔ **روئی کی مصنوعات** - کپڑے بنانا۔

رئیس نے جن مصنوعات کا ذکر کیا ہے۔ انکے متعلق اس نے کوئی زیادہ تفصیل نہیں دی ہے۔ اس لئے ذیل میں مختلف کتابوں سے مضمون لیکر بعض مصنوعات کے متعلق تشریحی بیان دیا جاتا ہے :-

(۱) مٹی کی مصنوعات میں رئیس نے شیشہ سازی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بچانن کی تحریر سے

"سرنگاپٹم میں توپیں ڈھالی جاتی تھیں جو کسی طرح یورپ کی بنائی ہوئی توپوں سے کم درجہ پر نہیں تھیں۔ بلکہ مار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی توپوں سے بھی زیادہ فاصلہ پر مارنے والی تھیں۔ اور یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ ڈالنے کے لئے سرنگاپٹم میں جو مشینیں ہیں وہ پانی سے چلتی جاتی تھیں"۔

مال غنیمت میں انگریزوں کو سرنگاپٹم میں جس قدر اسلحہ ملے انکی تعداد ماڈرن میسور کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۵ میں لکھا ہے :-

"قریباً ایک ہزار توپ پیتل اور لوہے کے سرنگاپٹم کے قلعہ میں پائے گئے پانچ لاکھ سے زیادہ گولے اور دوسری وضع کی گولیاں۔ بارہ ہزار گولے۔ ساٹھ ہزار بندوق، لاکھوں تلواریں، سنگینیں اور دوسرے ہتھیار ملے۔ ان میں اکیاون توپیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ساخت کی تھیں۔ باقی جس قدر توپیں، بندوق اور اسلحہ تھے۔ وہ سب کے سب سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اور صنعت کے لحاظ سے نہایت اعلے درجہ کی تھیں۔ ٹیپو کی جدید ایجاد یہ تھی کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ ڈالنے کیلئے اس نے پانی سے چلنے والی ایک مشین ایجاد کی تھی۔ جو بالکل سیدھا سوراخ ڈالتی تھی"۔

اسی مصنف نے نندور کے قلعے میں جو مال غنیمت انگریزوں کو ملا۔ اسکی تفصیل میجر آلن کی تحریر کے حوالے سے اس طرح دی ہے (نوٹ۔ نندور کا قلعہ بنگلور سے قریباً پچاس میل جانب جنوب میسور کے راستے میں ہے۔ اور سرنگاپٹم سے قریب تیس میل جانب شمال ہے)

"اس قلعہ میں ۲۷۳ میدانی توپ، ۶۰ کوہستانی توپ، ۱۱ برنجی توپ، بالکل مکمل حالت میں موجود تھے۔ ۴۹۶ میدانی توپ، ۱۲ کوہستانی توپ اور ۷ برنجی توپ

سیاح بچانن جو زوال سلطنت کے ایک سال بعد آیا تھا لکھتا ہے :-

" بنگلور کے جولاہے اپنے فن میں طاق نظر آتے ہیں۔ انہیں اگر امداد دی جائے تو یہ بہترین قسم کے کپڑے تیار کرینگے۔ زوال سلطنت کا باعث یہ لوگ سخت مشکلات میں گھر گئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ جس قدر کپڑا تیار کرتے تھے۔ سرنگا پٹم میں کھپ جاتا تھا۔ اب امید نہیں کہ انگریزی افسر جو اس ملک میں مقیم ہیں۔ اس قسم کا اور اسی قدر کپڑا استعمال کریں گے۔ جتنا کہ مسلمان امراء کرتے تھے۔ اگر حکومت ان کے لئے کوئی منڈی پیدا نہ کرے تو انکی تباہی یقینی ہے۔"

نوٹ :- بچانن نے جو کچھ لکھا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا سلطنت خداداد پر انقلاب آتے ہی نہ صرف جولاہے بلکہ تمام دوسرے کارخانے بھی تباہ ہو گئے۔ اور انکی جگہ یورپ کی مصنوعات نے لے لیں (محمود)

لوہے کی مصنوعات :- لوہا اور فولاد دیوں تو عام ضروریات جیسے گاڑیوں کے پہیئے اور ہل وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن اسکی زیادہ تر کھپت سلطانی کارخانوں میں تھی۔ جہاں جنگی اسلحہ جیسے سنگینیں، تلوار، بندوق، توپ گولے اور گولیاں وغیرہ بنتی تھیں۔ اسلحہ سازی کا سب سے بڑا کارخانہ سرنگا پٹم میں تھا۔ بنگلور، نگر اور گرم کنڈہ میں بھی اسلحہ بنائے جاتے تھے :-

کیپٹن لٹل اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

" بنگلور پر جب ہماری فوج نے قبضہ کر لیا تو قلعہ میں ایک عجیب و غریب مشین نظر آئی۔ جو پانی کے ذریعے چلتی تھی۔ اس مشین سے توپوں میں سوراخ ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اور یہ سوراخ بالکل صحیح اور سیدھے ہوتے تھے۔"

میجر ڈیکسن لکھتا ہے :-

اقتباس از سفرنامہ بچانن

(بچانن کا پورا نام ڈاکٹر فرانسس بچانن ہے۔ یہ شخص ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں سرجن کے عہدہ پر مامور تھا۔ زوال سلطنت خداداد کے چند ماہ بعد لارڈ ولزلی نے اسکو سلطنت خداداد کا زرعی، صنعتی اور اقتصادی سروے کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ بچانن اوائل ۱۸۰۰ء میں سلطنت خداداد میں آیا۔ اور کامل دو سال تک سیاحت کی۔ اس حساب سے بچانن سلطنت خداداد کے زوال کے ٹھیک ایک سال بعد اس ملک میں آیا تھا)

"تاکل" میں زمین سے نمک نکالا جاتا ہے۔ یہ نمک ایک سلطانی فنم (فنم: ایک چاندی کا سکہ تھا جس کی قیمت ۴ر کے برابر تھی) کے عوض بیش سیر ملتا ہے۔ مدراس کا سمندری نمک اسی قیمت میں آٹھ سیر ملتا ہے۔ سلطان ہمیشہ دیسی نمک استعمال کرتا تھا۔ سلطان کا حکم تھا کہ اسکے باورچی خانہ میں سوائے سلطنت کے اندر نکلے ہوئے نمک کے کوئی دوسرا نمک ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ یہی ہدایت اس نے اپنی رعایا اور افسروں کو بھی دی تھی۔ یہ حکم اس لئے نافذ کیا گیا تھا کہ مدراس سے آنے ہوئے نمک کا منافع غیر ملکیوں یعنے ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوتا تھا۔

مالور میں بکروں کی اون سے کمل بنائی جاتی ہیں۔

کارگوڑی میں چونا نکالا جاتا ہے۔ جس کا رنگ بالکل سفید ہے۔

مدور میں عمدہ قسم کا گڑ بنایا جاتا ہے۔

سرنگاپٹم اپنی مختلف مصنوعات کیلئے خاص طور پر مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر زرہ سے متعلقہ سامان بنایا جاتا ہے۔ گنجام میں بے شمار جوہرے موجود ہیں۔ یہاں کی تمام تجارت کا انحصار شاہی محل پر ہے۔ جہاں انواع و اقسام کا کپڑا اور تعیش کا سامان

نامکمل حالت میں تھے ۔ جو توپیں مکمل تھیں ۔ ان میں سے ۲۰۰ توپیں فصیل قلعہ پر چڑھی ہوئی تھیں ۔ ان کے علاوہ قلعہ کے اندر ۳ لاکھ چوبیس ہزار گولیاں ۔ پانچ لاکھ بیس ہزار پونڈ بارود ۔ ۹۹ ہزار بندوق (جن میں تیس ہزار فرنچ ساخت، ۵ ہزار انگریزی ساخت اور باقی چونسٹھ ہزار سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں ۔ اس مقام پر پانچ اسلحہ سازی کے کارخانے اور ۱۷ عمارتیں تلوار اور دوسری جنگی ہتھیاروں سے بھری ہوئی تھیں ۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۲۲)

مذکورۂ بالا تحریر سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سرنگاپٹم اور بدنور کے دو قلعوں میں سقدر اسلحہ ملے جو تمام کی تمام سلطانی کارخانوں کے بنے ہوئے تھے ۔ تو سلطنت خداداد میں جسکی وسعت اسّی ہزار میل تھی ۔ اور اس میں بے شمار قلعے تھے ۔ انمیں کسقدر اسلحہ ہونگے ۔ ان اسلحہ کا اندازہ کرتے ہوئے خیال کیا جاسکتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں کسقدر کام ہوتا ہوگا ۔ اور کس قدر لوگ یہاں کام کر رہے ہونگے اور ملک کسقدر خوشحال رہا ہوگا

سلطانی کارخانوں میں جو اسلحہ تیار ہوتے تھے ۔ ان پر مقام اور مہتمم کارخانہ یا اسلحہ ساز کا نام لکھا جاتا تھا ۔ سلطان اپنے خاص اسلحہ پر "اسد اللہ الغالب" کندہ کراتا تھا ۔ بنگلور کے عجائب خانہ اور بہت سے مقامات پر ابھی تک بہت سے اسلحہ رکھے ہوئے ہیں ۔ میسور میں ایک توپ ہے ۔ جس پر اس طرح کا نشان کندہ ہے ۔

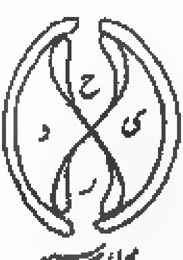

مولا الحسن

نوٹ :۔ اس قسم کا نشان اور بہت سے ہتھیاروں پر بھی پایا جاتا ہے ۔

یوروپی ساخت کی توپوں کی برابری کرتی تھیں۔

بنگلور میں ہر قسم کے سکے رائج ہیں۔ لیکن حساب پگوڈا اور فنم میں رکھا جاتا ہے۔ سکہ جات کے تبادلہ کا نرخ ہر مہینے میں سلطانی حکم سے مقرر ہوتا تھا۔

ملک کے پٹ ریگر اور کھتری ذات کے لوگ ریشم سے نہایت عمدہ اور قیمتی کپڑے تیار کرتے ہیں۔ ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے ہیں۔ اکثر تاجران لوگوں کو مال تیار کرنے کیلئے پیشگی رقم دے رکھتے ہیں۔ اسی طرح کا سلوک سوتی کپڑا بنانیوالوں سے بھی کیا جاتا ہے۔ جلاہوں کی حالت ملک میں بہت اچھی ہے۔ وہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص چند ملازم بھی رکھتا ہے۔ ریشم زیادہ تر باہر کے ملکوں سے آتا ہے۔ اس پر محصول بہت کم لیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس صنعت کی طرف اپنا روپیہ لگا رہے ہیں۔ تو سلطان کے حکم سے محصول معاف کر دیا جاتا تھا۔

چک بالاپور میں مصری تیار ہوتی ہے۔ یہ مصری ملک چین کی مصری اور شکر کے ہم پلہ ہے۔ سلطان نے سرنگاپٹم میں بھی مصری تیار کرنے کا حکم دیا اس کے بنانے کا طریقہ راز میں رکھا گیا ہے۔ سرنگاپٹم میں چین کی بنی ہوئی مصری سستی قیمتوں پر آکر فروخت ہوتی تھی۔ سلطانی حکم سے جب مصری سرنگاپٹم اور چک بالاپور میں تیار ہونی شروع ہوئی تو باہر کی مصری کا منگوانا ممنوع قرار دیا گیا اس کی وجہ سے اس صنعت کو یہاں بہت ترقی ہوئی۔ معمولی مصری ملک میں ہر جگہ بنائی جاتی ہے۔

مادھوگری، چن رائے درگ، ہاگل واڑی اور دیورائے درگ

مہیا کیا جاتا ہے. سلطانی حکم سے ان تمام تاجروں کو نقد قیمت ملی تھی. سلطان کے حکم سے یہاں قسم قسم کے کپڑے، کاغذ، گھڑیاں اور چاقو وغیرہ تیار ہوتے تھے. اور انکے بنانے کے طریقے بالکل رازمیں ہیں. سرجان شور گورنر جنرل نے سلطان کو بطور تحفہ دو گھڑیاں بھیجی تھیں. سلطان نے اپنے کاریگروں کو بلا کر اسی نمونہ کی گھڑیاں بنانے کا حکم دیا. چند دنوں میں کاریگروں نے گھڑیاں تیار کردیں. سلطان نے ایک گھڑی سرجان شور کو اور دوسری لارڈ ولزلی کو بطور تحفہ بھیجی تھی (نوٹ :- افسوس ہے کہ آج باوجود ان بلند بانگ دعووں کے کل ہندوستان میں گھڑی سازی کا کوئی کارخانہ موجود نہیں. تمام گھڑیاں یوروپ و امریکہ سے بنکر آتی ہیں. - محمود)

پتھر کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے. سنگ ساز چالیس سے پچاس ختم تک روزانہ پیدا کرتے ہیں.

چن پٹن میں شیشہ سازی کا عمدہ کام ہوتا ہے. اسی شہر میں فولاد کی باریک تار بنائی جاتی ہے. جو سازوں میں کام آتی ہے. اس کی مانگ نہ صرف ہندوستان بلکہ یوروپ میں بھی ہے. ایک تورہ تار کی قیمت ایک سلطانی ختم ہے (آج بھی یہ تار جو یہاں بنائی جاتی ہے یوروپ اور امریکہ کو جاتی ہے. اور ابھی تک اس سے بہتر تار ایجاد نہیں ہوئی) اسی شہر میں نہایت اعلیٰ قسم کی سفید شکر بھی بنتی ہے. اسکے بنانے کا طریقہ سینہ رازمیں ہے. سلطان نے اس خاندان کو جو شکر بناتا ہے، ایک گاؤں بطور جاگیر دے رکھا ہے. ایک من شکر کے ۱۰ سلطانی ختم لیے جاتے تھے.

لوہے کا کام ملک میں ہر جگہ ہوتا ہے. آخیر زمانے میں توپیں بھی نہایت عمدہ ڈھلنے لگی تھیں. اور ان میں سوراخ بھی درست ہوتا تھا. اور یہ ہر حیثیت سے

بنانے کے کارخانے بھی جاری ہوئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے آج ریاست میسور کو ہندوستان بھر میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ جس طرح ڈیڑھ صدی پہلے سلطان کے زمانے میں اس کو حاصل تھا۔

سلطنتِ خداداد کے سکّے

خدا جانے مصنفِ حملاتِ حیدری کو یہ روایت کہاں سے ملی۔ اور مزید تعجب یہ ہے کہ انہوں نے اس کو بغیر تحقیق کتاب میں درج بھی کر دیا ہے۔ کہ نواب حیدر علی کے سکے پر ایک جانب

ثانی سلطان سکندر حیدر آخر زماں

اور دوسری جانب :-

نائبِ دینِ محمدؐ قاتلِ کل کافراں

ثبت تھا۔

نوٹ :- معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو بدنام کرنے کیلئے یہ شعر کسی متعصب دماغ کا ایجاد کردہ ہے۔ پنجاب میں حیدر علی کی تاریخ جو شہری صاحب نے لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے بھی بلا تحقیق یہی مندرجہ بالا شعر لکھ دیا ہے۔ ورنہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے جس قدر سکے ہیں۔ وہ قریب قریب عجائب خانہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور بعض لوگوں کے پاس بھی محفوظ ہیں۔ ہم نے ان تمام سکوں کو دیکھا ہے۔ ان میں کسی پر بھی وہ شعر نہیں۔ انگریزی تاریخوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے ورنہ انگریزی مورخ ضرور اس کو شہرت دیتے۔

رئیس اور کرنل ولکس نے بھی نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے سکوں کا مفصل تذکرہ

اپنی لوہے کی صنعتوں کے لئے مشہور ہیں۔ یہاں لوہا پتھر سے نکالا جاتا تھا۔ یہ لوہا اس لوہے سے بہتر مانا جاتا ہے۔ جو مٹی سے نکلتا ہے۔ انہیں مقامات میں لوہے سے فولاد بھی بناتے ہیں۔ اس فولاد سے ہتھیاروں کے اوزار تلوار اور ساز کی تار بنائی جاتی ہے۔

مقصد میں ایک قسم کا شیشہ تیار کیا جاتا ہے۔ جس سے مختلف رنگوں کی چوڑیاں تیار ہوتی ہیں۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ٹیپو ایک حکمران ہونے کے علاوہ ایک بڑا تاجر بھی ہے۔ اس خاص مقصد کیلئے اس نے اپنے محل کو ہر قسم کی اشیاء تجارت سے بھر رکھا ہے۔"

(ماڈرن میسور صفحات ۳۰۹ تا ۳۱۹)

صنعت و حرفت کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ رئیس اور بچانن کی تحریروں سے لیکر لکھا گیا ہے۔ فارسی اور اردو تاریخوں میں صنعت و حرفت کے متعلق کوئی ذکر نہیں مگر یورپین مورخ اسکے متعلق کچھ نہ لکھتے تو آج دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ سلطنت خداداد نے صنعت و حرفت میں کس قدر ترقی کی تھی۔

آہ! میسور و ہندوستان کس قدر تباہ ہو گئے۔ حالت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ زندگی کی ہر ایک ضرورت بلکہ سُوئی تک کے لئے ہندوستان یوروپ کا محتاج بن گیا۔

خدا کا شکر ہے کہ میسور گورنمنٹ نے اب کوئی دس پندرہ سال سے ادھر ملک کی زراعت، صنعت و حرفت پر توجہ کی ہے اور قسم قسم کی چیزیں پھر ملک میں بنائی جارہی ہیں جن میں صندل اور لکڑی کی مصنوعات، صابن سازی، ریشم اور لوہے کی مصنوعات کو ایک خاص امتیاز حاصل ہو رہا ہے۔ گو ابھی حال ہی میں چینی اور کانچ مصنوعات، کاغذ، شکر اور سیمنٹ

مقام ضرب	نام سکہ	نام بادشاہ	یک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سرنگاپٹم	سلطانی ہن	ٹیپو سلطان	ضرب پٹن سنہ	(ح)
"	" (دویم)	"	"	"
نگر	نگر صالح ہن	"	ضرب نگر سنہ ۱۲۰۰ھ	"
"	دہلی ہن	"	فرخی سنہ ۱۲۱۰ھ	"
"	" حقی	"	ضرب[1] خالق آباد سنہ ۱۲	"

[1] خالق آباد دنڈیگل کا نام ہے۔ رئیس لکھتا ہے کہ یہ چندگل کا نام ہے جو سرنگاپٹم سے تھوڑی دور پر واقع ہے

نام سکہ	نام بادشاہ	یک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
بادشاہی ہن	حیدر علی	(ہ) دپو (ر)	(ح)
چک بالاپور ہن	"	(با) لاپو (ر)	مرہٹی زبان کے حروف
سلطانی اشرفی (احمدی)	ٹیپو سلطان	دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر است ضرب پٹن سال اول سنہ ۱۱۹ھ	و ہو السلطان الوحید العادل سویم بہاری سال ازل سنہ جلوس
سلطانی نصف اشرفی (صدیقی)	"	صدیقی ضرب سال سنہ	سنہ جلوس

چاندی کے سکے

نام سکہ	نام بادشاہ	یک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
نقرہ (حیدری)	ٹیپو سلطان	دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر است ضرب پٹن سال ازل سنہ ۱۱۹ھ	و ہو السلطان الوحید العادل سویم بہاری سال ازل سنہ جلوس
سلطانی روپیہ (امامی)	"	"	"
سلطانی آدھا روپیہ (عابدی)	"	"	"
سلطانی پاؤ روپیہ (باقری)	"	اللہ محمد ہو السلطان العادل سنہ ۱۲۱ھ	باقری سنہ پٹن

اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور کتاب

"جنوبی ہند کے سکے"

میں جنوبی ہند کے تمام سکوں کا حال درج ہے۔ اس میں بھی نواب اور سلطان کا تذکرہ آیا ہے مگر مذکورۂ بالا شعر کا کہیں ذکر تک نہیں۔ ذیل میں اس کتاب سے اقتباس دیا جاتا ہے :-

"نواب حیدر علی نے اپنا پہلا سکہ فتح بدنور کے بعد رائج کیا۔ یہ سکہ بہادری ہن کہلاتا تھا۔ اس پر ایک جانب سیوا اور پاروتی کی تصاویر اور دوسری جانب نقطوں کے دائرہ میں اپنا نام مضروب تھا یعنی ح

بنگلور میں بھی اسی قسم کا سکہ رائج تھا جس کا نام بنگلوری ہن تھا۔

ٹیپو سلطان کے زمانہ میں اس سکہ کا نام سلطانی ہن ہو گیا۔ اس پر ایک طرف

ہن سلطان العادل سنہ

اور دوسری جانب حیدر علی کا دستخط "ح" اور سنہ جلوس سلطانی اور شہر کا نام مضروب تھا۔

نواب حیدر علی اور سلطان کے جس قدر سکے تھے۔ انکی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے :-

سونے کے سکے

مقام ضرب	نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
نگر (حیدر نگر)	بہادری ہن	نواب حیدر علی	سیوا اور پاروتی کی تصویر	ح
بنگلور	"	"	"	"
کالی کٹ	"	"	"	"
"	نصف ہن	"	"	"
"	سلطانی ہن	ٹیپو سلطان	کالی کٹ سنہ ۱۱۹۹	(ح)

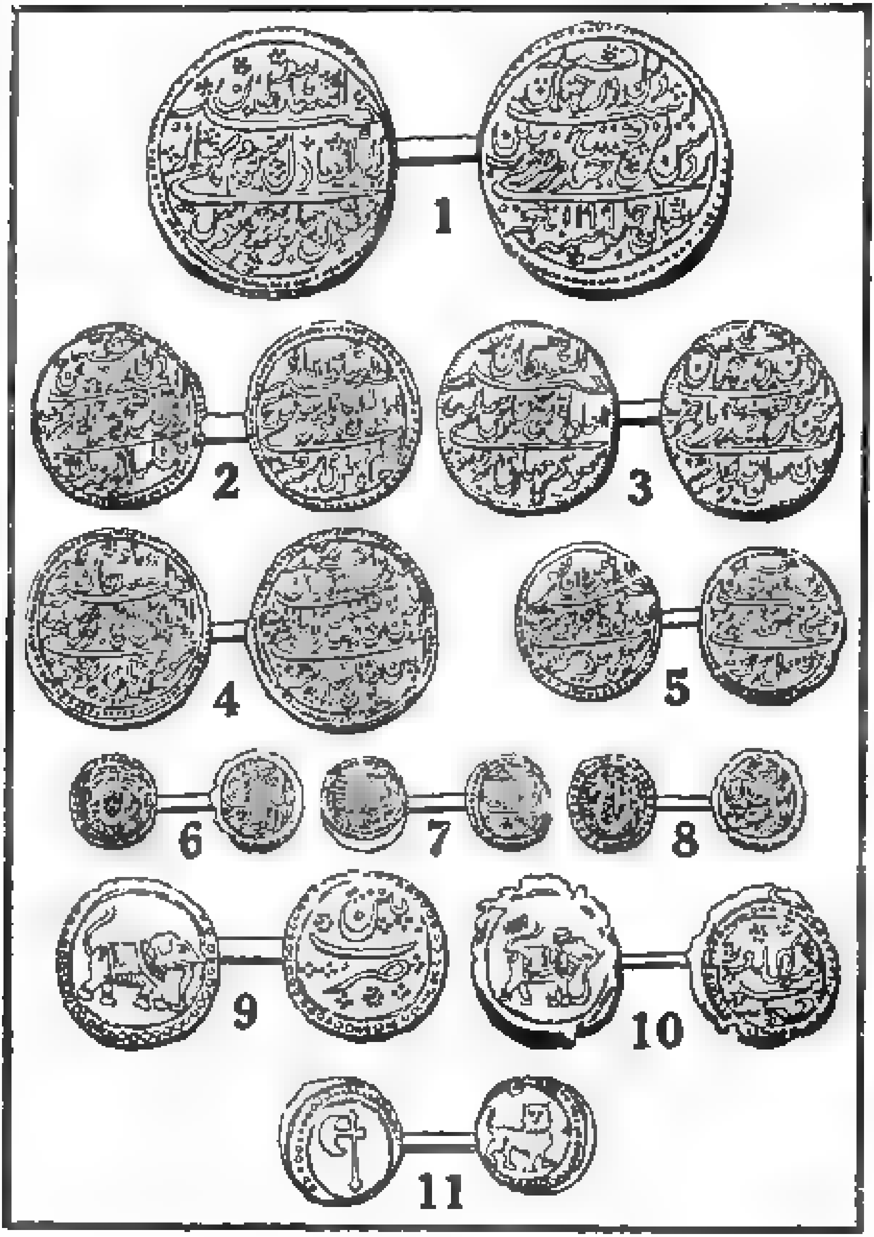

سلطنت خداداد کے سکے

پلیٹ نمبر

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سلطانی ½ روپیہ (جعفری)	ٹیپو سلطان	محمد سنہ ۱۲۲۶ ضرب پٹن	جعفری سنہ ۱۳ جلوس
" ¼ " (کاظمی)	"	"	کاظمی
" ½ آنہ (خضری)	"	ضرب دار السلطنت	خضری سنہ ۱۳ جلوس

(ٹیپو سلطان کی جدت طبع نے تمام سکوں کو نام دے دیا تھا۔)

سلطنت خداداد کے جس قدر سکے کیپٹن ٹل کو دستیاب ہوئے تھے، ان تمام کا عکس اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ وہی عکس (دو عدد پلیٹوں کے ذریعہ) اس کتاب میں بھی دیا گیا ہے۔ ہر سکے کے ساتھ نمبر دیا گیا ہے اور اسکی تشریح ذیل میں کر دی گئی ہے۔

پلیٹ نمبر ۱

۱۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی

ایک جانب۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است

دوسری جانب۔ ہو السلطان الوحید العادل سوم بہاری سنہ جلوس

۲۔ سلطانی اشرفی۔ سونا

ایک جانب۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است ضرب پٹن سال زبرجد سنہ ۱۲۱۹

دوسری جانب۔ ہو السلطان الوحید العادل تاریخ جلوس سال سنہ سوم بہاری ۵ سنہ جلوسی

(اس سکہ کا نام احمدی تھا)

۳۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی } عبارت وہی ہے جو اشرفی پر ثبت ہے۔
۴۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی }

۴۔ سلطانی نصف روپیہ۔ چاندی

ایک جانب ۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدرؐ است ۔ ضرب پٹن سال ہراب ۱۲۱۲ھ

دوسری جانب ۔ ہو السلطان الوحید العادل ۔ تاریخ جلوس سال سنج سوم بہاری ۱ سنہ جلوسی

۶ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا ۔ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ہو السلطان العادل محمد ۱۲۰۱ھ

دوسری جانب ۔ پٹن

(نوٹ :۔ ن کو ج لگایا گیا ہے ۔ مراد حیدر سے ہے اور پٹن سے مراد سرنگاپٹم ہے ۔)

۷ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا (ضرب حیدر نگر)

ایک جانب ۔ ہو السلطان العادل محمد ۱۲۰۱ھ

دوسری جانب ۔ نگر ح

۸ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا ۔ (دارالضرب کا نام ج ا ہے ۔ معلوم نہیں ج ا سے مراد کونسا شہر ہے ۔ غالباً جمال آباد (کمانور) ہوگا ۔

عبارت وہی ہے جو نمبر (۶) اور (۷) کی ہے ۔

۹ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ضرب پٹن ۔

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۔ (نوٹ :۔ سال درج نہیں ہے)

۱۰ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بنگلور)

ایک جانب ۔ ضرب بنگلور

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۔ (نوٹ :۔ ہاتھی کی دم پر سنہ ضرب ۱۲۱۱ درج ہے)

۱۱ ۔ سلطانی آدھا پیسہ ۔ تانبہ ۔ ایک جانب شیر ۔ دوسری جانب تبر

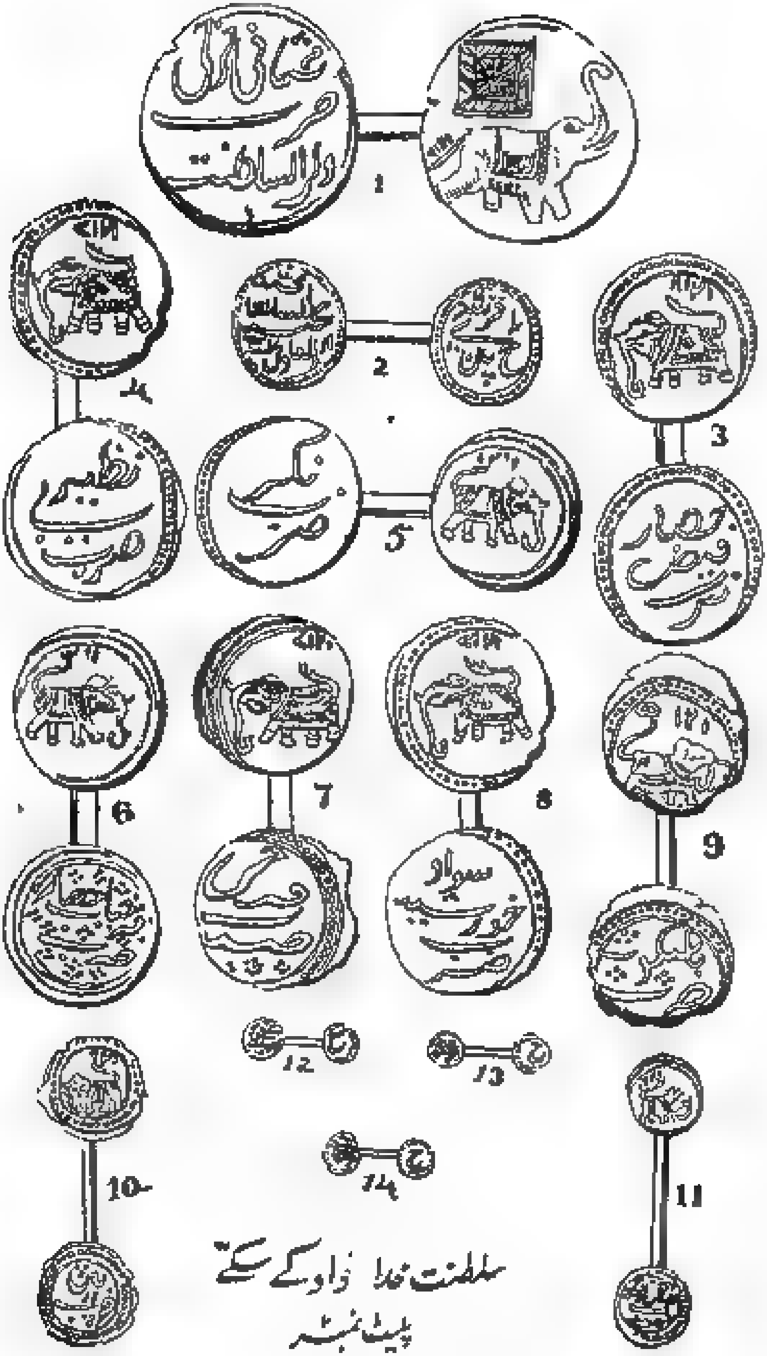

سلطنت خداداد کے سکے

پلیٹ نمبر

پلیٹ نمبر ۲

۱ ۔ سلطانی بڑا پیسہ ۔ تانبہ

ایک جانب ۔ سلطنت کا شاہی نشان ۔ یعنے ہاتھی جس کی پشت پر سلطنت کا علم ہے ۔

(نوٹ :۔ علم پر چمکتا ہوا پورا سورج دکھایا گیا ہے)

دوسری جانب ۔ ضرب دارالسلطنت ۔ عثمانی فرخی

۲ ۔ سلطانی باؤ روپیہ ۔ چاندی ۔ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ہو السلطان الوحید العادل محمد ۱۲۰۶ھ

دوسری جانب ۔ ح پٹن باقری ۵ھ

(نوٹ باقری سکہ کا نام ہے ۔ اور اسکو ثمن کہا جاتا تھا ۔ جو موجودہ ۲ ہم سکے برابر تھا)

۳ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فیض حصار)

ایک جانب ۔ ضرب فیض حصار

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۲ (نوٹ :۔ فیض حصار سے مراد گُتی ہے)

۴ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بے نظیر)

(نوٹ :۔ بے نظیر سے مراد ہولے ہونور ہے)

۵ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب حیدر نگر)

۶ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فرخیاب حصار ۱۲۰۱ھ)

۷ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فرخی)

۸ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب خورشید سواد)

(نوٹ :۔ خورشید سواد سے مراد دھاڑواڑ [illegible])

۹ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ ۔ (ضرب کلی کوٹ، کلی کٹ)

۱۰ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب سرنگاپٹم)

۱۱ ۔ سلطانی آدھا پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بنگلور)

۱۲، ۱۳، ۱۴ ۔ نواب حیدر علی کے سکے ہیں۔ (تصویر آدھے پیسے کی دکھائی گئی ہے)

ایک جانب صرف ح لکھا ہوا ہے ۔ اور دوسری جانب دارالضرب کا نام ہے

کرنل ہنڈرسن کی رائے سلطانی سکوں کے متعلق :۔

"ٹیپو کے سکے دیکھ کر مجھے اس کی غیر معمولی قابلیت اور جدت طبع کا اعتراف کرنا پڑتا ہے ۔ اس نے سکوں میں اپنی جدت کا جو نمونہ پیش کیا ہے ۔ وہ حد درجہ حیرتناک ہے"۔

محکمۂ تعمیرات

سلطنتِ خداداد کی تعمیرات میں قلعوں کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ جو ملک کے طول و عرض میں بے شمار بنائے گئے تھے ۔ اور آج بھی انکے آثار ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

سلطنت کے فوجی انتظام میں یہ بتلایا جا چکا ہے ۔ کہ فوج میں پانیر یا سفر مینا کی پلٹنیں بھی تھیں۔ جن کے ذمہ قلعوں اور فوجی بارکوں کی تعمیر تھی ۔ اسکے علاوہ سول کاموں کے لئے ایک علیحدہ محکمہ تھا ۔ جس کا عملہ تالابوں کی دیکھ بھال، پشتوں کی تعمیر و درستگی پر مامور تھا نواب حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان ۔ انہیں اپنی ۳۳ سالہ مدت حکومت میں جنگوں سے اس قدر فرصت نہیں ملی کہ وہ دوسری تعمیرات پر توجہ کرتے ۔ لیکن جس قدر بھی ہو سکا ۔ انہوں نے اس طرف توجہ کی ۔ ان تعمیرات میں قابل الذکر عمارات حسب ذیل ہیں ۔

سرنگاپٹم میں مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ، گنبد اعلیٰ، دریا دولت باغ، سلطانی محل

وصف ایں قصر را شنید مگر | زاں فریدوں بخواب غفلت شد
جستمش از حساب زر تاریخ | گفت ہاتف کہ بیت عشرت شد
چوں شد ایں قصر تازہ نقش تمام | صورت چینی خجل ز غیرت شد

جستم از خفتہ عقل تاریخش
گفت لاریب رشک جنت شد

(یہ کتبہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے)

ان تعمیرات کے علاوہ مختلف قلعہ داروں نے بھی اپنے اپنے مقامات پر مسجدیں اور قلعے تعمیر کئے تھے۔ جن میں مثال کے طور پر قلعہ کپل کا تذکرہ تاریخ سلطنت بیجاپور سے اقتباس لیکر کیا جاتا ہے۔

قلعہ کپیل

علاقہ حیدرآباد وکپل میں جو اس وقت نواب سالار جنگ کی جاگیر ہے۔ پہاڑ پر نواب حیدر علی کے زمانہ کا ایک قلعہ ہے۔ قلعہ کے اندر کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ اس قلعہ کے تین دروازے ہیں۔ جن میں ایک ٹیپو سلطان کے نام پر سلطانی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

اللہ | بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۔

مالک ایں قلعہ را بود بہادر نواب ٹیپو سلطان از وطالع شدہ آثار کل عمارت تیار کرد

فدوی قلعہ دار محمد خاں ہیلی نہادہ ام در سلطان باب

۱۱۹۷ھ ہجری

بارہ دری یا سرنگاپٹم کے لال باغ کا رنگین محل ۔ بنگلور میں سلطانی محل اور مسجد ۔ چتلدرگ میں محل اور مسجد۔ نگر میں محل اور مسجد۔ ہتوسکوٹہ میں عیدگاہ ۔ کولار میں نواب حیدر علی کی والدہ کا مقبرہ ۔

مسجدیں یوں تو بہت سے مقامات پر تعمیر ہوئیں جو فن انجنیری یا خوبصورتی کے لحاظ سے نا قابل ذکر ہیں ۔

اوپر جن عمارات کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ان میں موجودہ وقت سرنگاپٹم میں دریا دولت باغ ، گنبد اعلےٰ ، مسجد اقصےٰ اور مسجد اعلیٰ باقی ہیں ۔ چتلدرگ میں مسجد، کولار میں مقبرہ ، اور بنگلور میں محل کا ایک حصہ باقی ہے ۔

بنگلور میں جو مسجد سلطان نے تعمیر کی تھی وہ اپنی صنعت کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں پہلی مسجد تھی ۔ اس کا ایک نقشہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد مرافشی تعمیر کا نمونہ تھی ۔ اور اس پر صرف ایک مینار تھا ۔ (یہ مسجد موجودہ گوی پورم (بسٹی) کے پہاڑی پر تھی ۔ اس وقت یہاں مندر بنا ہوا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ عربی تاجر جب یہاں آتے تھے تو اسی جگہ اترتے تھے ۔ اور یہاں ایک قسم کا پتھر جس پر آنکھ کا نشان بنا ہوتا تھا ۔ ملتا تھا)

بنگلور میں سلطانی محل پر جو کتبہ لگا ہوا تھا ۔ اس پر یہ قطعہ کندہ تھا ۔

تا بنائی محل بشوکت شد | سر باوج فلک ز بہجت شد
واہ یہ فرخ محل بنائے رفیع | برتر از آسمان ز رفعت شد
ہست آئینہ خانہ بصفا | ہرکسش دید محو حیرت شد
گوئی صفوت ربود از کف چرخ | چرخ زاں سرنگوں ز خجلت شد

ٹیپو سلطان کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار وغیرہ

حلیہ

میجر آلن کی تحریر جو پہلے دی جا چکی ہے۔ اس میں سلطان کا حلیہ لکھا جا چکا ہے صاحب نشان حیدری اسکی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"سلطان گندمی رنگ کا تھا۔ اس کی ناک خمدار، آنکھیں پر آب اور بڑی بڑی تھیں۔ چہرہ کے خط و خال نہایت نازک تھے۔ اور ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے تھے سلطان داڑھی منڈایا کرتا تھا۔ گردن پر بل پڑتے تھے۔ قد پانچ فیٹ اور آٹھ انچ تھا۔"

لباس

سلطان بالکل سادہ اور شرعی لباس پہنتا تھا۔ اور اپنی دستار پر اور ٹھڈی کے نیچے سفید رومال باندھتا تھا۔ کمر کی پیٹی میں ایک پیش قبض اور تلوار رہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری بہت پسند کرتا تھا۔ پالکی اور اس قسم کی سواریوں سے اس کو نفرت تھی۔

طرز گفتگو و زبان

سلطان کا طرز گفتگو بالکل ملایم اور شیریں تھا۔ سلطان کی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں نکلتا تھا۔ اکثر یہی جملے زبان پر رہتے کہ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔

سلطان زیادہ تر فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اگرچہ اس کو کنڑی اور دکھنی پر بھی کامل عبور تھا۔ صاحب حلات حیدری لکھتے ہیں:-

"وہ مغفور ہر ایک علم سے بقدر ضرورت بہرہ ور تھا۔ گفتگو فارسی زبان میں کیا کرتا۔

دوسرے ایک دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

اللہ کافی

حمداً کثیراً دروازہ مکہ بالقب معظمہ مزین شدہ

سنہ ۱۱۹۳ھ

بندۂ نیاز نشان محمد عثمان ساکن کرلا رجنوبی وتار بہ حسب آب خورش حسب الامر جلیل القدر نواب نامدار فلک اقتدار سپہر مدار خورشید رکاب صاحب السیف والقلم حاکم الملک والعلم یعنے نواب حیدر علی خان بہادر عرف فتح حیدر دام سلطنتہٗ وعظمتہٗ بنائے تیاری قلعۂ کپل دست داد۔ جابجا نیز جاپایہ فتح فرنگ وکارشانکہ وبسے وخندق وغیرہ ترتیب یافت۔

یازدہم ذی قعدہ سنہ ۱۱۹۳ ہجری

(قلعہ کے پاس "چاند کٹہ" پر یہ کتبہ ہے)

دریں ایام عمل نواب بہادر — عمارت ساخت در کپل نوادر

نوادر کار شد او یافت نامی — قلعہ دار از محمد خان جیلی

نخستیں زآب قلت یافت عالم — بہائم طیر جملہ نسل آدم

ز دریا فیض بخشا یند او شاں — قلعہ گچی ومٹی را حتے والی

نہادند نام اورا چاند کٹہ — بنزد است بر ضیا او جگی بندہ

بہ عقلش آنکہ شد از اطراف تیلاب — میان جل پرُے بر آب سیلاب

بماند یادگارے تا قیامت — نمونہ قصہ یہ کپل را سلامت

مرتب شد دریں رجب مہ نو — سنہ ہجری یکہزار صد نود و نہ

علیحدہ دروازے سے آکر نمازیوں میں شامل ہو جاتا تھا۔

روزانہ مشاغل

سلطان علی الصباح بیدار ہوتا۔ اور نماز صبح کے بعد ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن مجید کرتا۔ جس کے بعد آدھا گھنٹہ توشک خانہ میں جواہرات وغیرہ کا معائینہ فرماتا۔ اور سیر کے لئے جاتا۔ واپسی کے بعد ناشتہ کرتا۔ اور اس وقت سلطان کے ساتھ تین چھوٹے شاہزادے اور ایک منشی ہوتا۔ اکثر خطوط ناشتہ کے وقت لکھائے جاتے تھے۔ غذا میں زیادہ تر پھل اور دودھ ہوتے۔ ناشتہ کے بعد فوج کا معائینہ کیا کیا جاتا۔ محل کو واپسی کے بعد باہر کے آئے ہوئے خطوط اور رپورٹ سنائے جاتے۔ اور احکام جاری ہوتے۔ رات کو کھانے پر بڑے شہزادے اور افسران سلطنت ضرور حاضر رہتے۔ کھانے کے وقت اکثر تاریخ اور شعراء کا تذکرہ ہوتا۔ سونے سے پیشتر چہل قدمی کی جاتی۔ جس کے بعد سلطان نیند آنے تک کسی کتاب کا مطالعہ کرتا۔ غذا دن میں صرف دو وقت تھی۔

سلطان کی روزانہ مصروفیت کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ پر لکھتا ہے:

"ٹیپو میں ایک سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ دن بھر بغیر آرام لینے کے سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور ہر کام قرینہ اور باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ وہ روزانہ اس قدر خط و کتابت اپنے ہاتھ سے کرتا تھا کہ دیکھ کر اس کی جفاکشی اور اس کے دل و دماغ پر حیرت ہوتی ہے۔"

چونکہ اوپر کی تحریر میں سلطان کی خط و کتابت کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے یہاں سلطان کے ان چند مکاتیب کی نقل دی جاتی ہے۔ جو روزانہ وہ اپنے افسروں، ایجنٹوں اور دوسروں کو لکھتا تھا۔ ان مکاتیب سے اسکی حیرتناک قابلیت اور عالی دماغی کا پتہ چلتا ہے اور کسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت کیسی عظیم المرتبت تھی۔

حقاد ایسا کہ کسی امر میں بمصداق خیر الامور اوسا طہا کے اعتدال سے قدم باہر نہ رکھتا ایسی مزاح وہزل کا جس سے کسر شانِ اسلام کی پائی جائے۔ کیا امکان کہ اس پیرو شریعت کی مجلس میں مذکور نکلے۔"

غیرت وحمیّت تمام عمر سلطان نے خود کسی کو ہاتھ اٹھا کر سلام نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کو سلام کی اجازت دی۔ جس دن ۱۷۹۲ء میں میسور کی تیسری لڑائی کے بعد سلطان کو محصور ہو کر مجبوراً صلح کرنی پڑی۔ اور لارڈ کارنوالس کو ایک بڑا علاقہ اور دو بیٹے بطور یرغمال دینے پڑے تو اس دن سے لیکر شہادت کے دن تک سلطان نے کبھی چارپائی پر نہیں سویا۔ زمین کے فرش پر کھدر کے ایک موٹے کپڑے پر سوتا تھا۔ اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لیا جائیگا۔ چارپائی پر سونا میرے لئے حرام رہیگا۔ وہ تضحیک وتمسخر کی باتیں سخت ناپسند کرتا تھا۔ اور کسی کو اس کے آگے ایسی باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سادگی مسلمانوں کے اختلال کو دیکھتے ہوئے سلطان نے معلوم کر چکا تھا کہ جبتک مسلمان عجم وہند کے خصائص جو ان میں سرایت کر گئے ہیں۔ نہ چھوڑیں گے اور جبتک زمانۂ خیر القرون کی سادہ زندگی اختیار نہ کریں گے۔ وہ دنیا میں ترقی نہیں کرسکتے اس لئے اس نے تمام تکلفات کو برطرف کردیا۔ نشست وبرخاست، آداب وسلام اور تحریر و تقریر میں جو سادگی اس نے اختیار کی۔ وہ آپ اپنا نمونہ ہے۔ اس سے پہلے یعنے مغلیہ حکومت کے زمانے سے آداب وسلام کے طریقوں میں کئی کئی بار جھک کر بلکہ زمین بوس ہو کر سلام کیا جاتا تھا۔ اور ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا تو ایک معمولی بات تھی۔ یہاں تک کہ مساجد میں بھی امراء کی تعظیم وتکریم شروع ہو گئی تھی مسجدوں میں انسانوں کی تعظیم وتکریم روکنے کیلئے خود سلطان نے مسجد میں

کرتے ہوئے راؤ دستہ کے پاس حاضر نہ ہونے کی تمہیں کیا ضرورت پیش آئی؟

آئندہ کیلئے تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ خانگی معاملات میں دخل مت دو، اور بحیثیت سرکاری ملازم کے صرف سرکاری معاملات سے ہی تعلق رکھو۔

(۳) خط بنام محی الدین علی خاں۔ مورخہ ۱۷ر اگست ۱۷۸۵ء

تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ دفتر میں حاضری کے عوض تم اپنا سارا وقت گھر میں گزارتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ تمہیں ایک مناسب وقت دفتر میں گزار کر کے وہاں امور سرکاری کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ کسی شخص کو بھی سرکاری کام کے متعلق گھر پر آنے کی تکلیف نہیں دینا چاہیئے۔

(۴) خط بنام سید محمد قلعدار سرنگاپٹم۔ مورخہ ۱۲ر ستمبر ۱۷۸۵ء

اطلاع ملی ہے کہ متصدی کرشنا راؤ کو دیوانہ کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ اس لیئے ہماری یہ خواہش ہے کہ مذکور متصدی کو حکیم محمد بیگ کے پاس بھیجا جائے، کہ ٹھیک علاج کرے۔ مذکور متصدی سے یہ بھی کہا جائے کہ زخم کو بند کرنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ چھ ہفتہ تک کھلا رکھے کہ تمام مواد نکل جائے۔

(۵) خط بنام غلام حیدر۔ مورخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۷۸۵ء

تم نے بعض اشیا کا بازاری نرخ مقرر کرنے کیلئے یہاں کے متصدیوں سے تحقیق دریافت کی ہیں۔ بڑھاپے نے تمہارے حواس پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں کے متصدیوں کی بہ نسبت مقامی متصدی وہاں کے بازار کا نرخ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ اس لیئے ضروری اطلاعات وہیں کے متصدیوں سے حاصل کی جائیں۔

سلطنت کا روزمرہ انتظام

مکاتیب سلطانی

ان مکاتیب کے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ "ان کے ذریعہ سلطنت کے روزمرہ انتظام اور سلطان کی مصروفیت کا پتہ چلتا ہے" میسور گزیٹیر کا مصنف لکھتا ہے کہ "ٹیپو میں یہ ایک بڑا وصف تھا، کہ وہ ہمیشہ سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور جس قدر روزانہ خط وکتابت ضروری ہوتی تھی، اس کا انجام اسی دن ہوتا تھا"

(نوٹ :- ان خطوط پر سنہ ہجری اور سلطان کا ایجاد کردہ سنہ بہاری لکھا ہوا تھا لیکن سہولت کیلئے انہیں سنہ عیسوی میں منتقل کیا گیا ہے۔)

(۱) خط بنام شیخ احمد۔ مورخہ ۲۸ر جون ۱۷۸۵ء

تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہاری مرضی کے مطابق تمہیں امور تجارت کی ذمہ داری دی جائے گی۔ تمہارے کارخانے کیلئے ایک مناسب جگہ کے ساتھ پیشگی رقم بھی دی جائیگی کہ تمہیں اپنے کاروبار میں سہولت حاصل ہو۔ جو کچھ منافع حاصل ہو دو سال تک وہ خاص تمہارا حصہ ہوگا۔ اس عرصہ میں تمہارے مال تجارت پر بھی کوئی محصول نہیں لیا جائیگا۔ اس لئے فوراً حضوری میں چلے آؤ۔

(۲) خط بنام نور محمد خاں۔ مورخہ ۱۳ر ستمبر ۱۷۸۵ء

سنا گیا کہ تم نے راؤ رستہ کی طلبی پر بھی دفتر میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ اس کا سبب ایک مسلمان عورت کو بتلایا جاتا ہے۔ تم نے کہا ہے کہ اگر اس عورت کو چھوڑ دیا جائے تو تم حاضر ہونگے۔ یہ بیان سن کر نہایت تعجب اور حیرت ہوئی۔ ملکی لوگوں میں ہمیشہ اسی طرح کے خانگی جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس جھگڑے کی وجہ سے سرکاری کاموں کو نظر انداز

کہ جن چیزوں کی ہم کو خواہش ہے انہیں ایک مناسب قیمت پر سب سے پہلے ہمارے پاس فروخت کیا جائے۔ اور باقی اشیا تم اپنی مرضی سے فروخت کر سکتے ہو۔ تمہاری رہائش وغیرہ کے متعلق ارشد بیگ خاں فوجدار کلی کٹ اور غلام حیدر عامل منگلور کو پروانے بھیجے گئے ہیں۔ تم جہاں چاہو اتر سکتے ہو۔

(۹) خط بنام ناظم اصطبل فیلاں مقام حیدر نگر۔ ۱۰ر فروری ۱۷۸۵ء

تمہاری عرضی موصول ہوئی تم لکھتے ہو کہ تمہارے دفتر کے متصدی آرام طلب ہو گئے ہیں۔ اور ابھی تک نگر میں اس لئے مقیم ہیں کہ تعلقداروں سے بعض معلومات حاصل کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پندرہ دن کے عرصہ میں سوائے نگر کے حسابات کے دوسرے مقامات کے حسابات ابھی تک تیار نہیں ہوئے۔ مہلت طلبی کیلئے تمہاری یہ عرضی نہایت تعجب خیز ہے جب کبھی تمہارے محکمہ کے متصدی تمہاری مرضی کے مطابق کام نہ کریں۔ انہیں سخت سزا دی جائے۔

(۱۰) خط بنام محی الدین علی خاں۔ مورخہ ۵ر جنوری ۱۷۸۹ء

تم لکھتے ہو کہ کسی جگہ قلعی زمین میں دریافت ہوئی ہے۔ اور تم نے بذریعہ ڈاک اس کے ساتھ کچھ بطور نمونہ بھیجے ہیں اور دریافت کیا ہے کہ آیا یہ قلعی بیلوں پر لاد کر حضوری میں بھیجی جائے یا حضوری سے کسی آدمی کو روانہ کیا جائیگا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ مذکورہ قلعی مع مٹی کے قلعہ میں جمع کیجائے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں زمین میں قلعی رہتی ہے۔ وہاں نیچے چاندی کی کان پائی جاتی ہے۔ اس لئے تم وہاں کی تھوڑی سی مٹی جمع کر کے رکھو۔ یہاں سے ماہرین جمادات کو روانہ کیا جائیگا۔

(۶) خط بنام امام مسقط۔ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۷۸۵ء

ایک دیسی کشتی (ڈہو) جو رتن جی اور جیون داس تاجران مسقط کی ملکیت ہے۔ طوفان کی وجہ سے شکستہ ہو کر ہمارے بندرگاہ بھٹکل میں آگئی ہے۔ اگرچہ ملکی قانون کے مطابق اس جگہ کے حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اس پر قبضہ کر لے۔ لیکن سرکار خداداد اور سرکار مسقط میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ تاجر آپ کی رعایا ہیں۔ اس لئے اس کشتی اور تمام مال کو ان تاجروں کے حوالے کر کے اس خط کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔

(۷) خط بنام میر کاظم۔ مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۷۸۵ء

بعد دریافت یہ معلوم ہوا ہے کہ جزیرۂ ہرمز کے کسی حصہ میں زعفران پیدا ہوتی ہے وہاں کے دو مقامی باشندوں کو سرکاری ملازمت میں لیکر ان کو یہاں روانہ کر دیا جائے اور ان کے ساتھ دو من بیج بھی بھیجے جائیں۔

معلوم ہوا ہے کہ صندل اور کالی مرچ ابھی تمہارے پاس باقی ہے۔ اب اور زیادہ مال بھیجا جا رہا ہے۔ ان اشیاء کو فوراً فروخت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ یہ مشہور کر دو کہ تمہیں حکم ملا ہے کہ مسقط میں انکی فروخت بند کر کے ان اشیا کو جدہ بھیجدیا جائے۔ اگر یہ بات اچھی طرح مشہور ہو جائے تو ان چیزوں کی قیمت خودبخود بڑھ جائے گی۔ اس وقت جب فی من پچیس ۲۵ یا تیس ۳۰ پگوڑہ قیمت اٹھ جائے تو اس وقت فوراً ان اشیاء کو فروخت کر دو۔

(۸) خط بنام ارمنی تجار مورخہ ۲۹ر نومبر ۱۷۸۵ء

معلوم ہوا ہے کہ تم سامان تجارت لیکر انگریزی یا پرتگالی جہاز میں آنے والے ہو۔ اور اسکے لئے تم خاص اجازت چاہتے ہو۔ تمہارے ارادے اور خواہش کے مطابق حکم دیا جاتا ہے کہ تم بندرگاہ منگلور یا کالی کٹ میں بالکل اطمینان سے اتر سکتے ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے

حصہ جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے انہیں کھلے میدان میں جہاں کی آب و ہوا انہیں راس آئے، رکھا جائے۔

(۱۵) خط بنام فرانسیسی جنرل موشیور لالی۔ مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۷۸۵ء

(یہ فرانسیسی افسر ٹیپو سلطان کی فرنچ فوج کا افسر اعلیٰ تھا)

شراب فروخت کرنے کیلئے تمہارے کیمپ میں ایک سے زیادہ دکان کی اجازت نہ دی جائے۔ اور یہ تاکیدی حکم دیا جائے کہ سوائے یورپین لوگوں کے دیسیوں کے ہاتھ شراب ہرگز فروخت نہ ہو۔ بلکہ دکان پر سرکاری پہرہ رکھ دیا جائے۔ اس لئے کہ سرکار خداداد میں شراب کی فروخت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۱۶) خط بنام موشیور لیکا سگنی۔ مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۷۸۵ء

یورپ سے ایک کتاب ابھی آئی ہوئی ہے۔ جس میں آلہ مقیاس الحرارت کے متعلق معلومات درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں یہ تحریر ہے کہ اگر کسی بخار زدہ شخص پر اس کا استعمال کیا جائے تو بخار کا درجۂ حرارت معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرکے حضوری میں پیش کیا جائے۔

(۱۷) خط بنام تربیت علی خاں۔ مورخہ ۲۱ر دسمبر ۱۷۸۵ء

تم نے شکایت کی ہے کہ تمہیں خطوط کے فوری جواب سے سرفراز نہیں کیا جاتا۔ جس "بڑے آدمی" (یعنی تربیت علی خاں) کو دن بھر سوائے دو یا تین مرتبہ کھانے، آرام کرنے یا خوش گپیوں کے کچھ اور کام نہیں ہے۔ مگر ہم صبح سے دیر رات تک معاملات ملکی میں منہمک رہتے ہیں۔ اور جس وقت بھی فرصت ملتی ہے۔ ہم تمہارے خطوط کے جواب دینے کی طرف فوراً متوجہ ہوتے ہیں۔

(۱۱) خط بنام غلام علی خاں۔ مورخہ ۱۰ ؍ جنوری ۱۷۸۶ء

حال میں سرکار خداداد کے ملک میں کافور کا درخت دریافت ہوا ہے، اس درخت کے تیل کی دو شیشیاں تمہیں بھیجی جاتی ہیں۔ تم اپنے پیروں پر اس کا استعمال کرو۔ اور قریباً ایک تولہ شوربہ کے ساتھ اندرونی طور پر استعمال کیا جائے۔ اگر اس سے کچھ فائدہ پہونچے تو حضوری میں اطلاع دی جائے۔

(۱۲) خط بنام راجہ ملک پیگو (برما) مورخہ ۲۲ ؍ جنوری ۱۷۸۶ء

محمد قاسم اور محمد ابراہیم کے ذریعہ خدمت عالی میں دو گھوڑے اور ایک بیش بہا خلعت بھیجی جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اس لئے بھیجا گیا ہے۔ کہ میسور اور پیگو کے سرکاروں میں باہمی فائدہ کیلئے تجارت کا سلسلہ قائم ہو۔ اس ملک سے جن چیزوں کی ضرورت ہو۔ انہیں وہاں بھیجا جاسکتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ پیگو میں قیمتی لعل ملتے ہیں۔ اس لئے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ اپنے وزراء کو حکم دیں۔ کہ وہ لعل خریدنے میں ہمارے آدمیوں کی مدد کریں۔

(۱۳) خط بنام غلام علی۔ مورخہ یکم مارچ ۱۷۸۶ء

یہ ہماری خواہش ہے کہ بندرگاہ بصرہ حاصل کیا جائے۔ اس لئے یہ سنکر خوشی ہوئی کہ تم بصرہ کے راستے سے قسطنطنیہ جانا چاہتے ہو۔ وہاں پہونچکر تم بندرگاہ کی حالت کے متعلق اچھی طرح دریافت کرو۔ یہاں سے نجف پہونچکر وہاں کے لوگوں سے دریافت کرو کہ اگر انکی مرضی ہو تو دریائے فرات سے ایک نہر نکالکر نجف تک لائی جائے گی۔ اور اگر انکی خوشی ہے تو یہاں سے ضروری روپیہ اور لوگ اس نہر کے نکالنے کیلئے بھیجے جائیں گے۔

(۱۴) خط بنام بدالزماں خاں۔ مورخہ ۵ ؍ مارچ ۱۷۸۶ء

تمہارے خط سے معلوم ہوا ہے کہ پانچ سو گنگی لوگ چیچک سے مرگئے ہیں۔ ملک کا وہ

کہ وہ ایک ہی نظر میں پہچانی جاتی تھی کہ یہ سلطان کے قلم سے نکلی ہے۔ الفاظ میں
تحکم پایا جاتا تھا"

آر۔ ہیچ کیتیل لکھتا ہے:۔

"سلطان نہایت آسانی سے نثر و نظم لکھتا تھا۔ اور اس کے مضمون میں ایک خاص
شان پائی جاتی تھی۔ اس نے کبھی کسی کو سلام نہیں کیا۔ اور نہ کسی سے سلام قبول کرتا تھا"

کتاب تحفۃ المجاہدین اور دوسرے کتب۔ جیسے وقائع منازل احکام نامہ وغیرہ سلطان کی خاص نگرانی میں لکھے گئے۔ ان کتابوں میں بہت سے مضامین اور اشعار خاص سلطان کی تصنیف ہیں۔

سلطان اپنے ہر فرمان اور دوسری تحریروں پر جو منشیوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان پر اپنے مہر لگاکر آغاز عبارت پر اپنے قلم سے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھتا۔ اور اختتام عبارت پر اپنے دستخط ثبت کر دیتا تھا۔ تاکہ اس میں کوئی اور لفظ بڑھا لیا نہ جائے۔

نوٹ:۔ کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کے فارسی و اردو ابیات اور ان میں جو احکام ہیں وہ کسی دوسری جگہ دئے گئے ہیں۔ کتاب میں مصنف کا نام
"میر زین العابدین شوستری دیا گیا ہے"

مگر مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ کتاب سلطان کے زیر نگرانی لکھی گئی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان کس قدر قادر الکلام شاعر اور نثار تھا۔ اور اس سے اسکی اعلیٰ جنگی قابلیت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

(نوٹ میر زین العابدین حیدرآباد کے میر عالم کے بھائی اور سلطان کے میر منشی تھے۔ انکے متعلق کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ سازش میں شریک تھے۔ لیکن حیدرآباد اور میر عالم کی کھلی ہوئی دشمنی کو دیکھتے ہوئے

(۱۸) خط بنام ارشد بیگ خاں۔ مورخہ ۲ ار فروری ۱۷۸۵ء

تم کو چاہئے کہ وہاں کے تاجروں اور باشندوں کو قطعی حکم دیدو کہ وہ انگریزی تاجروں سے کوئی مال نہ خریدیں اور نہ ہی ان کے ہاتھ کوئی مال فروخت کریں۔ اگر اس طرح کیا گیا تو وہ لوگ کب تک اس ملک میں رہیں گے۔ آخر مایوس ہو کر یہاں سے چلے جائیں گے۔

(۱۹) خط بنام راجہ رام چندر۔ مورخہ ۱۰ ار اپریل ۱۷۸۵ء

تمہارے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ذات کا کوئی مناسب آدمی یہاں نہ ملنے سے تم اپنی بیٹی کی شادی پائین گھاٹ میں کرنا چاہتے ہو۔ اس لئے برات کو پائین گھاٹ سے آنے کیلئے پروانہ راہداری چاہتے ہو، پروانہ ملفوف ہے۔ جس شخص کے ساتھ تمہاری لڑکی کی شادی ہو۔ اس کو اپنے ہی پاس ٹھہرا رکھو۔ پائین گھاٹ کو واپس بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کوشش کرکے یہاں ہی اپنی ذات برادری کا کوئی اور بر تلاش کر لو۔ ضرورت ہے کہ ملک میں آبادی بڑھائی جائے۔

علمی قابلیت

سلطان بہت بڑا منشی تھا۔ طب۔ تجارت، معاملات مذہبی و فوجی اور بے شمار دوسرے امور پر یکساں رائے دیتا تھا۔ اس کا ثبوت وہ مکاتیب دے رہے ہیں جو ابھی اوپر لکھے گئے ہیں۔

کرنل کرک پاٹرک (جسکے ذمہ بعد زوال سلطنت خداداد سلطان کا کتب خانہ تھا) اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے :-

" سلطان کی تحریر دوسری تحریروں سے بالکل ممیز تھی۔ اس قدر مختصر اور پرمعنی ہوتی تھی کہ ایک ایک لفظ سے کئی معنے نکلتے تھے۔ اس کی تحریر کا خاص وصف یہ تھا

"کتب خانہ کی ترتیب و تہذیب کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا۔ سلطان کو تصنیف و تالیف کا بھی بہت شوق تھا۔ سلطان کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق ہیں۔ سلطان نے اپنے فرامین کے متعدد مجموعے تیار کرائے تھے۔ جو اس وقت بھی یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ سلطان جو کتاب مطالعہ کر چکتا تھا۔ اس پر مہر لگا دیتا تھا۔ اس طرح اکثر کتابوں پر مہریں ثبت تھیں۔"

۱۷۹۹ء میں جب سرنگاپٹم پر انگریزی تسلط ہوا تو یہ کتب خانہ چھ سال تک کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ اسکے بعد میجر اسٹورٹ نے عربی فارسی اور اردو مخطوطات کی ایک فہرست مرتب کی جو ۱۸۰۹ء میں بمقام کیمبرج چھپ کر شائع ہوئی۔

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں جو کتابیں سلطانی کتب خانہ کی ہیں۔ انکی تفصیل یہ ہے:-

رسالہ پند کھا۔ منتخب ضوابط سلطانی۔ رسالہ کچہری۔ ضابطہ امثال۔ راہ رفتن و سواری۔ فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) وقائع منازل۔ روزنامہ وکلا۔ حیدرآباد اتالیق شاہزادہ۔ مجموعہ سندات۔ حکمنامہ۔ فرمان۔ فرامین۔

اردو کی تمام کتابیں انڈیا آفس لائبریری میں ہیں۔ جن میں میجر اسٹورٹ نے اپنی فہرست میں حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:-

نام کتاب	مصنف	تصنیف	مختصر کیفیت
تذکرہ شعرائے ہندی	فتح علی حسینی	۱۱۹۵	بمقام دہلی۔ اس میں ایک سو شعراء کے حالات ہیں۔
عشق نامہ	ملا نصرتی	۱۰۷۱	مصنف علی عادل شاہ بیجاپور کا درباری شاعر

تعجب ہوتا ہے کہ سلطان نے کس طرح انہیں اس قدر ذمہ دار عہدہ دے رکھا تھا۔ زین العابدین اور میر صادق کو عہدوں پر بحال رکھنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سلطان کو ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں تھا۔ اور وہ بحیثیت ایک سچا مسلمان ہونے کے دوسروں سے بھی یہی سچائی کی امید رکھتا تھا۔ محمود)

یہ اسی علمیت اور علم دوستی کا نتیجہ تھا کہ اس نے سرنگاپٹم میں اپنی سرپرستی میں جمیع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قایم کی تھی۔ اس کا خاص کتب خانہ نہایت بیش قیمت تھا۔ تسخیر سرنگاپٹم کے بعد جو غارتگرانہ لوٹ ہوی۔ اس کے بعد بھی مندرجۂ ذیل نادر الوجود قلمی کتابیں یہاں موجود تھیں۔

قرآن مجید	تفسیریں	کتب وظائف	کتب احادیث	الٰہیات
۲۲ جلد	۴۱ جلد	۳۵ جلد	۴۲ جلد	۴۶ جلد
تصوف	علم اخلاق	فقہ	علوم وفنون (آرٹس)	فلسفہ
۵۹ جلد	۲۴ جلد	۹۵ جلد	۱۹ جلد	۴۵ جلد
نجوم	ریاضی	حکمت (طب)	تحقیق زبان	فرہنگ لغات
۲۰ جلد	۷ جلد	۶۲ جلد	۴۵ جلد	۲۹ جلد
نظم کی کتابیں	ہندی اور دوسری نظم کی کتابیں	ہندی اور دکھنی انشا	ترکی نثر	قصص حکایات
۱۹ جلد	۳۲ جلد	۴ جلد	۲ جلد	۱۸ جلد

یہ کتب خانہ سوائے چند کتب کے تمام کا تمام ولایت بھیجدیا گیا۔ چند کتب کلکتہ کو بھی بھیجی گئیں۔

سلطان کے متعلق میجر اسٹورٹ اور پروفیسر آرنولڈ۔ گورش لکھتے ہیں کہ:-

نام کتاب	مصنف	سنہ تصنیف	مختصر کیفیت
دیوان یقین	انعام اللہ خاں یقین	۱۱۰۰	مشہور شاعر کا دیوان
بھوگ بل	مترجم شہاب الدین	۱۱۰۰	برید شاہ کی فارسی کوک شاستر کا دکھنی میں ترجمہ کتاب گولکنڈہ میں بعہد [illegible] لکھی گئی ہے صفحات ڈیڑھ سو۔
مفرح القلوب	مترجم حسین علی		حسین علی سلطان شہید کا درباری شاعر اور ملک الشعرا تھا۔ کتاب سلطان کے نام پر معنون کی گئی ہے۔ اس نام کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ
قصہ رضوان شاہ	فائز		فائز ایک دکنی شاعر ہے۔ سنہ تصنیف ۱۱۰۲ھ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ صفحات ۳۰۰
قصہ ماہ و پیکر	نامعلوم		
قصہ بہرام و گل اندام	مصنف طبعی باشندۂ گولکنڈہ		مثنوی ۱۳۴۰ ابیات ہیں سنہ تصنیف ۱۰۸۱ھ صفحات ۱۰۰
دیوان رفیع سودا	مرزا رفیع سودا		مشہور دیوان
قصائد رفیع سودا	"		مرزا سودا کے قصائد
سری گنیش			اس نام کی سنسکرت کتاب کا اردو ترجمہ
سندر سنگھار ہندی			یہ بھی سنسکرت کتاب کا ترجمہ ہے، مختلف عنوانات پر نظم ہیں۔
دھوری ہندی	شاہ درویش گجراتی		تصوف کی تین کتابوں کا ترجمہ

نام کتاب	مصنف	سنہ تصنیف	مختصر کیفیت
			ہے یہ کتاب شاہنامہ فردوسی کے جواب میں شاہنامۂ دکن ہے۔
گلشن عشق	ملا نصرتی	۱۰۶۸	مجموعہ غزلیات۔ کتاب مصور ہے۔ چار ہزار غزلیں ہیں۔ تصویریں آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں۔ ضخامت تین سو صفحات۔
کلیات قطب شاہ	ملوکہ قطب شاہ	۱۰۶۸	قطب شاہ فرمانروائے گولکنڈہ کا فارسی اور دکنی کلام۔ صفحات ۱۶ سو
قصۂ رضوان شاہ روح افزا	فائز	۱۰۹۴	ایک ضخیم مثنوی ہے۔ (فائز ایک دکنی شاعر تھا) صفحات تین سو
قصۂ ماہ پیکر	"		قصہ
قصہ بہرام و گل اندام	طبعی باشندہ گولکنڈا	۱۰۸۱	مثنوی ۱۳۳۰ ابیات ہیں۔ ستر صفحات
پھول بن	ابن نشاطی	۱۰۶۶	ابن نشاطی عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا۔ کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت مختلف مضامین نظم و نثر میں ہیں۔ کتاب مصور ہے
طوطی نامہ	"	۱۰۹۴	قصہ
قصۂ پدماوت دکنی	"	"	قصہ
قصۂ لعل و گوہر	عارف الدین خاں عاجز باشندہ دکن	۱۱۰۰	کتاب اردو زبان میں ہے اس کا ترجمہ سلطان شہید کے حکم سے فارسی میں میر حسن عزت نے سنہ ۱۱۹۲ھ میں کیا۔

کی غرض سے تھا۔ سلطان سے پہلے ملک میں مغلیہ زمانے سے سنہ ھ کا رواج چلا آتا تھا اور
اس میں یہ نقص تھا کہ لگان کی وصولی میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس لئے کہ لگان
فصلوں کی تیاری کے بعد لیا جاتا تھا۔ سنہ ہجری کے مہینے آگے پیچھے ہو جاتے تھے۔ اس
نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک نئی تقویم بنائی۔ جس کی وجہ سے ہر مہینہ ٹھیک اسی
موسم میں آتا تھا۔ جیسے اگلے موسم میں تھا۔ تقویم بنانے کے بعد اس نے مہینوں کے نام
ابجد و ابتث کے حساب پر رکھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ حروف تہجی کی ترتیب
یا ابجد کے حساب پر اگر نام رکھے جائیں تو لوگوں کو یاد رکھنے میں زیادہ سہولت ہوگی۔

مہینوں کے نام

بحساب ابجد	بحساب ابتث
(۱) احدی	(۱) احدی
(۲) بہاری	(۲) بہاری
(۳) جعفری	(۳) تقی
(۴) دارائی	(۴) ثمری
(۵) ہاشمی	(۵) جعفری
(۶) واسعی	(۶) حیدری
(۷) زبرجدی	(۷) خسروی
(۸) حیدری	(۸) دینی
(۹) طلوعی	(۹) ذکری

نوٹ: بحساب ابجد ان ناموں کے سر حرف سے مہینوں کی ترتیب ملتی ہے۔

نوٹ: بحساب ابتث ان ناموں کے سر حرف سے مہینوں کی ترتیب ملتی ہے۔

روضۃ الشہداء	سیوا استو علی گلبرگہ		اس کتاب کا ماخذ فارسی روضۃ الشہداء ہے
رسالہ سرود و راگ	”		قدیم دکھنی غزلیات کا مجموعہ
نشاط العشق شرح غوثیہ	مترجم		حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ۔ موضوع کتاب نہایت نادر نسخہ ہے۔
ترجمہ مفتاح الصلوۃ	مترجم فتح محمد برہانی		اس نام کی فارسی کتاب کا دکھنی میں ترجمہ
خلاصہ سلطانی	سید امام الدین و محمد صمد قاضی سرنگاپٹم		سلطان شہید کے نام سے قدیم اردو نثر میں لکھی گئی۔
کلید زبان تلنگی			یہ تلنگی تیچر ہے۔

انکے علاوہ ونڈسر کیسل کے کتب خانہ میں قرآن مجید کا وہ نسخہ بھی موجود ہے۔ جو شہنشاہ اورنگ زیب کا تھا۔ اور سلطان ٹیپو کے خزانہ میں دستیاب ہوا۔ یہ قرآن شریف نو ہزار روپیہ کا قیمتی کیا گیا ہے۔ اور نہایت ہی نفیس خط نسخ میں لکھا ہوا عمدہ نقش و نگار سے مزین ہے۔

سلطان نے شرعی احکام کے لئے فتاوے مرتب کروائے تھے۔ سلطان کی علم دوستی کا پتہ اس سے بھی ملتا ہے کہ جیش الامور کے نام سے جو یونیورسٹی قایم کی تھی۔ اس میں مذہب کی تعلیم کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔

شوقِ ایجاد و اختراع

علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ سلطان کو ایجاد و اختراع کا بھی شوق تھا۔ اس کا یہ شوق ملک کو فائدہ پہونچانے

	بحساب ابجد	بحساب ابتث		بحساب ابجد	بحساب ابتث
۲۵	ہادی	خرد	۴۳	جم	سراب
۲۶	کبید	بدرتاب	۴۴	جام	شتا
۲۷	آگاہ	ورتلج	۴۵	آدم	زبرجد
۲۸	وحید	واوار	۴۶	ولی	سحر
۲۹	یاحی	زاد	۴۷	والی	ساحر
۳۰	کائی	زرد	۴۸	کوکب	باخ
۳۱	کیا	زار	۴۹	کواکب	شاد
۳۲	کبود	بزد	۵۰	یم	حراست
۳۳	ابل	زرآب	۵۱	دوام	ساز
۳۴	دل	ستا	۵۲	حمد	شاداب
۳۵	دال	زرتب	۵۳	حامد	بارش
۳۶	جبال	ربتاز	۵۴	جان	رستار
۳۷	زکی	ساخ	۵۵	اون	بشتر
۳۸	ازل	ساخا	۵۶	ہمائے	بشارت
۳۹	جلو	دراز	۵۷	مجید	سشرح
۴۰	دلو	واسا	۵۸	کحل	رشد
۴۱	[illegible]	ستا	۵۹	جہاں	صباح
۴۲	کبک	سارا	۶۰	مجیز	ارشاد

(۱۰) یوسفی — (۱۰) رحمانی

(۱۱) یازدی — (۱۱) راحتی

(۱۲) بیاسی — (۱۲) ربانی

چونکہ ہندوؤں کے حساب سے ساٹھ سال کا ایک جگ ہوتا ہے، اس لئے ان ساٹھ سالوں کو بھی مذکورۂ بالا طریقہ پر نام دئے گئے۔ جو ذیل میں دئے جاتے ہیں :-

سالوں کے نام

بحساب ابجد	بحساب ابتث	بحساب ابجد	بحساب ابتث
۱ - احد	اشد	۱۳ - جہاد	بار
۲ - احمد	احمد	۱۴ - وجد	حاجب
۳ - اب	اب	۱۵ - حاد	جسد
۴ - ابا	ابا	۱۶ - زہد	رجا
۵ - باب	باپ	۱۷ - جونا	حشر
۶ - باج	تاب	۱۸ - حی	ود
۷ - آبد	تابا	۱۹ - واحد	وار
۸ - آباد	باج	۲۰ - بدوح	راحت
۹ - جاہ	تاج	۲۱ - طیب	یارد
۱۰ - اوج	ثابت	۲۲ - طائب	چرخ
۱۱ - حج	ابد	۲۳ - یوز	خراج
۱۲ - جہد	آباد	۲۴ - کد	تاز

اس کے شوق ایجاد نے شہروں کے قدیم نام بدل کر نئے نام دیئے :-

قدیم نام	نیا نام	قدیم نام	نیا نام
ڈنڈیگل	خالق آباد	بلاری	ثمرپٹن
کشنگری	فلک الاعظم	کوئمبتور	سلام آباد
پاؤگڈھ	فتحی	قلعہ گتی	فیض حصار
سنگل درگ	مظفر آباد	نندی گڑھ	گردوں شکوہ
پنوکنڈہ	فخر آباد	جیسور	ظفر آباد
قلعہ بل	منظر آباد	فیروک	ثمرخی
علولی	گلشن آباد	سرا	رستم آباد
منگلور	جمال آباد	کلیکوٹ	اسلام آباد
دیون ہلی	یوسف آباد	بنگلور	دارالسرور
ہوسکوٹہ	اسلام پور	ماگڑی	ساون گڈھ
سرنگاپٹم	ظفر آباد	قلعہ چیتلدرگ	فرحیاب حصار

سلطان نے اپنی سلطنت کا نام سلطنت خداداد رکھا تھا۔

سلطان نے جیش کا نام بدل کر "عسکر" رکھا۔ اسی لحاظ سے بنگلور چھاؤنی کو آج بھی "عسکر" کہا جاتا ہے۔ تمام کچہریوں کے نام اسمائے حسنیٰ پر رکھے گئے۔ اس نے بندوق کا نام تفنگ، توپ کا نام دزخش، بان کا نام شہاب رکھا۔ اشرفی کا نام راحتی، احمدی وصدیقی اور ہُن کا نام فاروقی۔ روپیہ کا نام امامی۔ اٹھنی کا نام باقری۔ دونی کا نام کاظمی۔ آنہ کا نام آیہ

نوٹ:۔ حساب ابجد و ابتث اس طرح ہے:۔

(ابجد) ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ ثخذ۔ ضظغ

(ابتث) ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ

ف ق ک ل م ن و ہ ی ـ ئ

سنہ ہجری کے ساتھ سنہ مولودی اختیار کیا گیا۔ جو آنحضرت صلعم کی تاریخ پیدائش سے ہے

سلطان جب کارخانوں کے ملاحظہ کو جاتا تو ضرور کوئی نہ کوئی اختراع فرماتا۔ اور

شال، مخمل، کمخواب وغیرہ میں نئی اختراعوں کی تعلیم ضرور ہوتی تھی۔

ببری کپڑا سلطان کی خاص ایجاد ہے۔ سلطان اکثر اسی کی قبا پہنتا تھا۔ سلطان کا

تخت شیر کی صورت پر بنایا گیا۔ اور محل میں جو ارغنون تھا وہ شیر کی صورت پر تھا۔

سلطان نے ایک ایسی بکتر بنائی تھی۔ جس پر گولی کارگر نہیں ہوتی تھی۔

سلطان کو شیر کی صورت سے خاص دلچسپی تھی۔ اور شیر کے بہادرانہ اوصاف سے

اس کو خاص مناسبت تھی۔ اس لئے وہ اپنے اختراعات میں خاص اس کا لحاظ رکھتا تھا۔

یہاں تک کہ مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ، اور گنبد کو بھی ببری رنگ میں رنگا گیا۔ (اب

سوائے گنبد کے مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ پر سفیدی پھیر دی گئی ہے۔)

سلطان اپنی جدت پسند طبیعت کے لحاظ سے نہ خالص سیاہی سے لکھتا تھا نہ

سرخی سے۔ بلکہ دونوں کو مخلوط کر کے لکھتا تھا۔

سلطان پہلے پہل اپنا دستخط اس طرح کیا کرتا تھا۔

بعد میں اپنا نام اڑا دیکر صرف نبی مالک اس طرح لکھتا تھا۔

؎۔ حروف ابجد کی طرح حروف ابتث سے بھی اس نے تاریخ نکالنے کا رواج دیا۔ اور اس کو تاریخ زر کا نام دیا گیا

مسلمان عورتیں گوروں سے زنا کی مرتکب ہوئی تھیں تو سلطان نے انکے قتل کا حکم دیدیا تھا۔

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں :-

"سلطان اس قدر کامل الحیا تھا کہ سوائے انکے پیر کے گھٹنوں اور کلائیوں کے اس کے جسم کو کبھی کسی نے برہنہ نہ دیکھا۔ یہانتک کہ حمام میں بھی وہ اپنا تمام جسم کو چھپائے رکھتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس اعتبار سے دنیا میں سلطان حیا کی دوسری حیرت انگیز مثال تھا۔"

اور یہ حیا اس کی ذات تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرح حیادار دیکھنا پسند کرتا تھا۔ کورگ اور ملیبار میں ہندو عورتیں زمانۂ قدیم سے سر و سینہ برہنہ کر کے باہر نکلتی تھیں۔ اور ایک مختصر سی تہ بند باندھتی تھیں۔ سلطان نے فرمان جاری کیا کہ اس طرح کوئی عورت باہر نہ نکلے۔ اور اگر نکلے تو اس کیلئے سزا مقرر تھی۔ اس وقت سے ان تمام علاقوں میں عورتیں سینوں پر ایک کپڑا ڈالتی ہیں۔ اور اسی طرح میسور میں بھی چولی پہننے کا رواج ہوا۔

رئیس اپنی تاریخ میں سلطنتِ خداداد سے پیشتر ہندو عورتوں کی حالت پر ایک طویل مضمون صفحہ ۴۲۲ پر لکھا ہے۔ جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے :-

"عورتوں کی حالت ہندو راج میں نہایت درجہ گری ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ ذلت کے خوف سے ایک سہمی ہوئی زندگی بسر کرتی تھیں۔ علانیہ سر بازار فروخت کر دی جاتی تھیں۔ بڑے شہروں میں ان کی فروخت کیلئے خاص خاص منڈیاں تھیں اور ان منڈیوں سے راجہ کو آمدنی ہوتی تھی۔ جو سمایا چار کہلاتی تھی۔"

ملک و سوسائٹی میں ہندو عورتوں کی عزت و احترام بڑھانے کیلئے سلطنت خداداد

رکھا گیا۔ ہندسوں کی تحریر سیدھی طرف سے لکھنے کا حکم دیا گیا۔

زہد و تقویٰ

سلطان ہر روز بلا ناغہ بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید کرتا، اور نماز کا اس قدر پابند تھا، کہ جب مسجد اعلیٰ کا افتتاح ہوا تو سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے۔ اس موقع پر بڑے بڑے علماء اور مشائخین آئے ہوئے تھے۔ طے پایا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وہ امامت کرے۔ مگر صاحب ترتیب کوئی نہیں تھا۔ اس پر سلطان نے کہا:-

"الحمد للہ میں صاحب ترتیب ہوں"

چنانچہ پہلی نماز کی امامت خود سلطان نے کی۔

"ایک دن عید کے بعد سلطان اپنی والدۂ ماجدہ کے محل تسرا میں اولئے تہنیت کیلئے گیا، بعد تسلیم و نیاز کے وہیں ایک کمرہ میں سو رہا۔ اس اثنا میں نواب حیدر علی بہادر مرحوم کی دو منظورِ نظر کنیزیں جو جوان سال اور خوبصورت تھیں۔ اپنے حجروں سے نکلکر سلطان کے پاس پہونچیں۔ اور پیر دابنے لگیں۔ سلطان کی آنکھ کھلتے ہی اس کو طیش آگیا۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ اور خوفِ خدا سے کانپنے لگا اور کہا:-

"یہ تم نے کیا کیا۔ تم میری مائیں ہو۔ میں اس روسیاہی پر روز قیامت باپ کو کیا جواب دوں گا؟"

بعد ازاں ان کنیزوں کو سلطان نے خواجہ سرا کے حوالے کر دیا کہ انہیں ایسی سزا دے کہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔" (نشانِ حیدری)

سلطان کو زنا سے اس قدر نفرت تھی کہ زانیوں کو قتل کا حکم تھا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انگریزوں سے جس وقت جنگ ہو رہی تھی تو ہاتھین گھاٹ میں معلوم ہوا کہ چند

مندر میں ہوتی ہے۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ زمانہ قدیم سے یہاں انسانی قربانی ہوتی تھی۔ جو سلطنت حیدری (سلطنت خداداد) کے زمانہ میں سختی سے روک دی گئی"

یہ اسی ہمدردی کا نتیجہ تھا کہ سلطان نے اپنے تمام قلمرو میں ہر جگہ سرکاری خرچ پر یتیم خانے جاری کیے تھے۔ گو ان کی ابتدا حیدر علی کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی۔ ان یتیم خانوں کے متعلق ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"سلطان نے ان یتیم خانوں میں ان لڑکوں کو داخل کیا تھا جو کورگ سے اسیر ہو کر اپنے والدین کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں ان بچوں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے سلطان کا مقصد اشاعت اسلام تھا۔ اسکے علاوہ ان یتیم خانوں سے سلطان کی مراد یہ بھی تھی۔ کہ جو بچے یہاں سے نکلیں وہ فوج میں بھرتی کر دیے جائیں۔ وہ ترکی کے سلطان سلیم کی تقلید میں ینگچری فوج کے طرز پر اپنی فوج تیار کرنا چاہتا تھا"

ٹیپو سلطان اور انسداد غلامی

سلطان کے تخت نشین ہونے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان اور میسور میں غلامی کا رواج تھا۔ اس لیے سلطان نے انسداد غلامی کیلئے ایک فرمان جاری کیا۔ جس کی نقل ذیل میں دی جاتی ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ٹیپو سلطان

"در شہر گنجام برادران و خویشان مردم نوکر جیشہ وغیرہ کہ بروزگار ہستند۔ آنہارا گرفتہ در پیادہ ہائی علاقہ ایشاں نوشتہ نو ملازم کنانید و غلاماں را در سرکار خداداد ایک قلم آزاد فرمودہ شدہ است۔ ایشاں نیز تعید و خبر گیری ایں معنی داشتہ از آنہا غلاماں را آزاد کنانند۔ غلاماں برضا و رغبت خود بیش ہر کس کہ بطور نوکران نوکری ہ

نے عورتوں کی فروخت کو ممنوع قرار دیدیا تھا۔ کہ کوئی عورت بے چادر باہر نہ نکلے۔

انگریزی مورخین مشرقی بادشاہوں کو بدنام کرتے ہیں۔ کہ وہ حرم سرا میں صدہا عورتوں کو رکھکر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر سلطان کی ذات اس عیب سے پاک تھی۔

ولکس جیسا متعصب مورخ بھی اعتراف کرتا ہے کہ :-

"سلطان کے محل میں کبھی تین سے زیادہ بیگمات ایک وقت میں نہیں رہیں۔ سلطان کی شادی دو بیگمات سے ہوئی تھی۔ ان میں ایک کے انتقال کے بعد ایک دوسری بیگم سے شادی ہوئی۔ سلطان کی شہادت کے وقت کوئی بیگم بھی زندہ نہیں تھی۔"

اطاعتِ والدین

سلطان نے کبھی بھی اپنے والدین کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۸۹ پر لکھتا ہے:

"اس کا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ ماں کی نصیحت سے کبھی اس نے بے اعتنائی نہیں کی۔ گو بعض اوقات ماں کی باتیں اس کی خواہشوں کے بالکل خلاف ہوتی تھیں۔"

انسانی ہمدردی

آج سلطان کی ہمدردی پر میسور کو فخر ہے۔ شہر میسور کے قریب چامنڈی پہاڑی پر کالی دیوی کے مندر میں ایک نامعلوم عرصہ سے دیوی کو خوش کرنے کیلئے انسانی قربانی کی جاتی تھی۔ سلطان نے اس کو سختی سے روک دیا۔ میسور گورنمنٹ سے جو کتاب راہنمائے میسور شائع ہوئی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۹ پر یہ ذکر ہے :-

"اس پہاڑی کا نام کالی دیوی یا چامنڈی کے نام پر رکھا گیا۔ کالی کی پوجا اس

خوشحال بنانے کیلئے زمینداری کا خاتمہ کر دیا۔

سیفعک سوسائیٹی جرنل (مورخہ اکتوبر ۱۹۵۱ء) میں تحریر ہے :-

"میسور میں سلطنت خداداد سے پیشتر ۱۱ بڑی زمینداریاں تھیں۔ چونکہ زمیندار اپنے کسانوں پر حد درجہ ظلم کرتے تھے۔ اس لئے سلطان نے تمام زمینداریوں کا خاتمہ کر دیا تھا کہ کسان اور سلطنت میں براہ راست تعلق رہے۔ اس لئے میسور میں کوئی زمینداری نہیں ہے۔"

رشوت کا سدباب کرنے کیلئے اس نے جو کچھ کارروائی کی۔ اس کا بیان آگے آچکا ہے اور یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا۔ جو اس کو منشیات کو منع کرنے پر آمادہ کیا۔ متعصب سے متعصب مورخ بھی اس کا اعتراف کرتا ہے کہ سلطان نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک بہت بڑے ریفارمر کا کام کیا تھا۔ سلطان کے ان اصلاحات کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۰۹ پر لکھتا ہے :-

"اصلاحات کیلئے اس کے دل میں ایک حقیقی تڑپ موجود تھی۔ اور یہی اسکی حکومت کا ایک نمایاں جوہر ہے گو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اصلاحات قبل از وقت تھے یا بالفاظ دیگر ٹیپو اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا۔"

سلطان کے دل میں رعایا کے آرام و آسائش کا جو خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس فرمان سے ہو سکتا ہے جو اس نے عاملان حکومت کے نام جاری کیا تھا (اس کی نقل پہلے دی جا چکی ہے) اس سے بڑھکر سلطان کی رعایا پروری کا اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ اس نے سوائے ملک کے بنے ہوئے کپڑے کے کبھی دوسرا کپڑا اور ملک کے بنے ہوئے نمک کے کبھی باہر کا نمک استعمال نہیں کیا (ملاحظہ ہو بچانن کی تحریر) اور یہی حکم اس نے اپنے تمام افسروں اور رعایا

نتائید، مختار الد - نوزدہم ماہ دی سال حراست ۱۲۹۳ مولود محمد

رحمدلی

سلطان کی رحمدلی کی ہزار ہا مثالیں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک دیجاتی ہے۔ "جس وقت مرہٹوں سے جنگ چھڑی ہوئی تھی تو اس وقت خبر آئی کہ فوج کی زیادتی کی وجہ سے ایک گاؤں میں عورتیں دریا میں ڈوب کر مر گئیں۔ سلطان کو جب خبر پہنچی تو اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس نے سپاہیوں کو قابل عبرت سزا دی تاکہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اسی جنگ میں ایک جگہ مرہٹی سرداروں کی عورتیں گرفتار ہو کر آئیں۔ سلطان نے بہت بڑی عزت کے ساتھ علیحدہ خیموں میں رکھا۔ اور اگرچہ جنگ کا سلسلہ جاری ہی تھا۔ ان عورتوں کو پالکی میں بٹھا کر تحائف گراں بہا کے ساتھ پونا کو روانہ کر دیا۔" (ٹیپو سلطان از کرنل مس صفحہ ۵۰)

سلطان کی رحمدلی کا اظہار اس سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو مختلف مورخین نے اس کے حالات میں لکھا ہے:-

"رات کا وقت تھا سلطان اپنے خیمہ میں سو رہا تھا تو اس کو کراہنے کی آواز آئی خیمہ سے نکلکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیدی پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ سلطان نے خود جاکر انہیں پانی لاکر پلایا۔ اور اس وقت تک نہیں سویا۔ جبتک یہ قیدی نہیں سو گئے۔"

رعایا پروری اور رعایا کے آرام و آسائش کا خیال

اصلاحات سلطانی اور انتظام سلطنت کے زیر عنوان دکھلایا جا چکا ہے کہ سلطان نے اپنی رعایا کو فارغ البال بنانے کیلئے کیا تجویزیں کی تھیں اور رعایا کس قدر آسودہ حال تھی۔ یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا کہ جس کی وجہ سے اس نے تمام ملک میں صنعت و حرفت کے کارخانے اور تجارتی کوٹھیوں کا اجراء کیا۔ اور کاشتکاروں کو

سے اتفاق نہیں کرتا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"اس کی کیولری (سوار فوج) دنیا میں سب سے بہترین فوج ہے۔ ہمارے اس ملک میں داخل ہونے کے وقت سے وہ ہمارے پیچھے اس طرح لگی رہی کہ ہماری فوج میں سے ایک آدمی کا بھی کیمپ سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن ہم ایک ایسے راستے سے آگے بڑھے جو بالکل غیر معروف تھا اگر یہ نہ ہوتا تو میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ہم جنگلوں چھوڑ کر آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۱۹۲)

کرنل آرتھر ولزلی اپنی اس تحریر میں اعتراف کرتا ہے۔ کہ انگریزی فوج ایک غیر معروف راستہ سے آگے بڑھی تھی۔ یہ راستہ کس نے بتلایا تھا؟ اگر میر قاسم علی کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ اس غدار نے انگریزوں کی رہنمائی اس راستے سے کی تھی۔ اس لئے سلطان کی جنگی قابلیت کے متعلق شک وشبہ کرنا خارج از بحث ہے۔

سلطان کی شکست کا راز اسکی جنگی قابلیت کے فقدان میں نہیں بلکہ اس کے امراء و وزراء کی غداری کا سبب ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح عربوں کی غداری سے ترکی سلطنت اور شور بازاری ملا کی بے ایمانی سے امیر امان اللہ خان کی حکومت (افغانستان) کا تختہ الٹ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماڈرن میسور کا مصنف بھی انہیں خیالات سے متاثر ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے:۔

"سلطان کی جنگی ذہانت و قابلیت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن جنگ کا نتیجہ جو کچھ نکلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت نے پہلے ہی سے اس کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اور قدرت پر کامیاب ہونا انسان کی دسترس سے باہر ہے۔"

یہی مصنف اپنی کتاب میں فوج کی ترتیب کے متعلق اس طرح لکھتا ہے:۔

کو بھی دے رکھا تھا۔

جنگی قابلیت

بچپن ہی سے علم کے ساتھ ساتھ فن حرب کی بھی تعلیم ہوئی۔ تعمیر قلعہ جات اور فوجی معاملات میں سلطان کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"وزارت کا کام کر سکتا تھا۔ سپہ سالاری میں طاق تھا۔ امیر البحر تھا۔ اور سب قسم کے علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ اسکی قابلیت یہاں تک بڑھی ہوئی تھی۔ کہ جس وقت جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو اس نے امیران یم کی جماعت میں جہازوں کے نمونے تک بھیجدئے تھے۔ کہ ان نمونوں کے مطابق جہاز تیار کرلئے جائیں اور جہازوں کے پیندوں کے واسطے ہدایت ہوئی تھی کہ تانبے کے بنائے جائیں۔ نیز جہازوں کی لکڑی کیلئے جنگل بھی نامزد کر دیا گیا تھا۔"

میدان جنگ میں اس کی قابلیت اور شہرت محتاج بیان نہیں۔ مدراس پر اس کا مشہور دھاوا، بیلی بریتھ وائٹ، فلرٹن اور منرو کی شکست اور دوسری لڑائیاں اس کا بین ثبوت دے رہی ہیں۔ اور ۱۷۹۰ء میں میڈوز کی شکست کے متعلق بورنگ نے جو رائے دی ہے۔ وہ پہلے لکھی جا چکی ہے۔ ہاں چند انگریزی افسر لکھتے ہیں کہ:۔

"اس نے میدان جنگ میں اس قابلیت کا اظہار نہیں کیا۔ جو حیدر علی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اس نے سوار فوج میں ایک نمایاں کمی کر دی۔ اور اس کے عوض توپ خانہ کو بڑھا دیا جس کی وجہ سے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں وہ اچانک حملے پائے نہیں جاتے جو ان جنگوں سے پیشتر حیدری فوج کا ایک خاص فن سمجھے جاتے تھے۔"

لیکن کرنل آرتھر ولزلی (جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن ہوا) و دوسرے افسروں کی اس رائے

"گیدڑ کی سَو سالہ زندگی سے شیر کی ایکدن کی زندگی اچھی ہے۔"

سلطان نے کئی شیر اپنے محل میں پال رکھے تھے۔ شیر کی صفات۔ شیر کی لڑائی۔ شیر کا رنگ اس کو اس قدر محبوب و مرغوب تھا کہ اس کا محل۔ اسکی تعمیر کردہ مسجد اور گنبد تمام اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس کی تمام ہتھیاروں پر۔

"اسد اللہ الغالب"

کندہ تھا۔

تمام میسور میں یہ روایت زباں زد عام ہے کہ نواب حیدر علی نے میر نظام علی خان نظام الملک کو پیغام دیا تھا کہ دونوں خاندانوں میں اگر آپس میں شادیاں ہو جائیں تو آئندہ دونوں سلطنتوں میں اتحاد رہیگا۔ اس تجویز کو عمل میں لانے کیلئے تجویز کی گئی کہ ٹیپو سلطان کی شادی نظام علیخان کی دختر سے ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حیدر آباد سے سلطان کی تصویر طلب کی گئی۔ اور چند نامور مصور حیدر آباد سے سرنگاپٹم آئے۔

سلطان نے یہ کہہ کر تصویر دینے سے انکار کر دیا کہ

"مردوں کی بہترین تصویر انکی جوانمردی ہے۔"

میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۹۸ پر سلطان کے اوصاف میں لکھتا ہے۔

"اس کی سپاہیانہ بے جگری۔ اسکی ذاتی بہادری اور ایسے وقت میں بھی جب شکست یقینی تھی۔ اس کا اپنے آپ کو دشمن کے حوالے نہ کرنا شجاعت اور جوانمردی کی وہ بے نظیر مثال ہے۔ جس کیلئے وہ صد ہا تعریف کا مستحق ہے۔ اُن لوگوں سے جنہیں وہ اپنا دوست سمجھتا تھا۔ کبھی اس نے بے وفائی نہیں کی۔ ۱۷۹۹ء کی جنگ میں جب انگریزوں کا مطالبہ تھا کہ اس کی ملازمت میں جو چند فرانسیسی ہیں انہیں حوالہ کر دیا

"(۱) باقاعدہ کیولری (۲) پنڈاری کیولری (۳) سلحہ دار جن کے پاس اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے (۴) معمار (۵) بارلیس یا قاعدہ پیادہ فوج (۶) باڈی گارڈ (۷) ملک کے مختلف حصوں کی مقامی فوج (۸) آفریقی حبشی (۹) ہرکارے اور جاسوس (۱۰) پانیر (۱۱) بہیر یعنی فوجی باربردار دستیقین (۱۲) توپخانہ اور بندوقچی"

جس طرح نواب حیدر علیؒ قلعہ بنانے میں مشاق تھے، سلطان نے بھی یہ قابلیت وراثت میں پائی تھی۔ اور آج بھی اس کے بنائے ہوئے قلعے موجود ہیں۔

فن تعمیری میں وہ اس قدر مشاق تھا کہ کرنل ولزلی اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:۔

"جب ہم محل میں سلطان کے خاص کمرے میں داخل ہوئے تو بہاں چارپائی کے قریب میز پر اقلیدس کا ایک نسخہ، چند کاغذات، جس پر اقلیدس کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ اور پرکار وغیرہ کا ایک بکس رکھا ہوا تھا" (ماڈرن میسور)

شجاعت وبہادری

سلطان کی شجاعت وبہادری کی اس سے زیادہ روشن مثال اور کوئی نہیں مل سکتی۔ کہ وہ دست بدست جنگوں میں بذاتِ خاص شریک ہوتا۔ شیر کا شکار دس کی بہترین تفریح تھی۔ ایام شہزادگی میں ایک روز کا واقعہ ہے کہ جنگل میں بہادر سلطان ایک فرانسیسی افسر کے ساتھ شیر کا منتظر تھا۔ سامنے شیر دکھائی دیا۔ فرانسیسی افسر فوراً بندوق سے نشانہ تاکتا ہے۔ شیر دل شہزادہ بندوق چھین لیتا ہے۔ شیر دونوں پر لپک پڑتا ہے۔ دودھاری تلوار بے نیام ہو کر بجلی کی طرح شیر پر کوندتی ہے اور چشم زدن میں شیر کے چاروں پاؤں جسم سے الگ کر دیتی ہے۔ آج بھی میسور اس جری سلطان کو شیر میسور کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہی وہ مردانگی تھی کہ سلطان آخیر وقت تک دادِ شجاعت دیتا ہوا شہید ہوا اور اپنا آخری جملہ دنیا میں یادگار چھوڑ گیا۔

کے زیر عنوان دئے گئے ہیں۔ مسلمانوں میں مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ راحت طلبی اور عیش و آرام کی خواہش حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو کر ملک اور حکومت سے بے پرواہ بن گئے تھے۔ اور مغربی قومیں دن بدن چیرہ دست ہو کر اپنا تسلط قایم کر رہی تھیں۔ سلطان نے ان برائیوں کا واحد علاج یہی سمجھا کہ مسلمانوں کو جو اپنے راستے سے بھٹک چکے تھے۔ پھر اسی راستہ پر لے آئے۔ جس کی تعلیم انہیں زمانۂ خیر القرون میں مل چکی تھی۔ چنانچہ انہیں مذہب کی صحیح تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ اسکے خیال میں جہاد ہی ایک واحد علاج تھا۔ جس سے مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو کر ملک اغیار کے تسلط سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ اسلام اور آزادی کوئی دو علیحدہ نظریئے نہیں ہیں۔ اس مقصد سے اس نے کتاب فتح المجاہدین میں خاص طور پر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی ہے۔ اس کتاب میں اس نے دلائل کے ساتھ بے شمار مسائل جہاد پر لکھے ہیں۔ جن سے دو یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

اس کتاب کے صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے :-

"مسئلہ۔ جہاد با کفار از برائے نصرت دین محمدؐ اسلام است"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۰ پر لکھا ہے :-

مسئلہ۔ نیکو نیست باج دادن بکفار با قدرۃ بر جہاد"

اس کے علاوہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کیلئے سلطان نے مؤید المجاہدین کے نام سے خطبات جمعہ کی تدوین کا حکم دیا۔ اور یہی خطبات مسجدوں میں پڑھے جاتے تھے۔ کتاب میں پچاس خطبات جمعہ اور دو عیدین کے خطبات ہیں۔ اور ہر خطبہ میں مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلائی گئی ہے۔ کتاب کی تصنیف کا سبب دیباچہ میں اس طرح تحریر ہے :-

جاسے۔ فرانسیسیوں کو انگریزوں کے حوالے کردیکر وہ اپنے تاج وتخت کو بچا سکتا تھا
لیکن اسکی شجاعت نے اس کو گوارا نہیں کیا"

کہا جاتا ہے کہ اسکندر اعظم اور جولیس سیزر کے بعد نپولین بونا پارٹ اعظم دنیا کا سب سے بڑا سپہ سالار فاتح اور نامور جنرل تھا۔ جوانمردوں کی جوانمردی اور بہادروں کی بہادری کا احترام ہر شخص پر فرض ہے۔ نپولین اعظم کے لئے اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نپولین اور ٹیپو سلطان کے اخیر لمحات کا موازنہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ سلطان کی شخصیت نپولین اعظم کی شخصیت سے کس قدر شاندار ہے۔

نپولین کو جب اخیر وقت اس کے امرا کی غداری کی وجہ سے شکست ہوی تو اس نے اپنے وطن کو دشمنوں کے سپرد کرتے ہوئے سلامتی اسی میں سمجھا کہ دشمنوں کی اطاعت قبول کرلی جائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی زندگی قیدخانہ میں بسر ہوئی۔ اور وہ قیدخانہ ہی میں مرگیا۔ سلطان کو جب اسکے وزرا اور امراء کی سازش کی وجہ شکست ہوئی تو اس نے آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے میدان جنگ میں ملک وملت کی مدافعت میں شمشیر بکف مرجانا گوارا کرلیا کہ:۔

"گیدڑوں کی سو سالہ زندگی سے ایک دن کی شیر کی آزاد زندگی اچھی ہے۔"

میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۹۰ پر لکھتا ہے:۔

"ٹیپو نے اپنے لئے وہ موت پسند کی جس سے اس کا ہمعصر دوست نپولین ہمیشہ ترساں رہا"

جذبۂ جہاد سترہویں صدی عیسوی میں مسلمانان ہند جس قسم کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسکے متعلق سلطان کے مذہبی اصلاحات میں کچھ بیان آچکا ہے اور مزید حالات آئندہ اوراق میں "سلطنت خداداد کی تباہی اسلامی وہندی نقطہ نظر سے"،

کجا بحیطۂ تحریر می توان آورد — ثنائے آں شہ محبوب کردگار قدیم

ہمیشہ باد تحیات زاکیات بر آں — شہنشہ دو جہاں تا کہ ہست عرش عظیم

ز پند و موعظہ اکنوں گہر فشاں گردد — قلم کہ ہست ز فیض قدم چو ابر کریم

جہاد ئے دین نبی جہد کن کہ در دو جہاں — شوی عزیز و نصیبت شود بہشت نعیم

غزاست فرض بار باب دین خصوص مگر — کہ آورند براسلام زور فوج لئیم

خدا نکردہ اگر سستی کنی بجہاد — بہر دو کون شوی خوار و زار و زشت و ذمیم

گرفتم اینکہ بیابی حیات جاویداں — چہ سود چونکہ شود دیں داری تو عدیم

مپوش دیدہ ز ایمان و دین اے دانا — چو کافران دغل از برائے گوہر و سیم

بس است آنچہ نمودم بیا بپے ہوشیار — خدا ز لطف کند جملہ را سہیم و قسیم

ہمیشہ تا کہ بود آفتاب نور فشاں — قلوب زمرۂ ارباب دین باد سلیم

خطبۂ ثانی

کنم سپاس خداوند آسمان و زمیں — بدیع و رب و غفور و سمیع و بر و قدیم

بلفظ کن دو جہاں را نمودہ است ایجاد — چساں حدیث جلالش کنم بعقل سقیم

زہے مدبر و دانا زہے خبیر و بصیر — نہے مدبر و بے شبہ و مثل رب رحیم

ز نعت احمد مرسل شفیع روز جزا — قلم چو دو حصہ طرب شود بے ترقسیم

زہے شفیع امم کائنات را رہبر — نہے خلاصۂ ایجاد و خلق رب کریم

فلک بدر گہش از منطقہ کمر بستہ — برائے کسب شرف روز و شب چو عرش عظیم

مدام باد صلوٰۃ و درود بے پایاں — بذروہ اش کہ چو عرش است واجب التعظیم

بود خلیفۂ اول صدیق خاص نبی — بنام حضرت بوبکر واجب التعظیم

"اس زمانہ میں کہ تیرہویں صدی ہجری ہے۔ اور اس وجہ سے کہ سلطنت تیموریہ دہلی پر خانہ نادوں اور نوکروں کی نمک حرامی کی وجہ تباہی آگئی ہے۔ اور ایک غیر قوم دون جہل غلبہ پائی ہوئی ملک پر مسلط ہوتی جارہی ہے۔ اور خطہ ہند کے باشندے کسب کمال سے عاری اور درس و تدریس اور احکام مذہب سے بے نیاز ہوگئے ہیں۔ اس لئے بحکم سلطانی ان خطبات کی فارسی زبان میں ترویج کی جاتی ہے۔ اب تک خطبات جمعہ عربی زبان میں مروج تھے مگر چونکہ اکثریت اس زبان سے ناآشنا ہوگئی ہے۔ اس لئے فارسی کو موزوں سمجھا گیا؟"

ذیل میں اس کتاب سے ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے :-

"خطبہ در بحر مشہور متضمن حمد الٰہی و نعت حضرت رسالت پناہی و مناقب اکابر دین و ترغیب جہاد مسلمین مزین و محلّٰی باسم سامی ہمایون پادشاہ دین پناہ حضرت ٹیپو سلطان خسرو غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔ (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

الحمد للّٰہ الذی خالق لیل و انہار و عالم الجھر و الاسرار و کاشف الظلمت و الانوار و نشھد ان محمد عبدہ و رسولہ المختار و علیٰ آلہ و اصحابہ الاخیار اسمعوا قولہ العزیز الغفار۔ یا ایھا الذین اٰمنو لا تتخذ و الکافرین اولیاء من دون المومنین۔

رسد بابرہ سخن از ثنائے رب کریم	حکیم و قادر و قیوم و کردگار علیم
چگونہ شرح توان داد نعمت عامش	کہ شمہ ایست ز فیضش تمام باغ نعیم
نمود خلق بیک لفظ کن تمام جہاں	بمحض قدرت خود بے شریک ضد و سہیم
براو محبت نبی کلک چوں شود پویاں	ز فیض صنو شود پیشگاہ باغ نعیم
فنہے خجستہ رسولیکہ بہر او ایجاد	نمود کرسی و عرش و جہاں رب کریم

عطوف کن بہ میران و زمرۂ غزبا | روف ساز خلقش بہ بخش لطف عمیم
نصیر دین نبی ہر کہ ہست از دل و جاں | ہمیشہ ناصر او باد کردگار کریم
شود ہر آں کہ بخذلان دین حق دایم | مدام باد گرفتار در عذاب الیم
تو ئی کریم خدایا بسلیں آں بخش | کہ در دو کون بگردد صاحب تکریم"

سلطان کے اس جذبۂ جہاد و دیگر اوصاف جمیلہ کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبال نے لکھا ہے :

"سرزمین ہند میں اگر نیابت حقہ کے مقام تک کسی نے رسائی کی تو وہ ٹیپو ابن حیدر علیؒ تھا۔ اور اس کی نیابت الٰہیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک صرف یہی سنکر آپ کی آنکھوں میں پھر جائے گی، کہ اسکی سلطنت کا نام دولت خدا داد اور اس کے دیوان عدالت کا نام دریا دولت تھا۔" (روزنامہ انقلاب لاہور)

اسوۂ عالیہ کی جو صحیح مثال اس نے قایم کی اس لحاظ سے ہندوستان کے تمام مسلمان سلاطین میں اس کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔

ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری

تمام انصاف پسند مورخین کو حیرت ہے کہ باوجود اس قدر مذہبی جذبہ رکھنے کے سلطان کس قدر بے تعصب اور رواوار تھا۔ لیکن متعصب مورخین نے اس کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس سے ان کا ایک خاص مقصد وابستہ ہے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالکر اپنی حکومت قایم کرنے کیلئے ایسٹ انڈیا کمپنی جس پالیسی پر کاربند رہی۔ یہ اسی پالیسی کا نتیجہ ہے، کہ مدارس میں پڑھانے کیلئے ایسی تاریخیں لکھی گئیں جو شروع ہی سے بچوں کے دل میں عناد پیدا کرے۔ ان تاریخوں میں جو باتیں لکھی گئیں انکا ثبوت ان مورخوں نے کہیں نہیں دیا ہے۔ اور نہ کوئی تحقیق و تفتیش سے کام لیا ہے۔ بعد میں

عمر خلیفهٔ ثانی که عدل و داد او — نماند ظلم و ستم در مزاج دهر سقیم
خلیفه سیومین هست صاحب نورین — بنام حضرت عثمان بخلق و طبع سلیم
چهارمین که بود شیر حق شه مردان — علیؓ عالی اعلیٰ حبیب ربّ کریم
همیشه باد ازین چار کردگار رضا — که هر یکے است بدین نبیؐ بقصد عظیم
هم از حسینؓ و حسنؓ سیدان اهل جنان — بجمع هر دو سلیم و بخلق هر دو کریم
دگر ز فاطمهؓ بنت شهِ عربؐ ولی — که هست خاک درش فیض بخش چون تسنیم
هم از خدیجهٔ مخدومهٔ نساء جهان — که هست منزلت شان آن رضیهٔ عظیم
دگر ز سائر ازواج طاهرات نبیؐ — که بوده اند همه خاص کردگار کریم
هم از دو عم گرامیش حمزهؓ و عباسؓ — که هر دو در ره دین اند واجب التکریم
هم از شش آن که زده باقی اند کایشان را — بشارتے بجنان داده کردگار رحیم
هم از صحابهٔ احمد همه که در ره دین — همه نجوم سپهر هدائے و با تکریم
هم از تمامیّ اسلامیان ز فضل اتم — هم از تمامیّ ایمانیان ز لطف عمیم

تهنیت

کنون ثنائے شهنشاه میکنم آغاز — شهے که بوده گروه شهان بخلق کریم
شهنشهے که بود نام نامیش ٹیپو — بچهره مهر فروزان بکف سحاب کریم
الٰهی از کرم عام خویش این شه را — همیشه دار بفرخندگی بناز و نعیم
عنایتش بنما عمر خضر و شوکت جم — مدام دار باعزاز و جاه با تکریم
مظفرش بنما خاص بر اعادی دین — ببخش فتح مدامش بکافران لئیم
عزیز دار بهر دو جهانش پیوسته — مدام زیب بیابد ز فرق او دیهیم

سے بخوبی ملتا ہے۔

میسور کے آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے:۔

"سرنگری کے مندر میں نواب حیدر علی کے تین اور ٹیپو سلطان کے تیس خطوط و فرامین ملے ہیں۔ ان تمام فرامین و خطوط میں سلطان نے سنہ ہجری کے ساتھ سنہ مولودی بھی استعمال کیا۔ جو اسکی خاص ایجاد ہے۔ یہ تمام خطوط و فرامین سرخ کاغذ پر لکھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں اکثر خطوط کے لوح پر سلطان کی مہر موجود ہے۔ ان خطوط میں بخلاف دوسرے خطوط کے جن میں سلطان کا نام پہلے لکھا جاتا تھا سلطان نے سرنگری کے گرو کا نام اور القاب پہلے لکھا ہے۔ اور اپنے نام کے ساتھ کوئی خطاب یا القاب استعمال نہیں کیا ان میں بہت سے خطوط میسور کی تیسری جنگ کے واقعات پر تیز روشنی ڈالتے ہیں اور بعض خطوط سرنگری کے گرو کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے ہیں"

میسور کی تیسری جنگ میں انگریز، نظام اور مرہٹوں نے سلطنت خداداد پر فوج کشی کی تھی۔ مرہٹی فوج پرسرام بھاؤ کے ماتحت تھی اس فوج نے جہاں تمام ملک کو لوٹ مار کر کے تباہ کیا وہاں سرنگری جیسا مقام بھی اسکے ہاتھوں نہ بچ سکا۔ گرو نے سلطان کو لکھا کہ مرہٹی فوج سرنگری کے مندر کو لوٹ کر تباہ کر دی ہے۔ اور ساردا دیوی کے بت کو اپنی جگہ سے نکالکر پھینک دیا گیا ہے۔ مندر کا جملہ نقصان ساٹھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوا ہے۔ مندر کے ہاتھی، گھوڑے وغیرہ تمام مرہٹے لیکر چلے گئے ہیں۔

اس کا جواب سلطان نے ۳۰ ماہ ربانی مطابق ۱۲۱۸ھ میں اس طرح دیا:۔

"ہم ان دشمنوں کو سزا دے رہے ہیں، جو ہمارے ملک پر چڑھائی کر کے ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں، آپ کی ذات مقدس مآب اور تارک الدنیا ہے۔ اس لئے یہ آپ کا اور مندر

آنے والے مورخوں نے صرف اسی پر اکتفا کیا۔ کہ جو کتابیں پہلے لکھی گئی تھیں، انہیں اپنے الفاظ میں نقل کر لیا۔ ورنہ اگر اسکے متعلق معمولی تحقیق سے بھی کام لیا جاتا تو میسور کا ذرہ ذرہ ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کا ثبوت فراہم کرتا۔ خصوصاً موجودہ زمانے میں سفر کے وسائل اس قدر آسان ہو گئے ہیں کہ ہر شخص میسور آ کر سلطان کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا بین ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

ریاستِ میسور میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جو عمارتیں ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں وہ ہندوؤں کے قدیم معابد و مناد ہیں۔ جن میں بعض کی تعمیر ہزار سال سے پیشتر کی ہے۔ سلطان اگر متعصب ہوتا تو اس کیلئے آسان تھا کہ ان مندروں کا نام و نشان نہ رکھے۔ بخلاف اس کے ان مندروں میں سلطان کی دی ہوئی جاگیرات کے فرامین موجود ہیں۔ جن سے آج بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

سلطان کا پایۂ تخت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے۔ اور ہر سال ہزار ہا لوگ اسکے دیکھنے کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی سب سے پہلے زائر کی نگاہ ان دو بڑے مندروں پر پڑتی ہے۔ جو اسٹیشن سے بالکل قریب ہیں۔ سلطان کا محل انہیں مندروں کے بالکل قریب تھا۔ محل کے پیچھے بلکہ محل سے لگا ہوا ایک اور بڑا مندر ہے۔ بنگلور میں بھی محل سے لگا ہوا ایک چھوٹا مندر ابھی تک موجود ہے۔

اسکے علاوہ میسور کے علاقہ میں سرنگری، بیلور، ننجن گڈھ، السور (بنگلور) وغیرہ میں ایسے مندریں موجود ہیں۔ جن کی تعمیر صدیوں پیشتر کی ہے۔ سلطان نے ان مندروں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اپنی طرف سے جاگیریں دیں۔ اور یہاں کے گروؤں کی اسکے پاس بڑی قدر و قیمت تھی جس کا ثبوت ریاست میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے آرکیالاجیکل رپورٹوں

"آپ کا بھیجا ہوا پرساد اور شالیں موصول ہوئیں۔ آپ کے استعمال کیلئے ایک جوڑی شال اور دیوی کے بت کیلئے کپڑے روانہ کئے جاتے ہیں۔"

ماہ جعفری میں سلطان نے ایک اور خط لکھا ہے اس میں گروجی کو اطلاع دی گئی ہے کہ "انکی خاص سواری کیلئے ایک ہاتھی روانہ کیا جاتا ہے"۔ اسی خط میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام جو حکم نامہ لکھا تھا اسکی نقل بھی ملفوف تھی۔ اس حکم نامہ میں تاکید کی گئی ہے کہ گروجی کے چیلوں پر باہر آنے جانے کیلئے کوئی پابندیاں عائد نہ کی جائیں۔

ماہ حیدری کا ایک رکارڈ بتلاتا ہے کہ گروجی نے مندر میں دو خاص پوجا کی رسمیں ادا کرنے کیلئے سلطان سے مالی تائید چاہی تھی۔ اور یہ پوجا ۴۰ دن تک ہر روز ہونے والی تھی۔ جس کو سلطان نے منظور کرلیا۔ اور نگر کے آصف کے نام حکم بھیجا کہ سرنگری پہونچکر تمام انتظامات مکمل کرنے میں گروجی کی تائید کرے۔ اسی ماہ میں گروجی کو بھی سلطان نے خط لکھا کہ :-

"آپ کی حسب مرضی پوجا کے دنوں میں روزانہ ایک ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے اور نقدی دینے کے متعلق نگر کے آصف کو حکم بھیجدیا گیا ہے"

ماہ دینی کے چار رکارڈ مندر میں موجود ہیں۔ ان میں پہلے رکارڈ میں محمد رضا آصف نگر کو ہدایت کی گئی ہے کہ پوجا کے دنوں میں خاص انتظام کرکھے کہ شریر لوگ مندر کے کاموں میں مداخلت نہ کرسکیں۔

ایک اور رکارڈ میں سلطان نے اطلاع دی ہے کہ سارداد یوی کے بت کے استعمال کے لئے ایک پالکی اور گروجی کے استعمال کیلئے ایک دوسری پالکی بذریعہ چوبدار فقیر محمد روانہ کی جاتی ہے۔ ذاکری مہینے کے ایک رکارڈ میں لکھا ہے کہ لنباڑی قوم کے حملوں سے مندر کو محفوظ رکھنے کیلئے پیادہ فوج کے سپاہیوں کو مندر کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے (لنباڑی ایک خانہ بدوش

نے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ ملک کے دشمنوں کی تباہی کیلئے خدا سے دعا کریں کہ ہمارا ملک محفوظ اور ہماری رعایا خوش و خرم رہے"

پھر ایک خط میں گروجی نے سلطان کو لکھا تھا کہ انھوں (یعنی گروجی) نے مجبور ہو کر کسی اور جگہ اقامت اختیار کی ہے اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ مرہٹوں نے مندروں میں گھس کر برہمنوں کو زخمی اور قتل کر دیا ہے۔ اور مندروں میں جو کچھ اثاث تھا، لیکر چلا گئے ہیں۔ اور بغیر حکومت کی تائید کے سارد ادیوی کے بت کو دوبارہ نصب نہیں کیا جا سکتا۔

سلطان نے اسکے جواب میں لکھا ہے:۔

"ان لوگوں کو جو مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے سے بھی نہیں باز آتے۔ یقین ہے کہ اس کالی یگ میں انہیں بہت جلد اپنے کرتوتوں کا خمیازہ ملیگا۔ لوگ بدی کا کام ہنستے ہوئے کرتے ہیں، لیکن خمیازہ روتے ہوئے بھگتیں گے۔ گروؤں سے دغابازی خود اپنی نسل کو منقطع کرنا ہے"

اس خط کے ساتھ سلطان نے ایک حکم نامہ نگر کے آصف کے نام بھیجا تھا۔ جس میں حاکم علاقہ کو حکم دیا گیا تھا کہ دو سو راحتی (سلطانی اشرفی) نقد اور دو سو راحتی کے اجناس فوراً گروجی کی خدمت میں پیش کرے۔

اسی خط میں سلطان نے گروجی کو لکھا تھا:۔

"آپ کو اختیار ہے کہ انعامی دیہات سے جن چیزوں کی ضرورت ہو حاصل کریں۔ اس رقم اور اجناس سے سارد ادیوی کے بت کو نصب کرنے ہوئے برہمنوں کو کھانا کھلائیں اور ہمارے دشمنوں کی تباہی کیلئے دعا کریں"

ایک اور خط میں سلطان نے لکھا ہے:۔

ماہ ربانی کے ایک خط میں سلطان نے گرو جی کو اطلاع دی ہے کہ :-

"آپ کی ہدایت کے مطابق چھتروں (سراؤں) میں برہمنوں کو کھانا کھلایا جارہا ہے۔
آپ کی خیریت سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں"

شششلہ میں سوامی جی نے اطلاع دی ہے کہ وہ پونا سے واپس آنیوالے ہیں۔ اس کے جواب میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ :-

"راستے میں سوامی جی کی تمام ضروریات فراہم کرتے ہوئے سوامی جی کے تمام اعزاز و مراتب کا لحاظ رکھا جائے"

اس کے بعد ایک اور خط میں سلطان نے سوامی جی سے درخواست کی ہے کہ :-

"پایہ تخت میں تشریف لاکر درشن دیں"

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سرنگیری کے مندر سے متعلق ہے۔ اور یہاں کا مندر تمام جنوبی ہند اور میسور میں نہایت متبرک اور مقدس مانا جاتا ہے۔ اور یہاں کے گرو اکثر راجاؤں کے مذہبی راہ نما سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوؤں کی عظیم الشان سلطنت وجیا نگر کے راجاؤں کے راہ نما بھی اسی مندر کے برہمن گرو تھے۔ سلطان نے اس مندر اور یہاں کے گروؤں سے جو سلوک کیا اسکی شہادت وہ رکارڈ دے رہے ہیں، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور یہ رکارڈ ابھی مندر میں محفوظ ہیں۔

سلطان نے اپنی ہندو رعایا سے جو مراعات کیں اور انکے مندروں کیلئے جو انعامات دیں انکی تفصیل بیان کرنے کیلئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام سلطنت میں جس قدر مندر ہیں بھی موجود ہیں۔ سلطان کے انعام واکرام سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ بہت سے مندروں میں ابھی تک سلطان کے دیئے ہوئے نقارے۔ برتن اور ظروفات استعمال میں ہیں۔ میسور آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں نیل کوٹ کے مندر کا ذکر ہے۔ اس رپورٹ کے

ہندو قوم ہے۔ جو جنگلوں میں رہتی ہے۔ اور اس کو سنگالی بھی کہا جاتا ہے)

مندر میں ایک اور ریکارڈ (خط) موجود ہے۔ جس میں ضلع نگر کے عامل (سید محمد) کو سلطان نے لکھا ہے :-

"سوامی جی مندری نسل کے لئے جانے والے ہیں۔ انہیں سفر میں تمام ضروریات مہیا کئے جائیں"

ماہ ربانی کے ایک ریکارڈ میں سلطان نے سوامی جی کو اطلاع دی ہے کہ انکے استعمال کیلئے دو نقری چوبدار ارسال کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ وہ (سوامی جی) خود پرسرام بھاؤ کے پاس جا کر اس سے درخواست کرینگے کہ مندر کا تمام مال جو مرہٹی فوج نے لے لیا تھا۔ واپس دیا جائے۔ اس کے جواب میں سلطان نے سوامی جی کو راہداری کا پروانہ دیتے ہوئے تمام عاملان حکومت کو لکھا ہے کہ دوران سفر میں سوامی جی کو ہر قسم کا آرام اور تمام ضروریات مہیا کئے جائیں۔ اسی خط میں سلطان نے سوامی جی کے استعمال کیلئے شالیں اور ہاتھی، نوبت نقارہ اور علم بھیجنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس نے اپنی جانب سے بطور نذرانہ گروجی کو دیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ گروجی پونا پہنچے، پرسرام بھاؤ سے ملاقاتیں کیں۔ لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لئے ان کو وہاں زیادہ عرصہ لگ گیا۔ اس پر سلطان نے انہیں ایک خط لکھا (یہ خط ماہ "رضی" میں لکھا گیا اور پلیٹ سترہ نمبر ۳ میں محفوظ ہے)

"آپ جگت گرو ہیں۔ آپ دنیا کی بھلائی کیلئے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں جس ملک میں آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو اس ملک میں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ بارشیں اچھی اور فصلیں عمدہ ہوتی ہیں۔ آپ کو ایک غیر ملک میں اس قدر عرصہ ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کا کام جلد انجام کو پہنچا کر اپنے ملک میں واپس آجائیے۔"

ہو تحریر ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹیپو سلطان کے دئے ہوئے انعامات ہیں۔"

اسی رپورٹ کے صفحہ ۹۹ پر لکھا ہے:۔

"موضع کلالی ضلع گُدھ تعلق میں لکشمی کنتا کے مندر میں چاندی کے چار پیالے ایک طبق اور ایک گلدان موجود ہے۔ جو ٹیپو سلطان نے اس مندر کو دئے تھے۔ میل کوٹ تعلق میں نارائن سامی کے مندر میں بھی ایک چاندی کا گلدان ہے۔ جس پر لکھا ہوا ہے۔ کہ بادشاہ ٹیپو سلطان کا عطیہ ہے۔"

سرنگا پٹم کا سب سے بڑا مندر اگر حیدر علی کا بنایا ہوا ہے تو یہاں کے بت کے استعمال میں جو کپڑے اور برتن ہیں وہ سلطان کے ہیں۔

افسوس ہے کہ باوجود ان سرکاری رکارڈوں کے موجود ہونیکے بھی آج اس سلطان کو متعصب کہا جاتا ہے۔

ذیل میں ایک انگریزی مضمون اخبار ینگ انڈیا سے لیکر لکھا جاتا ہے۔ جس سے سلطان کی مذہبی رواداری کا بخوبی ثبوت ملتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان اور گروایور کا مندر

اسلامی بے تعصبی

ٹیپو سلطان میسور کا مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں انگریزوں سے سخت جنگ کی تھی۔ اگر اس وقت نظام حیدرآباد انگریزوں سے نہ جاملتے تو ٹیپو سلطان انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیتا۔ یہ بادشاہ بہت ہی بہادر تھا۔ اس نے ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے فرانس کے مشہور بہادر نپولین بوناپارٹ اعظم سے بھی بات چیت کی تھی۔ یہ بادشاہ جس قدر بہادر تھا

صفحہ ۷۰ پر ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

(یا کرار۔ قطعہ دویم نقارہ ظفر اثر علے بحسن اہتمام سرکار حیدری
سال بنا سنہ ۱۲۱۵ محمد وزن خام ہفت رطل سی و ہفت نیم دانگ)

یہ نقش اس نقارے پر ہے جو سلطان نے مندر کے استعمال کیلئے دیا تھا۔ آج بھی یہ نقارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

میسور آرکیالاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء کے صفحہ ۷۱ پر لکھا ہے :۔

" تیل کوٹ کے مندر میں بعض زیورات اور برتن سونے اور چاندی کے پائے گئے ان پر

ٹیپو سلطان نے جس وقت پجاریوں سے یہ سنا کہ اس کے چند غیر سپاہیوں نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اور رات ہی رات سفر طے کر کے گرو ایوار پہونچا۔ یہاں پہونچکر اس نے تحقیقات شروع کی۔ اور جن مسلمان سپاہیوں نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تھی۔ ان کو سخت سزا دی۔ مندر کو درست کرایا۔ اور حکم دیا کہ اس شہر سے جو کچھ آمدنی ہو وہ سرکاری خزانے میں داخل کرنے کے بجائے ہمیشہ اس مندر کو بخشدی جائے جب اس کو معلوم ہوا کہ پجاریوں نے اس کے خوف سے مندر کی مورتی کو ٹراونکور بھجوا دیا ہے۔ تو اس نے حکم دیا کہ دیوتا کی مورت کو فوراً واپس منگا کر اس مندر میں نصب کیا جائے۔"

لارڈ ولنشیا لکھتا ہے :-

"پیر لدا نامی ایک بزرگ سرنگاپٹم میں رہتے تھے۔ جنہوں نے ایک بار شکایت کی کہ ہندوؤں نے ان کے معتقدوں کو بہت مارا پیٹا ہے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ زیادتی مسلمانوں کی ہے۔ ہوا یہ کہ ہندوؤں کا جلوس جا رہا تھا۔ جس پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔

پیر لدا نے کہا کہ ہندوؤں کا اس طرح مسلمانوں کو مارنا گویا اسلام کی توہین کرنا ہے اور یہ سلطنت بحیثیت ایک اسلامی سلطنت ہونے کے اس کا فرض ہے کہ اسلام کو ایسی توہین سے بچائے۔ اور اس معاملہ میں قرار واقعی قدم اٹھایا جائے، تاکہ آئندہ اور اسی طرح آزادانہ دستبرد کا سلطان ہی باعث نہ ہو جائے۔ جواب ملتا ہے کہ سلطنت کی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں مساوی ہیں۔ پیر لدا نے کہا اگر یہی حال رہا تو میں حدود سلطنت سے باہر چلا جاؤنگا۔ جس پر سلطان کی طرف سے جواب

اسی قدر خدا ترس اور بے تعصب، اس کی نگاہیں ہندو اور مسلمان دونوں پر برابر تھیں کسی مذہب سے وہ تعرض نہیں کرتا تھا۔ آؤ ہم تمہیں ٹیپو سلطان کے متعلق ایک واقعہ سنائیں کہ اس نے مالا بار کے ایک مشہور مندر کو بربادی سے کس طرح بچا لیا۔

مالا بار میں گروایور کا مندر بہت پرانا اور مشہور ہے۔ مالا بار کے ہندوؤں کا اگر اس کو کعبہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ہزاروں خوش اعتقاد اسکی زیارت کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مشہور دیوتا اوتار کرشن جی مہاراج کے والد واسدیو نے وشنو کی یہ مورت اپنی پرستش کیلئے ایک خواب دیکھکر بنائی تھی۔ اور گرو بر ہسپتی اور وآیو نے جنوبی ہند میں ایک مناسب مقام تلاش کرکے یہ مورت نصب کی۔ اور اسی لئے اس کا نام گروایور قرار پایا۔ ٹیپو سلطان جب مالا بار کو فتح کرتا ہوا گروایور کے قریب پہونچا تو اس مندر کے پجاری بہت گھبرا گئے۔ اور انہوں نے دیوتا کی بیش قیمت مورت کو ریاست ٹراونکور کے ایک مشہور مندر میں بھیجدیا۔

ٹیپو سلطان تو گروایور کے قریب ہی ایک مقام پر رک گیا۔ اور اپنی فوجوں کو گروایور فتح کرنے کیلئے بھیجدیا۔ اس کے سپاہیوں نے گروایور کو فتح کر لیا۔ اور چونکہ ان دنوں مسلمانوں کی مرہٹوں سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اس لئے بعض مسلمان سپاہیوں نے از راہ انتقام اس مندر کو جلا کر خاک کر دینا چاہا۔ چنانچہ چند سپاہیوں نے مندر کی دیواروں پر گھی چھڑک کر آگ لگا دی۔ عمارت تھوڑی ہی جلنے پائی تھی کہ ٹیپو سلطان کے افسروں کو اپنے بادشاہ کے احکام کا خیال آگیا۔ اور انہوں نے جلدی جلدی آگ بجھا کر مندر کے دو تین برہمنوں کو ٹیپو سلطان کے پاس بھیجا کہ وہ جاکر شورش پسند سپاہیوں کی شکایت کریں۔

اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیراعظم ایک ہندو تھا۔ جس نے، نہایت شرم سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس فدائے آزادی کو دغا دیکر دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیا۔

میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے پاس اس وقت سلطان کے دو تین سو سے زائد خطوط ہیں جو سلطان نے سرنگری مٹ کے شنکراچاریہ کو لکھے تھے۔ یہ خطوط کنڑی زبان میں ہیں۔ ٹیپو ایک خود مختار حکمران تھا۔ مگر اسے کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ ہندو ساہوکاروں کو اس پر مجبور کرے کہ وہ اپنا حساب و کتاب عربی حروف میں رکھیں۔ بخلاف اس کے اس نے خود اپنی قومی زبان میں شنکراچاریہ کے خط کا جواب دیتے ہوئے چتسیا (دُعا خوانی) کی درخواست کی تھی اور اپنے ملک کی بھلائی اور ساری دنیا کی فلاح کی دعا چاہی تھی۔ کہ آپ میسور جلد واپس آئیں۔ کیونکہ نیکوں کے قدم کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور فصل اچھی ہوتی ہے (یہ خط اس قابل ہے کہ زرین حروف میں لکھا جائے۔ اس موقع پر ینگ انڈیا نے کنڑی زبان کے اس خط کو دیوناگری حروف میں دیا ہے) ٹیپو نے ہندو مندروں کیلئے نہایت فیاضی سے جائدادیں وقف کیں۔ اور خود ٹیپو سلطان کے محلات کے گرد و پیش سری رنگا ناتھا، سری نواس، اور سری رنگا ناتھ کے مندروں کی موجودگی سلطان کی وسیع النظری اور رواداری کا ثبوت ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید ملت سلطان شہید جس سے بڑھکر کوئی دوسرا نہیں مل سکتا۔ اپنی عبادت اللہ میں ہندوؤں کی پوجا کی گھنٹیوں سے پریشان نہ ہوتا تھا۔ ٹیپو آزادی کے ساتھ جنگ کرتا ہوا شہید ہوا۔ مگر اس نے دشمنوں کی اطاعت گوارا نہ کی۔

ہمیں بھی سلطان ٹیپو کے اس الہامی مقولہ کو یاد رکھنا چاہیئے۔

ملتا ہے کہ جو مرضی میں آئے کیا جائے۔ پیر لدا مدراس جاکر مقیم ہوئے اور وہیں گئے۔"

نوٹ:- یہ کسی تاریخ سے بھی معلوم نہ ہوا کہ غداری میں یہ پیر صاحب کا ہاتھ کہاں تک تھا۔ (محمود)

سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کی اس سے بڑھکر اور مثال کیا مل سکتی ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں اس نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو بھی اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے۔ پورنیا جس کا نام سپہ صادق کی طرح بچے بچے کی زبان پر ہے۔ دیوان سلطنت تھا۔ پایۂ تخت سرنگاپٹم اور بنگلور کے قلعے سلطنت میں خاص وقعت اور حیثیت رکھتے تھے۔ اور انہیں کے استحکام پر سلطنت کا دارو مدار تھا۔ ان قلعوں کے قلعہ دار کشن راؤ اور شامیا راؤ تھے۔ انچے شامیا محکمۂ ڈاک کا افسر اعلیٰ تھا۔ سلطنت خداداد کی فوجی وسول لسٹ اگر دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندو افسروں کی تعداد بھی مسلمان افسروں سے کچھ کم نہیں تھی۔ دیہات میں شانجوگ سب کے سب برہمن تھے۔ اور پٹیل یا تو برہمن ہوتے تھے۔ یا دوسری ذات کے ہندو۔ سلطان کی اس بے تعصبی اور رواداری کے متعلق گاندھی جی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں لکھا ہے :-

"ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ"

میسور کا بادشاہ فتح علی ٹیپو سلطان اجنبی (انگریزی) مورخوں کی نگاہ میں تو وہ متعصب مسلمان تھا۔ جس نے اپنی ہندو رعایا کو بجبر مسلمان بنایا۔ لیکن یہ سب جھوٹ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں سے اس کے تعلقات بہت دوستانہ رہے۔ اسکے کارنامۂ زندگی کی یاد ایسے وقت میں جبکہ ہندو اور مسلمان اپنے اصلی بدیسی دشمن کو بھولکر جو دروازے پر ڈیرا جمائے ہوئے ہے۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں۔ اور خود روش کی قوت ان سب سے سلب ہو چکی ہے۔ دل میں حسرت کی ایک گدگدی پیدا کر دیتی ہے

اقتدار جانا چاہا۔ وہاں سب سے پہلے عیسائی پادریوں کو امن اور نجات کے دیوتاؤں کے بھیس میں روانہ کیا۔ اور اس کے بعد جب دیسی باشندوں سے ذرا بھی کہیں مخالفت ہوئی تو کلیسا اور پادریوں کو بچانے کے بہانے سے ان حکومتوں نے اس ملک پر فوج کشی کر دی۔ تاریخیں ان واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ سلطان پادریوں کی ان فریب کاریوں سے واقف تھا۔ اسی لئے اس نے کورگ کے باشندوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کے بجائے اپنے ہی آبائی مذہب پر رہنے کا حکم دیا اور اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ میسور گزیٹیر کا ہندو مصنف بھی جس نے اپنی کتاب سرکاری خرچ پر شائع کی ہے۔ اور جس کو چاہئے تھا کہ بالکل بے تعصبی سے کام لیتا۔ اپنی کتاب میں سلطان کے متعلق اس طرح لکھتا ہے :-

"حقیقت میں اس کا تعصب اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ مذہبی اور سوشیل معاملات میں وہ کسی دوسرے کے مذہبی احساسات کی بالکل پروا نہیں کرتا تھا۔ گو اس نے سرنگری کے گرو سے تعلقات رکھے تھے۔ لیکن ان کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ جس سے وہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔" (میسور گزیٹیر مصنفہ ہیوجن راؤ صفحہ ۲۶۸۵)

لیکن یہی مصنف اپنی پوری کتاب میں کہیں اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کرسکا کہ سلطان نے اپنی ہندو رعایا کی سوشیل و مذہبی معاملات میں دخل درمی کی ہو۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصنف نے کس لئے تعصب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور جب اس کو ایک مثال بھی اپنے بیان کے ثبوت میں نہیں مل سکی تو اس نے یہ لکھ دیا کہ سلطان نے سرنگری کے گرو سے جو تعلقات رکھے تھے ان کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ اس مصنف کے ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے کہ اس کو کوئی ثبوت سلطان کی بے تعصبی کا مل نہ سکا تو زبردستی ان تعلقات کو زیر بحث لایا ہے۔ جو سرنگری کے گرو اور سلطان کے درمیان تھے۔

ڈیڑھ دن شیر کی طرح جینا گیدڑ کی ڈیڑھ سو سال کی زندگی سے بہت بہتر ہے
یا اللہ! جنگ کی اس بدلی میں جس سے ہمارے سروں پر خون ٹپک رہا ہو مر جانا
ذلت اور بے حیائی کی زندگی سے ہزار گونہ بہتر ہے"

اکثر عیسائی مورخین نے سلطان کو الزام دیا ہے کہ کورگ کے معاملہ میں اس نے نہایت تعصب سے کام لیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"نواح کورگ میں اکثر ہندو رگ عیسائی مذہب قبول کرتے جاتے تھے تو سلطان نے اس پر انہیں لکھا کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کریں۔ مگر جب چھ دفعہ لکھنے پر بھی اس کا اثر نہ ہوا تو آخر سلطان نے لکھا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ تم میں کا کوئی شخص اپنا آبائی مذہب ہرگز ترک نہ کرے۔ اور اگر ایسا ہی تبدیل مذہب کا شوق ہو تو خود اپنے بادشاہ کا جو ظل اللہ ہے، مذہب اختیار کریں"

اس سے انکار نہیں کیا جاتا کہ واقعی سلطان نے کورگ کے ہندوؤں کو یہی مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ تبدیل مذہب کا شوق رکھتے ہوں تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کریں۔ لیکن اس کو تعصب اور ناانصافی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس نے صاف طور پر انہیں کہا کہ اپنا قدیم اور آبائی مذہب ہرگز ترک نہ کریں۔ اب رہا عیسائیت کے خلاف اسکا حکم، اسکو معلوم تھا کہ لوگوں کو مذہب حق کی تلاش نہیں بلکہ وہ عیسائی پادریوں کے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور عیسائی پادری مذہب کیلئے نہیں بلکہ آئندہ سیاسی فوائد کو مدنظر رکھکر لوگوں کو اپنی جال میں پھانس رہے ہیں۔ اس کی دوربین نظر یہ دیکھ چکی تھی کہ بنگال اور کرناٹک میں یہی معصوم عیسائی پادری کس طرح مذہب کا جال بچھا کر عیسائی حکومت کیلئے راستہ صاف کر چکے تھے۔ یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ گذشتہ چار صدیوں سے یورپین حکومتوں نے جہاں کہیں اپنا سیاسی

یہاں ایک مختصر مندر اور مسافر خانہ تھا۔ فقیر نے یہیں پیشین گوئی کی تھی۔ سلطان نے حسب ہدایت فقیر یہی جگہ مسجد کی تعمیر کیلئے انتخاب کی۔ مگر مندر ہونے کی وجہ سے اس کو پس وپیش رہا۔ پجاریوں اور عام ہندوؤں کو بلا کر کہا گیا کہ اگر یہ جگہ مسجد کیلئے دیدی جائے تو اس کے عوض ایک عالیشان مندر تعمیر کرکے دیا جائیگا۔ انکے راضی ہونیکے بعد سلطان نے اپنے قول کو جس طرح نبا ہا اس کا ثبوت وہ عالیشان مندر جو مسجد سے مغربی جانب ایک فرلانگ دُور سڑک کے سیدھے بازو پر ہے۔ دے رہا ہے۔ اور اس مندر کو جو بیش قرار جائداد دی گئی۔ اس کے سندات ابھی مندر میں موجود ہیں۔

اس باب کو ختم کرتے ہوئے اخیر میں میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ جولائی ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۱۴۹ سے وہ تبصرہ درج کیا جاتا ہے۔ جو ٹیپو سلطان کے عادات واطوار اور طرز حکمرانی پر مضمون "میکنگ آف میسور" میں لکھا گیا ہے:۔

"ٹیپو ایک نہایت ہی عالی حوصلہ حکمران اور شیر میسور کے نام سے مشہور تھا۔ فرانسیسی اور انگریز دونوں اس سے خوفزدہ تھے۔ جن سیاحوں نے ٹیپو کی سلطنت کو اسکی تخت نشینی کے بارہ سال بعد یعنی ۱۷۹۲ء میں دیکھا تھا۔ لکھتے ہیں کہ ملک میں زراعت خوب ہورہی ہے باشندے جفاکش اور ہنرور ہیں۔ تجارت روزافزوں ترقی کررہی ہے۔ اور ہر جگہ خوشی وخرمی ہے۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طرز حکومت لوگوں کے پسندیدہ ہے۔ اور ملک کی عام حالت بتلارہی ہے۔ کہ رعایا اپنے حکمران سے خوش اور قانع ہے۔ اگرچہ ٹیپو کو گذرے ہوئے آج سوا صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن لوگ آج بھی ٹیپو کا اس کے عمدہ صفات کے لحاظ سے ادب واحترام کرتے ہیں۔ بخلاف معترضین کے ٹیپو کے مداح دن بدن بڑھتے جارہے ہیں۔"

اب رہا ان تعلقات کا مقصد صرف سیاسی ہونا۔ اس سے شاید بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سلطان مسلمان تھا اور یہ ناممکن تھا کہ مذہبی حیثیت سے وہ گروؤں اور سندوں سے اعتقاد رکھے۔ سلطان تو خیر آج کوئی ہندو ہو یا مسلمان مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسی طرح عیسائی اور ہندو، اور عیسائی اور مسلمان بھی مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس سے تو یہ مصنف بخوبی واقف ہے کہ آج ہندوستان میں کئی ایک ہندو اور مسلمان ریاستیں ہیں۔ ہندو ریاستوں کے راجہ اپنی ریاست میں مسجدیں تعمیر کرتے ہیں، اور مسلمان نواب دھرمسالے اور مندر بناتے ہیں۔ کیا یہ مصنف کہہ سکتا ہے کہ ہندو راجہ اسلام کے شیفتہ ہو کر مساجد کی تعمیر کیا۔ یا مسلمان نواب ہندو مذہب کے گرویدہ ہو کر مندر بنا رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حکمران وقت کو چاہے وہ کسی مذہب کا ہو اپنی رعایا کی دلجوئی کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ دلجوئی سیاسی مقصد کیلئے ہی ہوتی ہے۔

اطالیہ نے طرابلس میں کتنے ایک مسجدیں تعمیر کیں۔ فرانس کے دارالسلطنت پیرس میں حکومت نے مسلمانوں کے لئے مسجد بنائی۔ خیر یہ تو دور کا قصہ ہے۔ میسور ہی میں دیکھا جائے تو حکمران وقت نے اپنے خرچ سے چند مسجدیں تعمیر کی ہیں۔ آخر ان کا مقصد کیا ہے۔ یہی کہ اپنی رعایا کی دلجوئی۔ اگر ٹیپو سلطان نے بھی یہی کیا تھا تو اس میں اس مصنف کو عیب کیوں نظر آتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے مورخین اور مصنفین سے تنگدلی دور نہیں ہوئی۔ اور یہ اسی قسم کی کتابوں کا نتیجہ ہے کہ ہندو مسلم تعلقات بجائے سلجھنے کے اور کشیدہ ہوتے چلے جارہے ہیں۔

سلطان کی بے تعصبی کی ایک اور مثال

سلطان نے بچپن میں جس جگہ پرورش پائی تھی۔ اس جگہ اب مسجد اعلیٰ بنی ہوئی ہے۔ پہلے

کے پردے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا کس طرح ملک پر قبضہ کر چکی ہے اور جنوبی ہند میں والا جاہ محمد علی کی خود غرضی و اسلام و وطن دشمنی نے کمپنی کو کس قدر چیرہ دست بنا دیا ہے۔ وہ جان چکا تھا کہ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک نہ ایک دن وہ تمام ہندوستان کو اپنا غلام بنا لیگی۔ اس لئے کہ ملک میں ہندو ہو یا مسلمان دونوں ایک ہی ناؤ میں سوار تھے۔ اپنی اور ملک کی آزادی کی کسی کو بھی رتی بھر فکر نہیں تھی۔ اس وقت ان دونوں قوموں کی جو حالت تھی، اس کا اندازہ سلطان کی خاص تحریر سے ہوتا ہے۔ صاحب حالات حیدری نے لکھا ہے کہ یہ تحریر خاص سلطان کی نہیں ہے بلکہ عام طور پر اس زمانے کے متعلق کسی نے لکھی تھی۔

"خدا نے فصلی حیثیتوں سے جیسے اس ملک میں تمام دنیا کے مجموعی اوصاف جمع کر دئے ہیں یعنی سردی، گرمی، بارش، برف وغیرہ آثار قدرت جو دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب قدرت نے اس ملک کے مختلف حصوں کو عنایت کئے ہیں باشندگان ملک کیلئے تمام زمین کو ہر قسم کے غلوں سے ذخیرہ گاہ قدرت بنا یا ہے سینکڑوں ندیوں اور عالیشان دریاؤں سے ملک کی سیرابی کا سامان موجود ہے۔ ہر طرح کے پھل پھول سے جنگل گلزار ہو رہے ہیں۔ یہاں کے دریاؤں میں موتی، مونگوں کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کے پہاڑ یاقوت و الماس کی جھولیاں بھر رہے کھڑے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ویسے ہی قدرت نے یہ نعمت عظمٰی اس قوم کو عنایت فرمائی تھی۔ جو اپنے وقت میں تمام دنیا کی قوموں سے بہتر اوصاف رکھتی تھی۔ یہاں کی قوم ہنود کی تعریف دور دور کے ملکوں میں بطور ایک نادیدہ مثال کے بیان کی جاتی تھی۔ انکی نفس کشی اور دیانت کی کوئی حد نہ تھی۔ نرم دل ایسی تھی کہ ذی روح کو اگرچہ وہ جھینگا اور چیونٹی کیوں نہ

ہندوستان اور ممالکِ اسلامیہ کو مغربی قوموں سے بچانے کیلئے

سُلطان کی جدوجہد

اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کی خوشحالی و ترقی کیلئے

سُلطان کی مساعیٔ جمیلہ

یوں تو سلطان کے متعلق جس قدر تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب میں اس کا ذکر ہے کہ سلطان نے ترکی، ایران اور افغانستان کو سفارتیں روانہ کی تھیں۔ ولکس اور بورنگ نے ان سفارتوں کا تمسخر اڑایا ہے۔ دوسرے مورخین خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم صرف یہ لکھنے پر اکتفا کیے ہیں۔ کہ سفارتیں روانہ کی گئی تھیں۔ لیکن ان سفارتوں کے مقاصد اور گہرائیوں تک پہونچنے کی سعی کسی نے بھی نہیں کی۔

اتحاد بین الاقوام ہند کے سلسلہ میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ سلطان نے مرہٹوں سے بار بار اتحاد کی درخواست کی تھی۔ اتحاد بین المسلمین کیلئے اس کے ایلچی متعدد بار حیدرآباد جا کر مایوس واپس آئے۔ اسکی وجہ سے سلطان کو یقین ہو گیا کہ ہندو ہو یا مسلمان اپنے ملک سے بالکل بے پرواہیں اور ان سے اتحاد کی کوئی صورت نہیں نکل آتی۔ اس اتحاد سے سلطان کا مقصد اس خط سے ظاہر ہے جو اس نے نظام علی خان کو بھیجا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۲۱۹) اس کے دل میں ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی ایک حقیقی تڑپ موجود تھی۔ اسکی دور بین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ بنگالہ اور بمبئی میں تجارت

نے ان کو ہمیشہ راہ ترقی سے دور رکھا۔ وقتی فرومائگی، رذیل پیشوں کا اختیار کرنا، خوشامد، چاپلوسی، مکر و فریب سے دوسرے کے ساتھ ملنا۔ دغا و زور کو اپنا ذریعہ کاسب ہی جاننا۔ انکا شیوہ ہوگیا۔ غیرت اور حمیت سے سروکار نہ رہا۔ بیکار پڑے رہنے کو ذریعہ تنعم خیال کیا۔ دولت جمع کرنے کیلئے انکے لالچ اور طمع کی حد نہ رہی۔ فی الحقیقت اس سے زیادہ ذلت کیا ہوگی۔ کہ ایک ملک کے لوگ آپس میں تو لڑیں لیکن دوسروں کو اپنا خداوند نعمت بنائیں۔ انکے سامنے ذلت اور عاجزی سے سر جھکائیں۔ اور انواع مکر و خوشامد سے پیش آئیں۔ اور خود انکے بار حکومت کے نیچے دب جائیں۔ ہندوؤں کے مذہبی تنوع نے ان میں سخت تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ انہیں وجوہ سے بعض غیر ملک کے بہادر اور اولوالعزم اور محنت کوش بادشاہوں نے اپنی قوم کا اس ملک کی بود و باش سے علیحدہ رہنا پسند کیا ہے چنانچہ گرشاسپ نامہ اسدی میں لکھا ہے کہ جب ضحاک نے اپنے سپہ سالار گرشاسپ کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا تو اس کو یہ نصیحت کی۔

مثنوی

وصیت چنیں کرد گرشاسپ را — کہ در ہند پدرود کن خواب را
نداری ز خون سپاہاں دریغ — ہمیں کار فرما درخشندہ تیغ
بجستی دہ انجام کار بزرگ — براینشاں چناں زن کہ بر گلہ گرگ
نمانی دراں بوم سالے تمام — کہ لشکر گراں گیرد از ننگ و نام
گر و بگذرد چار موسم دراں — ز فرہنگ و مردی نیابی نشاں

یعنے اے گرشاسپ تو بعد حصول فتح ہندوستان کے وہاں رہنے کا ہرگز قصد نہ کرنا کیونکہ اگر تجھ پر اور تیرے لشکر پر ایک سال وہاں گذر گیا تو یقین کر کہ تجھ

ہو تکلیف نہ دیتی تھی۔ محبت اور ملنساری میں دوسرے ملک والوں کا ایسا مرتبہ بلند تھی کہ انکے اطوار سنجیدہ اور اخلاق برگزیدہ کے رہین منت ہو کر اس کی تعریف کا افسانہ ساتھ لیجاتے تھے۔ کسی جاندار کا ایذا دینا حرام مطلق تھا۔ اور اس حکم کی پابندی اس دلی رحم ولینت سے کی جاتی تھی کہ وہ ہر شخص کی طبیعت ثانی بنگئی تھی۔ خیرات اور صدقات کی کچھ حد نہ تھی۔ حتیٰ کہ صدقات و خیرات لینے والے بمشکل دستیاب ہوتے تھے۔ بعض راجے اپنا راج تک خیرات کر دیتے تھے۔ ایفاء عہد اور قول پروری اس قوم کا خاصہ تھی۔ ذراسی قدرتی جھلک میں ظاہر یزدانی کی پرستش پر آمادہ رہتے تھے۔

ازاں بعد وہی قوم دوسری قوموں کی آمیزش اور اختلاط۔ اور اپنے قانون عملی کو چھوڑ کر ایسی گندہ اور خراب ہوئی کہ انکی ہر نیکی سے ان گنتی برائیاں پھوٹ نکلیں۔ بت پرستی نے سرتاپا کفر و ضلالت میں مبتلا کر دیا۔ انکی خیرات و مبرات کے بیجا مصرفوں نے ان گنتی فقیر و سائل پیدا کر دیئے۔ جن کے افعال و اطوار دس لایق نہ تھے۔ کہ ان کو حلوم خوری کا مرتبع دیا جاتا۔ ان کے دلوں سے رحم اور خداترسی کا مادہ گھٹنے اور تعصب و نفسانیت کا مادہ بڑھنے لگا۔ اور ان کا رحم قدیم بجائے عام بنی نوع انسان کے اپنے اغراض و خصوصیات سے متعلق ہو گیا۔ جس نے ان سے وہ عام برگزیدگی کے اوصاف واپس لے لئے۔ اور یہ بتدریج روحانیت کی تابناک روشنی سے کفر و بادہ پرستی کی تاریکی میں پڑ گئے۔ مسلمانوں کے وقت میں انکے تعصب و نفسانیت اور ریا و خوشامد وغیرہ نے ترقی کی۔ اور وہ خصائل جو تونگری اور تنزل کو لازم ہیں۔ ان میں آگھسے۔ اولاد کی کثرت، تعلیم کی قلت عیش و تنعم کے اسباب اہل ہندی کے نقصان

(۱) اگر ترکی وایران کو ہندوستان میں بندرگاہیں دی جائیں اور اس کے عوض ان ممالک کے ساحلوں پر سلطنت خداداد کی بندرگاہیں موجود رہیں تو اسلامی جہازات کی آمد ورفت کی وجہ سے مغربی قوموں کو ان ساحلوں پر قبضہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملیگا۔

(۲) قدیم زمانے سے ہندوستان کی تجارت خشکی کے راستے ہوتی تھی۔ اور یہی تجارت ممالک اسلامیہ اور مسلمانوں کی خوش حالی کا باعث تھی۔ لیکن پرتگیز والوں نے کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) کا راستہ دریافت کر کے اس تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس لئے سلطان نے پھر اس تجارت پر قبضہ کرنے کیلئے ہندوستان سے براہ بصرہ و ترکی بحری راستہ تجویز کیا۔ جو راس امید کے راستے سے زیادہ نزدیک اور سہل تھا اور اس سے علاوہ تجارت کے یہ مقصد بھی تھا کہ تجارت کی حفاظت کرنے کیلئے اسلامی ممالک بھی ان سمندروں میں اپنی بحری طاقت قایم کرینگے جو اب تک نہیں تھی۔

(۳) مسلمان صنعت وحرفت اور تجارت سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ یہی تجارت اور صنعت و حرفت انہیں اقوام عالم کا سرتاج بنا رکھی تھی۔ اس لئے سلطان نے نہ صرف اپنی سلطنت میں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تجارتی کوٹھیاں کھول کر مسلمانوں کو اس جانب توجہ دلانی چاہی۔

(۴) ترکی سے جس کی شہرت اقصائے عالم پر پھیلی ہوئی تھی فوجی امداد حاصل کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔

ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے جو سفارت ترکی کو بھیجی۔ اس کا رئیس میر غلام علی تھا۔ یہ سفارت نہایت شان واحتشام سے روانہ کی گئی۔ اس کے لئے خاص طور پر سلطنت کے سب سے بڑے جنگی جہاز "فخر المراکب" کو جس کے جلو میں چار چھوٹے جنگی جہاز تھے مختص کیا گیا۔

مردی و فرزانگی کا نام و نشان بھی تیسرے لشکر میں باقی نہ رہیگا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی حالت پر غور کیجئے کہ ایران، توران، بلخ، ہرات غزنین، قندھار وغیرہ سے کیسے کیسے توانا اولوالعزم مغل اور پٹھان یہاں آئے لیکن یہاں کی رہائش سے وہ کیسے خانہ نشین و عشرت پسند ہوگئے۔ اور ان شیروں، بہادروں کی اولاد کیسی کمزور اور زنخی ہوگئی۔ اور انہوں نے کیسی نحیف اور رذیل عادتیں اختیار کیں کہ انکی اصلیت کا کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہا۔ اور وہ بھی ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنے اوصاف شجاعت و مردانگی و غیرت و حمیت کو کھو بیٹھے۔ اور اولوالعزمی ان کی سرشت سے نکل گئی۔" (مقالات حیدری)

سلطان کو جب حیدرآباد اور مرہٹوں سے اتحاد میں مایوسی ہوئی تو اس نے فرانسیسیوں سے اتحاد کرنا چاہا (جس کا بیان آگے آچکا ہے) اسی سلسلہ میں اس نے افغانستان، ایران اور ترکی کو بھی سفارتیں روانہ کیں۔ ان ممالک کو سفارتیں روانہ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ہندوستان کو مغربی قوموں سے محفوظ رکھے بلکہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کو بھی ان سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے اس جذبہ کو پین اسلامزم کہا جائے یا کچھ اور۔ لیکن یہ حقیقت تو اس پر واضح تھی کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے اور اس پر مستقل حکومت کرنے کیلئے ان قوموں (خصوصاً انگریز) کی نظریں بلاد اسلامیہ کے ان سواحل پر پڑ رہی تھیں جو ہندوستان کے راستے میں تھیں۔ وہ اس سے واقف تھا کہ ایک نہ ایک دن عراق، ایران و عرب کے سواحل پر انگریز اپنا قبضہ جمالیں گے۔ اس لئے کہ ان ممالک کے پاس کوئی بحری طاقت نہیں تھی۔ جو یوروپین اقوام کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ ممالک اسلامیہ کا آپس میں اتحاد کرنے سے سلطان کے مدنظر مندرجہ ذیل فوائد تھے:۔

غلام علی کو یہ بھی ہدایات ساتھ دی گئی تھیں کہ دو ماہرین معدن گندک اور چند ماہرین معدن طلا و چاندی اپنے ساتھ لے آئے۔ اور چو بیس توپیں بھی خرید کی جائیں۔

سلطان ترکی کو زبانی طور پر اس عہدنامہ کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھانے کے لئے سلطان نے میر غلام علی کو ایک اور منشور دیا جس میں واضح طور پر شرائط کی تشریح کی گئی ہے۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا۔

(۱) اس امر کی اس لئے ضرورت ہے کہ انگریز ملک بنگالہ کو جس کے محاصل ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ اور ملک سورت و گجرات جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ اور ملک کرناٹک کو جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ ہیں۔ جو بادشاہ ہندوستان کی ملکیت میں ہیں مقامی حکام سے سازش کر کے پچیس یا تیس سال سے اپنے قبضہ میں لے آئے ہیں۔ اور اکثر اہل اسلام کو گرفتار کر کے انکے مساجد و مقابر کو تباہ کر کے اپنے کلیسا تعمیر کئے ہیں۔ اور ان ممالک میں کفر کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے سلطان ان سے جنگ کرنے میں مشغول ہے۔ اس جہاد میں آپ کی تائید چاہئے۔

(۲) نصاریٰ کے قلع و قمع کے لئے جہازات کی سخت ضرورت ہے۔ در بفضل خدا سلطنت خداداد جہازات کی تیاری میں مشغول ہے۔ لیکن ان جہازات کی آمد و رفت اور طوفان کے وقت پناہ لینے کیلئے بندرگاہیں چاہئے۔ اس لئے اگر بندرگاہ بصرہ سلطنت خداداد کو اجارہ پر دی جائے تو ان جہازوں کو پناہ کی جگہ مل سکیگی۔ اور اسکے ذریعہ ممالک اسلامیہ کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمد و رفت ہمیشہ قائم رہیگی۔ اور یہ امر دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقویت کا باعث ہوگا۔

(۳) بندرگاہ بصرہ کے عوض ترکی سلطنت کو حکومت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت

سلطان نے میر غلام علی کو سلطان ترکی سے معاہدہ کرنے کیلیے مختار نامہ دیا تھا۔ اس میں اسس نے جو ہدایات لکھی تھیں، وہ بجنسہ یہاں نقل کی جاتی ہیں :-

"قلم اول :- سرکار خداداد و سلطان روم کے درمیان شمس و قمر کے دور قیام تک دوستی و یک جہتی قائم رہے گی۔

قلم دوم :- بندرگاہ بصرہ و ملحقہ ملک معہ ملازمان سرکار خداداد کو اجارہ پر دیا جائے اس کا زر اجارہ سلطان روم کو دیا جائیگا۔

قلم سوم :- اسکے عوض سلطان روم کو سلطنت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو اجارہ پر دی جائیگی۔ اس ذریعہ سے اہل اسلام کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمدورفت ہوتی رہے گی، جس کے سبب دین متین احمدی کو روز افزوں تقویت ہوگی

قلم چہارم :- ترکی سلطنت ہماری تائید کیلیے جس قدر جمعیت جہازوں پر سوار کرکے روانہ کریگی۔ اسکے تمام اخراجات سلطنت خداداد برداشت کریگی۔ اور جس وقت ترکی سلطنت کو اس فوج کی ضرورت لاحق ہوگی تو اس فوج کو جہازات پر سوار کرکے سلطنت خداداد کے خرچ سے واپس بھیجا جائیگا۔

قلم پنجم :- سرکار خداداد میں اگرچہ بندوق و توپ ساز بہت سے موجود ہیں، لیکن اور چند بندوق، توپ اور قمارہ سازوں کو جو ماہرین فن ہوں۔ ترکی سے بھیجے جائیں۔ اور انکے عوض ہر قسم کے کاریگر جو سلطان روم کو مطلوب ہوں سرکار خداداد سے ترکی کو بھیجے جائیں گے۔

ہدایت کی جاتی ہے کہ اوپر لکھی ہوئی شرائط کو اقرار نامہ کی صورت میں قلمبند کرکے سلطان روم کا مہر دستخط لیا جائے اور اسکی ایک نقل ہمارے دستخط کیلیے بھیجی جائے"

غلام علی کو ان ہدایات کے دینے کے علاوہ سلطان نے سفارت کو حکم دیا تھا کہ:-

بندرگاہ بصرہ میں اتر کر بغداد و نجف اشرف اور کربلا کے راستے سے قسطنطنیہ پہونچے اور رستے میں مقامات مقدسہ میں جن چیزوں کی ضرورت ہو ان سے سلطنت خداداد کو آگاہ کیا جائے۔

چنانچہ سلطان نے اسکے متعلق میر غلام علی کو جو حکم نامہ لکھ کر بھیجا تھا، اسکی نقل بجنسہٖ زبان فارسی میں دی جاتی ہے:-

"نقل حکم تازہ:- آنکہ در اثنائے راہ چہ در ملک عرب و عجم و در روم درگاہ و بزرگان و پیغمبران باشند، رفتہ از طرف سرکار غلاف و نذر و شیرنی بردہ فاتحہ نمودہ و بقدر مناسب، زنقد خیرات نمایند۔ و از شریف مکہ و سلطان روم وغیرہ دریافت نمودہ بحضور معروض دارند۔ در مکہ شریف و در مدینہ شریف و درگاہ حضرت پیران پیر و در نجف اشرف و در کربلائے معلےٰ و در درگاہ حضرت امام رضاؑ برائے نذر کدام چیز مقبول پاندار است و نیز اگر دو از ہائے نقرہ فرستادہ شود در مکانہائے موصوف نصب خواہد شد یا نہ و ہم درگاہ روبروئے درگاہ اگر کلاں بستہ و براں بالاخانہ تیار کردہ نقارخانہ گذاشتہ شود بہتر است یا نہ!

مرقومہ پانزدہم حیدری سال جلو از مقام متصل ظفر آباد شستہ ۱۲۰۰ ہجری

(نوٹ:- معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نامہ سرنگاپٹم سے سفارت کے روانہ ہو جانے کے بعد میر غلام علی کو بھیجا گیا تھا۔ محمود)

غرض یہ سفارت نہایت شان و شوکت سے قسطنطنیہ (استنبول) پہونچی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھتا ہے:-

ہو دی جائیگی۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ترکی سلطنت کا اگر ایک بندرگاہ ہندوستان میں ہو تو سلطان ترکی کے جہازات ہندوستان کو آتے جاتے رہیں گے۔ اور اس طرح نصاریٰ کی آمد و رفت کا قلع و قمع ہو جائیگا۔ اور تمام ممالک اسلامیہ اور بلاد مقدسہ کی سالمیں انکی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔

(۴) نصاریٰ ہر طرح سے یعنے صنعت و حرفت۔ تجارت اور ملک گیری کے ذریعہ اہل اسلام پر غالب آنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اہل اسلام بھی صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف توجہ کریں۔ سلطنت خداداد چونکہ اس معاملہ میں پیش قدمی کر چکی ہے اس لئے اس سلطنت میں بندوقیں اور توپیں بے شمار اور نہایت عمدہ تیار ہوتی ہیں۔ انکے علاوہ گھڑیاں، ظروف چینی، دُوربینیں، آئینے وغیرہ بھی نہایت عمدہ بنتے ہیں۔ سلطنت ترکی کو اپنے یہاں ان اشیا کی ساخت کیلئے ماہرین فن کی ضرورت ہو تو سلطنت خداداد سے ایسے لوگ بھیجے جا سکتے ہیں۔ اور ترکی سے جو ماہرین فن سلطنت خداداد میں آنا چاہیں۔ انہیں بخوشی یہاں ملازمت دی جائے گی۔ اور تمام سفر خرچ وغیرہ برداشت کیا جائیگا۔ اور جب کبھی یہ لوگ ترکی کو واپس جانا چاہیں تو انہیں واپس جانیکا اختیار ہوگا۔

(۵) چونکہ نجف اشرف میں پانی کی قلت کی وجہ سے زائرین کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے دریائے فرات سے نجف اشرف تک ایک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ اس کا تمام خرچ سلطنت خداداد خود برداشت کریگی۔ اور منظوری حاصل ہونے پر ماہرین فن کو یہاں سے بھیجدیا جائیگا۔ یہ نہر علاوہ نجف اشرف میں میٹھا پانی مہیا کرنے کے دوسری ضروریات کے بھی کام آئے گی۔"

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"جب باب عالی کے آگے سلطان کی یہ تجویز پیش ہوئی کہ دریائے فرات سے نجف تک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ تو وزیر اعظم نے کہا۔ اس قسم کی باتیں قدیم زمانے میں جب زمین پر جنات اور دیو آباد تھے سنی جاتی تھیں۔ ریگستان میں نہر نکالنا اب تک نہیں سنا گیا۔ اگر خدا کو منظور ہے کہ یہ نہر نکال جائے تو وہ خود اس کا سامان پیدا کر دیگا۔ اور ترکی کو شیعہ سلطان کی مدد کی ضرورت نہیں پڑیگی"

یہ الفاظ حقیقت میں وزیر اعظم نے کہا تھا یا ولکس کے دماغ کی ایجاد ہے۔ اس کے متعلق اس وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں ترکی اور تمام عالم اسلام پر ایک جمود کا عالم طاری تھا۔ سترہویں صدی عیسوی میں ہر جگہ کے مسلمانوں کی یہی حالت تھی۔ ترکی جو دنیائے اسلام کی سب سے زبردست اور دنیا میں علمبردار اسلام کہلاتی تھی۔ تباہی کے عمیق غار میں گر چکی تھی۔ باب عالی میں یوروپین اقوام کی ریشہ دوانیاں اور ان کے سفیروں کی آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑھکر انگلستان حصہ لے رہا تھا۔ جو روس کے خوف سے ترکی کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہتا تھا۔ صنعت و حرفت کا ملک میں نام و نشان تک نہیں تھا اور تمام تجارت یوروپین اقوام کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔ مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی ترک حد درجہ گر چکے تھے۔

تاریخ خاندان عثمانیہ میں اس زمانہ میں ترکی کی اندرونی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے :

ترکی کی حالت

(۱) وہی قومیں جو مذہب، معاشرت اور زبان میں ترکوں سے متغائر تھیں۔ نہیں بگڑی ہوئی تھیں، بلکہ مسلمان رعایا میں بھی جو کافی زبردست ہو جاتے تھے۔ وہ بطور

"عہدنامہ منگلور کے بعد سلطان نے ایک سفارت قسطنطنیہ کو بھیجی۔ اس سفارت کا رئیس میر غلام علی تھا۔ اس سفارت کے ذریعہ سلطان ترکی کو نہایت بیش قیمت تحایف کے علاوہ ٹیپو نے نئی بندوقیں جو اسکے کارخانوں میں تیار ہوئی تھیں، دس لاکھ روپیہ جو نئے ڈھلے ہوئے تھے۔ قیمتی پارچہ جات، سونا اور جواہرات بھی بھیجے تھے۔"

سفارت بندرگاہِ بصرہ میں پہونچی۔ ترکی گورنر نے باب عالی سے حکم آنے تک اس کو یہاں ٹھہرا رکھا۔ تین ماہ کے بعد جب حکم پہونچا تو اس کو جانے کا حکم دیا گیا۔ قسطنطنیہ پہونچکر ارکان سفارت نے وزیر اعظم اور دوسرے امراء سے ملاقاتیں کیں۔ لیکن بارگاہ سلطان ترکی میں ایک عرصہ تک باریابی نہ ہوسکی۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"جب یہ سفارت قسطنطنیہ پہونچی تو بمشکل نو ماہ کے بعد باریابی ملی۔ سلطان سلیم نے ٹیپو کی ان تجاویز کا مضحکہ اڑایا۔"

سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کی تجاویز کا مضحکہ اڑایا ہو یا نہ اڑایا ہو۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستی کا رہنا کافی ہے۔ جب اسکے بعد بندرگاہ بصرہ کی حوالگی اور نجف اشرف میں نہر کی تیاری کی درخواستیں پیش ہوئیں تو یہ بھی مسترد کر دی گئیں۔ بلکہ بصرہ میں تجارتی کوٹھی کھولنے کی بھی اجازت نہیں ملی۔ رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۴ پر لکھتا ہے :۔

"غلام علی نے جب سلطان ترکی کے آگے ٹیپو سلطان کی یہ تجویز پیش کی کہ بندرگاہ بصرہ میں سلطنت خداداد کو ایک فیاکٹری (تجارتی کوٹھی) کھولنے کی اجازت دی جائے۔ اور اس امر کی بھی اجازت دی جائے کہ نہر فرات سے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی جائے۔ مگر سلطان سلیم نے ان تجاویز کو قبول نہیں کیا۔"

(۹) علما اور بالخصوص مفتی یعنے شیخ الاسلام کی طاقت بہ نسبت سابق بہت بڑھ گئی تھی۔ یہی کیفیت املاک اوقاف کی بھی تھی۔ لوگ ٹیکسوں سے بچنے کیلئے اپنی املاک متولیانِ اوقاف سے خفیہ معاہدہ کر کے وقف کر دیتے تھے۔

(۱۰) الغرض سلطنت کے ہر شعبہ کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس صدی کے خاتمہ کے قریب سلطنت عثمانیہ کمال انحطاط کے درجہ پر پہونچ گئی تھی تو اس میں ذرہ بھی مبالغہ نہ ہوگا" (تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم اقتباس از صفحات ۲۹۲ تا ۲۹۸)

ان حالات میں سفارت کا ناکام واپس آنا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔

لیکن سلطان اس سے مایوس نہیں ہوا۔ اس نے پھر دو سفارتیں روانہ کیں۔ اور ان میں جو اخیر سفارت تھی وہ ۱۷۹۸ء میں روانہ کی گئی تھی۔ اس وقت باب عالی میں انگریزی سفیر کا طوطی بول رہا تھا۔ ترکی پورے طور پر انگریزوں کے اثر میں تھی۔ اس لئے جب ٹیپو سلطان کا خط پیش ہوا۔ تو سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کو لکھا کہ فرانسیسیوں پر اعتماد نہ کرے۔ بلکہ انگریزوں کے ساتھ مل جائے۔ سلیم ہندوستان کے حالات سے ناواقف تھا۔ بہر طور یہاں سلطان سلیم کا خط اور اس کا جواب جو ٹیپو سلطان نے بھیجا تھا درج کئے جاتے ہیں:۔

"سلطان سلیم فرمانروائے سلطنت عثمانیہ کا خط مورخہ ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ بنام ٹیپو سلطان"

(یہ اصل خط عربی میں تھا۔ عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوا۔)

اس سلطان برادر قدردان کو معلوم ہو کہ ان ایام میں کہ فرانسیس لوگ دیار فرنگ کی اکثر ریاستوں کے ساتھ سرگرم پیکار تھے۔ ہماری سرکار نے ان لوگوں کے تعارف اور دوستی کے سبب جو سابق سے چلی آتی ہے ان کے دشمنوں کے طرفدار نہ ہو کر صلح کل کا طریقہ

قاعدہ کلیہ نمائشی اور زبانی فرمانبرداری کے سوا اور سب طرح سے مطلق العنان ہو جاتے تھے۔ بغاوت اور خانہ جنگی بڑے بڑے پاشاؤں کا معمولی وطیرہ تھا۔

(۲) عام طور پر گورنر ایک سال کیلئے مقرر ہوتے تھے۔ اور یہ تقرریاں عموماً رشوتیں دیکر حاصل کی جاتی تھیں۔ اور وہ لوگ جو گورنر ہونا چاہتے تھے۔ مالدار تو نہیں ہوتے تھے اس لئے عموماً رشوت کا روپیہ کسی مالدار یونانی یا یہودی سے قرض حاصل کرتے تھے۔ قرض دہندہ فی الحقیقت اس صوبہ کا جس پر اس کا مقروض متعین ہو۔ مرتہن ہو جاتا تھا اور مرتہن ہی با قبضہ ہوتا تھا۔ کیونکہ لازمی طور پر اس کا معتبر ایجنٹ سکرٹری کی حیثیت میں پاشا کے ساتھ جاتا تھا۔ اور بسا اوقات صوبہ کا واقعی حاکم یہی سکرٹری ہوتا تھا۔ اور پھر ہر سال عہدہ کی تجدید کی ضرورت پاشاؤں کو اس مالی غلامی سے آزاد نہیں ہونے دیتی تھی۔

(۳) قاضی صاحبان یعنے مجسٹریٹ بھی عموماً پاشاؤں کی طرح اپنے عہدوں پر بذریعہ خرید متصرف اور انہی جیسے ظالم اور خائن ہوتے تھے۔

(۴) جاگیری انتظام میں بے اندازہ خرابیاں پیدا اور باب عالی کی غفلت یا کمزوری سے سلطنت کے اہم صوبوں میں مختلف اقوام ومذاہب کی چھوٹی چھوٹی خود سر ریاستوں کے قائم ہو جانے سے بھی سلطنت عثمانیہ کی کمزوری و بدنظمی میں مختلف و بے حساب اضافہ ہو گیا تھا۔

(۵) جاگیردار زبانی اور نام نہاد طور پر سلطان اور اسکے گورنر کی اطاعت کو ماننے رہنے سے تو انکار نہیں کرتے تھے۔ لیکن کسی سرکاری عہدہ دار کی مجال نہیں تھی کہ جاگیردار کے قلعہ میں داخل ہو کر حکم کی تعمیل کرا سکے۔

اسکے بعد اس مکار نے شہر رومنہ میں دخل کر لیا۔ تب تو دولت عثمانیہ کی فوجوں نے جو شہر قاہرہ سے ان مصیبت زدوں کی مدد کو بھیجی گئی تھیں۔ ان کا مقابلہ کیا۔ اور مصر کی سرزمین جو اس اعتبار سے کہ متصل قبلہ اہل اسلام مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے واقع ہے۔ اس کی نسبت قوم مذکور کے بعض خط پکڑے گئے۔ ان کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عرب کے ملک کو لیکر اس کو چھوٹے چھوٹے صوبوں پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو نیست ونابود کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے دل میں یہ بات سمائی ہے کہ توفیق الہٰی اور تائید رسالت پناہی سے ان دشمنوں اور دین کے بدخواہوں کے دفع کرنے میں ہر طرح کی کوشش عمل میں لائی جائے۔

چونکہ اس برادر قدردان کے ساتھ جو دین اسلام کی حمایت میں مشہور آفاق ہیں۔ مدت مراسم یکجہتی ثابت و مستحکم اور طرفین سے ارتباط و یگانگت کی رسمیں جاری ہیں۔ امید ہے کہ وہ برادر مہربان اس رخنے کی صفائی کیلئے اس سرکار عالی کے ساتھ درمیان عزم و رزم کے متفق اور معاون ہونے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کریں گے۔ اور ہم نے سنا ہے کہ اندنوں قوم فرانسیس نے سرکار انگریزی کے علاقہ ہندوستان میں طرح طرح کی سازش کی ہے۔ اور تقریب سے درمیان قوم فرانسس اور اس برادر کے نہایت موافقت اور میل پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ ان کے سرداروں نے مصر کے راستے سے فوجوں کے بھیجنے کا اقرار کیا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کا مکروفریب جلد کھل جائیگا۔

چونکہ اس قوم نے مقابلہ کرا دہر سے تو ناظمان سرکار انگریز مستعد ہیں اور ادہر ہم بھی انکے فتنہ و شور وشغب کا دفعیہ کرنا ضرور جانتے ہیں۔ اس صورت میں دونوں سرکار

اختیار کیا۔ اس سرکار کو چونکہ بہ نسبت ان لوگوں کے نہایت درجہ میلان و التفات
اور ان کی لگاوٹ کی باتوں کا کمال اعتقاد تھا۔ اسی سبب سے دوسروں کے سوال و
پیغام انکے خلاف مسموع نہ ہوتے۔

سرکار عالی کو یہ خیال تھا کہ وہ بھی ان مدارات کے بدلے لوازم مروت اور دوستی
بجالاویں گے۔ لیکن برخلاف اسکے ان لوگوں نے یکایک دغابازی اور مکاری کا طریقہ
اختیار کیا ہے۔ چنانچہ پہلے تو انہوں نے طولون میں جو ملک فرانسیس کے متعلق بندر ہیا
میں ہے ہے۔ جہازوں کی تیاری کی۔ اور ان جہازوں کے روانہ کرنے کا لوازمہ و اسباب
مہیا کرنے کے بعد کثیر لشکر ان پر چڑھایا۔ اور بعضے آدمیوں کو جو عربی زبان سے ماہر
اور قبل اسکے ملک مصر میں گئے تھے۔ ساتھ کیا۔ اور سرداری اسکی بناپارٹ کو
دی جو اس قوم کا سپہ سالار تھا۔ چنانچہ سپہ سالار مذکور نے ان جہازوں وغیرہ سمیت
جزیرہ مالطہ کی سمت کوچ کر کے اس مقام کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ پھر یہاں سے اسکندریہ
کی جانب روانہ ہو کر، محرم الحرام ۱۲۱۳ھ کو اسکے سامنے جا کر ایکبارگی اپنا سارا لشکر
شہر میں داخل کر دیا۔ کچھ دنوں بعد اس نے وہاں عربی عبارت میں اس مضمون کے
اشتہار شایع کئے کہ ہم کو سرکار عثمانیہ کے ساتھ کچھ پرخاش نہیں۔ بلکہ تادیب تعذیب
مصر کے بیگوں کی، جنہوں نے قوم فرانسیس کے سوداگروں کو تکلیف پہونچائی منظور ہے
عرب کے جتنے آدمی فرانسیسیوں کی موافقت اختیار کرینگے، انکے ساتھ حسن سلوک
عمل میں آئیگا۔ اور جو لوگ مخالف ہونگے وہ موت کا مزا چکھیں گے۔ تعجب تو یہ ہے کہ
ان مفتریوں نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ مصر کی مہم ہماری مرضی اور صلاح سے واقع ہوئی
ہے۔ حالانکہ یہ بات محض جھوٹ ہے۔

ٹیپو سلطان کی طرف سے سلطان سلیم کے خط کا جواب

(یہ خط عربی زبان میں لکھا گیا تھا)

سب ستائش اور حمد اس خدا کو سزاوار ہے جس نے ملوک صاحب احتشام اور سلاطین عالی مقام کے نظم ونسق سے دین اسلام کو، بیا نور و ظہور بخشا۔

اور درود و سلام اس کے رسول مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی آل و اصحاب امجاد پر جنہوں نے شریعت خیر الانام کے طریقے کو اوج کمال پر پہونچایا۔

بعد اس کے شہنشاہ مجاہ حکومت و ابہت پناہ، ظل ملک صمد، مورد الطاف ربانی، منبع دانش وعرفان مجمع بردانشان۔ مقدمۃ الجیش فیروزی واقبال برگزیدۂ حضرت ذوالجلال۔ بادشاہ بحر و بر، نائب ایزد داور، اعلیٰ سلطان روم کی بارگاہ والا میں (خدا ان کے ملک وسلطنت کو ہمیشہ قایم رکھے) پوشیدہ نہ رہے کہ:-

آپ کا مکتوب گرامی جو قوم فرانس کی توہین وتذلیل اور جمیع مسلمین کے ساتھ ان کے عناد رکھنے، دریک قلم مذہب کے طریقوں کو صفحۂ جہاں سے محو کر ڈالنے پر مشتمل اور انگریزوں کی تعریف وتحسین اور درمیان انکے، وہمارے صفائی کرنے کیلئے اس عظمت دستگاہ کے کفیل وعازم ہونے اور ہم میں ان میں جو خصومت اور دشمنی واقع ہے اس کا سبب بیان کرنے پر محتوی تھا، نیک ترین ساعت میں پہنچا۔

خاطر عاطر پر روشن اور مبرہن ہو کہ ہم نے فی سبیل اللہ جہاد اور دین محمد

کے سرداروں کو لازم ہے کہ ایک دوسرے کی تائید و تقویت میں شریک رہیں۔ اور یہ بات ایک جہان کے گوش زد ہو گئی ہے کہ فرانسیسوں کے سرداروں نے ہر دین و مذہب کے نیست و نابود کرنے پر کمر باندھی ہے۔ یہاں تک کہ پاپائے روم کے ملکوں پر جو یہاں کے قدیم رئیسوں میں سے ہے، و دیار فرنگ کی سب قومیں اسکی عزت اور توقیر کرتی ہیں۔ ظلم و تعدی کا ہاتھ دراز کیا ہے۔ اور ریاست ہنگوان بھی جو بطور ریاست اجماعی کی تھی لے لی ہے۔ اور اب سرکار عثمانی کے ملکوں پر تاخت کی ہے۔ اور آئندہ ان کو ہندوستان لینے اور انگریزوں کو وہاں سے نکال دینے کی دھن ہے۔ الحاصل فرانسیسوں کی قوم ایسی بے مروت ہے کہ انکے مکر و فریب کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اس لئے امید ہے کہ وہ برادر طریقہ دین و اسلام کے اقتضا سے اپنے ہم مذہبوں کی کمک اور مدد میں بلکہ قوم فرانسیس کے شر و تزویر سے خطہ ہند کے بچا لے میں دریغ نہ فرمائیں گے اور اگر درمیان اس برادر والا قدر اور قوم مذکور کے کچھ ارتباط اور میل ملاپ ہوا ہے تو امید ہے کہ وہ برادر والا قدر حال و استقبال کے آغاز و اتحاد کے نتیجوں اور اس نشیب و فراز کو جو اس ڈھب کی ملاوٹ میں متصور اور ممکن ہے۔ تماز و مے دانش میں تول کر اس سے احتراز لازم جانیں گے۔ اور انگریزوں سے لڑنے کے قصد کو دل سے محو کر ڈالیں گے۔ اور جس صورت میں اس برادر کو انگریزوں سے کچھ شکایت ہو تو ہمیں مفصلاً اس کا حال لکھیں گے۔ تاکہ اس کی صفائی کیلئے ہر طرح کی دوستانہ کوشش عمل میں لائی جائے۔ امید ہے کہ وہ برادر ان امور میں خوض و فکر کر کے قدیم دوستی اور ارتباط کی بنیاد کو جو جانبین سے بطور شائستہ ثابت و قائم ہے اور زیادہ مضبوط و استوار کریں گے۔ فقط

اور گلزار عالم ابر آذری سے سرسبز و شاداب رہے۔ محفل سلطنت و دولت اور
گلشن حکمت و شوکت سے

خداوند اورنگ شاہنشہی | سپہدار اقلیم فرماں دہی
خدیو زماں شاہ عالی تبار | شہ دادگر خسرو نامدار
فرازندۂ رایت سروری | فروزندۂ خورشید اوج سری

زیب و زینت چار بالش تمکین و جاہ نوازندۂ خلق اللہ کی شمع اقبال تائید
ایزدی اور رضائے سرمدی سے روشن رہے۔

آپ کا الطاف نامہ جس کے مضمون سے سراسر خلاص و محبت کا رائحہ پیدا ہوتا
تھا ایسے وقت میں کہ دل آرزومند کو وہاں کی خبر خیریت کے دریافت کا انتظار تھا
بساعت مسعود و زمان محمود سیادت پناہ شرافت دستگاہ شاہ زادہ قدر والاجاہ
رفیع الشان میرزا محمد سلیم اور زین العابدین خاں کی معرفت چہرۂ فروز وصول ہوا
اسکے مشاہدے اور مطالعہ سے دل اور دماغ میں کمال انبساط اور سرور نے جگہ پائی۔
مخلص نیاز مندان مراتب موالات و محبت کے سننے سے جو سفیران مذکور کی زبانی معلوم
ہوئے۔ الطاف سامی کا شکر گذار ہوا۔ چونکہ اتفاق و وفاق عامۂ بنی آدم سے نیکیاں
اور حسنات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جب دو صاحب شوکت حاکموں اور ذی اقتدار بادشاہوں
کے درمیان موافقت اور مؤانست کی بنیاد قایم ہو تو بے حد و بے شمار برکات و فوائد
کا مترتب ہونا ظاہر ہے۔

اس لئے یہ دعا کیش اس زیبندۂ تاج و دیہیم کے اوصاف ذاتی اور کمالات فطری
سنکر حسب مضمون اس شعر کے سہ

کی بنیاد قایم رکھنے کے واسطے کمربانڈھی ہے۔ اور فی الواقع فرانسیسیوں کی ذات جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ بڑی بے وفا اور سنگ دل ہے۔ ہم انکی برائیوں سے خوب آگاہ ہیں۔ اور چونکہ انگریزوں کی قوم نے اندرون ہمارے ملک پر تاخت کرنے میں پیش دستی اور جنگ و نبرد کی تیاری کی ہے اس لئے ہم پر بلکہ مسلمانوں پر جہاد واجب ہوا ہے۔ توقع کہ جناب عالی اوقات خاص میں مناجات کرکے ہمت اور دعا سے ہماری معاونت فرماویں گے۔ بعد اس کے ہم سب کو فضل الہٰی اور توفیق ایزدی کی عافیت بس ہے۔ قبل اس کے ہم نے ایک نامہ سید علی محمد اور مدار الدین کی معرفت بھیجا ہے جس میں بخوبی مفصل حالات مندرج ہیں۔ علاوہ مدینہ کے راستے سے یوسف وزیر بھی ایک دوسرا مکتوب لیکر گیا ہے۔ وہ عنقریب بارگاہ والا میں حاضر ہوکر ہمارے مقاصد مطالب شرح وار عرض کریگا۔ صلوٰۃ وسلام خدا کا نبیؐ برحق اور اس کی آل امجاد واصحاب پر ہو۔ فقط۔

سلیم کے خط کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا ٹیپو سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ ترکی سے توقع رکھنا لاحاصل ہے۔

ایران کو جو سفارت روانہ کی گئی تھی وہ ایک حد تک کامیاب رہی اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ایران نے ایک بندرگاہ دینے اور اس کے عوض ہندوستان میں بندرگاہ لینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ سلطان اس سے بہت خوش ہوا۔ اور شاہ ایران کے نام خط لکھا کہ جو بندرگاہ ضروری ہے اس کا انتخاب کرلیا جائے۔ جیسا کہ ذیل کے خط سے ظاہر ہے۔

خط بنام کریم خاں (زند) فرمانروائے مملکت ایران۔

جب تک آفتاب کے ظہور اور ماہتاب کے نور سے بساط آسمان و زمین نورانی

ہوں۔ دلِ آرزومند کو محفوظ فرماتے رہے۔ الٰہی خورشید سلطنت و اقبال مشرق جاہ و جلال سے طالع رہے۔ فقط مہر و دستخط ٹیپو سلطان

یہ خط جب ایران پہونچا تو وہاں کی دنیا ہی نئی تھی۔ تمام ملک میں شیعہ و سنی اختلافات سے ایک آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ اور اس آگ پر تیل ڈالنے کے لئے لارڈ ولزلی کا بھیجا ہوا مرزا آغا کا ایک شیعہ وہاں موجود تھا (میسور کی چوتھی جنگ میں اس پر مفصل بیان لکھا جا چکا ہے) اب اسلامی ممالک میں صرف افغانستان باقی تھا۔ جس کے پاس کوئی بندرگاہ نہیں تھا۔ لیکن ایک ایسا فرماں روا موجود تھا۔ جس کے دل میں اسلام و اسلامیوں کے لئے تڑپ موجود تھی۔ اس نے ٹیپو سلطان کو امداد اور ہندوستان کو انگریزوں سے نجات دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور سلطان کو خط لکھا۔

خط زماں شاہ والی افغانستان۔ بنام ٹیپو سلطان

"بعد حمد یزدان پاک اور نعت نبیؐ صاحب لولاک اور القاب سلطان مکتوب الیہ کے مشاطۂ قلم شاہد مدعا کے چہرہ سے یوں نقاب اٹھاتی ہے کہ

خط مستحضر نمط۔ جواہر محبت و وفا کا مخزن۔ کنوز مودت و ولا کا معدن۔ جو آپ کے اہتمام و توجہ بہ شریعت محمدی کے رواج دینے اور بد دینان بدعتی کے تباہ و تاراج کرنے پر متضمن ہے۔ اور اس میں آپنے لکھا ہے کہ سلطانی قلمرو کی جامع مسجدوں میں ہر جمعہ کے روز بعد نماز کے اس نیاز مند کی وسعتِ مملکت اور نصرت رایات فتح آیات کے واسطے ایزد سبحانہ کی جناب میں مناجات کی جاتی ہے اس عالیجاہ کے ایلچی سید حبیب اللہ اور سید محمد رضا کے ہاتھ مع سوغات مندرجہ اس دعا سے کہ اس سرکار کے دو شخص اس مخلص کے دربار میں حاضر ہوا کریں۔ ساعت سعید میں پہونچا

مصاحبت چہ ضرور است آشنائی را

ہنوز باد یمن محو نکہت قرنی است

اس جناب سے اتحاد وارتباط کا خواہاں ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ دل نیاز منزل کو اس شاہ والاتبار کی فتوت ومروّت سے جو امید تھی وہ بخوبی ظہور میں آئی۔ یعنی اتحاد و محبت کا آفتاب دونوں پر پرتو افگن ہوا اور کاشانۂ وداد واتفاق روشن ہوا۔

یہ بات جو از راہ الطاف وکرم تیمہ تحریر میں آئی ہے کہ یہ اخلاص شعار اپنی سرکاری کشتیوں اور جہازوں کی لنگرگاہ کیلئے جو بندرگاہ بنادر ایران سے درکار وضروری ہو آپ کو لکھ بھیجے۔ الحق جب بندے یکجہتی و اتحاد قایم ہوئی تو جانبین کے دیار و امصار ایک حکم میں داخل ہوئے۔

نیازمند کل ملک ایران کے علاقوں اور جزیروں کو اپنا ہی سمجھتا ہے۔ اور اب جو فروغ یکیل شہریاری سے ہی بحکم القلب یھدی الی القلب امید ہے کہ اس صفاکیش کے قلمرو کے سب جزیروں اور بنادر کو اپنا تصور فرما کر جس بندرگاہ کی خواہش ہو۔ اس سے اپنے خیرخواہ کو آگاہ اور دولت ایران کے شاہی معتمدوں کو وہاں روانہ فرمائیں۔ بندرگاہ مذکور بسروچشم ان کے حوالے کر دیا جائیگا۔ تا یہاں سے بڑے بڑے شہتیر اور گندے اور تختے وغیرہ جہازوں کی تیاری کا سامان جو اس اطراف میں کثرت سے ہے۔ اور نیز اس دیار کے دوسرے تحائف اور عجائب ہمیشہ وہاں بھیجا کریں۔ باقی مراتب سیادت دستگاہ سید نوراللہ کے ذریعہ سے رائے کشا پر روشن ہونگے۔ شفقت شاہانہ سے امید ہے کہ ہمیشہ بھیجنے سے مکتوبات محبت طراز کے جو خوات جمیع محاسن کی صحت وآسائش اور تحائف کی فرمائش پر مشتمل

ہوئے ہندوستان محکوم بن گیا۔ اور ہندوستان پر قبضہ رکھنے کیلئے انگریزوں نے بلاد اسلامیہ پر یعنے ایران کے جزائر، عرب میں عدن، کویت اور عراق میں بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

مقاصد حیات

سلطان کے حالات، اسکے عادات واطوار، اس کا طرز حکومت، اسکے اخلاق حسنہ۔ اس کا جذبہ جہاد اور اسکی بے تعصبی اور رواداری، اتحاد بین الاقوام ہند واتحاد بین المسلمین کیلئے، اسکے مساعئی جمیلہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسکے پیش نظر کیسے اعلیٰ اور عظیم الشان مقاصد تھے۔

ہندوستان کا ماضی وحال اس کی آنکھوں کے آگے کھلا ہوا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی پانچسو سالہ حکومت۔ اس کا زوال اور اس کے اسباب سے وہ بے خبر نہیں تھا۔ کتاب فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) کے دیباچہ میں سلطان خود لکھتا ہے:-

"سلطنت مغلیہ کی تباہی کا باعث وہ جنگ و پیکار ہے۔ جو بعد انتقال عالمگیر اس کی اولاد میں باہم واقع ہوئی۔ انکی آرام طلبی اور آسائش دوستی، شب و روز کی عیش و عشرت، سلطنت کے کاروبار میں تکلیف و مشقت سے بیزاری اور عورتوں کی صحبت، اس سلطنت کی جمعیت میں پریشانی اور تفرقہ ڈالی۔ جب سلطنت کے آثار کچھ باقی نہ رہے تو امیران سلطنت و صوبہ داروں نے اطاعت اور نیابت دولت تیموریہ سے نافرمانی و بغاوت کر کے علم استقلال و خود سری بلند کیا۔ اور رشک و ہم چشمی کے باعث ایک دوسرے کی بیخ کنی اور استیصال میں معروف و مستعد ہوئے"

ہندوستان اور مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کی حالت کو دیکھکر اس کا دل تڑپ اٹھا۔ یوروپ کے جو قومیں تجارت کیلئے آئی ہوئی تھیں۔ ان میں انگریز ہندوستان کی اس حالت سے فائدہ اٹھاکر ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔ اس کا غیور دل یہ گوارا نہ کر سکا کہ گیارہ سو سال سے جو قوم دنیا میں

جس سے دوستی اور یک جہتی کا گلزار ترو تازہ ہوا۔

چونکہ اس سلطان والا شان کو نیست و نابود کرنا بجے وبنیان مخذول اور جاری شرع مطہر رسولِ مقبول کا منظور ہے۔ ہم بعون الٰہی مع لشکر قاہرہ جلد اس طرف کوچ کرتے ہیں۔ تاکفار بدکردار ضلالت شعار کے ساتھ غزا و جنگ کر کے اس ملک کو لوث وکفر بدعت سے پاک و صاف کریں۔

آپ اس امر میں خاطر جمع رکھیں کہ فتنہ باغیہ سے وہاں کے اپنی داد کو پہنچ کر ہمہ امن و آسائش میں چین سے رہیں گے۔

اور اس سلطنت پناہ نے جو واسطے استواری محبت اور ارتباط کے اپنی سرکارِ والا کے دو شخص ہمارے یہاں بھیجنے کے باب میں درخواست کی۔ اس کو ہم بخوشی قبول کرتے ہیں۔

اس عالی منزلت کے سفیروں کی معرفت جو اپنی سفارت کے کام بخوبی بجا لائے کچھ ہدیے اور تحفے جو ہماری دلی محبت کی نشانی ہیں بھیجے جاتے ہیں۔

مدام اپنے مرکوزات خاطر سے مع اعلام خصوصیات دیگر کے ہمارے دلِ مشتاق منزل کے مذاق کو شیریں کام رکھا جائیگا۔"

زماں شاہ نے نہ صرف یہ خط بھیجا۔ بلکہ فوج لیکر سرحد ہندوستان پر پہنچ بھی گیا۔ لیکن لارڈ ولزلی کے فرستادہ شخص نے ایران میں جو آگ لگائی تھی۔ اسکی بنا پر اسی وقت شاہ ایران نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے زماں شاہ کو واپس ہو جانا پڑا۔

سلطان نے جو رائے ملک کے ہندو مسلمانوں کے متعلق قایم کی تھی وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اور جو خدشات کہ اس کو بلادِ اسلامیہ کے متعلق تھے۔ وہ بھی حرف بہ حرف

اس کی شخصیت کس قدر بلند پایہ تھی؟ اس کا اندازہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس گورنمنٹ آرڈر سے ملتا ہے جو لارڈ ولزلی نے ۱۵ مئی ۱۷۹۹ء کو فورٹ سنٹ جارج مدراس سے شائع کیا تھا، اس گورنمنٹ آرڈر میں سرنگاپٹم کو تسخیر کرنے والی فوجوں کی تعریف و توصیف کے بعد لارڈ ولزلی نے لکھا ہے:۔

"مئی کے واقعات جو گورنر جنرل ان کونسل کے توقعات سے بڑھکر نکلے۔ انگریزی فوج کی ناموری کو ہندوستان میں عزت اور شان و شوکت کے درجہ تک پہنچا دیے ہیں۔ یہ واقعات کرۂ دنیا کے اس حصہ کی فوجی تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، اور شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں اس سے بڑھکر اہم کوئی واقعات ہوئے ہوں۔

یہ فتح ان فوائد کا پیش خیمہ ہے۔ جن کی رو سے انگریزی مقبوضات کی سلامتی اور امن ہندوستان میں ایک مضبوط چٹان پر قایم ہو جائیں گے"

حکمران رہی ہو۔ وہ عیش و عشرت اور خانہ جنگی میں گرفتار ہو کر دوسروں کی غلام بن جائے۔ اس لئے اس نے اپنا مقصد حیات یہی قرار دیا تھا۔ کہ از سر نو ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے نجات دلا کر اس کو آزاد کرے۔ مسلمانوں میں تنظیم کی ضرورت تھی۔ اور یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ غیروں کے ہوتے ہوئے منظم بن سکیں اس لئے اس نے اعلان کیا کہ :-

"کرناٹک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت علاقوں سے مسلمان ہجرت کر کے سلطنت خداداد کے علاقوں میں آ کر آباد ہو جائیں۔ اس اعلان میں ان نو آبادکاروں کے لئے مراعات دینی منظور کیں" (تاریخ ولکس)

اس تنظیم کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں میں از سر نو جہاد کی روح پھونکنی شروع کی۔ اور اس کے خیال میں یہی ایک علاج تھا۔ کہ مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو جائیں۔

مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ہندو رعایا کو بھی زندگی کے اسی اعلیٰ معیار پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے اپنی سلطنت میں عہدے دینے میں کوئی تفریق باقی نہیں رکھی۔ تجارت، زراعت، اور صنعت و حرفت ہر ایک شعبہ میں ہندو اور مسلمان دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ مسجدوں کے ساتھ ساتھ مندروں پر بھی اسکی نوازشیں یکساں مبذول تھیں۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں ملکر آزاد رہیں۔ وہ ایک نئی سوسائٹی اور نئی طرز زندگی پیدا کرنا چاہتا تھا۔

یہ تھے وہ مقاصد جلیلہ جن کے حصول کیلئے اس نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔ اس کے اس عزائم جلیلہ سے اگر اس وقت کوئی واقف تھا تو وہ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ اگر سلطان سے غداری نہ کی جاتی تو نہ صرف آج ہندوستان آزاد رہتا۔ بلکہ کل ممالک اسلامیہ و ایشیا بھی یورپین اقوام کی دستبرد سے محفوظ رہتے۔

انہیں صرف اپنی روٹی سے سروکار ہے۔ اور اس میں وہ مجبور بھی ہیں۔ اگر منظور شدہ کتابوں کے عوض کچھ اپنی جانب سے پڑھایا جائے تو یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بچے سرکاری امتحانات میں ناکامیاب رہیں گے۔

مغربی مورخوں نے تاریخ لکھتے وقت صرف اسی ایک چیز کو مدنظر نہیں رکھا کہ ہندو مسلمانوں میں نا اتفاقی پھیلا دیں بلکہ ان کا مقصد اس سے اور زیادہ گہرا تھا۔
وہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے دل سے حب الوطنی اور قوم پرستی کا مادہ بالکل دور کر دیا جائے اسی لئے جو بادشاہ بھی قوم پرست یا محب وطن ہوا ہے۔ وہی سب سے زیادہ انکی طعن و تشنیع کا نشانہ بنا۔ اسکی بین مثال بنگال کے نواب سراج الدولہ اور میسور کے حکمران ٹیپو سلطان سے ملتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا یعنے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالکر ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے محفوظ کیا جائے۔ اگر ان بادشاہوں کے اوصاف لکھے جاتے تو ضرور تھا کہ انکی حب الوطنی کا تذکرہ ہو جسکی وجہ سے ہندوستانیوں میں بھی یہی جذبہ پیدا ہوتا۔ اس جذبہ کو مٹانے کیلئے کتابیں ایسی لکھی گئیں کہ ان میں کہیں بھی حب الوطنی یا قوم پرستی کا نام تک نہیں لیا گیا ہے۔

ٹیپو سلطان پر جو الزامات دیئے گئے ہیں ان کا جواب اگلے صفحات میں جو دریجو دملجاتا ہے لیکن اس الزام سے بچنے کیلئے کہ مصنف نے دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ یہاں ان تمام الزامات کی سلسلہ وار لکھا جاتا ہے۔ جو ولکس، رئیس، بورنگ، مارسڈن کی تاریخوں کے علاوہ میسور گزیٹیر وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں:-

(۱) سلطان غاصب سلطنت تھا۔

اسکے متعلق مفصل بحث حالات نواب حیدر علی میں کی گئی ہے۔ سلطان نے جو سلطنت پائی۔ وہ اپنے باپ

سلطانؒ پر

انگریزی مورخین کے اعتراضات

سلطان کی انتظامی قابلیت اور اس کے ذاتی صفات و عادات لکھنے کے بعد یہ مورخانہ صداقت سے بعید ہے کہ ہم ان الزامات کو نظر انداز کر دیں جو مغربی مورخین اور انکی تقلید میں ہندو مورخین نے بھی اس پر لگائے ہیں۔ یہ تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ مغربی مورخین کا الزام دھرنا ایک خاص مقصد کے تحت ہے لیکن ہندو مورخین کا اندھادھند انکی تقلید کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ ہندوستانی مورخ تحقیق و تفتیش کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ اور ہر ہندوستانی بادشاہ کی چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان تعریف کریں۔ اگر سلطان میں کچھ عیوب تھے تو ہم ان کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آخر وہ انسان ہی تھا۔ اور اس سے غلطیوں کا سرزد ہونا بھی ممکن تھا۔

مغربی مورخوں نے جس مقصد کو پیش نظر رکھکر ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے وہ یہی ہے کہ ہندو مسلمانوں میں افتراق کی ایک وسیع خلیج حائل کر دی جائے۔ اس مقصد میں وہ بہت کچھ کامیاب ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ بچوں کا دماغ تحقیق و تفتیش کے قابل نہیں ہوتا۔ جو بات کتاب میں ہوتی ہے یا جو کچھ مدرس کہتا ہے وہی انکے دل و دماغ پر نقش ہو جاتی ہے اب رہی ہمارے مدرسین کی حالت تو وہ بھی وہی کتابیں پڑھی ہیں جو آج وہ بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ اور ان کا دماغ بھی انہیں تحریروں سے ماؤف ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ

(۷) متعصب تھا اور کورگ پر چڑھائی اسی تعصب کا نتیجہ تھی۔

ملکوں پر چڑھائی بادشاہوں کی اولوالعزمی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ تعصب کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ ملیبار اور کورگ نواب حیدر علی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے۔ لیکن کورگ میں بار بار بغاوت ہوتی رہی۔ سلطان نے جب ساتویں بار بغاوت ہوئی تو یہاں کے بہت سے خاندانوں کو جلا وطن کر کے میسور میں آباد کیا۔ اور انکے عوض دس ہزار مسلمان خاندان کورگ میں آباد کئے گئے۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی موجودگی سے یہاں کے باشندے بغاوت کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ انگریزی مورخوں نے تعصب کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس نے عیسائی مشنریوں کو یہاں تبلیغ سے منع کیا اور باشندوں کو لکھا کہ کوئی شخص اپنا قدیم آبائی مذہب ترک نہ کرے۔ اور اگر ترک مذہب کا شوق ہو تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس نے پادریوں کو تبلیغ سے کیوں منع کیا وہ معلوم کر چکا تھا کہ مذہب کے پردے میں عیسائی مشنری بغاوت کے جراثیم پھیلا رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ عیسائی پادری ہر جگہ یہی کرتے آئے ہیں جس ملک پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ اس جگہ پہلے پادری بھیجے جاتے ہیں۔ تبلیغ، تعلیم اور شفاخانوں کے پردے میں جو کچھ کیا جاتا ہے۔ اس سے آج دنیا ناواقف نہیں ہے؟

(۸) خود کو بادولت اور حضور پُر نور کہلواتا تھا۔ حالانکہ یہ حق صرف مغلیہ شہنشاہ کو حاصل تھا

(۹) اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور تخت پر بیٹھا۔

اگر برائے نام مغلیہ شہنشاہ کو جو پنشن پر گذارہ کر رہا تھا۔ بادولت اور حضور پُر نور کہلانے کا حق حاصل تھا تو سلطان جو اپنے زمانے میں ہندوستان کا سب سے زبردست آزاد اور شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ اس کو بادولت اور حضور پُر نور کہلانے کا حق

حیدر علی سے وراثت میں پائی تھی۔ انگریزی کمیشن نے بھی جو سلطنت کے تجزیہ کیلئے بیٹھی تھی۔ اسی نظریہ کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) سختی سے انتقام لیتا تھا۔

(۳) قیدیوں سے بے رحمانہ سلوک کرتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی پر ہندوستان میں کبھی ایسی افتاد نہیں پڑی۔ جیسی بیلی، منرو اور بریتھویٹ کی شکستیں تھیں۔ ان شکستوں کی اہمیت کو کم دکھانے کیلئے سلطان پر یہ الزامات لگائے گئے ہیں۔ ان جنگوں میں صدہا انگریز قید کر لیے گئے۔ قید خانوں میں ان سے کام لیا جاتا تھا۔ اور اسکے عوض انہیں گذراوقات کیلئے روزانہ رقم دی جاتی تھی۔ آج کل کی مہذب سلطنتیں بھی تو یہی کرتی ہیں۔ جیلوں میں قیدیوں سے یہی سلوک ہو رہا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سلطان پر ہی یہ الزامات کیوں تھوپے جائیں؟

(۴) عہدناموں کا پابند نہیں تھا۔

میسور کی تیسری اور چوتھی جنگوں کے اسباب بتلا رہے ہیں کہ عہد شکنی کس نے کی تھی۔

(۵) فرانسیسیوں سے خط وکتابت کرتا تھا۔

سلطان تو کوئی باجگذار والئ ریاست نہیں تھا۔ وہ ایک خود مختار فرمانروا تھا۔ وہ جس سے چاہے خط وکتابت کر سکتا تھا۔ کسی عہدنامہ سے اس کو پابند نہیں کیا گیا تھا۔ کہ فرانسیسیوں سے خط وکتابت نہ کرے۔

(۶) شہر میسور کو مٹا دینے کا حکم دیا۔

میسور کا قلعہ اور شہر میسور آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے اس زمانے میں تھا۔ بلکہ اس کو مٹانے کے عوض اس نے اسکو اور زیادہ آباد کیا۔ میسور کا نیا محلہ نظر آباد اسی کا آباد کیا ہوا آج بھی موجود ہے۔

خوف سے لرزنے لگے۔

اسکی تلوار کی جھلک نے تیلی کی فوج پر برق خاطف کا کام کیا۔ اور مرہٹوں کی آنکھوں سے مثل ابر نو بہار کے خونابہ اشک بن گیا۔ تلنگ کا دل لالہ کی طرح داغدار ہوگیا۔ اور اس مصیبت پر کوٹ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا

جب مرہٹے ہمارے بادشاہ کی فوجوں کو دیکھتے ہیں تو غزالان دشت کی مانند راہ فرار لیتے ہیں۔

فرنگی اور نظام الملک ہمارے بادشاہ کے خوف سے شب و روز یک جا بسر کرتے ہیں۔

حجام کی فوج (نظام کو طنز سے حجام کہا گیا ہے) تیغ کے خوف سے اس طرح فرار ہوئی ہے۔ جس طرح شیر نیستاں کو دیکھکر شکاری بھاگتا ہے۔

اسکے مقابلہ میں حاتم لئیم تھا۔ اور افلاطون وسقراط طفل مکتب تھے۔ ہمارے سلطان کی ہیبت سے جلاد فلک شیر خوار بچہ ہو گیا ہے۔

اس سلطان کے انصاف کی بدولت غزالان دشت شیر و چیتے کے پہلو کو اپنا تکیہ بناتے ہیں۔ اور یوز و اسد ان کے قائلین ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"

یہ حقیقت سے بالکل بعید ہے کہ صلحنامہ سرنگاپٹم کے بعد سلطان مغرور ہو کر اس قسم کے مدحیہ اشعار پڑھائے۔ سرنگاپٹم کا صلحنامہ ۱۷۹۲ء میں ہوا تھا۔ اس صلحنامہ سے سلطان کا نصف ملک ۳ کروڑ روپیہ اور سلطان کے دو فرزند بطور یرغمال انگریزوں کے ہاتھ آئے تھے۔ یہ تعجب ہے کہ شکست کھانے کے بعد انسان مغرور ہو کر اس قسم کے مدحیہ اشعار پڑھائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سلطان کو جب فتوحات حاصل ہوئی تھیں تو اس وقت یہ اشعار پڑھے گئے تھے

کیوں حاصل نہیں تھا؟ بہ حیثیت ایک مطلق العنان فرمانروا ہونے کے اس کو حق حاصل تھا کہ اپنے نام کا خطبہ پڑھائے۔ اور سکہ جاری کرے۔

(۱۰) اپنی سلطنت کو تکبر سے "خداداد" کہتا تھا۔

سلطنت کا نام "خداداد" رکھنا ہی بتا رہا ہے کہ یہ علامت تکبر کی نہیں، بلکہ انکساری کی ہے۔ ایک خدا پرست انسان یہی سمجھتا ہے کہ اس کو جو کچھ بھی ملتا ہے، وہ خدا کا دیا ہوا ہے، اسی لحاظ سے سلطان نے اپنی سلطنت کو خداداد کا نام دیا۔ یہ اور بات ہے کہ مادہ پرست اس کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھیں۔ اسی قسم کا ایک الزام مورخ جیمس مل نے بھی دیا ہے وہ لکھتا ہے:۔

"ٹیپو کی طبیعت میں مذہب کا پہلو خاص طور سے نمایاں تھا۔ اسکے دل پر مذہب کا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت ہر روز خدا کی عبادت میں صرف کرتا تھا اور اپنی سلطنت کو خداداد کہتا تھا۔ خدا پر اس کو اس قدر بھروسہ تھا کہ اس کا اثر اس کے ہر کام پر پڑا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو اسباب اسکی تباہی کا باعث ہوئے، ان میں سے ایک اس کا خدا کی امداد پر حد سے زیادہ یقین تھا۔ وہ خدا کی حمایت پر اس قدر بھروسہ رکھتا تھا کہ اپنی حفاظت کے دوسرے پہلوؤں کو بھی نظرانداز کر جاتا تھا۔" (تاریخ ہند از جیمس مل)

مادہ پرست یوروپین مورخ اس کے سوا اور کیا لکھ سکتے ہیں؟۔

(۱۱) حد درجہ مغرور تھا اور متکبر بھی۔ اس نے بعد صلحنامہ سرنگاپٹم کے مبالغہ آمیز مدحیہ اشعار کے اعلان کی عام اجازت دیدی تھی۔ ان اشعار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو کیسا غرور ہو گیا تھا۔ ایک قصیدہ کا تھوڑا مضمون ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔

"جب بادشاہ رستم دل نے اپنے سمند غیظ کو گرم کیا تو انگریزی شیروں کے قتل"

وقت ہوتی۔ پھر اسکے بعد کیا دیکھا تا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سلطان نے محل لوٹ لیا تھا تو پھر دوبارہ لوٹنے کیلئے محل میں مال یا روپیہ کہاں سے آیا؟ اگر یہی مصنف اپنی کتاب دیکھے تو اگلے صفحات میں اس نے لکھ چکا ہے کہ میسور کی رانیاں انگریزوں سے امداد طلب کرتی تھیں۔ اور انہیں کئی دفعہ لکھ چکی تھیں اگر انگریزی فوج پیش قدمی کرے تو روپیہ دیا جائیگا اگر سلطان متعدد دفعہ محل لوٹ لیتا تو پھر یہ روپیہ ان کے پاس کہاں سے آتا۔ جس کا وعدہ کئی دفعہ انگریزوں سے وعدہ کرتی رہیں۔

ان الزامات کی جو حقیقت ہے اوپر ظاہر کی جا چکی ہے۔ یہ مورخ خود بھی سمجھتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں کہاں تک سچائی ہے؟ لیکن وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ ان کے متعلق خود ایک انگریزی مورخ سر جان کے جو انڈیا کونسل کے شعبۂ خفیہ کا سکرٹری رہا ہے تسلیم کرتا ہے :-

"ہم لوگوں کا یہ عام طریقہ ہے کہ پہلے کسی دیسی حکمران کی سلطنت پر قبضہ کرتے ہیں۔ اور پھر اس معزول بادشاہ یا اسکے جانشین کو بدنام کرتے ہیں۔"

یہی ٹیپو سلطان سے بھی ہوا اور اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

جو سیر اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

"اس زمانہ میں جب سیاست اور سوشیل زندگی ہندوستان میں ہر لحظہ پہلو بدل رہی تھی۔ ایک حکمران کیلئے یہ کس قدر مشکل کام تھا۔ کہ اندرونی و بیرونی سازشوں اور حملوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرے۔ ٹیپو اپنی زندگی کا بہترین زمانہ بطور فرمانروا بسر کیا اور میدان جنگ میں سپاہی کی موت حاصل کیا۔ وہ صرف ایک دنیا دار نہیں تھا اپنے مذہب اس کو صد درجہ محبت تھی ظلم ہے کہ مذہبی محبت کو بھی جرم قرار دیا جائے۔"

توکچھ بات بھی تھی بسنہ کو جانے دیجئے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار پڑھے جاتے تھے یا نہیں ؟ یہ بعید از قیاس نہیں، ممکن ہے پڑھے گئے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ مصنف واقف ہے کہ اس سے زیادہ توہین آمیز اشعار اس زمانے میں سرنگاپٹم اور حیدرآباد دونوں جگہ بھی پڑھے جاتے تھے۔ ان کا سلسلہ نواب حیدر علی کے زمانے سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ جب حیدرآباد اور سرنگاپٹم کے شاعر بیچ اپنے ممدوحین کو خوش کرنے کیلئے قصیدے لکھکر حیدر علی یا نظام کی ہجو اڑاتے تھے۔ (رسالہ کوثر بنگلور میں اس قسم کا ایک قصیدہ شائع ہوا تھا) اس کا الزام ان شاعروں کو دینا چاہئے جو اس قسم کے اشعار لکھتے تھے۔

ممکن ہے کہ مشرقی شاعروں کے اس تخیل سے مغربی مورخوں کو اتفاق نہ ہو لیکن سلطان کو الزام دینا سراسر نا انصافی ہے۔ ہمارے شاعروں کا کیا کہنا۔ وہ ایک معمولی شال کیلئے (جس کی قیمت دو تین روپیوں سے زیادہ نہیں ہوتی) اپنے ممدوحین کو حاتم دوراں اور افلاطون وقت بنا دیتے ہیں۔ اور آج حالت یہاں تک پہونچی ہوی ہے کہ صرف اپنا نام اخبار یا رسالہ میں شائع ہوتے دیکھکر لیڈروں اور سکریٹوں کی تعریف میں قصیدے لکھے جاتے ہیں۔ اور اس سے بڑھکر تعجب ہے کہ آج معمولی افسر تک جن کی تنخواہ دو ڈھائی سو سے زیادہ نہیں ہوتی، جھوم جھوم کر قصیدہ خوانوں کی زبانی ایسے الفاظ سنتے ہیں۔ جس کے مقابلہ میں نوشیرواں کا عدل، حاتم کی سخاوت، اور دارا و اسکندر کی شوکت بھی گرد ہو کر رہجاتی ہے۔

(۱۷) اس نے میسور کے راجہ کے محل کو کئی دفعہ لوٹ لیا۔ اور وہاں کچھ نہ چھوڑا۔ (میسور گزیٹیر صفحہ ۲۲۸۵)

کس قدر سنگین الزام دیا گیا ہے اور کس قدر غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ لوٹ ہوتی تو ایک

کیا ہم اسی بے تعصبی اور رواداری کا سلوک کریں گے، جس کے آج ہم دعویدار ہیں۔ اگر ٹیپو پہ یہ جو الزام لگایا جاتا ہے صحیح ہے تو یورپ و انگلستان کی تاریخ کب اس سے پاک ہے۔ انگلستان کے تخت پر نصف درجن سے زیادہ ایسے حکمران گذرے ہیں، جو اسی جرم کے مرتکب ہیں۔ ہنری ہشتم۔ ایڈورڈ، میری، الزبتھ، ایڈورڈ ششم۔ کراموں نے کیا ہی نہیں کیا۔ کون نہیں جانتا کہ اسپین میں فرڈی ننڈ اور اسابیلا نے موروں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

تعجب ہے کہ ایک انسان کے مرجانے کے بعد بھی اس کی صرف برائیاں ہی برائیاں دیکھی جائیں۔ اور اس کے کیرکٹر کے روشن و تابناک پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کردیا جائے۔

لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ شاید میں نے ولکس کی کتاب نہیں دیکھی ہے! میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ اب بھی وہ میرے پاس موجود ہے۔ اسکے علاوہ میرے پاس ولکس کی وہ انتظامی رپورٹ بھی موجود ہے۔ جو اس نے ۱۸۰۴ء میں تیار کی تھی۔ لیکن اس دریافت کا مقصد کیا ہے میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ میجر جٹسن، کرنل میڈوز ٹیلر اور صدہا کرنلوں اور میجروں کی تحریریں بھی دیکھی ہیں۔ جو اپنے سرپرستوں کو خوش کرنے اور اپنی روٹی کیلئے مکھن پیدا کرنے کیلئے کتابیں لکھی ہیں۔ کیا میں ان سب کو تسلیم کرلوں؟ خیر مجھے جانے دیجئے۔ آپ ان یوروپین مورخوں کو کیا کہیں گے۔ جو ان بیانات کے متعلق یہ ثابت کئے ہیں کہ یہ سب بالکل مہمل ہیں۔ ان سے قطع نظر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان ملٹری افسروں کو تاریخ لکھنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا۔

اگر اس محبت کو جرم ہی گنا جائے تو انگلستان کی تاریخ کب ان جرائم سے پاک ہے ؟

کہا جاتا ہے کہ اس نے (ٹیپو نے) اپنے بڑے افسروں تک کو بے رحمانہ سزائیں دیں۔ اسکو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ محمد علی کمیدان کی موت کا باعث ہوا۔ کیا آج کی مہذب حکومتیں باغیوں اور خائنوں کو سزائیں نہیں دیتیں؟ ٹیپو نے اگر اپنے افسروں کو سزا دی تو اسلئے دی کہ وہ رعایا پر ظلم وستم کرتے تھے اور ان پر جو اعتماد کیا گیا تھا، وہ اس میں جھوٹے ثابت ہوئے۔ محمد علی کی موت کا باعث سلطان نہیں ہے۔ بے شک سلطان نے اس کو قید کر دیا تھا۔ محمد علی کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک باغی کی حمایت کی تھی جسے سلطان نے تو صرف قید کی سزا دی۔ اگر قید کی سزا دینا بھی ایک جرم ہے تو ہنری ہشتم کے متعلق کیا کہا جائے گا جس نے انگلستان کے قرون وسطی کے مدبر، سیاست دان اور ادیب سر تھامس مور کو صرف اس لئے سزائے موت دی کہ وہ ایک ستم رسیدہ ملکہ کی حمایت کر رہا تھا۔

ٹیپو کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ جنگوں کا شائق تھا۔ گہری نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسکی جنگیں اس لئے نہیں تھیں کہ وہ اسکندر اعظم کی طرح فاتح بننا چاہتا تھا۔ یا جولیس سیزر کی طرح طاقت کا دلدادہ تھا۔ اس کو نپولین کی طرح جنگوں کا یا قیصر ولیم کی طرح خونریزی کا شوق نہیں تھا، اسکی جنگیں صرف اس لئے تھیں کہ وہ اس ملک کو جو اس کے باپ سے اس کو وراثت میں ملا تھا اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

ٹیپو کو یہ الزام بھی دیا جاتا ہے کہ اس نے تعصب سے کورگ اور ملیبار پر چڑھائی کر کے بہت سے لوگوں کو بجبر اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔ الزام دینے سے پیشتر ہمیں خود اپنے دل کو دیکھنا چاہئے کہ اگر طاقت و حکومت حاصل ہو جائے تو

دینی کتابیں لکھی ہیں۔

"ٹیپو ایک عظیم المرتبت شخص تھا۔ ایسی شخصیت کہ ہندوستان پھر اسکی نظیر نہیں دیکھ سکیگا۔ اسکے ارادے بہت بلند، اسکی قابلیت حیرت انگیز۔ اس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ وہ ایک بہادر انسان تھا۔ اور جوانمردی کی موت حاصل کیا۔ وہ اپنے ملازموں پر مہربان اور ان لوگوں کا ثابت قدم دوست تھا۔ جن سے وہ محبت کرتا تھا۔"

انگریزی مورخین نے جو بے بنیاد اعتراضات کئے ہیں۔ اوپر لکھدیئے گئے ہیں۔ اور پروفیسر جو سیر اور کرنل سنڈرسن کی رائے بھی لکھی جا چکی ہے۔ اب یہاں تاریخ حالات حیدری سے سلطان کے متعلق ایک اور اعتراض پیش کیا جاتا ہے۔

"(سلطان کے) ان صفتوں اور ہنروں کو اسی ایک عیب نے چھپا دیا کہ جس شخص کو اسکے عہدے سے برطرف کردیتا۔ پھر اس کو اسی منصب پر بحال کرتا۔ اور اسی عمل نے اسکی سلطنت میں خلل ڈالا۔"

یہ اعتراض ایک حد تک قابل تسلیم ہے۔ میر صادق، میر غلام علی اور بدر الزماں خاں نائطہ کو بے شک سلطان نے عہدوں سے برطرف کر کے پھر انہیں بحال کیا تھا۔ بلکہ میسور کے ہندوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ نواب حیدر علی نے اپنے ایک خفیہ آخری خط میں سلطان کو لکھا تھا کہ میرے بعد تو زنیار میر صادق اور میر غلام علی کو قتل کر دیا جائے۔ اسلئے کہ انکی نیتیں اچھی نہیں ہیں۔" لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا اگر یہ روایت صحیح ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ سلطان صحیح معنوں میں ایک سچا مسلمان تھا۔ اور بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے اس نے ہر وقت عفو و حلم سے کام لیا۔ اور ان پر اعتماد کیا۔ مگر نمک حراموں نے اسکے اس حسن ظن سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان اور مسلمانوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

اب رہا یہ سوال کہ حیدر علی اور ٹیپو میں کس کی شخصیت عظیم المرتبت ہے۔ میں اس سوال کا جواب میرے آئندہ مضمون میں دونگا۔ لیکن اس عرصہ میں میں یہ کہونگا کہ خالص تشدد آمیز نکتہ چینیوں سے کوئی ذہنی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ گیلی لیؤ نے جب یہ ثابت کیا کہ زمین گردش کر رہی ہے تو پاپائے روم نے اس پر نکتہ چینی کی تھی۔ تمام نکتہ چینیوں کی سن کر گیلی لیؤ نے آخر میں یہی کہا کہ باوجود ان نکتہ چینیوں کے زمین گردش ہی کر رہی ہے۔ اسی طرح ٹیپو کے عمدہ صفات باوجود انگریزی مورخوں کی نکتہ چینی کے عمدہ ہی رہیں گے۔ اس ملک میں ان لوگوں کی کمی نہیں ہے جو مدرسوں کیلئے نصاب کی کتابیں لکھکر ٹیپو کو بدنام کریں۔ یا ایسے لوگ جو سرنگاپٹم کے متعلق ٹورسٹ گائیڈس لکھکر زائرین کے ہاتھوں تک پہنچادیں۔"

(ٹیپو سلطان از جی۔ آر۔ جوسیر۔ یم لے۔ یف۔ آر۔ یس۔ ایس ممبر
رائل سوسائٹی آف لٹریچر گریٹ برٹن)

ڈاکٹر جان۔ آر۔ ہنڈرسن سی۔ آئی۔ ای نے سلطان کے سکوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے عادات و خصائل کے متعلق ایک صحیح رائے قائم کرنا عمدہ درجہ مشکل ہوگیا ہے۔ ہمعصر مورخین نے خواہ انگریز ہوں یا مسلمان سبھوں نے یکطرفہ لکھا ہے۔ ٹیپو کو الزام دیا جاتا ہے کہ جنگوں میں وہ بہت زیادہ سختی سے انتقام لیتا تھا۔ بے رحم تھا۔ اور مذہب کے نام پر ظلم کرتا تھا۔ لیکن اس مہذب زمانے میں جنگوں میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ ان کے آگے ٹیپو کے مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں۔ مسلمان مورخوں نے ٹیپو کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ سچائی کے بالکل قریب ہے۔ برخلاف انگریزی مورخوں کے بعضوں نے صرف ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھکر

اپنے خصائص کھو بیٹھی۔ اس زمانہ میں جب یہ قوم اپنے پورے عروج پر تھی۔ تو ھندوستان کا تمدن اور ہندوستان کی تہذیب زمانہ میں فخر روزگار رہی۔ جب امتداد زمانہ سے اس پر زوال آیا۔ تو نااتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی ایشیا سے سیتھین قوم جس کا نشان سانپ تھا ان پر مسلط ہوگئی۔ یہ قوم تقریباً ۶۰۰ سو سال قبل مسیح ہندوستان میں آئی۔ ابھی ان پر ایک صدی بھی نہ گذری تھی کہ دارائے ایران ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اور اسکے دو سو سال بعد اسکندر ذوالقرنین کی فوجیں ہندوستان پر نازل ہوئیں۔ اگر دارا اور اسکندر کی تاریخیں دیکھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان ہی کے باشندوں نے ان کو دعوت حکمرانی دی۔ وہ آئے اور لوٹ کر چلے گئے۔ اسکے بعد تاریخ میں ہندوستان کا وہ زمانہ آتا ہے۔ جس میں مذہب کے نام پر تمام ہندوستان میں ایک آگ سلگی ہوئی تھی۔ گوتم بدھ کے پیرو اور قدیم مذہب وید کے پرستار ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے۔ برہمن اپنی سیادت اور ذاتی برتری کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھ نہ سکتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدھ مذہب ہندوستان سے قریب قریب مٹ گیا۔

مسلمانوں کے حملے ہندوستان پر

یہ وہ زمانہ تھا کہ آفتاب اسلام افق عرب سے طلوع ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ ۱۵ھ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ فتح عجم کے بعد عرب فاتحین سندھ پر آئے۔ سپہ سالار عساکر اسلام کے شہید ہو جانے سے عرب پلٹ گئے۔ اسکے بعد بیس سال تک پھر ادھر توجہ نہ ہوئی۔ کیونکہ عساکر اسلام کی تمام تر توجہ بلاد مغرب کی طرف لگی ہوئی تھی ۳۸ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح نہروان کے بعد ایک فوج ہند کی طرف روانہ کی۔ یہ فوج بھی سندھ کی طرف آکر اتری۔ لشکر اسلام کے زیر تصرف سندھ کا ایک حصہ

سلطنتِ خداداد کی تباہی

ہندی اور اسلامی نقطۂ نظر سے

تاریخ سلطنتِ خداداد میں انگریز مورخین کے الزامات لکھنے کے بعد کوئی ایسا اہم واقعہ باقی نہیں رہا، جو سپردِ قلم کیا جاسکے۔ اس لئے ہم اس تاریخ کو ختم کرتے ہوئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سلطنت کی تباہی کو اسلامی و ہندی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔

سلطنتِ خداداد کی تباہی پر آج ہندوستان لاکھ بھی ماتم کرے۔ مگر تاریخ ہند میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستان کی قسمت میں شاید روزِازل ہی سے یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ غیروں کا محکوم بنکر رہے۔ خدا جانے کہ اس سرزمین کا نام کس نے پہلے پہل "ہندوستان" (ہندو استہان) رکھا۔ جس کے معنے غلام استان یا غلام آباد کے ہیں۔ ہندوستان کی سب سے قدیم زبان سنسکرت میں ہندو کے معنے غلام کے ہیں۔ ہندوستان کی ابتدائی تاریخ اسقدر تاریک ہے کہ کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا، کہ یہاں کونسی قوم آباد تھی۔ اور اسکی طرزِ معاشرت کیا تھی۔ تاریخ اگر پتہ دیتی ہے تو یہی کہ سب سے پہلے وسط ایشیا سے آرین قوم اس سرزمین پر آئی۔ اور یہاں کے قدیم باشندوں کو غلام بنالیا۔ اس لحاظ سے اس قوم کو جو یہاں رہتی تھی، ہندو کا نام دیا۔ اور ملک کا نام ہندوستان ہوگیا۔ جو باشندے اس غلامی سے بچ نکلے وہ جنوبی ہند میں آکر آباد ہوئے۔ وہ جفاکش قوم جس کا نام آرین تھا۔ چند صدیوں کی بود و باش کے بعد اس میں بھی وہی اثر سرایت کرگیا۔ جو پہلے یہاں کے باشندوں میں تھا۔ یہ قوم عیش و تنعم میں گرفتار ہوکر

آل عباس متمکن ہوئے۔ ہارون رشید کے زمانہ میں مامون نے پھر سندھ پر چڑھائی کی۔ لیکن کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کا استقلال ہند میں

مامون کے حملے کے ایک صدی بعد سبکتگین ہند پر حملہ آور ہو کر پنجاب پر قابض ہوگیا جس کے بعد ہی محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے پئے در پئے حملے کئے۔ ان حملوں کے بعد پہلا مسلمان بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک تخت نشین ہوا۔ اسکندر و دارا کو ملک پر قابض ہونے کیلئے بلانے والے بھی یہی ہند کے باشندے تھے۔ سبکتگین اور محمود غزنوی کو دعوت دینے والے بھی یہی۔ اسکی وجہ انکی آپس کی نااتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد و نفاق تھا۔

قطب الدین کے خاندان کے بعد خلجی خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اور اس میں علاؤالدین وہ مشہور شہنشاہ گذرا ہے۔ جس کے زمانہ میں تمام ہندوستان ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک مسلمانوں کے زیر نگین آگیا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں ملک کافور اس کا سپہ سالار دہلی سے نکلکر جنوبی ہند میں آیا۔ انہی معرکوں میں فتح گجرات کے وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپس میں شادیوں کی بنیاد پڑی۔ اس سلسلہ میں جو پہلی شادی ہوئی۔ وہ گجرات کے راجہ کی بیٹی دیول دیوی سے علاؤالدین کے فرزند شاہزادہ خضرخاں کی تھی۔ ملک کافور گجرات سے بڑھتا ہوا ہندوؤں کی آپس کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھاتا ہوا ہاتھی بھر جوانوں کے ساتھ جنوبی ہند کا وہ مشہور پایۂ تخت دوارسمدرم (جس کا ذکر ریاست میسور میں کیا گیا ہے) کو فتح کرتا ہوا جنوب میں رامیسورم تک پہونچ گیا۔ ملک کافور کی واپسی کے بعد شہنشاہ محمد تغلق کی فوجوں نے پھر ایک بار جزیرہ نمائے ہند کو راس کماری تک طے کیا۔ اس وقت ہندو دوارسمدرم کو پھر از سر نو بنا رہے تھے۔ اور ایک عالیشان مندر تعمیر ہو رہا تھا۔ اسلامی فوجوں نے پھر ایکبار

حصہ آگیا۔

عربوں کے مرکز میں خود خانہ جنگی پھیل گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں شہید ہو گئے جب یہ خبر ہندوستان میں پہونچی تو ہندوؤں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور عرب ملک سے نکال دئے گئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے۔ گو عرب فاتحین برابر مغرب کی طرف بڑھتے رہے۔ مگر مشرق میں ہند پر توجہ نہیں کی گئی۔ حضرت معاویہؓ کے بعد یزید تخت نشین ہوا۔ اسکے زمانہ میں حضرت امام حسینؓ کربلا میں شہید ہو گئے۔ بنی امیہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ مگر عربوں میں خانہ جنگی ایک عرصہ تک رہی۔ گو اس کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔ جو حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے زمانہ میں تھی۔ بنی امیہ اب مستقل حکمران تھے۔ ۱۲ ہجری؟ میں محمد بن قاسم، حجاج بن یوسف کے حکم سے سندھ پر حملہ آور ہوئے۔ تاریخ میں اس حملہ کو اس لحاظ سے ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ مانا جاتا ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے۔ کیونکہ تمام ملک گجرات فتح ہو چکا تھا۔ خلیفہ کی موت کے بعد جب دوسرا خلیفہ تخت نشین ہوا۔ تو اس نے کسی رنجش کی بنا پر حجاج کو معزول کر دیا۔ اور اسی سلسلہ میں محمد بن قاسم کو بھی معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔ اس طرح ہند فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔

بنی امیہ کا زمانہ تاریخ اسلام میں فتوحات کے لحاظ سے وہ تابناک زمانہ ہے کہ اسکی نظیر نہیں ملتی۔ مگر عربی قوم میں جو قبائلی جنگ کا بیج ابتدا ہی سے بویا گیا ہے جس کو زمانہ خیر القرون میں چالیسؓ سال کی مہلت ملی تھی پھر سرسبز ہونا شروع ہوا۔ بنی عباس بنی امیہ کے مقابل آ گئے۔ عراق و عجم نے بنی عباس کا ساتھ دیا۔ اور تخت خلافت پر

میں ہندؤوں کی کامل شکست اور وجیانگر کی بربادی سے ہندوؤں کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا اب ہندوستان میں صرف مسلمان آزاد رہ گئے۔ اور ایک عرصہ تک بلاشرکت غیرے حکمران رہے اور ہندوستان ان کا وطن بن گیا۔

ہند کی بود وباش اور دولت کی فراوانی نے مسلمانوں کو عیش اور ناز و نعم کا بندہ بنادیا مسلمانوں نے پہلے پہل ہند میں دیکھا کہ کس طرح برہمن اپنی سیادت منوا رہے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ خود بھی اس قسم کا دعویٰ کریں۔ جو برہمن اپنی پیدایش کے متعلق کر رہے ہیں اس کے عوض مسلمانوں کا ایک طبقہ نسب ناموں پر اتر آیا۔ کہ عام مسلمانوں پر اپنی سیادت قایم کرلے۔

ایک طرف اگر اکبر کی لگائی ہوئی الحاد کی آگ پھیل رہی تھی تو دوسری طرف مسلمانوں میں پیر پرستی و نسب پرستی شروع ہوئی۔ جس مسلمان بادشاہ نے ان معبودانِ باطل کو توڑنا چاہا تاریخ اس کو عالمگیر اورنگ زیب کے نام سے یاد کر رہی ہے۔ ؎

تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید ۔۔۔ باز اندر فطرتِ دارا دمید
حق گزید از ہند عالمگیر را ۔۔۔ آں فقیرِ صاحبِ شمشیر را (اقبال)

عالمگیر ایک حد تک فتنۂ الحاد کے مٹانے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر نسب پرستی مسلمانوں کے خون میں سرایت کرچکی تھی۔ عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی پھر مسلمانوں نے رنگ بدلا۔ اب پھر وہی خانہ جنگی تھی۔ وہی ناز و نعم وہی عیش و آرام اور وہی حسد و نفاق۔

مسلمانوں کو اس طرح کمزور ہوتے دیکھکر ہندو بھی میدان میں آگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہند کے باشندوں نے نادرشاہ کو آنے کی دعوت دی۔ نادرشاہ کی آمد نے بجائے مفید ہونے کے مسلمانوں میں اور زیادہ افتراق پھیلادیا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کی سرپرستی میں

اس پر قبضہ کر لیا، اور وہ مندر جو تعمیر ہو رہا تھا، اسی طرح رک گیا (موجودہ بیجا پور جو ریاست میں ہے وہ دوسرے سمدرم کا جائے وقوع ہے اور اب بھی یہاں وہ عالیشان مندر نامکمل کھڑا ہے۔ لیکن اب ریاست میسور اسکی تعمیر کر رہی ہے)

مسلمان جب ہند میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر چکے تھے۔ تو ان میں بھی سرزمین ہند کی وہی سرشت پیدا ہو گئی۔ جس نے ہند کو ممتاز کر رکھا ہے۔ آپس کی خانہ جنگیوں کے سلسلے میں کئی خاندان تخت نشین ہوئے، اور جب رقابت اور بھی ترقی کر گئی تو انہوں نے ہندوؤں کی تقلید میں پہلے تیمور رنگ صاحبقران کو بلایا اور بعد میں بابر بانی سلطنت مغلیہ کو۔ ملک گیری کے ساتھ ساتھ اسلامی تمدن بھی ہند میں محیط ہو رہا تھا۔ اور یہ صاف نظر آ رہا تھا۔ کہ ملک میں اسلامی تمدن پھیل جائیگا۔ لیکن ہیموں کی سرداری میں ہندو تمدن نے اسلامی تمدن پر ضرب لگانی چاہی۔ مگر بیرم خان نے ہیموں کا خاتمہ کر دیا۔ اکبر تخت نشین ہوا تو اس نے کوشش کی کہ دونوں تمدنوں کو ملا دیا جائے۔ اور اسکے زمانہ میں اسکی بنیاد بھی پڑی۔ مگر دونوں تمدن متضاد کے متضاد ہی رہے۔

جنوب میں مسلمانوں کی بہمنی سلطنت اور وجیا نگر کی ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی۔ مگر مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی کی آگ پھیل گئی۔ یہ آگ وجیا نگر کی لگائی ہوئی تھی شمال میں جب ہندو تمدن کو ناکامیابی ہوئی تو جنوب میں اس نے کوشش کی کہ اسلامی تمدن کا تختہ الٹ دے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہو کر اس سے پانچ اور سلطنتیں پیدا ہوئیں۔ جن کے نام تاریخ میں بیجا پور، احمد نگر، گولکنڈا، بیدر اور ورنگل ہیں لیکن یہ پانچ سلطنتیں ہی آخر میں وجیا نگر کیلئے پیغام فنا ثابت ہوئیں۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی آخری آزاد سلطنت یہی حکومت وجیا نگر تھی ۱۵۶۵ء میں تالیکوٹہ کی جنگ

ایک ماہر سیاست کا قول ہے :-

"اگر سراج الدولہ کی سلطنت لینی ہو تو میر جعفر کو پیدا کرو۔ اگر ٹیپو سلطان سے لڑنا ہے تو پورنیا و میر صادق کو ۔ روٹی اپنے ہاتھ میں رکھو۔ پھر دیکھو کہ ہندوستان کی قومیں آپس میں لڑتے ہوئے کس طرح تمہارے غلام بنے ہوئے رہتے ہیں"

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس مقولہ پر پورا پورا عمل کیا ۔ میر جعفر، پورنیا اور میر صادق خوش قسمتی سے پیدا ہو گئے ۔ یہ اقوام ہند کا باہمی نفاق ہی تھا کہ مرہٹوں نے بار بار سلطنتِ خداداد پر حملے کئے ۔ یہ مسلمانوں کا باہمی افتراق ہی تھا جسنے نظام حیدرآباد کو سلطان کا مخالف بنا دیا۔ اگر اس ماحول میں میر جعفر، پورنیا و میر صادق پیدا ہوں تو تعجب ہی کیا ہے۔ اور انکے ہوتے ہوئے وہ سازشیں اور وہ جوڑ توڑ جو ہندوستان پر قبضہ کرنے کیلئے ہوں ۔ ہندوستان کی فطرت کی عین مطابق تھیں۔ اس سے متاثر ہو کر علامہ اقبال لکھتے ہیں :-

اندرون او دو طاغوت کہن   روح قومے کشتہ از بہر وطن

سلطنت کا نام خداداد تھا ۔ قدرت کی فیاضی نے اسکے بانیوں کو بھی خداداد صلاحیت دی کہ وہ آزاد ہندوستان کا نمونہ بنکر دنیا کو دکھا دیں کہ ابھی اسلام اور ہندوستان میں وہ جوہر پوشیدہ ہے۔ جن پر وہ فخر کر سکتے ہیں ۔ باپ کے ہاتھ سے ایک آزاد سلطنت قائم ہوتی ہے تو بیٹے کی شجاعت، بہادری، نگاہ دوررس، اور اولوالعزمی تمام ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے ۔ اس لئے وہ حق و صداقت، آزادی و شجاعت، کا بے مثل نمونہ بنکر آیا۔ کہ مسلمان اور ہندوستانی اس سے سبق سیکھیں۔

جس طرح اسلام کے دور اولین میں حق و صداقت کا وہ مجسم پیکر حیدرؓ و فاطمہؓ کا جگر بند جو ملوکیت کی غلامی سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے دریائے فرات کے کنارے چلے آب و دانہ اپنی ہی

ہندو تمدن اس شان سے میدان میں آیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہند اسکے زیر نگیں آگیا۔ اور صاف نظر آرہا تھا کہ اسلامی تمدن کوئی گھڑی کا مہمان ہے۔ مسلمانوں کو اگر عالمگیر کے ذریعہ پہلی مہلت دیگئی تو دوسری مہلت اب احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ ملی۔ احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا۔ اور مرہٹوں کو ۱۷۶۱ء میں میدان پانی پت میں ایک ضرب کاری لگا کر چپٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو پھر کمزور ہو گئے۔

فطرت الہٰی نے ہر قوم کو آزاد پیدا کیا اور آزاد رکھنا چاہتی ہے۔ مگر جب وہ اسکی اہل ثابت نہیں ہوتی تو یہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ مگر اس نعمت کے چھیننے سے پہلے مہلت پر مہلت دیتی ہے اور جب ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تو قدرت بھی اس کو اسی حالت میں چھوڑ دیتی ہے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کے حملوں کے وقت مہلت پر مہلت دیگئی۔ مگر وہ نہیں سنبھلے۔ مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ اب مسلمانوں کی باری آئی اور قدرت نے ان کو مہلت دینی شروع کی۔ عالمگیر کے بعد ابدالی کے ذریعہ مہلت دی گئی۔ اور اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کیلئے وہ سلطنت وجود میں آئی۔ جس کا نام تاریخ میں "سلطنت خدا داد" ہے۔ ہند کیلئے خدا نے یہ غیر مترقبہ نعمت دی اور کیا عجب کہ اس لحاظ سے اس کا نام بھی "خدا داد" ہوا ہو۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ غیر اقوام تجارت کیلئے ساحل ہندوستان پر آئی ہوئی تھیں۔ اور یہ بھی عجب نہیں کہ قدرت نے انہیں کے ذریعہ ہند کی آزمایش کرنی چاہی ہو۔ کہ وہ کہاں تک سنبھلے ہیں۔ مگر ہندوستان کی آب و ہوا کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا تھا۔ اس لئے وہ اس امتحان میں پورے نہیں اترے۔ ہندوؤں میں پہلے ہی سے یہ اثر تھا۔ اور اب مسلمان بھی اس فہرست میں شامل ہو گئے۔ اور ان دونوں نے ملکر انگریزوں کو دعوت دی کہ

"آؤ اور ہم پر حکومت کرو۔"

غداروں کا انجام

اکثر لوگوں کو جستجو ہے کہ ان نمک حراموں کا انجام کیسے ہوا۔ جو سلطان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ملک و ملت کے ساتھ غداری کی تھی۔ اور ان کے خاندانوں کا کیا حال ہے۔ ان میں بہت سے غداران وطن کسی نہ کسی وجہ سے یا اتفاقاً اسی دن مارے گئے۔ جس دن سلطان کی شہادت ہوئی تھی۔

کتاب الاعراس میں جو مضمون اور فہرست ۴ مئی کے دن کی دی گئی ہے۔ وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

"بست و ششم ماہ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ روز شنبہ در حرب نصاری یورش قلعہ پٹن ٹیپو سلطان برحمت حق پیوست و قریب دوازدہ (۱۲۰۰۰) ہزار سپاہ خاص و عام دراں روز شہید و کشتہ شدند"

تاریخ

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

میر میراں محمد رضا	نواب حسین علی خاں شہید فرزند قطب الدین خاں
" " سید اشرف	غلام حسین داروغہ توشک خانہ
" " محمد حسین	محمد یوسف داروغہ نعمت خانہ
" " میر محمد صادق	غلام حیدر خاں میرزائے دفتر مسجد
" آصف سید محمد خاں	میر میراں سید غفار شہید

قوم کے ہاتھوں دادِ شجاعت دیتا ہوا شہید ہو گیا۔ اسی طرح اسلام اور ہندوستان کو طوقِ محکومی سے بچانے کیلئے دریائے کاویری کے کنارے حیدرؒ و فاطمہؒ کا یہ نورِ نظر بھی شدت پیاس سے بیقرار جوہرِ مردانگی دکھاتا ہوا شہید ہو گیا۔ اور اس کی شہادت کا باعث بھی قوم ہی حری سه

من از جور بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

قوم و ملک نے اس نعمتِ الٰہی کو ٹھکرا دیا۔ نسب و ذات کا امتیاز، آپس کی نااتفاقی ایک ہی قوم میں ایک دوسرے سے حسد و نفاق، ہندوستان کے ساتھ جو کچھ شروع سے کیا، وہی سلطنتِ خداداد کے ساتھ ہوا۔ قدرت کے اس عطیہ سے کفرانِ نعمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کی آزادی بھی سلب کر لی گئی۔

یہ بھی قدرت کا ایک قانون ہے کہ حکومت و سلطنت کسی ایک قوم میں ہمیشہ کیلئے نہیں رہتی۔ بقا تو صرف ذاتِ خدا کیلئے ہے۔ ذاتِ الٰہی ہر قوم کا ظرف آزمانے کیلئے حکومت و سلطنت دیتی ہے۔ اسی کلیہ کے تحت مختلف اقوام آرین، ایرانی، یونانی، عرب، پٹھان اور مغل یکے بعد دیگرے دادِ حکومت دیتے رہے۔ اور ان سب کے بعد انگریزی قوم آج ہندوستان پر حکمران ہے۔

مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر، انک علی کل شیء قدیر ۵

(یعنی) مالک سلطنت کا تو سلطنت دیوے جسکو چاہے اور سلطنت چھین لے جس سے چاہے، اور عزت دیوے جسکو چاہے اور ذلیل کرے جسکو چاہے۔ تیرے ہاتھ سب خوبی۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اور علیندور کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ روپیہ تھی دیدی گئی۔ پورنیا کا انتقال سرنگاپٹم میں ۱۸۱۲ء میں ہوا۔ اسکی کوٹھی سرنگاپٹم میں اسکاٹ کے باغ سے جانب مشرق دریائے کاویری کی جنوبی شاخ کے کنارے ہے۔ اور اس پر اسکے نام کا کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ اور آج کل پورنیا کے باغ سے مشہور ہے۔

پورنیا کے ذکر کے ساتھ بیجا نہ ہوگا اگر ہم ترمل راؤ اور نارائن راؤ کے حالات بھی لکھدیں، جو سلطنت خداداد کے خلاف شروع ہی سے تنجاور میں رہکر سازشیں کر رہے تھے۔ (اسکا بیان سلطنت خداداد کے اسباب کے بیان میں مفصل آچکا ہے) ان دو بھائیوں میں ترمل راؤ نے میسور کی رانی سے عہد لیا تھا کہ ریاست کی بحالی کے بعد اسکو دیوان بنالیا جائیگا۔ لیکن انگریزوں نے پورنیا کو دیوان بناکر اسکی توقعات کا نہ صرف خاتمہ کر دیا۔ بلکہ اس کو ریاست میسور کے حدود کے اندر آنے سے بھی منع کر دیا۔ اور حکم دیا گیا کہ مدراس ہی میں مقیم رہے۔ کتاب پردھانس آف میسور کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے۔

"جب سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کی خبریں ان تک پہونچیں تو انہوں نے مدراس میں شکر گاڑیوں میں بھرکر تقسیم کی"

انکی خدمات کے صلہ میں میسور کی رانیوں نے اپنے حسب وعدہ چاہا کہ ترمل راؤ کو دیوان بنایا جائے۔ اسی امید پر ترمل راؤ مدراس سے چلکر سرنگاپٹم پہونچا۔ لیکن جنرل ہارس نے اس کو اپنے کیمپ میں ٹھہرالیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اب ان بھائیوں کے خدمات کی ضرورت نہیں تھی۔ لارڈ ولزلی جو ایک ماہر سیاست دان تھا۔ جان چکا تھا کہ یہ دونوں بھائی کس قدر سازشی ہیں، اس نے جنرل ہارس کو لکھا کہ ترمل راؤ کو فوراً مدراس واپس بھیجدیا جائے۔ یہ حکم جب ترمل راؤ کو سنایا گیا تو وہ حیران ہوگیا۔ اس نے درخواست کی کہ کم از کم ایک بار تو اس کو رانیوں سے ملاقات کرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن جنرل ہارس نے اس درخواست کو منظور نہیں کیا۔ ترمل راؤ کو مدراس واپس بھیجدیا

میر خازن شیخ سماعیل	میر نواب میر حسین الدین
،، آصف ۔۔۔ شیر خاں	محمد ابراہیم عرض بیگی
،، خازن ۔۔۔ سید پڈہن	مولانا عبدالرحیم استاد در مسجد اعلےٰ

سپہدار و تیدار و نوروار سپاہی وغیرہ دوازدہ ہزار کس کشتہ شدند باز فرمان حق '

اس فہرست میں صرف دو ناموں کے ساتھ شہید لکھا ہوا ہے۔ ان میں ایک تو سید غفار کا نام ہے اور دوسرا نواب حسین علی خاں کا۔ سید غفار کی جاں نثاری کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے۔ حسین علی خاں بن قطب الدین خاں ۴ مئی کی صبح میں شہید ہوئے تھے۔ اس سے پہلی شب میں انکا نکاح ہوا تھا۔ یہ ایک شب کا دولہا صبح ہی صبح اس مورچہ پر جہاں یہ متعین تھا۔ پہونچا۔ قریبؔ دس بجے اسکی لاش سلطان کے روبرو لائی گئی۔ حسین علی خاں کو مورچہ کی حفاظت کرتے وقت گولہ لگا تھا۔ سلطان لاش دیکھکر آبدیدہ ہو گیا۔ کتاب ہفت خوان حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ جب نوجوان دولہا کی لاش گھر پہ لائی گئی تو اس کی ایک شب کی دولہن کی آہ و زاری سے دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ یہی مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ سوگوار دولہن نے اپنی تمام عمر اسی طرح بسر کر دی ایک مدت العمر زندہ رہی اور ہر وقت اس کی زبان پر ۴ مئی کے واقعات رہتے تھے۔

۴ مئی کے ہنگامے کے بعد جو غدار زندہ رہے۔ ان میں خاص طور پر قابل الذکر پورنیا قمرالدین، راجہ خاں، میر غلام علی۔ بدزبان لنگڑا مانظہ اور غلام علی خاں بخشی ہیں۔

ان میں سوائے پورنیا کے باقی غداروں کو کمپنی کی جانب سے پنشنیں دی گئیں۔ پورنیا کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ غداری کے صلہ میں اس کو میسور کی نئی ریاست کا دیوان بنایا گیا۔

اس میں سوائے چند جھونپڑیوں کے اور کچھ نہیں ۔ گرم کنڈہ کی جاگیر دو لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی۔)

مقامی طور پر بھی یہی روایت مشہور ہے کہ میر قمر الدین شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے رخصت ہوا۔ معلوم نہیں کہ یہ غدار اپنے دل میں اسوقت کیا سمجھا ہو لیکن انگریزوں کا اسکے متعلق جو خیال تھا وہ اس خط سے ظاہر ہے۔ جو لارڈ ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا تھا۔

"میں آپ کی خدمت میں نظام الدولہ (میر نظام علیخاں) کا خط جو میر عالم کے نام ہے۔ روانہ کرتا ہوں۔ مجھے اعتماد ہے کہ آپ اسکے وسیلہ سے نواب میر قمر الدین کی رضاجوئی میں اچھی طرح سرگرم ہو سکتے ہیں چونکہ اس کی عزت و آبرو وہاں کے لوگوں میں ہے۔ اس کے ذریعہ سے وہاں کے لوگوں کو ہماری طرف ملا لینے میں بےحد مفید ہوگا۔ مگر آپ اس کو بہت ہی جلد اس پر آمادہ کرو کہ وہ گرم کنڈہ چلا جائے۔"

میر قمر الدین گرم کنڈہ پہونچا۔ کڑپہ کے پٹھان اسکی اس غداری کی وجہ سے سخت برافروختہ تھے۔ انہوں نے گرم کنڈہ پر چڑھائی کی۔ اور قلعہ و محل پر قبضہ کر لیا۔ اور جو کچھ ملا۔ لوٹ لیکر چلا گئے اس کے بعد ہی میر قمر الدین مرض جذام میں مبتلا ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسکی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی۔ اسی حالت زار میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ حسن اتفاق سے دیکھا جائیگا کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھی اسی مرض میں انتقال ہوتا ہے۔

سوانح میر عالم کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدر آبادی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں :-

"میر عالم دیوان ہونے سے پیشتر فساد خون کے مرض میں مبتلا تھے۔ جس کا ذکر صاحب تحفۃ العالم نے بھی کیا ہے۔ یہ مرض کہنہ ہو کر جذام کی شکل پکڑا۔ جب یہ دیوان ہو چکے تو ان کے اس مرض میں اور ترقی ہو گئی۔ اقسام کے علاج کئے۔ حتیٰ کہ ناگ سانپ تک ڈسوائے

گیا۔ یہاں دونوں بھائیوں کے گذارہ کیلئے پنشن دیکر انہیں مدراس ہی میں مقیم رہنے کا حکم دیا گیا۔ نارائن راؤ کا انتقال ۱۸۱۱ء میں ہوا۔ اور ترمل راؤ ۱۸۱۵ء میں مرگیا۔

میر قمرالدین

اس غدار کو (جس کی غداری کا حال اگلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے) اسکی غداری کے صلہ میں گرم کنڈہ کی جاگیر دی گئی۔ جس کی آرزو اس کو اور میر معین الدین کو تھی۔ میر معین الدین کے مرجانے سے اب صرف یہی ایک دعویدار تھا۔ اس نے یہ جاگیر انگریزوں سے سمجھوتہ کرکے پہلے ہی لکھوالی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس نے انگریزی فوج کو جرکورگ کے راستے سے بڑھ رہی تھی۔ سرنگاپٹم پر آجانے دیا۔ مورخ کرمانی لکھتا ہے:۔

"سلطان کی شہادت کے بعد اس نے گرم کنڈہ کی جاگیر کی خوشی میں شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے نکلا۔ اور وہاں مرض جہلک (جذام) میں مبتلا ہو کر بصد آہ و حسرت مرگیا۔"

(نوٹ:۔ گرم کنڈہ ضلع چتور میں ایک اونچی پہاڑی پر واقع ہے۔ قلعہ اس وقت بالکل شکستہ حالت میں ہے۔ پہاڑی سے نیچے جانب مغرب عین مقابل نواب میر رضا علی خاں کا مزار ایک بہت بڑے دو منزلہ گنبد میں ہے۔ طرز تعمیر بالکل سادہ ہے۔ مزار اوپر کے حصہ میں ہے۔ اور نیچے کے حصہ میں چند اور مزارات ہیں۔ اور اسی گنبد کا کچھ اور حصہ موجودہ وقت میں رہائش گاہ بنا لیا گیا ہے۔ گنبد کے پیچھے ایک چھوٹی مسجد ہے جس کے دروازے نہیں ہیں۔ مسجد بالکل ویران پڑی ہے۔ گنبد پر توپ کے گولوں کے ایک دو نشان ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جب قمرالدین آکر یہاں اقامت گزین ہوا تو کڈپہ کے افغان گرم کنڈہ پر حملہ کرکے قلعہ پر قابض ہوگئے۔ وہاں انہوں نے مقبرہ پر بھی گولہ باری کی۔ پہاڑی کے داہنی بازو میر قمرالدین کا محل تھا۔ جو رنگ محل کہلاتا تھا۔ یہ اب کھنڈر ہوگیا ہے۔ اور اسکے کچھ حصہ میں اب مسافر خانہ تعمیر ہوا ہے۔ گاؤں مقبرہ سے تھوڑی دور پر واقع ہے۔ اور

"دوسرے دن یعنی ۵ مئی ۱۷۹۹ء کی صبح میں پالکی میں سوار ہو کر میں قلعہ دار اور معین الدین کے بھائی کے ساتھ اس جگہ پہونچا۔ جہاں کل شام کو معین الدین کی لاش پڑی ہوئی تھی، اس وقت لاش اس جگہ نہیں تھی۔ لیکن اس کی ایک جوتی قریب ہی پڑی تھی جس کو اٹھا کر اسکے بھائی نے چھاتی سے لگا کر رونا شروع کیا۔ اسکے بعد ہم معین الدین کے مکان پر گئے۔ گھر شب میں لوٹ لیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ لوٹنے والوں نے عورتوں اور بچوں سے بھی نہایت سختی کا سلوک کیا تھا۔ مجھے اطلاع ملی کہ سید صاحب کی لاش ہمسایہ کے گھر میں رکھی ہوئی ہے وہاں جب ہم پہونچے تو لاش کے قریب ایک ۸ سالہ لڑکا جو معین الدین کا بیٹا تھا اور دوسرے چند رشتہ دار بھی بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ لاش کو تھوڑی دیر بعد اٹھایا گیا۔ اور ایک خاص تیار کردہ قبر جو پہلے سے بنی ہوئی تھی۔ اس میں دفن کر دیا گیا۔"

(نوٹ:۔ یہ قبر سکاٹ کے باغ کے احاطہ میں ہے۔ قبر کی تعویذ کو سبز رنگ سے رنگا گیا ہے کہ معلوم ہو کہ پیر سید کی قبر ہے۔ اطراف ایک مختصر سی چار دیواری اور سائبان ہے۔ سائبان کی عمارت معمولی اور شکستہ ہے۔ قبر کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا کہ یہ کسی پیر کی قبر ہے۔ یہ قبر معین الدین کی ہونے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ یہ اسی جگہ واقع ہے جہاں لاش اسکی گری تھی۔ میجر آلن کی تحریر بھی اس کا ثبوت دیتی ہے۔)

میر صادق بحیثیت وزیر اعظم ہونیکے سلطنت خداداد کی تباہی کی پوری پوری ذمہ داری اس غدار پر آتی ہے۔ پہلے تو اس نے سلطان تک صحیح خبریں پہونچنے نہیں دیتا تھا، اور اخیر میں ۴ مئی کا دن جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ بند کرا دیا۔ کہ سلطان داپس نہ آسکے۔ اور فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی کی اطلاع انگریزی فوج کو اسی غدار نے دی۔

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں :۔

اور مرض کے زہر سے ڈسنے والے سانپ مر مر گئے۔ لیکن ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ بہر حال میر عالم نے علاج میں کسی طرح کی کمی نہیں کی۔ لیکن دوا سے انکے مرض میں تخفیف نہیں ہوئی۔ آخر وقت موعود آپہونچا۔"

پھر یہی مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھا ہے :۔

"حیدرآباد میں اس مرض (جذام) کا نام عام طور پر "میر عالم کا آزار" مشہور ہے ممکن ہے کہ اسکی وجہ تسمیہ یہی ہو کہ میر عالم اس مرض میں مبتلا تھے۔ اور انہیں کے نام سے یہ مرض منسوب ہو کر اس عرف سے مشہور ہو گیا۔"

کتاب الاعراس میں جن غداروں کے نام دئے گئے ہیں۔ ان میں سوائے میر معین الدین اور میر صادق کی قبر کے دوسرے غداروں کی قبر کا کوئی نشان نہیں ہے اور نہ ان غداروں کے متعلق کچھ حالات معلوم ہوسکے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عام مسلمان جو اس غداری سے بالکل برافروختہ ہو چکے تھے۔ ان غداروں کا خاتمہ کر دئے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد شہر میں جو قتل و غارتگری کا ہنگامہ رہا۔ اس ہنگامہ میں یہ قتل ہو گئے ہوں۔ اور عام مقتولین جنگ کی لاشوں کے ساتھ انہیں بھی اندرونی خندق کے سپرد کر دیا گیا ہو۔

میر معین الدین

اسکی غداری کے وجوہات اگلے صفحات میں لکھی جاچکی ہیں۔ یہ میر قمر الدین کا رشتہ دار بھی تھا۔ معرکے کے دن یہ شدید طور پر زخمی ہو کر فصیل قلعہ پر پڑا ہوا پایا گیا۔ اور جب انگریزی افسروں نے اس کو اٹھایا تو اس نے سجہ ڈالس کے پیر پکڑ لئے تھے۔ ان افسروں نے پالکی منگوا کر اس کو اس کے مکان پر بھجوا دیا۔ اس کے بعد میجر آلن لکھتا ہے :۔

سرنگاپٹم کے بہت سے بڑے بوڑھے لوگ جو اس راز سے واقف ہیں۔ خود مصنف کو اس غدار کی یہ قبر پہچان کر بتلائے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک عرصہ تک قبر نمایاں نظر آتی تھی۔ لیکن اب وہاں ایک غار پڑ گیا ہے۔ جس کا رخ بھی شرقاً غرباً ہے اور صد ہزار عبرت کا مرقع۔ دیکھنے والے پر اس ویران سنسانے میں ایک خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

رہا اس کی فرضی یا اصلی قبر پر لعنت کا بھیجا جانا وہ دراصل اس مٹی کے ڈھیر پر نہیں بلکہ اس غدار ملک وملت کی روح پر ہے۔ میر صادق اور دوسرے غداروں کی اخیر گھڑیاں چاہے کرب وبلا میں گذری ہوں یا ہنسی خوشی میں۔ وہ خدا ہی خوب جانتا ہے۔ مگر مکافات عمل اس دنیا میں نہیں تو ضرور اس دنیا میں ملتے ہیں۔ علامہ اقبال اس کا کچھ نقش اپنے عالم خیال (جاوید نامہ) میں کھینچتے ہیں جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے۔

بنگالہ میں جن غداروں نے سراج الدولہ سے غداری کی۔ ان میں سب سے ممتاز میر جعفر ہے اور ٹیپو سلطان سے جنہوں نے غداری کی ان میں میر صادق سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس لئے علامہ اقبال نے ان دو کو ہی منتخب کیا ہے۔

دوزخ کے اس طبقہ کی تصویر کھینچتے ہوئے جہاں ارواح بے یوم النشور رکھے گئے ہیں میر صادق و میر جعفر کی ارواح رذیلہ کو اس طرح دکھایا گیا ہے۔

منزل ارواح بے یوم النشور	دوزخ از احراق شاں آمد نفور
اندرون او دو طاغوت کہن	روح قومے کشتہ از بہر دو تن
جعفر از بنگال و صادق از دکن	ننگ آدم ، ننگ دیں ، ننگ وطن
ناقبول و ناامید و نامراد	ملتے از کار شاں اندر فساد
ملتے کو بند ہر ملت کشاد	ملک و دینش از مقام خود فتاد

"میر صادق نمک حرام نے سلطان کو سرو چپ کی طرف جاتے ہوئے دیکھکر ڈڈی دروازے کو جو سلطان کی واپسی کا راستہ تھا. بند کرا دیا. اور خود گنجام کا راستہ لیا. (کہ قلعہ کے باہر اپنی کوٹھی میں جا کر رہے. مترجم) جب قلعہ کے مشرقی دروازے پر پہونچا تو سلطان کے ایک جاں نثار سپاہی نے جو اس کی نمک حرامی سے واقف ہو چکا تھا. اس کو گھوڑے سے کھینچ کر تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا. اس واقعہ کے چار دن بعد اسکی لاش بے کفن . سی جگہ گاڑ دی گئی. آج بھی لوگ آتے جاتے اور اسکی قبر پر تھوکتے اور پیشاب کرتے ہوئے اس کو لعنت سے یاد کرتے ہیں"

(نوٹ:- اس سپاہی کا نام جس نے میر صادق کو قتل کیا. احمد خاں ہے اور وہ کڑپہ کا باشندہ تھا)

عام طور پر بھی یہی مشہور ہے کہ میر صادق کی لاش اسی جگہ دفن کر دی گئی جہاں وہ قتل ہوا تھا. اور آج بھی لوگ قلعہ کے دوسرے مشرقی دروازے کے قریب گلی کے ایک ڈھیر پر پتھر اور جوتیاں مارتے اور پیشاب کرتے ہیں. معلوم نہیں کہ اس غدار کے اسی جگہ دفن ہونے کی یہ روایت کس طرح مشہور ہو گئی. میرا تو یہ خیال ہے کہ جس طرح میر معین الدین کی قبر کو توہین سے بچانے کے لئے یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ پیر کی قبر ہے. اسی طرح اس غدار کی قبر کو بھی توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ جس جگہ قتل ہوا. اسی جگہ دفن بھی کیا گیا. لیکن کوئی مصدقہ روایت نہیں ملتی کہ اس کو کن لوگوں نے دفن کیا تھا. سرنگاپٹم کے مسلمان تو اس قدر برافروختہ تھے کہ وہ اس لاش کو دفن نہیں کئے ہونگے. جہاں تک تحقیق سے پتہ لگا ہے وہ یہ ہے میر صادق کی لاش کو انگریزوں نے اٹھا کر قلعہ کے شمال مشرقی برج سے تھوڑے فاصلہ پر دفن کر دیا. اور چونکہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں میں لاش شمالاً جنوباً دفن ہوتی ہے. اس لئے ہوا یہ کہ اسکی قبر آج تک بھی غرباً شرقاً ہی ہے (اسکی مصنوعی قبر بھی شرقاً غرباً ہی ہوگی)

سلطنت کو ختم ہوئے ابھی سوا سو سال کا عرصہ گذر رہا ہے۔ اس لئے تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد اکثر احباب نے مصنف سے دریافت کیا ہے کہ سلطان کے خاندان سے کوئی میسور و جنوبی ہند میں باقی ہیں یا نہیں، اور غداران وطن کے خاندان کہاں کہاں آباد ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے سلطان کے خاندان سے کوئی فرد بھی میسور و جنوبی ہند میں باقی نہیں ہے۔ ان تمام لوگوں کو جنہیں خاندان سلطانی سے کچھ دور کا بھی رشتہ تھا۔ کلکتہ کو بھیج دیا گیا۔ میر قمرالدین ہو یا میر معین الدین انہیں خاندان سلطانی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ میر قمرالدین سلطان کے سوتیلے ماموں کا فرزند تھا۔ میر معین الدین کی دختر سے سلطان نے ۱۷۹۸ء میں نکاح کیا تھا۔ ڈیڑھ سال کے بعد یہ بیگم اور نوزائیدہ بچہ دونوں انتقال کر گئے۔ اور جو رشتہ میر معین الدین اور سلطان کا تھا ختم ہو چکا۔

یہ مجھے خود سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ غداروں کے خاندانوں کے حالات کیوں دریافت کرتے ہیں؟ جن لوگوں نے غداری کی وہ آج اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بے شک ان کے خاندان ملک میں باقی ہیں۔ لیکن ان پر کیا الزام دھرا جا سکتا ہے۔ باپ کا الزام بیٹے پر یا بیٹے کا الزام باپ پر اور بھائی کا الزام بھائی پر آ نہیں سکتا۔ ہر انسان جو کچھ کرتا ہے۔ اسکے لئے وہ خود خدا کے آگے جوابدہ ہوتا ہے، دوسرے جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ مذہب بھی یہی سکھلاتا ہے اور ضمیر بھی یہی کہتا ہے۔

می ندانی خطۂ ہندوستان — آن عزیز خاطر صاحب دلان

خطہ ہر جلوہ اش گیتی فروز — درمیان خاک و خون غلطد ہنوز

در گلش تخم غلامی را کہ کشت — این ہمہ کردار آن ارواح زشت

در فضائے نیلگوں یک دم بایست

تا مکافاتِ عمل بینی کہ چیست

روحِ ہندوستان ظاہر ہو کر نالہ و فریاد کرتی ہوئی کہتی ہے (اس نظم میں موجودہ زمانہ کے غداروں کی طرف بھی اشارہ ہے) ؎

کے شب ہندوستان آید بروز — مرد جعفر زندہ روح او ہنوز

ملتے را ہر کجا غارتگرے است — اصل او از صادقے یا جعفرے است

الاماں از روح جعفر الاماں — الاماں از جعفران این زماں

اس فریاد کو سن کر قلزمِ خونین جوش میں آتا ہے اور دوزخ بھی ان نامرادوں کو قبول نہیں کرتی ؎

گفت دوزخ را خس و خاشاک بہ — شعلۂ من زین دو کافر پاک بہ

جب دوزخ بھی ان ارواح رذیلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو غدار اس طرح فریاد کرتے ہیں :-

اے ہوائے تند اے دریائے خوں — اے زمیں اے آسمانِ نیلگوں

اے نجوم اے ماہتاب اے آفتاب — اے قلم اے لوحِ محفوظ اے کتاب

اے بتانِ ابیض اے لردانِ غرب — اے جہانے در بغل بے حرب و ضرب

غداروں کی اس فریاد کا جواب اس طرح ملتا ہے :-

این جہاں بے ابتدا بے انتہاست — بندۂ غدار را مولا کجاست

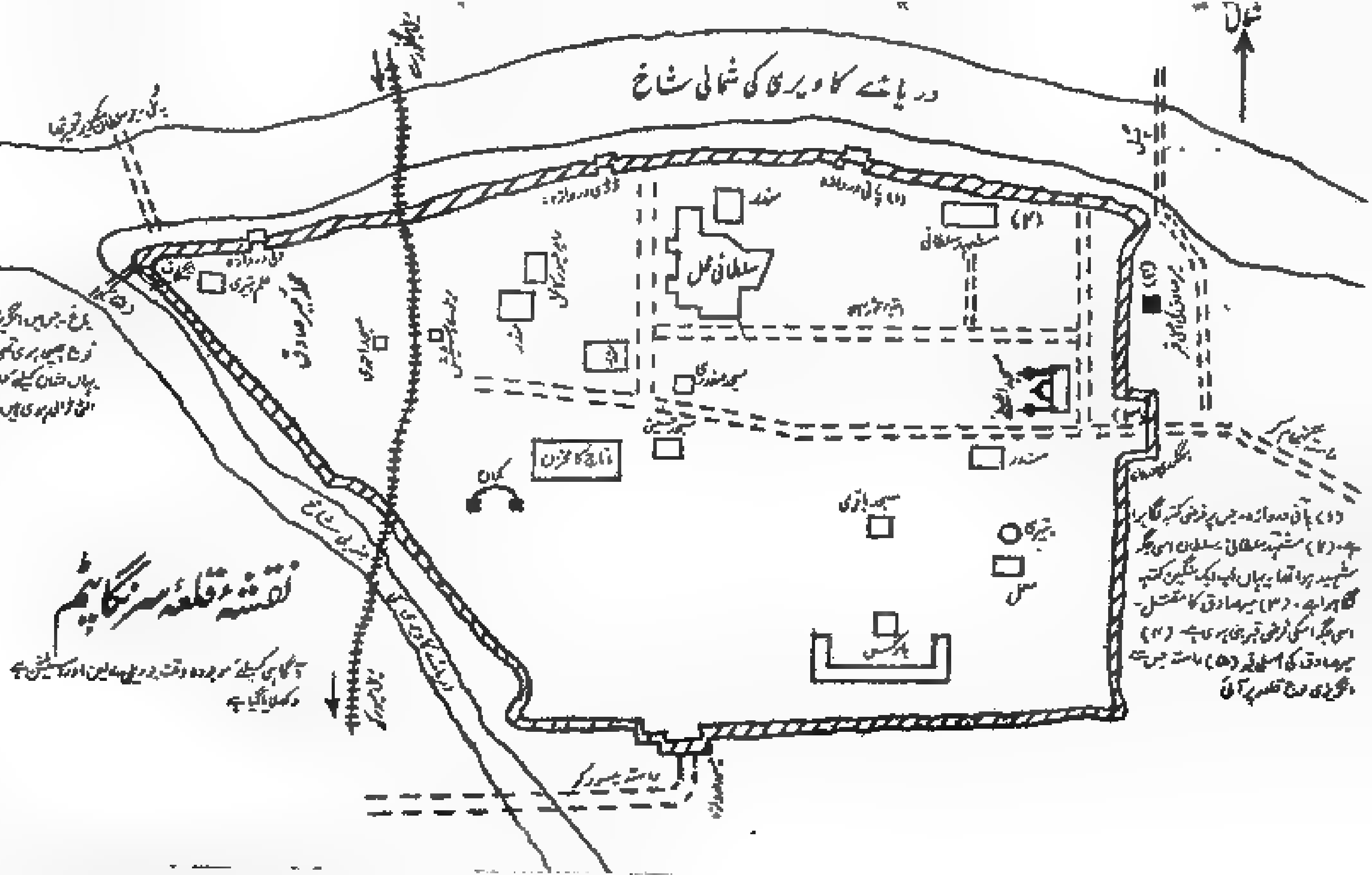
نقشہ قلعہ سرنگا پٹم
دریائے کاویری کی شمالی شاخ
شمال
سلطان محل

ضمیمہ

سرنگاپٹم

سلطان کی زندگی کے حالات کے ساتھ ساتھ ہی یہ مناسب ہوگا کہ ہم اسکے دارالسلطنت سرنگاپٹم کے حالات بھی لکھدیں اور بتائیں کہ اس زمانہ میں جب یہ شہر پائے تخت تھا کس حالت میں تھا اور اب کس حالت میں ہے۔

سلطان کے ملک اور اسکے پائے تخت کے متعلق ملا فیروز اپنے جارج نامہ میں لکھتے ہیں:۔

همایوں کشورے خرم زمینے | طربہ زا مرز بومے دل نشینے
وطن گاہے نشاط و خرمی را | طربہ گاہے پری و آدمی را
صفائی آب خیرمیش رواں بخش | ریاح بادِ مسکینش تواں بخش
مزاجش زاعتدال استوائی | بعنبر بیزی و گوہر فزائی
ہوائش را نشاطِ زعفراں زار | نسیمش راشمیم زلف دلدار
ندیدہ کس چنیں آب وہوائے | بدیں خوبی ہمہ نا نیست جائے
زباں در وصف آں فرخندہ کشور | بود لال و کند خامہ نگوں سر

دکن زیں اوشدہ دار الخلافت
مصئوں باد از ہر آسیب و آفت

سرکار خداداد کا پائے تخت جس کا نام سلطان نے ظفر آباد رکھا تھا۔ میسور کے جنوبی حصہ میں دریائے کاویری کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ جسکی کل لمبائی چار میل سے زیادہ نہیں اور چوڑائی ایک میل سے کچھ زیادہ ہے۔ اس جزیرہ میں نویں صدی عیسوی میں سری رنگا کا مندر

لال باغ پر جو خوبصورتی و خوشنمائی کا ایک دلفریب منظر ہے نظر کی جائے اور ان کے ساتھ قلعہ اور اس لال باغ کے درمیانی حصہ کی گنجان آبادی کے مکانات کو بھی دیکھا جائے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کا یہ عروس البلاد اس زمانہ میں سب سے زیادہ متمول، سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ سکون بخش خطۂ زمین ہے۔"

ایک اور انگریزی مورخ جو ۱۸۰۴ء میں سلطان کی شہادت کے پانچ سال بعد آیا تھا۔ لکھتا ہے کہ:۔

"اس وقت شہر کی آبادی ڈھائی تین لاکھ کے قریب ہے۔"

سرنگاپٹم کا قلعہ جزیرہ کے مغربی حصہ میں ہے۔ دریائے کاویری کی شمالی شاخ فصیل قلعہ سے لگی ہوئی بطور خندق چلی جاتی ہے۔ اور جنوبی شاخ کچھ دور تک فصیل قلعہ سے لگی ہوئی ہے۔

جزیرہ سرنگاپٹم میں داخل ہونے کیلئے دریائے کاویری پر دو پل ہیں۔ ایک شمال میں اور ایک جنوب میں۔ شمال مغربی جہت میں سلطان شہید نے دہلی دروازے کے مقابل ایک پل کی بنیاد رکھی۔ جواب بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اور قلعہ کے اندر داخل ہونے کے متعدد دروازے ہیں۔ جن میں مشرق کی طرف بنگلوری دروازہ ہے۔ جنوب کی طرف دو دروازے ہیں۔ ایک میسوری دروازہ اور دوسرا ہاتھی دروازہ۔ شمال کی طرف پانی کا دروازہ ہے۔ اور شمال مغربی جہت میں دلی دروازہ ہے۔

میسوری دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

چو سلطان شہ این قلعہ را بنیاد فرمود ... زبر جد سال ماہ خسروی بود

تعمیر ہوا اور شہر کی بنیاد پڑی سنہ ۱۴۵۴ء میں راجہ تمنّا نے بہ اجازت دربار وجیانگر یہاں قلعہ بنوایا سنہ ۱۶۱۰ء میں راجہ وڈیر (جو موجودہ حکمران خاندان میسور کے اجداد میں ہے) اس جزیرہ کو اپنا پائے تخت قرار دیا۔ اس زمانہ سے لیکر سنہ ۱۷۹۹ء تک یہ میسور کا پائیہ تخت رہا سنہ ۱۷۶۱ء میں نواب حیدر علی برسر اقتدار آگئے۔ اس وقت سے لیکر زوال سلطنت خداداد یعنے چالیس سال تک اس کو جو عروج حاصل ہوا۔ وہ تاریخ عالم میں یادگار ہے۔ قدیم قلعہ کو ڈھاکر حیدر علی نے نیا قلعہ تعمیر کروایا۔ جس کے بعد ٹیپو سلطان نے پھر اس میں متعدد تبدیلیاں کیں اور قلعہ کے اندر دوسری فصیل اور خندق بنوائی۔ جس کو انگریزوں نے ڈھاکر خندق کو بھروا دیا۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں سرنگاپٹم کی جو حالت تھی۔ اس کے متعلق میجر ڈیرام جو لارڈ کارنوالس کا اسٹاف افسر تھا۔ لکھتا ہے :-

" اس وقت قلعہ سے لیکر لال باغ تک آبادی ہی آبادی ہے۔ اس کا مشرقی حصہ گنجام کہلاتا ہے۔ جو ایک کچی مٹی کی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ اسکے اندر جو شہر ہے وہ برابر برابر مربعوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اور ہر مربع کے چار طرف وسیع و فراخ اور خوشنما سڑکیں ہیں۔ جن کے دونوں بازو پر سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ اس میں وہ تاجر رہتے ہیں جو فوجی اور شہری ضروریات کیلئے ہر قسم کی اشیا فروخت کرتے ہیں۔

گنجام سے مشرقی جانب وہ مشہور باغ ہے جو لال باغ کے نام سے موسوم ہے۔ باغ نہایت خوش وضع ہے۔ انواع و اقسام کے میوہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ روشوں کے دونوں طرف بلند و خوبصورت شمشاد کے درخت اپنا سایہ ڈال رہے ہیں۔

شہر کی مغربی جانب قلعہ کی سفید دیواریں ہیں۔ جن کے اوپر سے قدیم مندروں کی اونچی چوٹیاں اور مسجد کے اونچے مینار نظر آتے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے

اولوالعزمی کو دیکھتے ہوئے سرنگاپٹم کا نام آج بغداد و غرناطہ سے پہلے آتا۔ مگر قدرت کو وہی منظور تھا، جو ہوا۔ جس طرح گلشن میں کئی کلیاں ناشگفتہ مرجھا جاتی ہیں، اور جس طرح چھوٹے بچے اوائل عمری میں داغ مفارقت دے جاتے ہیں، اسی طرح بعض شہر اور قصبے بھی اپنی ابتدائی منازل تمدن میں برباد ہو کر رہ جاتے ہیں بس سرنگاپٹم بھی اسی طرح برباد ہو کر رہ گیا۔

آج مندروں کے علاوہ مسجد اعلیٰ، دریا دولت باغ، مقبرہ اور مسجد اقصیٰ موجود ہیں، باقی سب ھُو کا عالم ہے۔ قلعہ کے اندر پٹن میں تھوڑی سی آبادی ہے، اور گنجام دن بدن ویران ہوتا جا رہا ہے۔ آہ! یہ وہ شہر ہے جہاں بیٹھ کر سلطان داد سلطنت دیتا تھا۔ جس کے چپہ چپہ پر آبادی اور مکانات تھے۔ جس کے قلعے پر سلطانی علم اپنی پوری جبروت و عظمت کے ساتھ کبھی اُڑتا تھا۔ آج یہ ویران کھنڈر ہے۔ سلطانی محلات کو ڈھا دیا گیا ہے صرف ایک چھوٹی سی شکستہ دیوار کتبہ کیلئے چھوڑ دی گئی ہے۔ جس پر لکھا ہوا ہے ؎

"یہاں سلطان کا محل تھا"

آہ!

اجڑے محلوں سے جو آتی ہے صدائے بازگشت — طرفہ افسانہ سناتی ہے صدائے بازگشت

پہلے کچھ احکام سلطانی سناتی ہے مجھے، — قصۂ شان جہاں بانی سناتی ہے مجھے

پھر سناتی ہے محافل کی طرب انگیزیاں — شوخیٔ حسن ملاحت زا کی شکر بیزیاں

کالی کالی وہ گھٹائیں اور بھری برسات میں — نازسے گانا وہ رقاصوں کا بھیگی رات میں

عاشقوں نے گفتگو سرمستیٔ جذبات میں — کی تھی جو آہستہ تنہائی میں بھیگی رات میں

ذرہ ذرہ میں یہاں کے نطق کی تفسیر ہے — ریزے ریزے میں یہاں کے جوہر تقریر ہے

هزار و دو صد و بر عشرہ نہم — شمار سالِ احمد بد مولود
بتاریخ نہم روز شنبہ — بعین ساعت بر جیس مسعود
طلوع قوس بود و ہم بمیزاں — شفق بر زہرہ بر جیس افزود
عطارد آفتاب راس ہر سہ — بہ برج سنبلہ بودند محمود
بجدی ماہ بعقرب بود مریخ — ذنب در حوت کیواں در حمل بود
ثمر ایں وقت را نیست پندرا — کہ قلعہ از ہمہ اسباب بد بود

بماند قایم محفوظ از آفات
بفضلِ رحمتِ خلاقِ معبود"

شہر میں آب رسانی کیلئے دریائے کاویری سے نہر کاٹ کرلائی گئی تھی۔ اور اس سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی تھیں۔ قلعہ کے اندر بھی پانی زمین دوز نہروں کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ جو اب بھی بعض جگہ نظر آتی ہیں۔ مسجد اعلےٰ کے حوض اور سلطانی محل کیلئے پانی دریائے کاویری سے اس طرح لیا جاتا تھا کہ قلعہ میں شمال مغربی کونے میں پانی اچھال کر ایک حوض میں بھر دیا جاتا۔ جہاں سے وہ پختہ نالیوں کے ذریعہ حوض میں آجاتا تھا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

موجودہ حالت

موجودہ وقت میں یہاں کیا ہے۔ آہ! سرنگاپٹم جو سلطنت خداداد کا پائے تخت تھا ایک معمولی قصبہ بن کر رہ گیا ہے۔ یہ وہ شہر تھا کہ اگر سلطنت کو مہلت دی جاتی اور سلطان کی ایک دو نسلیں یہاں تخت نشین ہوتیں تو دلی، کابل اور قاہرہ تو در کنار سلطان کی

سنہری کارنس سی بنی ہوئی تھی۔ اور اس پر ایک فٹ چوڑے اور لمبے عربی الفاظ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ اور ان پر سونے کا پانی یا پترے تھے سلطان کو جو شغف اور محبت قرآن پاک سے تھی۔ وہ قرون اولیٰ کے بعد شاید ہی کسی مسلمان کو نصیب ہوئی ہوگی۔

اس محل کے مشرق طرف مسجد اعلیٰ تک اور بھی چھوٹے چھوٹے محلات تھے۔ جن میں سلطان کے شہزادے اور دوسرے عزیز و اقارب رہتے تھے۔

محل کے عین مقابل منسب جنوب میں توسری رنگا سامی کا مندر اور میسور کے راجہ کا محل ہے۔ جنوب میں بھی محل سے لگا ہوا ایک اور مندر ہے۔ اور اسی طرح شمال مشرقی پہلو پر ایک اور قدیم مندر ہے۔

سلطانی محل کے انہدام کے بعد اس کی بہت سی چیزیں فروخت کر دی گئیں۔ جن میں سنگ سیاہ کے ستون بنگلور کی جامع مسجد میں لگے ہوئے ہیں۔ اور باقی سامان نیلگری کے ایک کلیسا کی تعمیر میں استعمال ہوا۔ خدا کی قدرت کہ اس سلطان دین پناہ کے محل کا سامان بھی عبادت گاہوں کیلئے ہی کام آیا۔ محل سے لگا ہوا جنوب کی طرف توشک خانہ تھا۔ توشک خانہ کے ایک حصہ میں پہلے صندل کوٹھی تھی اور اب میونسپل آفس۔ اور اس سے تھوڑی دُور پر غلہ جمع کرنے کا مخزن تھا۔

سیاح بچانن لکھتا ہے :-

"سلطان کا محل ایک عالیشان سنگین عمارت ہے۔ گو باہر سے یہ بالکل حقیر معلوم ہوتی ہے۔ مگر اندر نہایت خوشنما ہے۔ سلطان جس حصہ میں رہتا تھا۔ وہ محل کے ایک جانب ہے۔ اور باقی تین جانب گودام ہیں۔ زنانہ میں جانے کے راستہ میں شیر بندھے ہوئے تھے۔"

سنگریزے کام کرتے ہیں زبانوں کے یہاں — ہو رہا ہے ہر طرف قصۂ ایامِ پیشیں کا بیاں
ہر قدم پر پاؤں کے نیچے جب آتی ہے زمیں — داستانِ حالتِ ماضی سناتی ہے زمیں
اس جگہ کچھ عیش اور عشرت کے ساماں دفن ہیں — اس جگہ پر کچھ مرادیں اور ارماں دفن ہیں
اس جگہ پر ہے مزارِ شوکت و شانِ غرور — اس جگہ مدفوں ہیں اسبابِ امکانِ غرور
آرزوئے حدِ شہرت کی یہاں پر قبر ہے — جستجوئے لطفِ جنت کی یہاں پر قبر ہے
دلربائی اور دل آزاری کی حد ہے اس جگہ — عاشقی اور ناز برداری کی حد ہے اس جگہ
نالۂ شبگیرِ زاہد اس جگہ پر ختم ہے — حسنِ عالمگیرِ شاہد اس جگہ پر ختم ہے
تیغ جوہر دار کی حد اس جگہ پر ہو گئی — حسنِ بدکردار کی حد اس جگہ پر ہو گئی
اس جگہ ہے بےکسی اور نامرادی سو رہی — قبر ہے یاں شوخیٔ چشمِ فسوں پرداز کی
دب گئے ہیں کچھ جواہر غیر سفتہ اس جگہ — دفن ہیں کچھ غنچہائے ناشگفتہ اس جگہ
مرقدیں ہیں کچھ جنونِ فتنہ ساماں کی یہاں — چاکِ داماں کی یہاں چاکِ گریباں کی یہاں
ساقیٔ توبہ شکن ہے اس جگہ آرام میں — شاہدِ نازک بدن ہے اس جگہ آرام میں

ہیں غرض یہ بستیاں تاریخ صفحاتِ قدیم
ان کو ویرانہ نہ سمجھو ہیں یہاں روحیں مقیم

سلطانی محل

سری رنگا سامی کے عظیم الشان قدیم مندر کے تھوڑے فاصلہ پر سلطانی محل تھا. یہ محل ایک عالیشان خوبصورت چوبی عمارت تھی، مگر نہایت سادہ، وسط میں ایک کشادہ اور وسیع کمرہ تھا جس میں سلطان کی رہائش تھی۔ اس کمرہ کے اندر چاروں طرف ایک

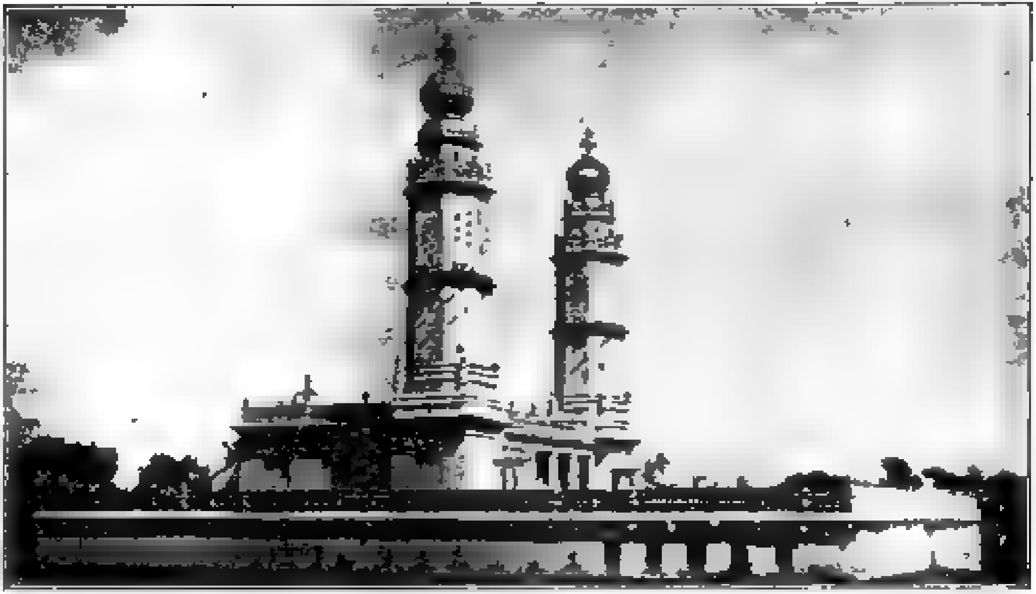

سرنگاپٹم ۔ مسجد اعلیٰ

مسجدِ اعلیٰ

سلطانی محلات کے ویرانوں سے لگی ہوئی بنگلور دروازے کے قریب یہ عالیشان بلند عمارت واقع ہے جس کے سر بفلک مینار آج بھی شکوہ سلطانی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ وہ مسجد ہے جس کے در و دیوار پر شہیدانِ وطن کے پاک خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں۔ (کہا جاتا ہے کہ تسخیرِ قلعہ کے وقت چار ہزار ہندو اور مسلمان یہاں جمع تھے۔ جو حفاظتِ وطن، تحفظ آزادی اور اپنے سلطان کے نام پر نثار ہو گئے)

عمارت مسجد کے دو حصے ہیں۔ اوپر کے حصہ میں مسجد ہے۔ مسجد میں جانے کے لئے دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ میناروں میں بھی اوپر جانے کیلئے سیڑھیاں ہیں، جہاں پہونچکر بہت دُور دُور کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ سلطان کی پنجوقتہ نماز اسی مسجد میں ادا ہوتی تھی۔

سلطان مسجد اعلیٰ میں عام رستے سے داخل نہیں ہوتا تھا۔ اس خیال سے کہ مبادا میری آمد پر نمازیوں کو مسجد میں میرے ادب و احترام کا احساس سکونِ قلب اور توجہ الی المعبود سے محروم کر دے۔ مسجد کے بڑے کمرے میں شمالی جانب ایک چھوٹا دروازہ تھا۔ جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ یہ دروازہ سلطان کے محل سے نکلکر مسجد میں داخل ہونیکا تھا۔ نمازیوں کے سکون کو مسجد میں بے خلل رکھنے کا سلطان کو اتنا خیال تھا کہ اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی جگہ پر فی الفور مشغول عبادت ہو جاتا۔ اور کسی ایک نمازی کے دل میں بھی وسوسہ نہ گذرتا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان انسانی طبائع سے کس قدر آشنا تھا۔ اتنا گوارا نہ تھا کہ لوگوں کی اضطراری کیفیات احکامِ الٰہی کے منشاء کی تکمیل میں حائل ہوں۔ اخلاق اسلامی کے اعتبار سے

عوام کا اس مقام پر کھڑے ہونا ابھی بہت دشوار تھا کہ بادشاہ مسجد میں داخل ہو، اور خدا کے گھر میں کوئی اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ مسجد کی دیواروں پر بہری رنگ چڑھا ہوا تھا۔ محراب کے اوپر کتبہ تاریخ لگا ہوا ہے۔

کتبہ

کز حضرت سلیماں اندر زمان ماضی — تعمیر مسجدے کرد نامش نہ اقصیٰ

دریں اوان خدیو سلطان دیں بنا کرد — آں مسجدے کہ اسمش ہم گذاشت اعلیٰ

طاق ہست چوں سپہر نو طاقش بحسن خوبی — رودش چوں صبح باشد دیپ و فیض پیرا

زردہ نشان زمروہ آں صفۂ صفا نیز — محراب دلکش او آئینہ دار لیلیٰ

مانند زر چو جویا گشتم برائے تاریخ

طاعت سرائے ثابت ہاتف نمود القا

مسجد کا نام غالباً مسجد اقصیٰ کی رعایت سے مسجد اعلیٰ رکھا گیا۔ اس مسجد کی بنیاد ۱۲۰۲ھ میں رکھی گئی۔ مسجد اعلیٰ میں جس بات کو دیکھ کر اس زمانہ کے مسلمان کے دل میں بھی اس دینی حرارت کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے۔ جس کے امین قرون اولیٰ کے مسلمان تھے۔ وہ سلطان کے اس مجاہدانہ ایمان کا مظاہرہ ہے۔ یعنے مسجد میں چار کتبے لگے ہوئے ہیں۔ جن میں ایک اسمائے حسنےٰ اور دوسرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے نام ہیں۔ شمالی دیوار پر جو کتبہ ہے وہ احکام جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں ہے

کتبہ

قولہ تعالیٰ وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب

من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون

کتبہ

عن ابی هریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الناس رفیع القریش فی هذا الشان مسلمهم تتبع والمسلمهم وکافرهم تتبع الکافرهم متفق علیہ۔ روایت است از ابی هریرہ کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود۔ جمیع مردم تابع قریش را دریں شان مسلمان تابع اند مسلمانان قریش را وکافران تابع اند کافران ایشان را متفق علیہ وتصیبو علیهم الجابیق کما نصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الطاریف وحرقوا نہ علیہ الصلوۃ والسلام احرق البویرۃ قال وارسلوا علیهم الماء وقطعوا اشجارهم وافسدوا زروعهم لان فی ذالک کسر شوکتهم وتفرق جمعهم فیکون مشروعا وبا بر دارید بر مشرکان ونیز تفنگ ودرخش چنانکہ بر پا داشتہ بود برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برطائف وبسوزید آنہا زیراکہ علیہ الصلوۃ والسلام بسوخت بویرۃ را وارسال نمائید برآں کافران آب را وببرید درختہائے ایشان را وتباہ سازید کشت وکار ایشان را زیراکہ تحقیق۔ درین شکست شوکت انہا است و پراگندگی جمعیت ایشان پس درشریع این ہمہ امور روا است۔ من احب اخاہ فلیعلم ایاہ یعنی شخصیکہ دوست دارد برادر مومن خود را۔ پس آگاہ نماید اورا۔ کسے کہ اعانت جنگ کفار بکند درسپہ بنفسہ یعنے خود شریک شود بامال یا باسلاح جنگ پس اگر معلوم شود از دلیل ورغبت۔ بطرف دین کفار پس او ولد کفار است اگر معلوم نشود رغبت پس قیدی کردہ شود۔ تعزیر می شود

وتاسرون فریقاً واورثکم ارضهم ودیارهم واموالهم
ارضا لم تطؤها وکان الله علی کل شئ قدیرا۔

بعد از فرار کفار حکم شد کہ بحرب بنی قریظہ روند کہ عہد شکستہ مددگارے
احزاب بودند. لشکر اسلام ایشان را پانزدہ شبانروز محاصرہ کردند، وکار بر
ایشان تنگ شد و بر حکم سعد بن معاذ فرود آمدند. وسعد حکم کرد کہ مردان
ایشان را بکشند و کودکان ایشان را بردہ گیرند. واموال ایشان را مسلمانان
قسمت کنند. حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ اے سعد معاذ حکم کردی کہ
خدائے تعالیٰ بر بالائے ہفت آسمان حکم کردہ وحق سبحانہ ازیں واقعہ خبر میدہد
و فرود آورد خدائے آنان را کہ یاری دادہ اند احزاب را وہم پشت ایشان
گشتند از اہل توریت. یعنی یہود قریظہ را فرود آورد. از قلعہائے ایشان افگند
در دلہائے ایشان. ترس از پیغمبر و لشکر او گروہے را کشتید نہصد تن کشتند
یا ہفتصد تن و بردہ میگیرید گروہی را یعنی فرزندان و زنان ایشان را. و
میراث داد شمارا زمین ایشان یعنی مزارع وحدائق و سراہائے ایشان یعنی حصون
و قلاع و مالہائے ایشان از نقود و امتعہ و مواشی و بشما داد زمین را کہ
ندرسیدہ اید آں یا مالک آں نشدہ اید و مراد خیبر است یا دیار روم یا ممالک
فارس و گفتہ آید ہر زمین کہ بحوزہ اسلام درآید. تا قیامت دریں داخل
است وہست خدائے بر ہمہ چیز قادر و توانا۔

اور جنوبی دیوار پر غزواتِ پیغمبرؐ کے متعلق احادیث مکتوب ہیں۔ کتبہ ذیل میں
دیا جاتا ہے:-

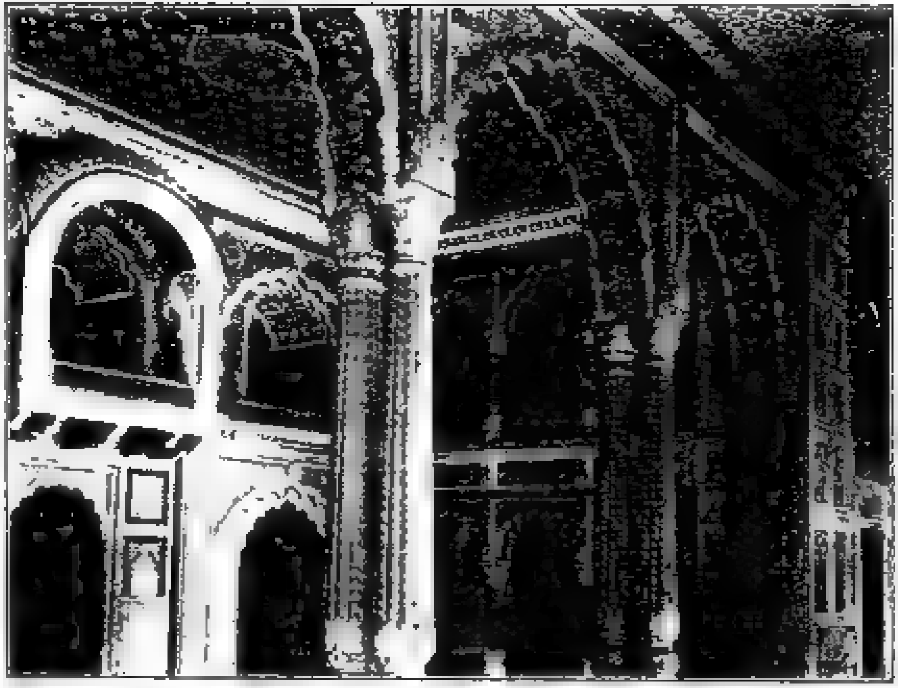

سرنگاپٹم۔ دریا دولت باغ

تمام ہندوستان کی مسجدوں میں پھر جائیے. کیا شہنشاہوں کی بنائی ہوی اور کیا عوام کی، کیا اسلامی عہد کی اور کیا محکومی کے زمانے کی. سوائے "مسجد اعلےٰ" کے آپ کسی میں یہ بات نہ پائیں گے. شاہجہاں کی مسجدوں میں آیہ لمسجد اسس علی التقوی من اول حق ان تقوم فیہ الخ پڑھکر بے شک دل خوش ہوا کرتا ہے. کہ اتنی عظیم الشان بناؤں کو تعمیر کرتے وقت شاہجہاں کے دل سے مسجد نبوی کا احترام نہیں گیا. مگر "مسجد اعلیٰ" کو دیکھ کر شاہ جہاں کی مسجدوں کی خصوصیت بھی اتنی اہم نہ رہ گئی۔

مسجد کے صحن میں چند قبریں بنی ہوی ہیں. یہ سلطنتِ خداداد کے زوال کے بعد کی ہیں۔

دریا دولت باغ

یہ محل سلطان کا ایوان عام ہے جو دریا دولت کے نام سے مشہور ہے. دریا دولت دریائے کاویری کے شمالی شاخ سے کوئی دو سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے. عدل و انصاف اور سلطنت کے انتظامی امور کا فیصلہ سلطان اسی ایوان میں بیٹھکر فرماتا تھا. عمارت عظیم الشان ہے اور دو منزلہ ہے. دوسری منزل کے ایک کشادہ جھروکے میں جس کے نیچے ایک وسیع ہال ہے. اس میں سلطان کی نشست گاہ تھی. سامنے برآمدہ ہے. جس میں اعیانِ دولت و وزرا کی نشستیں تھیں۔

دریا دولت کی اندرونی اور بیرونی تمام دیواریں اور ستون اور چاندنی پر تمام طلائی نقوش ہیں. اسکی دیواروں پر چند نہایت ہی معنی خیز تصاویر ہیں. جو فن مصوری کا لاجواب نمونہ ہیں. ان میں بعض تو سلطان کے وقت کی ہیں. اور بعض کرنل آرتھر ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کی بنائی ہوئی ہیں. ان میں مغربی دیوار پر جو تصاویر ہیں. ان میں ہندوستان کے

اس وقت کے امراء و وزراء اور انکی طرز معاشرت کو دکھایا گیا ہے۔ ان میں نانا فرنویس پیشوا کے پرنا، محمد علی والا جاہ، نظام الملک، بالیا بنو، نواب کرپہ اور نواب شاہنواز وغیرہ کی تصاویر ہیں۔

مشرقی دیوار پر جو تصاویر ہیں۔ ان میں داہنی جانب دو ہیں اور بائیں جانب دو۔ داہنی جانب جو دو تصاویر ہیں۔ ان میں اوپر والی تصویر میں بتلایا گیا ہے۔ کہ حیدرآباد کی فوج واپس جا رہی ہے۔ ہاتھیوں کی دو قطاریں ہیں۔ جن کی عماریاں خالی ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ نظام الملک کو کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ گھوڑے کے نیچے ایک گائے اور سؤر کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ جس سے مقصود شاید دوستی اور دشمنی کا نظارہ دکھانا ہے۔ غالباً یہ تصویر اس وقت کا سماں کھینچ رہی ہے۔ کہ انگریزوں سے نواب حیدر علی کی پہلی جنگ کے بعد حیدرآباد اور حیدر علی میں دوستی ہوئی تھی۔ مگر حیدرآباد پھر حیدر علی کا مخالف بن گیا۔ اس تصویر کے متعلق عام طور پر میسور میں یہی مشہور ہے۔ نیچے کی تصویر میں جنگ پولی لور کا نقشہ اور بیلی کی شکست کا نظارہ بتلایا گیا ہے۔ کرنل بیلی ایک پالکی میں اسیر بیٹھا ہے۔ بازو میں موسیو لالی فرنچ افسر ہے۔ جو نواب حیدر علی کی ملازمت میں تھا۔ اسکے چہرے سے اس کامیابی کی خوشی برس رہی ہے کرنل بیلی اس شکست سے متحیر ہو کر انگشت بدنداں ہے۔

بائیں جانب جو دو تصاویر ہیں۔ ان میں اوپر کی تصویر میں نواب حیدر علی کا شاہانہ جلوس دکھایا گیا ہے۔ اور نیچے کی تصویر میں اس سازش کا پورا پورا حال کھولا گیا ہے۔ جو سلطنت خداداد کی بربادی اور سلطان کی شہادت پر منتہی ہوئی۔ اس تصویر میں یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ سلطان گھوڑے پر سوار ہے۔ اور سامنے میر صادق آداب بجالاتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ سلطان یہی ہے اس کو شہید کر دیں۔ اور سلطان

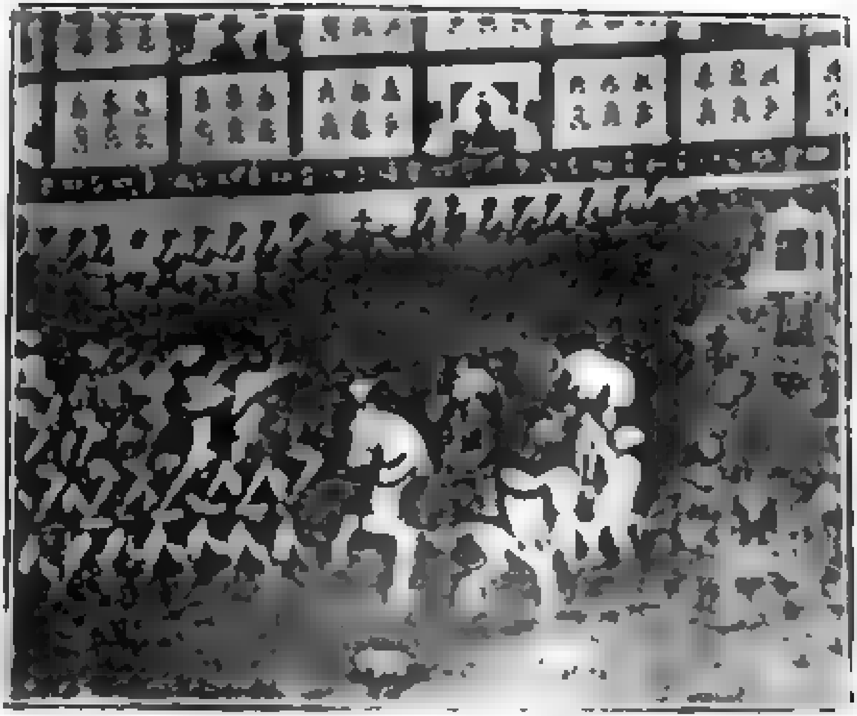

دوستی اور دشمنی   مصیادوت باب کی ایک تصویر کا عکس

کی پشت کی جانب بھی کسی غدار کو گھوڑے پر سوار بتلایا گیا ہے۔ اور وہ منہ پھیر کر ہاتھ سے انگریزی فوج کو بتلا رہا ہے کہ یہی سلطان ہے۔ تیسری طرف بھی کسی اور کی جانب سے اسی قسم کا اشارہ ہو رہا ہے۔ یہ تصویر مسلمان کی نہیں بلکہ ایک ہندو کی ہے۔ جو غالباً پورنیا مراد ہے سلطان کے دوسرے امراء وزراء سلطان کا منہ تک رہے ہیں۔ یا انگریزی فوج کی طرف حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ سلطان کے داہنے بازو گھوڑے پر میر قمرالدین کو بوجہ سید ہونے کے سبز لباس میں دکھایا گیا ہے۔

ان تمام اشارات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سلطان کی نقل و حرکت کا رتی رتی بھر پتہ ان غداروں نے انگریزی فوج کو دیا تھا۔ تین طرف سے جو اشارات بتلائے گئے ہیں۔ اس سے مقصود سلطان کا اخیر وقت میں انگریزی فوج میں گھر جانا ہے۔ اور حقیقت میں سلطان تین طرف سے گھر گیا تھا۔ (یہ تصویر کرنل آرتھر ولزلی نے کھنچوائی تھی)

اس محل میں لارڈ ڈلہوزی کا ایک فرمان رکھا ہوا ہے۔ جس میں اس نے اس عمارت اور سرنگاپٹم کے دوسرے عمارات کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور ایک فریم میں سرنگاپٹم کا نقشہ دیا گیا ہے۔ جس پر سلطان کے دستخط کا عکس دیا گیا ہے۔ اسی محل میں ڈیوک آف ولنگٹن دو سال رہا اور وہ لکھتا ہے کہ:۔

"جنتِ ارضی یہیں ہے"

مسٹر ریس سیاح جس نے ایران اور ہندوستان میں کثرت سے سیاحی کی ہے۔ لکھتا ہے :۔

"مجھے سرنگاپٹم میں دریا دولت باغ دیکھ کر اصفہان کے محل یاد آ گئے۔ اس محل کا نقش و نگار جو اس کے ایک ایک انچ پر کیا ہوا ہے۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ تمام ہندوستان میں اس قدر منقش و دلفریب عمارت اور کوئی نہیں ہے"

گنبدِ اعلیٰ

ادب ہے شرط تجھے اس مقامِ عبرت پر
بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر

دریا دولت سے مشرقی سمت گنجام سے گذرتے ہی شہید کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ سلطان کا اپنا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ مقبرہ کے اندر سبزی رنگ بھیرا ہوا ہے۔ اسکے اندر نواب حیدر علیخان بہادر اور سلطان کی والدۂ ماجدہ کے مزار ہیں۔ خدا کی شان کہ اپنے والد اور والدہ کا مزار بناتے وقت سلطان کو اپنی موت کا بھی خیال رہا۔

مقبرہ کے اندر صرف تین قبروں کی ہی گنجایش ہے۔ جس میں دو قبریں تو پہلے تھیں اور تیسری قبر سلطان کیلئے ہی خالی رہی۔ مقبرہ کی عمارت سطوت و جلال کا عبرت افزا منظر ہے چاروں طرف برآمدہ سیاہ مرمر کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ جنوبی برآمدہ میں نزدیک کے اعزا و اقربا کی قبریں ہیں۔ عمارت مقبرہ کے صحن میں سلطان کے کئی عزیز و اقارب اور دیگر اعیانِ سلطنت کی قبریں ہیں۔ مقبرہ کے باہر مغربی دروازے پر چوکھٹ کے دائیں بائیں تاریخیں لگی ہیں۔ یہ تاریخیں سید شیخ الجعفری میر حسین علی کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ۱۲۱۳ھ میں سید عبدالقادر کے بنائے ہوئے ہیں۔

ٹیپو سلطان شہید شد ناگاہ	جان خود داد فی سبیل اللہ
ز ذی قعدہ بست و ہشتم آں	کہ شدہ روز شنبہ عصر عیاں
ہفت ساعت ز صبح بگزشتہ	خوں ز دیوار و در رواں گشتہ
زیست پنجاہ سال با اقبال	بادشاہِ نمود ہفت دو سال

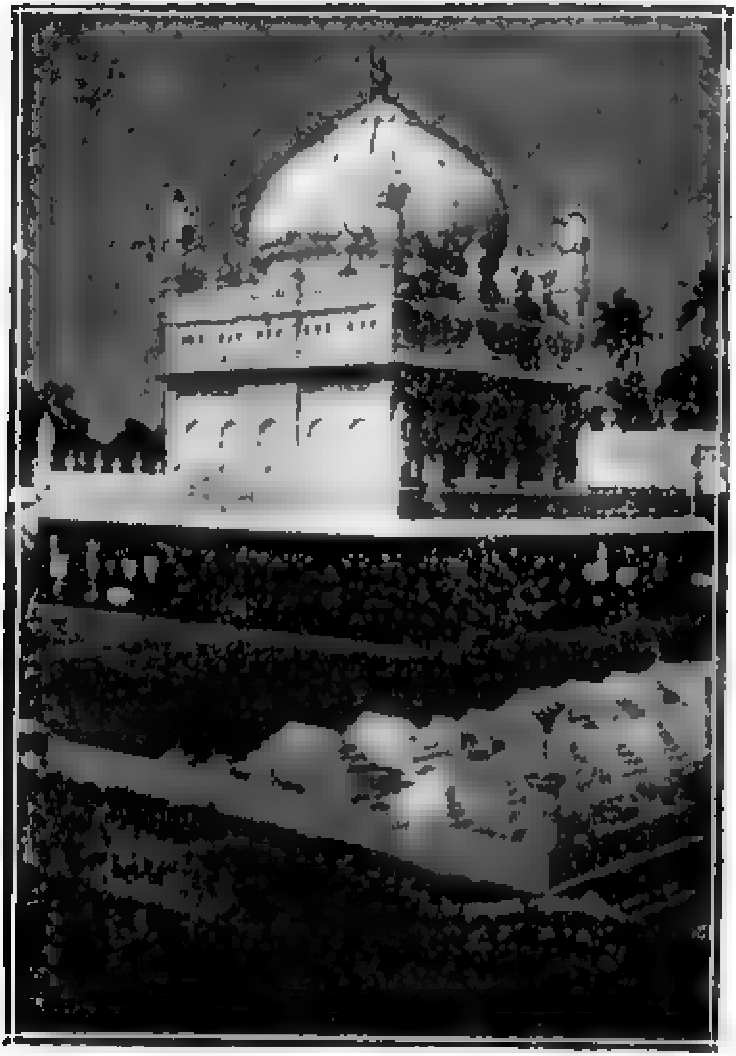

سرنگاپٹم۔ گنبد اور مسجد اقصیٰ

داشت در دل ہمیشہ عزم جہاد — گشتہ آخر شہید حسب مراد

آہ تاراجیؔ مکین و مکان — خوں جگر تپید لے زمین و زماں

چل غم او بجز دو کل دیدم — سال ماتم ز درد پرسیدم

گفت ہاتف زنیم آہ بہ گفت — نورِ اسلام و دیں ز دنیا رفت

اوراس مصرعہ سے بھی وہی تاریخ نکلتی ہے :- عاشقِ دین پیشہ زمانہ برفت

شاہ ما چوں بملک برتر شد — حاضرِ مجلسِ پیمبر شد

روح قدسی بعرش گفت کہ آہ — نسلِ حیدر شہید اکبر شد

اور ایک قطعہ بھی لگا ہوا ہے۔ جس کا تاریخی مصرعہ یہ ہے :-

ع۔ یکے زاں میاں گفت "شمشیر گم شد"

لیکن ان تاریخوں میں سب سے زیادہ معنی خیز تاریخ وہ ہے۔ جو عربی میں لکھی ہوئی ہے :-

ان اخذت مصر کما قد ذکروا

وسریج فنتن اخذت دربہا

مصیبۃ ما مثلہا ارختہا

ذھب عز الروم والھند کلہا — ۱۲۱۳ھ

سنہ ۱۷۹۹ء یا سنہ ۱۲۱۳ھ دنیائے اسلام کیلئے ایک منحوس سال ہے۔ جس میں سلطان کی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا تمام اسلامی اقتدار اور ہندوستان کی آزادی کا خاتمہ ہوا۔ اسی سال سلطنت ترکی کی بحری طاقت کا بھی خاتمہ ہوا۔ جس سے یوروپ میں ترکی کی وقعت گھٹ گئی۔ اور مشرق و مغرب دونوں میں مسلمانوں کی رہی سہی طاقت و عظمت اسی سال برباد ہو گئی۔

مقبرہ کے اندر مشرقی دروازے سے داخل ہوتے ہی پہلی قبر سلطان کی والدۂ ماجدہ کی ہے۔ اور دوسری عین جنوبی دروازے کے مقابل نواب حیدر علی خانؒ بہادر کی ہے اور تیسری بیچ مغربی دروازے کے مقابل سلطان شہیدؒ کی ہے۔ جس کی تعریف میں اس وقت کے ایک شاعر نے لکھا تھا۔

خدیو جہانگیر کشور کشا — کہ تیغش ظفر را بود متکا
فلک بندۂ شوکت و شان او — قضا گوئے چوگان فرمان او
شود عارض قہرش از تابناک — زند شعلہ جوش از سمک تا سماک
دگر لطفش آردمی روئے کار — شود در دل سنگ قطرہ شرار
بعہدش نشد فتنہ گاہے دلیر — کہ در چشم خوباں شود گوشہ گیر
وہم سشمع چوں نعمت عام او — کہ دریاست یک قطرہ انعام او
نہ پیشش کند لابہ ہا چرخ پیر — چو روباہ کہ افتد بچنگال شیر
چو گیرا نسب از عارسان ورش — رسیدہ ز رفعت بگردوں سرش

سعادت ز خاک درش وام کرد
بسعدی فلک مشتری نام کرد

آہ! یہ وہ مزارات ہیں۔ جہاں انوار الٰہی برس رہے ہیں۔ جہاں آسمان سے ہر صبح و شام رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ سلطان شہید کے مزار پر سرخ غلاف پڑا ہوا ہے۔ جو شہادت کا نشان ہے۔ نشانات شاہی رکھے ہوئے ہیں۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ابھی تک غزوات جہاد میں مصروف ہے۔ اور یہ اس کا ایک گہوارہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی جاہ و جلال کی آخری نشانی اسی سرخ غلاف کے نیچے پنہاں

مقبرہ کے چاروں دروازوں کی سیاہ لکڑی کے کواڑوں میں ہاتھی دانت کا کام وبنت کاری کی ہوئی ہے۔ یہ دروازے لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند نے سلطانی عظمت و وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے عطیہ دئے تھے۔ لارڈ ڈلہوزی نے آثار قدیمہ کو برقرار رکھنے کیلئے بہت سے عمدہ کام کئے۔ اس کے بعد لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہوکر آیا۔ جس کے زمانہ میں بغاوت ہند ہوی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں کی طرز حکمرانی کو دیکھتے ہوئے سلطنت انگلستان نے مناسب سمجھا کہ سلطنت ہندوستان کی زمام اپنے ہاتھ میں لیلے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت ہند تاج برطانیہ کو منتقل ہوگئی۔

مقبرہ کے چبوترے سے لگی ہوی مغرب میں مسجد اعلیٰ ہے۔ جس پر ہری رنگ پھرا ہوا تھا۔ اب بالکل سادہ ہے۔

گنبد کے برآمدہ میں اور چبوترہ پر بہت سی قبریں ہیں جن میں کسی کسی پر کتبہ ہے اور کسی قبر پر سیاہ رنگ سے نام لکھ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ یہ نام مٹ جائیں۔ اس لئے یہاں چبوترہ کا نقشہ دیکر تشریح کردی گئی ہے۔ تشریح میں جو نمبر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس قطار میں سلسلہ وار وہ اسی نمبر کی قبر ہے۔

(نوٹ :- جن قبروں پر کتبے یا نام نہیں ہیں۔ وہ چھوڑدئے گئے ہیں۔

گنبد اعلیٰ کے اندر تین مزارات ہیں

ان میں جانب مشرق والدہ ٹیپو سلطان کا مزار ہے۔ درمیان میں نواب حیدرعلی کا مزار ہے۔ اور تیسرا ٹیپو سلطان شہیدؒ کا ہے۔

گنبد کے جنوبی برآمدے میں

مشرق سے جانب مغرب :- (۱) سلطان بیگم صاحبہ ہمشیرہ سلطان شہیدؒ

ہے سلطان گو اس دنیا میں نہیں رہا۔ مگر اس کا جاہ و جلال اور اس کی عزت اور اس کا احترام اب بھی دلوں میں اسی طرح جاگزیں ہے۔ اور کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ اس آستانے پر بادشاہوں امیروں اور گداؤں کے سر بہ تعظیم خم نہ ہوتے ہوں۔

مقبرہ کے اندر داخل ہوتے ہی سلطانی ہیبت و جلال کے نظارے کے ساتھ ہی سلطنت خداداد کا نقشہ، دارالسلطنت کا موجودہ عبرت ناک منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

گنبد کے چاروں طرف چار دروازے ہیں۔ چوکھٹوں پر نواب حیدر علی یا سلطان شہید کے متعلق قطعات لکھے ہوئے ہیں۔ مغربی دروازے کی چوکھٹ پر جو رباعی لکھی ہوئی ہے وہ یہ ہے:۔

از فاطمہؓ زوجۂ علیؓ شیر خدا ۔۔۔ شد سبط نبیؐ سید شہدا پیدا

ایں فاطمہؒ زاد از علیؒ حیدر ۔۔۔ ٹیپوؒ سلطان کہ گشت شاہ شہدا

جنوبی دروازے کی چوکھٹ پر یہ رباعی کندہ ہے:۔

در ملک حجاز از علیؓ حیدرؓ ۔۔۔ مفتوح شدہ ہفت قلاع خیبر

زیں حیدرؒ دکنی دو دل کرنا ملک ۔۔۔ گشتند مطیع یک خدیو کشور

مشرقی دروازے کی پیشانی پر ذیل کی رباعی ہے:۔

آں شہید کربلا سبط نبیؐ ۔۔۔ لخت جگر فاطمہؓ و جان علیؓ

از فاطمہؒ و حیدرؒ دکنی ٹیپوؒ ۔۔۔ سلطان شہیداں شدہ از جان ولی

شمالی دروازے کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے:۔

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے ۔۔۔ بدیں جانباز سلطانی کہ آمد شد چو مہمانے

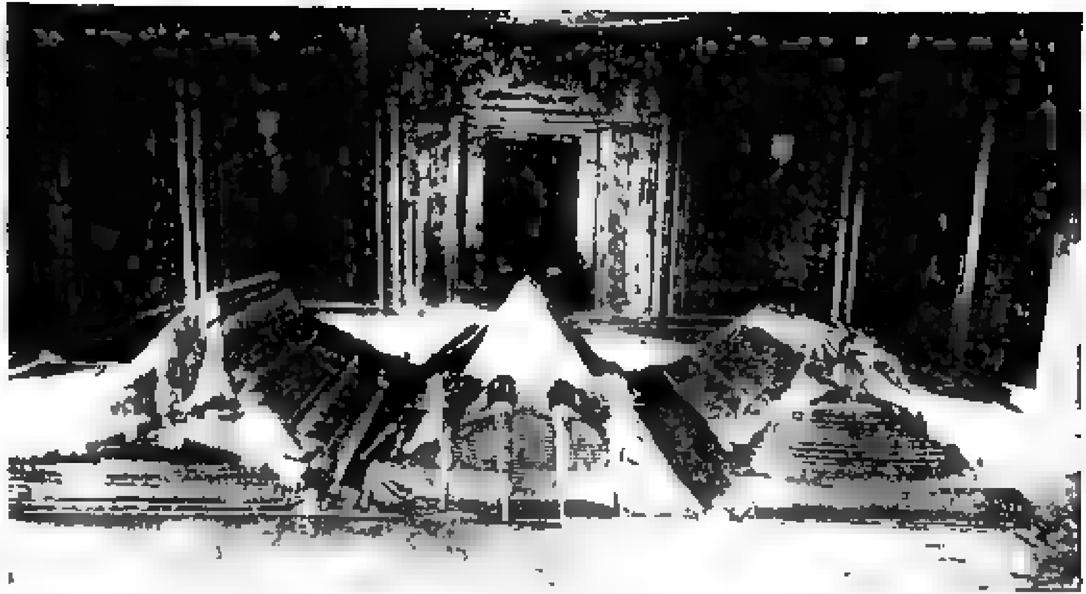

گنبدِ اعلیٰ میں مزارات

بائیں جانب ٹیپو سلطان شہیدؒ۔ درمیانی، نواب حیدر علیؒ۔ دائیں جانب، والدۂ ٹیپو سلطانؒ

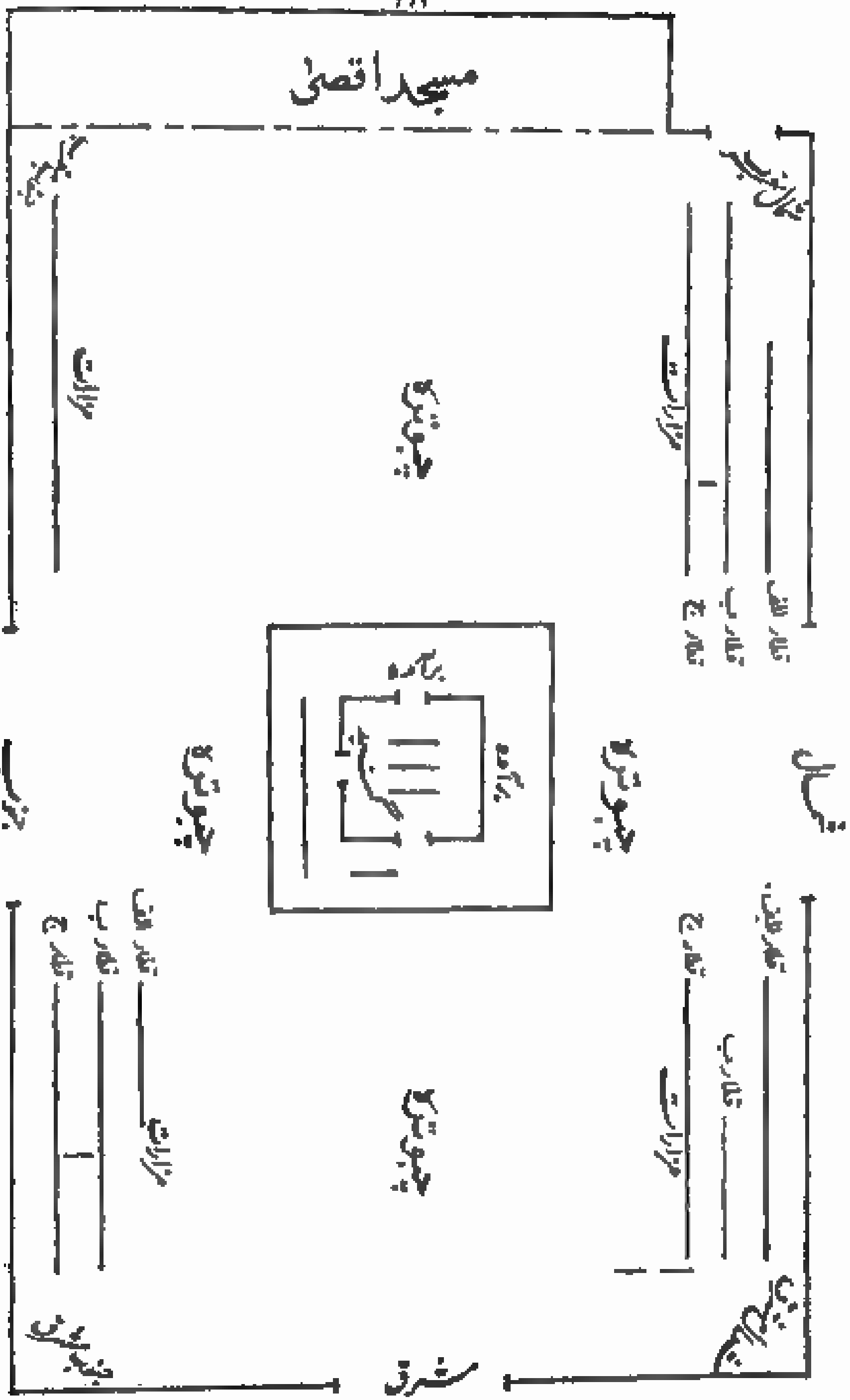
مسجد اقصیٰ
مشرق

۲ ۔ شاہزادی فاطمہ بیگم صاحبہ (دختر سلطان شہیدؒ)

۳ ۔ شاہزادی بیگم (صبیۂ سلطان شہیدؒ)

۴ ۔ نواب سید شہباز صاحب (داماد سلطان شہیدؒ)

۵ ۔ محل نواب میر محمود علی خاں

۶ ۔ نواب میر محمود علی خاں

۷ ۔ والدۂ نواب میر محمود علی خاں

} یہ تینوں قبریں زوال سلطنت کے بعد کی ہیں

مشرقی برآمدہ میں

سنگ سیاہ کا ایک مزار ہے ۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ مدینہ بیگم کا مزار ہے جو سلطان کی دایہ تھیں ۔

چبوترہ پر

شمال مغربی کونے پر جو مسجد اقصیٰ سے لگا ہوا ہے

یہاں مزارات کی تین قطاریں ہیں ۔ ان میں پہلی قطار جس پر نقشہ میں الف کا نشان دیا گیا ہے ۔ اس میں جملہ نو قبریں ہیں ۔ ان نو قبروں میں دو زنانہ قبریں ہیں ۔ باقی چھ مردانہ ہیں ایک جو سطح چبوترہ کے برابر ہے ۔ معلوم نہیں کہ زنانہ قبر ہے یا مردانہ ۔ اس قطار میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے ۔

دوسری قطار (ب)

اس قطار میں چودہ قبریں ہیں ۔ زنانہ چھ اور مردانہ آٹھ ۔

(تفصیل جانب مغرب سے)

۲ ۔ بانوے سلطنت "رقیہ بانو" ملکہ سلطان شہید ۔ اس مزار کے سرہانے یہ کتبہ

دوسری اور تیسری قطار کے درمیان ایک زنانہ قبر ہے جو معلوم نہیں کس کی ہے۔

(نوٹ :۔ کتبے بالکل معمولی پتھر کے ہیں۔ جو صاف بھی نہیں کئے گئے اور خط بھی بالکل معمولی ہے معلوم ہوتا ہے کہ زوال سلطنت کے بعد یہ پتھر لگائے گئے ہیں۔)

چبوترہ کے شمال مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

بارہ قبریں ہیں۔ نوؔ زنانہ اور دوؔ مردانہ اور ایک سطح زمین کے برابر ہے۔ ان قبروں میں مشرقی جانب سے دوسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :۔

"تاریخ وفات حبیب صاحبہ والدۂ قادر میاں صاحب مرحوم
بیست وہفتم ۲۷ صفر روز آخر چہارشنبہ"

دوسری قطار (ب)

تین قبریں ہیں ایک زنانہ اور دو مردانہ

تیسری قطار (ج)

تیرہ قبریں ہیں۔ ان میں ۸ زنانہ اور ۵ مردانہ ہیں۔ تیسری قطار کے نیچے اور دو قبریں ایک کے نیچے ایک بنی ہوئی ہیں۔ ان میں جنوب کی قبر زنانہ ہے۔

چبوترہ کے جنوب مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

اس میں پانچ قبریں ہیں۔ دو مردانہ اور تین سطح زمین کے برابر ہیں۔

مغرب سے جانب مشرق

۱ ۔ یہ کتبہ لگا ہوا ہے :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ تاریخ وفات مولوی محمد حبیب اللہ

لگا ہوا ہے :-

" رحلت ہمشیرہ برہان الدین شہید بتاریخ بیست و ہفتم ماہ رازی سال زبرجد ۱۲۱۹ھ محمد مطابق بیست و پنجم ماہ جمادی الثانی ۱۲۰۱ھ ہجری بہ شب یکشنبہ بوقت پنج گھڑی شب باقی ماندہ روح پاک پرواز کرد ۔ اسم رقیہ بی بی "

۴ ۔ برہان الدین شہید برادر نسبتی سلطان شہیدؒ و برادر بانوے سلطنت رقیہ بانو ملکۂ سلطان شہید ۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ ہے :-

" تاریخ شہادت برہان الدین مرحوم ۔ چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ محمد ۱۲۰۵ مطابق ششم ماہ حیدری سال ستا ۱۲۱۵ھ محمد "

۵ ۔ شاہزادہ نظام الدین ۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

" تاریخ وفات نظام الدین شاہزادہ مرحوم بیست و ششم ماہ صفر روز یکشنبہ ۱۲۰۲ھ ہجری مطابق بیست و ہشتم ماہ خسروی سال زبرجد ۱۲۱۹ھ محمد "

۶ ۔ اس قبر پر کوئی کتبہ وغیرہ نہیں ، لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ سلطان کی دوسری یا تیسری بیگم کی قبر ہے ۔

تیسری قطار

اس قطار میں ۱۴ چودہ قبریں ہیں ۔ ۱۰ دس زنانہ اور ۴ چار مردانہ ۔ ایک جو سطح زمین کے برابر ہے معلوم نہیں کہ مردانہ ہے یا زنانہ قبر (مغرب سے جانب مشرق)

۷ ۔ نواب محمد رضا علی خان شہیدؒ (بنگی نواب) نواب محمد رضا علی خان المعروف بہ بنگی نواب ، کورگ کی جنگ میں بتاریخ ۲۶ رماہ رمضان ۱۲۱۳ھ میں شہید ہوئے تھے ۔

۸ ۔ سکینہ بیگم بنت ابراہیم صاحب ۔

۱۰۔ کتبہ "تاریخ وفات میر محمد علی بیست ویکم ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۲ھ ہجری مطابق
بست وسیوم ماہ جعفری روز"

۱۱۔ کتبہ :۔ "تاریخ وفات امام وردی بیک"

جنوب مغربی کونے پر

یہاں صرف ایک قطار ہے۔ اس میں تیرہ قبریں ہیں۔ جن میں چار زنانہ اور باقی مردانہ ہیں۔ ان میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے

قلعہ کے اندر شمالی فصیل سے ملے ہوئے وہ تہ خانے ہیں۔ جنہیں تعصب سے ڈنجن کہا جاتا ہے اور مشہور یہ کیا جا رہا ہے کہ اس میں یوروپین قیدی محبوس تھے۔ یہ مکانات فصیل قلعہ میں زمین کھود کر بنائے گئے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ کے گارڈ کی سپاہیوں کے پہرہ بدلنے کی جگہ اور نشست گاہیں تھیں۔ ان میں دریں اور ہتھیار رکھنے کے بچان اب تک موجود ہیں۔ سامنے وسیع صحن ہے۔ جس میں سے روشنی اور ہوا کا کافی گذر ہے۔ اور تاریکی بالکل نہیں۔

مورخ تھامسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"سرنگاپٹم میں آوارہ لوگوں اور لڑکوں نے سیاحوں کو دھوکہ دینے کیلئے ان تہ خانوں کو ڈنجن یعنے قید خانے مشہور کر رکھا ہے"

حقیقت بھی یہی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ابھی حال میں اس جگہ گورنمنٹ کی جانب سے یہ تختہ لگایا گیا ہے کہ ان ڈنجنوں میں انگریزوں کو قید رکھا جاتا تھا۔

فصیل قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ میں وہ جگہ جس کو شگاف کہا جاتا ہے۔ اب بھی نظر آتی

دلِ گلشن و ماہ سہ شنبہ | پی ساز سفر آں گل شگفتہ
بجستم چوں خزاں سالش خرد آہ | حبیب اللہ بجنت رفت گفتہ"
١٢٢٤ ہجری ١٢٢٤

دوسری قطار (ب)

بارہ قبریں ہیں۔ ایک زنانہ، سات مردانہ۔ اور چار سطح زمین کے برابر ہیں۔ اس قطار میں مغرب سے جانب مشرق گیارہویں قبر پر یہ کتبہ ہے:۔

"قبر سید عبدالقادر"

تیسری قطار (ج)

اس قطار میں گیارہ قبریں ہیں۔ کل مردانہ۔ مغرب سے جانب مشرق تیسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

"چوں سپہدار جند ٹیپو سلطان شہید | زیں جہاں بگذشت و در ملک بقا منزل گزید
نام و تاریخ و نشان مرقدش جستم ز دل | با دل محزوں بگفت ایں تربت سید حمید"
١٢٠٦

٦۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت خواجہ آفتاب خاں، چہارم ماہ محرم روز چہارشنبہ ١٢٠٥ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شیا ١٢١٢ محمدی"

٧۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت محمد جہاں گیر سر عسکر، چہارم ماہ محرم روز چہارشنبہ ١٢٠٥ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شا ١٢١٢ محمدی"

٨۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت شیخ میراں سر عسکر چہارم ماہ محرم روز چہارشنبہ ١٢٠٥ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شا ١٢١٢ محمدی"

٩۔ کتبہ:۔ "تاریخ وفات ارشد بیگ خاں، ہجدہم ماہ صفر روز سہ شنبہ ١٢٠٣ ہجری مطابق بیستم ماہ دینی ١٢١٩ محمدی"

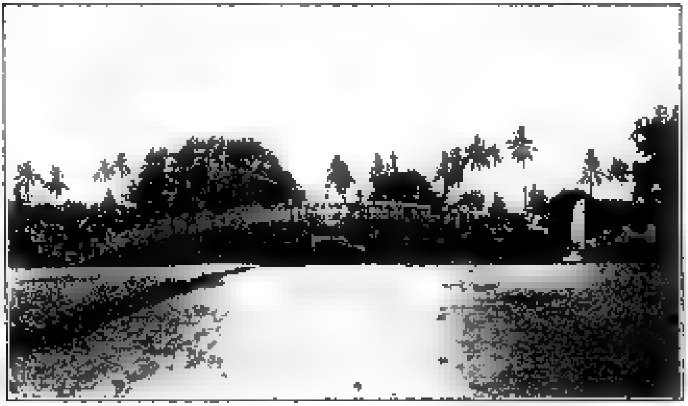

کمانِ لرزاں

دریا دولت باغ

ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ننگاف کی اصلیت کہاں تک ہے۔ اس جگہ اب ایک مینار بطور یادگار فتح تعمیر کر دیا گیا ہے۔ جس پر تمام انگریزی مقتولین کے نام کندہ ہیں جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ان تمام مقتولین کو اس جگہ دفن کیا گیا ہے۔ جو اب انگریزی سمٹری کہلاتی ہے۔ اس کے بازو ہی اسکاٹ کا باغ ہے۔ جس میں میر معین الدین کی کوٹھی تھی اور اب اس کی قبر ہے اور اس سے شمال میں پورنیا کا باغ ہے۔

ننگاف پر کھڑے ہو کر اگر جنوب مغرب میں دیکھا جائے تو دریا کے اس پار وہ گنجان باغ ہے۔ جس میں انگریزی فوج چھپی ہوئی تھی۔ اس کا نشان قائم رکھنے کے لئے اس جگہ دو توپ الٹی نصب کی گئی ہیں۔

اس باغ کو ننگاف پر کھڑے ہو کر دیکھتے ہوئے اگر آپ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کے خونیں ہنگامہ کا تصور کریں تو معلوم ہوگا کہ انگریزی فوج باغ سے نکل کر اسی جگہ سے چڑھ کر قلعہ پر قابض ہوئی تھی۔ آپ کے بائیں وہ جنوبی فصیل ہے جس پر پورنیا اور میر معین الدین کی غداری کی وجہ سے بالکل مدافعت نہیں ہوئی اور آپ کے دائیں جانب جو فصیل ہے وہ شمالی فصیل ہے جہاں دہلی دروازہ سے لے کر مشہد سلطانی تک ایک ایک انچ پر شہیدانِ وطن کا خون بیٹھا ہوا ہے۔ فاصلہ اگر دیکھا جائے تو نصف میل سے بھی کم ہے۔ اور اس کے ساتھ فصیل کی چوڑائی پر نظر کرتے ہوئے بارہ ہزار مقتولین کی تعداد دیکھی جائے تو کچھ ہلکا سا تصور ہو سکتا ہے کہ اس فصیل پر کس طرح کی قیامت خیز جنگ ہوئی ہوگی (انگریزوں نے کل مقتولین جنگ کی تعداد ساڑھے چھ ہزار بتلائی ہے۔ جس میں ڈیڑھ ہزار انگریزی فوج کی تعداد بھی شامل ہے) اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو جنگ کی شدت میں فرق نہیں آتا۔ اس قدر مقتولین کی تعداد سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب پورنیا کی غداری سے فوج

نہتی ہوگئی۔ اور اس کو معلوم ہوا کہ غداری ہوئی ہے تو وہ اپنے محبوب سلطان کو بچانے کے لئے بغیر ہتھیار اسی طرح آکر جنگ میں شریک ہوگئی اور یہی وجہ ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں پانچ گھنٹوں کے اندر اندر اس قدر لوگ مقتول ہوئے۔ ورنہ اگر ہتھیار ہوتے تو ممکن تھا کہ جنگ کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ یا کم از کم انگریزی مقتولین کی تعداد اس قدر کم نہ ہوتی۔

(نوٹ :۔ شمالی فصیل کی رزمگاہ کو واضح کرنے کیلئے علیٰحدہ نقشہ دیا گیا ہے۔)

سرنگاپٹم میں اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں۔ البتہ قلعہ اور اس کے اندر ٹوٹے پھوٹے فوجی میگزین اور ہسپتال وغیرہ ہیں۔ اور سری رنگا سوامی کا مندر اور راجہ میسور کا محل ہے اور اسی کے مقابل جنوب میں ایک کمان ہے جو فن تعمیر کا لاثانی نمونہ ہے۔ یہ کمان جب کوئی چڑھکر ہلاتا ہے تو ہلتی ہے۔ قلعہ کے شمال مشرق یعنے دلی دروازے کے عین مقابل دریائے کاویری پر سلطان ایک عالیشان پل باندھنا چاہتا تھا۔ جس کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اس پل کو تعمیر کرنے کیلئے ایک فرنچ انجنیئر ڈی ہیولنڈ نامی مقرر کیا گیا تھا۔ مگر سلطنت خداداد کے اچانک خاتمہ کی وجہ پل کے پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ سلطنت کے خاتمہ کے بعد انجنیئر نے اپنا ہنر دکھلانے کیلئے اس کو ۱۸۰۸ء میں بنایا تھا۔ اس کمان کا درمیانی عرض ۱۱۲ قدم ہے۔

(نوٹ :۔ یہ کمان ۱۹۳۶ء میں منہدم ہوگئی۔ محمود)

قلعہ سے باہر گنجام کے راستہ میں عید گاہ کے قریب ایک مینار ہے جس پر ۱۷۹۲ء کی جنگ کے انگریزی مقتولین کے نام کندہ ہیں۔ اس سے اور آگے جانب جنوب لنگڑے غلام علی کا مقبرہ ہے۔ گنجام میں دریائے کاویری کے کنارے ایک کھیت میں ایک شکستہ مقبرہ ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مبلغ اسلام کا مزار ہے۔ یہ بزرگ شہنشاہ دہلی علاؤالدین کے عہد

میں (غالباً ۱۳۱۰ھ میں) تبلیغ اسلام کیلئے آئے ہوئے تھے۔ تعجب ہے کہ اس زمانہ میں جب اس جگہ ایک مسلمان تک نہیں تھا۔ بلکہ باشندے اسلام کے نام سے تک ناآشنا تھے۔ اور رسل و رسائل اور حمل و نقل کے ذرائع بالکل مفقود تھے۔ اور سفر درحقیقت سقر کا نمونہ تھا۔ سرفروشان اسلام کس عالی حوصلگی کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے سختیاں جھیلکر تبلیغ اسلام کے لئے آتے تھے۔

گذشتہ سطور میں جن عمارات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ انکے علاوہ سرنگاپٹم میں اور کچھ باقی نہیں ہے۔ شاہی باغات بھی جو اس زمانے میں ہر قسم کے درختوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان میں بھی کچھ باقی نہیں رہا۔ موجودہ وقت سرنگاپٹم اور گنجام کی آبادی تقریباً سات ہزار ہے۔ آہ! یہ ہے وہ سرنگاپٹم جہاں مسلمانوں کی قسمت کا ڈرامہ چالیس سال تک کھیلا گیا۔ جس قدر کامیابیوں کے بعد ناکامیابیاں اور امیدوں کے بعد مایوسیاں اس شہر نے ایک قلیل عرصہ میں دیکھیں وہ نہایت عبرت انگیز ہیں۔

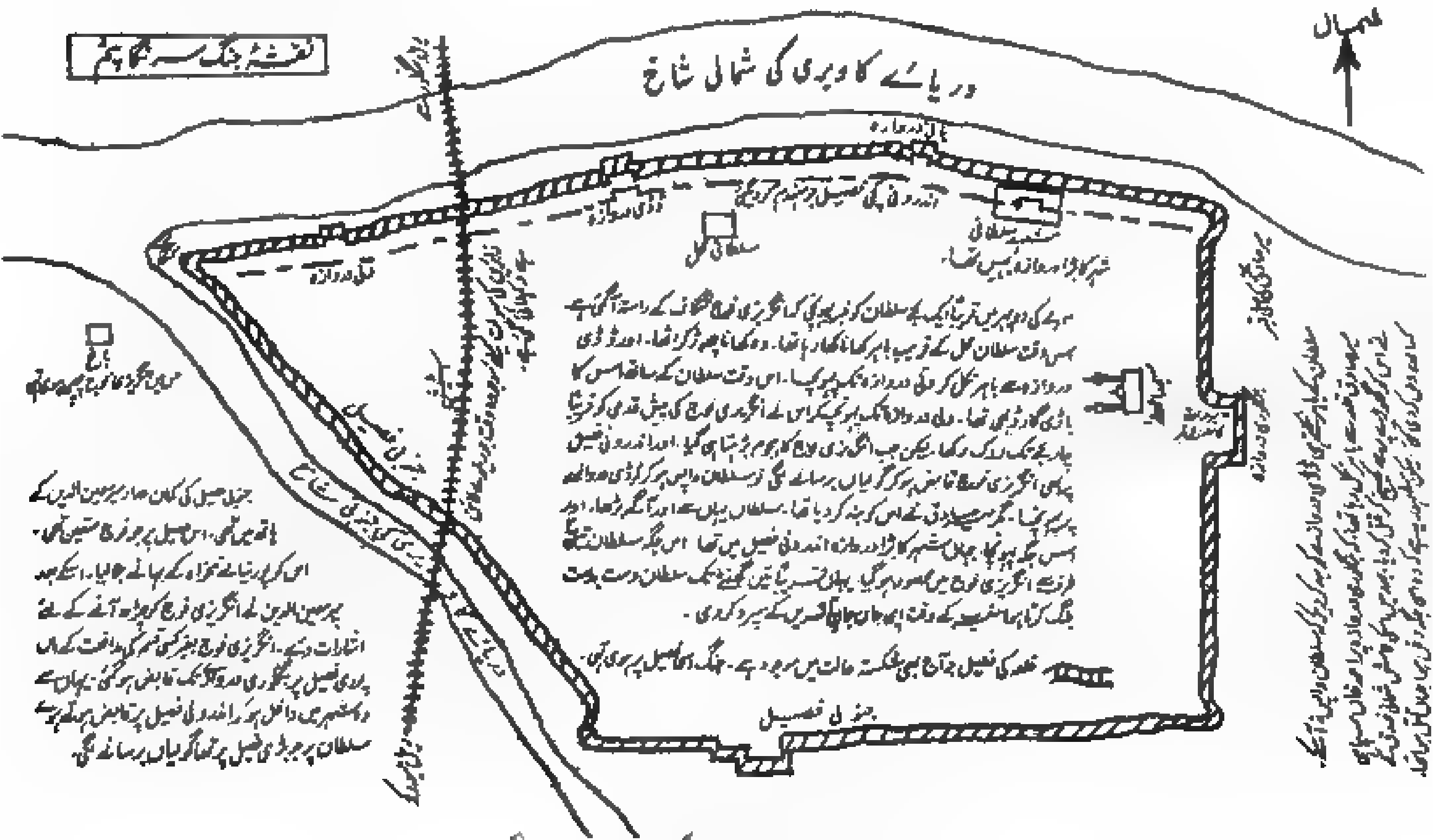

نقشۂ جنگ سرنگاپٹم
دریائے کاویری کی شمالی شاخ
شمال
جنوبی فصیل

نواب حیدر علی کا عرس ذی الحجہ کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اسکے جلو کیلئے صرف پیادہ سپاہی آتے ہیں، سوار نہیں مہیا کئے جاتے۔ اس عرس پر بھی ایک سو اسی (۱۸۰) روپیہ خرچ کئے جاتے ہیں۔

بانیٔ سلطنت بادشاہ بیگم رقیہ بانو کی فاتحہ ماہ جمادی الثانی میں کی جاتی ہیں۔

گنبد اور مسجد اعلیٰ وغیرہ کا کل ماہانہ خرچ نو سو اکتیس روپیہ دس آنے (۹۳۱-۱۰-۰) ہے۔ اس حساب سے گویا ۱۲ ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شروع میں اسّی ہزار روپیہ کی رقم اخراجات کیلئے منظور ہوئی تھی۔

گنبد، مسجد اعلیٰ اور اقصیٰ وغیرہ محکمۂ تحفظ آثار قدیمہ (مزرئی ڈپارٹمنٹ) کے ماتحت ہیں، جس کی جانب سے ڈپٹی کمشنر میسور اور سب ڈویژن افسر نگرانی کرتے ہیں۔ مشورہ کیلئے مقامی اور میسور کے مسلمانوں کی ایک کمیٹی بھی مقرر ہے۔ ہر سال مسجدوں اور گنبد کے خانقاہوں پر سفیدی چڑھائی جاتی ہے۔ بسری رنگ اور شیر کی دھاریاں صرف گنبد کے اندر باقی رہ گئی ہیں۔ مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ کے اندر بھی بسری رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اور اب بھی سفیدی کے اندر سے یہ رنگ اور شیر کی دھاریاں کہیں کہیں صاف نظر آتی ہیں۔ محکمۂ تحفظ آثار قدیمہ سے یہ درخواست بیجا نہ ہوگی کہ ان مسجدوں کو ان کے اصلی رنگ میں رنگ دیا جائے۔ اس لئے کہ تحفظ آثار قدیمہ سے صحیح مراد یہی ہوتی ہے کہ ان آثار کو انکی اگلی شان و شوکت پر قایم رکھا جائے۔

موقعوں پر استعمال ہوتی ہے۔ جب کبھی کوئی والئی ملک یا وائسرائے وغیرہ آتے ہیں تو خدام کی جانب سے انہیں دروازے پر باقاعدہ سلامی دی جاتی ہے۔ اور چتر کے سائے میں انہیں لے آتے ہیں۔ گویا ایک حاکم کی جانب سے دوسرے حاکم کا استقبال ہو رہا ہے۔ یعنے سلطان ابھی زندہ اور اس کا جاہ و حشم برقرار ہے۔

سلطانی لنگر سلطان شہید کی روح کو ثواب پہونچانے کیلئے سلطان کے نام سے ایک لنگر جاری ہے اس کا خرچ ماہانہ دوسو روپیہ ہے۔ اس لنگر سے نصف مسلمانوں کے اور نصف غیر اقوام کے غریبوں اور بے واؤں کو امداد دی جاتی ہے۔ اس امداد کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تین روپیہ، دو روپیہ اور ایک روپیہ۔ اسکے علاوہ روزانہ دس آنے مسافروں یا محتاجوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک میں سحری و افطاری پر پانچسو روپیہ خرچ کئے جاتے ہیں۔ ربیع الاول میں بارہ دن، ربیع الثانی میں گیارہ دن اور محرم میں گیارہ دن تک خدام و مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اعراس سلطان شہید کا عرس ہر سال ۲۰ ماہ ذی قعدہ میں منایا جاتا ہے۔ صندل مسجد اعلےٰ سے گنبد کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے جلو کیلئے مہاراجہ صاحب میسور کے محل سے (یعنے پیالس ڈپارٹمنٹ) بارہ سوار اور بارہ پیادہ سپاہی ایک ہاتھی اور ایک اونٹ مہیا کئے جاتے ہیں۔ بیانڈ کا انتظام بھی رہتا ہے۔ لیکن یہ بیانڈ مقامی طور پر مہیا کر لی جاتی ہے۔ عرس کے دن غریبوں کو صبح میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اس عرس پر محکمہ کی جانب سے ایکسو اسی روپیہ کی مقررہ رقم خرچ ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ کلکتہ سے خاندان شہید (Mysore Family) کی جانب سے بھی پانچسو روپیہ عرس کیلئے سالانہ بھیجے جاتے ہیں۔

مزارِ سلطان شہیدؒ

پر

عقیدت کے چند پھول

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

نقشہ سلطنت خداداد

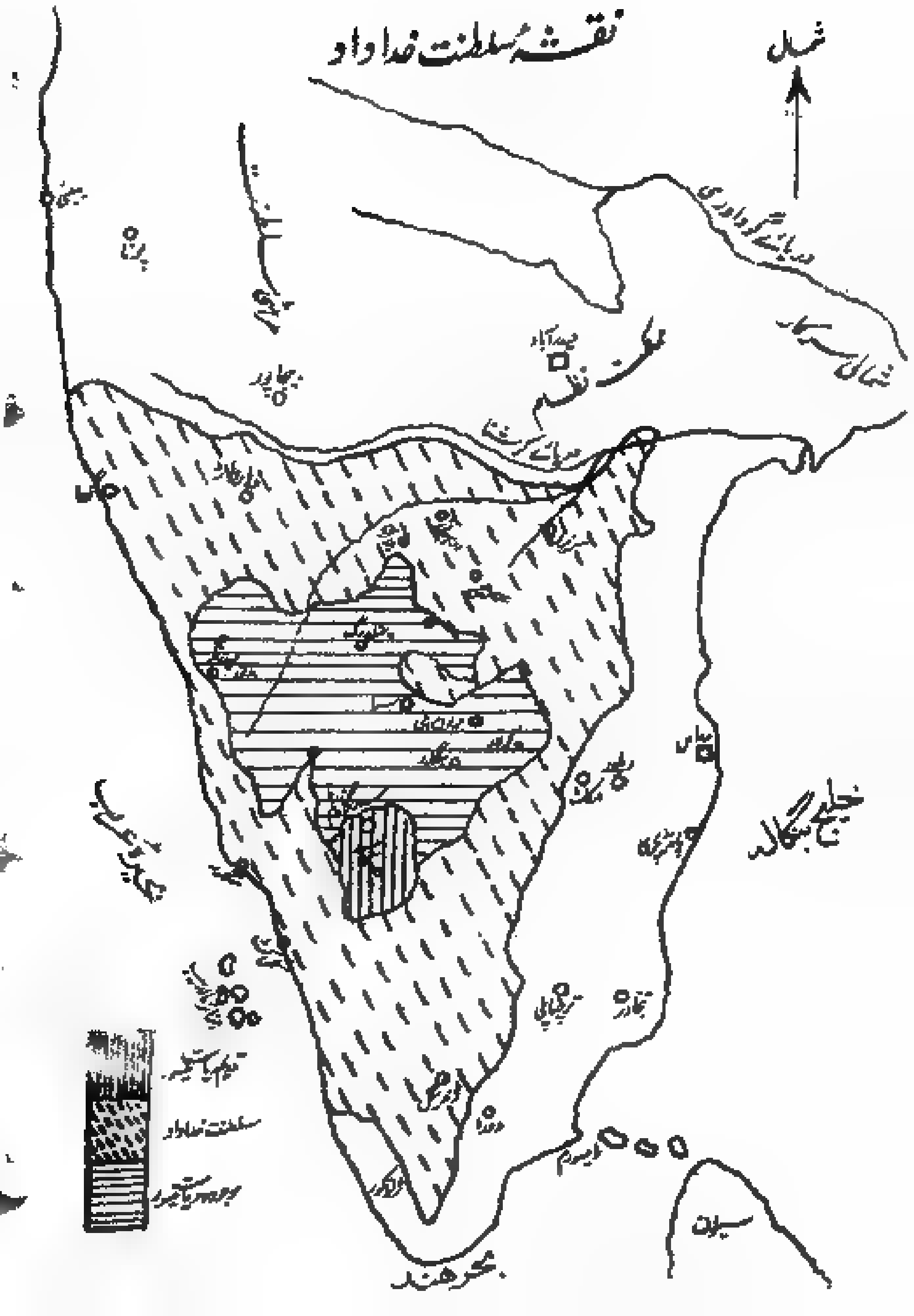

اس کا دورہ ختم ہونے والا ہو۔

جس مقام پر سطوت کے جاں سوز شعلوں کی لپک اور خون آشام تلواروں کے زہرہ گداز جھنکارسے فضا میں لبریز ہو رہے تھے۔ اور مرنے والے جلد جلد آخری دم توڑ رہے تھے۔ تو شہنشاہی کی زندگی کو ٹھکرا کر شیر کی طرح میدان میں کودا۔ اور سپاہی کی طرح مر گیا۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسواکن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ وانفعال کا سرمایہ دار ہو۔

۴۔ تیرا بہادر اور دلدوز باپ جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ تجھ میں اسی کی روح جہاد تڑپ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے جنتی لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس نے دیکھا کہ تو دشمن پر آخری وار کر رہا ہے۔ اور تیری خونریز تلوار دشمن کے لہو سے سرخرو ہو رہی ہے۔

اور اس نے دیکھا کہ تو بہادروں کی نیند سو رہا ہے اور تیرے گلگوں زخم سب کے سب تیرے سینے پر ہیں۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسواکن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی سرمایہ دار ہو۔

برڈزا وڈکلف کا نوحۂ غم

(سلطان کی شہادت کے چوبیس سال بعد جب امریکی مورخ برڈزا وڈکلف سرنگاپٹم آیا ہوا تھا تو اس نے اس جگہ جہاں سلطان نے شہادت پائی تھی۔ جیسکر انگریزی زبان میں یہ نوحہ لکھا۔ اس کا منثور ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے)

۱۔ حزن کی اس عمیق رات میں اے اسلام کی شمع روشن! تیرا شعلہ بجھا دیا گیا۔ اور اقتدار شاہانہ کا عصا تیری قوم کے ہاتھ سے چھن گیا۔ تیری مسند جلال کے گرد بے شمار سپاہی اور جگر دار غازیوں کا جمگھٹ تھا۔ آج جب آفتاب کی شفق ریز شعاعیں اس پار پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سے جھانکنے لگیں تو ان غازیوں میں سے صرف وہی رہ گئے جو آج تیرا ماتم کر رہے ہیں!

اللہ اللہ اس حال میں کہ ہنگامۂ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پہ جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۲۔ اے آسمان جہاد کے ستارے! تو غروب ہو گیا لیکن ان ذلیل انسانوں کی طرح نہیں جنہیں نامردی نے طوفان پیکار کی برہم و آشفتہ لہروں میں غرق فراموشی کر دیا اور مغرور و سربلند دشمنوں کے سامنے معافی اور جاں بخشی کیلئے خاک مذلت پر سربسجود ہو گئے۔

۳۔ نہیں! تو خاک و خون کے بستر پر اس سوزاں فروزاں آفتاب کی طرح سو گیا۔ جس کی تیز ترین، خیرہ کن، غضبناک شعاعیں اس وقت نمودار ہوں جب

۳- ہمارے سلطان کے کوہستانی قلعے زندہ پتھروں کے بنے ہوئے اور عظیم چٹانوں میں سے تراشے ہوئے تھے۔

انہیں قلعوں سے ہوائی بان بلند ہو ہو کر چاروں طرف اپنی ضیا پھیلاتے تھے اور اژدر دم توپوں کے دہانے رعد کی طرح گرجتے تھے۔

انہیں قلعوں سے سلطان کے نقرئی نیزے بلندی پر چمکتے نظر آتے تھے اور سربلند جھنڈوں کے بانکے پرچم ہوا میں لہراتے تھے۔ آہ! ایک چشم زدن میں وہ سب گذر گئے۔" (از تاریخ جیمس مل)

سلطانِ شہیدؒ

آتشے در دل دگر بر کردہ ام | داستانے از دکن آوردہ ام

در کنارم خنجرِ آئینہ فام | می کشم او را بہ تدریج الاتمام

نکتہ گویم ز سلطانِ شہیدؒ | زانکہ ترسم تلخ گردد روزِ عید

پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او | تا شنیدم از مزارِ پاک او

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست

ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی است (علامہ اقبالؒ)

علامہ اقبال اپنی تصنیف "جاوید نامہ" میں پیغام سلطان شہید برود کاویری کے تحت میں "حقیقت حیات و مرگ و شہادت" میں لکھتے ہیں:-

زندگی محکم ز تسلیم و رضاست | موت نیرنج و طلسم و سیمیاست!

بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ | یک مقام از صد مقامِ اوست مرگ!

۵۔ اہل حق نے نخل طوبیٰ کے نیچے اپنی زمردیں خلوتوں میں شہید کیلئے سدا بہار پھولوں کا ایک شاندار ہار گوندھا۔ اور فردوس کی جادو چشم حوروں نے گوہریں رومال ہلا ہلا کر آسمان خلد بریں کی شفاف فضاؤں میں مجاہدین کے سلطان اعظم کا خیر مقدم کیا۔

اللہ اللہ! شہادت کی وہ موت جس کے جلو میں ایسی جاودانی مسرت ہو، اس رسواکن زندگی سے ہزار درجے بہتر ہے جس میں فاتح دشمن کا جھنڈا سر پہ لہرا رہا ہو۔"

(ب)

(یہ مرثیہ کنٹری زبان میں لکھا گیا تھا)

"۱۔ آہ! ہمارے سلطان کی شوکت شاہانہ کس قدر جلد غائب ہو گئی!

آہ! سرنگاپٹم کی تقدیر، دولت اور طاقت کی بلندی سے زوال کی پستی میں کتنی تیزی سے گر گئی۔ اس کے ظفر مند جھنڈے کیونکر اوج آسمان سے ٹکراتے تھے۔ اس کے قاہر لشکر کس قدر غرور اور سربلندی سے بڑھتے جاتے تھے۔

آہ! مالک کائنات نے تبسم کریمانہ کی نظریں انکی طرف سے ہٹالیں۔ اور وہ سب گذر گئے۔

۲۔ ہمارے سلطان کی آباد مملکتیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پہاڑیوں پر قلعے جنگی غرور و افتخار سے سربلند کھڑے چاروں طرف ہیبت پھیلا رہے تھے۔ اسکی فوجیں بے شمار تھیں۔

اسکے فوج نسیم سپاہی جنگ و پیکار کے لئے بے قرار تھے۔ سلطان غازی کا گھوڑا جو سربلندی سے ہر طرف جھپٹتا پھرتا تھا۔ ایک لمحے میں وہ سب گذر گئے۔

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز! | ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں! | محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول
صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے | جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

شیرِ ہندوستان ٹیپو سلطانؒ

عجائباتِ زمانہ کے لئے تماشائی | رہا ہے سیرِ جہاں کا جو تو تمنائی
محیطِ ارض پہ کی تو نے گام فرسائی | قطب سے کی ہے قطب تک کی دشت پیمائی

نظر میں ہے ترے خورشید کا طلوع و غروب
زمیں کو دیکھ کے آیا ہے تو شمال و جنوب

افق میں جبکہ عناصر میں ہو صف آرائی | جہاز لاتے تباہی میں موجِ دریائی
فضا میں جبکہ چلی ہو سمومِ صحرائی | غبارِ دشت سے آنکھوں میں تیرگی چھائی

ہر ایک حال میں چلنے سے کام ہے تجھ کو
نہ لطفِ صبح نہ کچھ خوفِ شام ہے تجھ کو

دیارِ ہند میں جب سیر کیجیے آنا | تو اپنے پہلو میں تو اک دلِ حزیں لانا
عجائبات میں یاں کے نہ دل کو الجھانا | دکن میں جا کے سرنگاپٹم چلے جانا

کہ جس کی خاک میں سوتا ہے شیرِ ہندوستاں
زمانہ بھول گیا ہائے جس کے سب احسان

می فتد بر مرگ آں مردِ تمام — مثلِ شاہینے کہ افتد بر حمام

ہر زماں میرد غلام از بیمِ مرگ — زندگی او را حرام از بیمِ مرگ

بندۂ آزاد را شانے دگر — مرگ او را می دہد جانے دگر

او خود اندیش است مرگ اندیش نیست — مرگِ آزاداں ز آنے بیش نیست

بگذر از مرگے کہ سازد با لحد — زانکہ ایں مرگ است مرگِ دام و دد

مردِ مومن خواہد از یزدانِ پاک — آں دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک!

آں دگر مرگ! انتہائے راہِ شوق — آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق!

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر! — مرگِ پورِ مرتضیٰؓ چیزے دگر!

جنگِ شاہانِ جہاں غارتگری است — جنگِ مومن سنتِ پیغمبری است!

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست — ترکِ عالم، اختیارِ کوئے دوست!

آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت — جنگ را رہبانیٔ اسلام گفت!

کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخونِ خود خرید ایں نکتہ را

(نوٹ :- قولہ آنکہ حرفِ شوق الخ یعنے حضور سرورِ کائنات . در مصرعۂ ثانی اشارہ ایست بحدیث الجہاد رہبانیۃ الاسلام (از جاوید نامہ)

سلطان ٹیپوؒ کی وصیت

(سلطان ٹیپوؒ کی وصیت کے عنوان سے علامہ اقبالؒ نے ضربِ کلیم میں لکھا ہے:-)

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول — لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

بجیبہ تیغ کہ آن حسرت کہن باقی ست

نہ ڈھونڈو لطف سحرگاہِ شام ماتم میں — کبھی نہ دیکھو گے ذی الحجہ تم محرم میں
دکھائے خاک بہار اپنی باغ عالم میں — وہ پھول جو کہ کھلا ہو خزاں کے موسم میں

کئے خدا نے مقرر ہر ایک کام کے وقت
سحر کا کام ملا اس کو ہے شام کے وقت

دکھائے اس نے شجاعت کے خوب ہی جوہر — ادھر وہ یکہ و تنہا خدائی ساری اُدھر
وہ کیا کرے کہ نہ ہو جس کا آسماں یاور — شکست و فتح تو ہے منحصر مقدر پر

نہ ہارا حوصلہ اس تیغ زن نے خوب کیا
مقابلہ تو مرے پہلواں نے خوب کیا

نظام دیکھ کے انداز جنگ سے مسرور — پھرا ہے پیشوا لیکر غنیمت موفور
نہ کھینچیں کس لئے انگریز اپنے آپ کو دور — کہ جس سے رکھتے تھے لیش وہ سیکڑوں ناسور

پڑا ہے خاک پہ اس ناتواں کا لاشہ ہائے
فلک یہ تو نے دکھایا ہے کیا تماشہ ہائے

وہ بادہ جس کا کہ خلق شہید تھا شیدا — وہ نوش جس کو کہ تغلق نے تھا پسند کیا
وہ زہر جسکا کہ تیموں نے پی لیا پیالہ — ازل کے دن سے وہ حصہ نصیب ٹیپو تھا

مرا وہ موت جسے کہئے عاشقانہ موت
سپاہی کہتے ہیں اس کو سپاہیانہ موت

بجا ہے اسکو جو بیداد گر کہیں انگریز — روا ہے اس کو اگر بے خبر کہیں انگریز
درست ہے جو اسے بے ہنر کہیں انگریز — رقیب کو ستم آرا اگر کہیں انگریز

ادب ہے شرط تجھے اس مقام عبرت پر بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر

کمال ہے لڑنا تو اس نامور کی حسرت پر ہزار آفریں اس شیر دل کی غیرت پر

کہ جس کے نام سے ڈرتے تھے بچگان فرنگ

جھکا ہے سامنے جس کے بہت نشان فرنگ

زمین ہند سے اٹھا نہ کوئی فرزانہ رہا یہ ملک ہمیشہ مطیع بیگانہ

بہ قدر ظرف ہے جو ملتا کسی کو پیمانہ دکھاتا کرکے وہ کچھ ہا ہوئے مستانہ

جہاں نے ختم کیئے دورہائے سال دراز

ہوا نہ پیدا پھر اس کا کوئی ہم آواز

وہ بادہ جس سے کہ سلطان تو دی تھا سرور وہ آگ جس سے مرا جلکے شیر شاہ و سرور

وہ نوش جس سے کہ مدہوش ہو گیا تھا پدر اسی شراب نے ٹیپو کو بھی کیا مخمور

زمانہ گرچہ مخالف بھی پایا ٹیپو نے

کر گیا کون جو کچھ کر دکھایا ٹیپو نے

سپہر ہند کا وہ اک چمکتا اختر تھا دکن کی خاک کا اک آبدار گوہر تھا

نصیب ہند تھا اقبال تھا مقدر تھا نہ ہو کیوں ایسا کہ آخر تو ابن حیدر تھا

خیال کچھ نہ کیا اُس نے اپنی راحت کا

قدم قدم پہ رکھا دھیان اس وصیت کا

فلک بکام تو باشد کہ اہتمام کند سپہر بادۂ عیش ترا بجام کند

زمانہ خنجر کیں تو در نیام کند اگر پدر نہ ترا قد سپہر تمام کند

ترا کہ زور بہ بازوئے تیغ زن باقی است

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج — مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود
سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر — مایۂ نازِ تعاقت کے لئے جس کا وجود
قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت — اس کی دولت کے دعاگو تھے مسلم و ہنود
کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے — اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود
اسکے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا — تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود
آخری قول یہ اس کا نہیں بھولے گا — جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود
شیر اچھا ہے جسے مہلت یکروزہ ملی — یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود
دلِ حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج — اسکی مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود
پھر گئی آنکھ میں فردوسِ بریں کی تصویر — ظلِ ممدود میں تھا جلوۂ سدرِ مخضود
اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمتِ حق — چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملایک کے جنود
آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی — داغدارِ درگہِ دادار پہ ہے وقفِ سجود
بر سرِ تربتِ من چوں گذری ہمت خواہ — کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود
میں نے کی عرض کہ اے فطرتِ آزاد کی روح — توڑ دی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار

سلطان شہیدؒ

پوچھ لے میسور اپنے ماضیٔ فسوں ناک سے — "برہنہ شمشیر" اک چمکی تھی تیری خاک سے
جس کی تابش نے بھری محفل کو خیرہ کر دیا — ظلم سے چمکا ہوا ماحول تیرہ کر دیا

کہ اسکے آگے چھلکتا رہا ایاغ فرنگ
جلا نہ سامنے اسکے کبھی چراغ فرنگ

ہزاروں اٹھ گئے دنیا سے بے پھلے پھولے — وہ ہونہار جو دنیا میں آ گئے اور نہ رہے
وہ تازہ غنچے جو مرجھا گئے بغیر کھلے — اسی طرح سے گیا ٹیپو وقت سے پہلے

کہ اس کو موت ہی آئی شباب سے پہلے
چلا یا زہر ہی اس کو شراب سے پہلے

رہا زمانہ میں کچھ روز میہماں کی طرح — بہار اس کو جو آئی بھی تو خزاں کی طرح
چھپا نگاہوں سے وہ گنج شائگاں کی طرح — وہاں سے محو ہوا یاد رفتگاں کی طرح

کسی بشر نے نہ کی اس پہ اشک افشانی
فرشتے گریہ کرتے ہیں فاتحہ خوانی

بہار گائینگی جب بلبلیں گلستاں میں — خزاں کا دور ہو جب موسم زمستاں میں
حریف دو ہوں مقابل جب ایک میداں میں — اڑائیں ساغرے جبکہ بزم یاراں میں

جہاں میں رسم ہے جبتک کہ شادی و ماتم
ہمیشہ روئیگا اسکے لئے سرنگاپٹم

پروفیسر محمود شیرانی

سرنگاپٹم

اے سرینگاپٹم اے گنج شہیدان کرام — آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود
تیری آنکھوں نے ہے اپنوں کا عروج اور زوال — تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود
اسلام میں لا نہ سکی تھی جسے خاک دہلی — تیرے ذروں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

تھا مقدر تیری فطرت میں شہادت کا شرف
کر دیا منصب نے تیرے ناگہاں خنجر بکف

بت پرستوں پر کیا ثابت یہ تو نے جنگ میں
مسلمِ ہندی قیامت ہے حجازی تنگ میں

اس کی فطرت جب مچلتی ہے تو پھر رکتی نہیں
تیغ کا جھکنا تو مشکل ہے نظر جھکتی نہیں

تو بدستور اب بھی زندہ ہے حجابِ گور میں
جذب ہو کر رہ گیا ہے ہستیٔ پرشور میں

عین بیداری ہے یہ خوابِ گراں تیرے لئے
ہے شہادت اک حیاتِ جاوداں تیرے لئے

بے نیازی اپنے اہلِ ملک کی کر دے معاف
خوابگاہِ پاک سے اک دن الٹ بھی دے غلاف

آ۔ پھر ارباب وطن کی مشکلیں آساں کر
پھر شریکِ جنگِ آزادی ہو سینہ تان کر

قصرالادب آگرہ — حضرت سیماب اکبرآبادی

سلطان ٹیپو نور اللہ مرقدہ

زمانے کی ستم رانی سے جب آرام پاتا ہوں
وطن کی سطوتِ رفتہ کے غم میں ڈوب جاتا ہوں

مجھے میسور کا خونیں تماشہ یاد آتا ہے
سراپا زندگی تھا جو وہ لاشہ یاد آتا ہے

چمکتی تیغ پر گرد و غبارِ جنگ کا دامن
کہیں شمعِ اجل فانوسِ جسمِ خاک کا دامن

وہ صہبائے شہادت کے نشے میں جھومنے والے
وہ خنجر کو عروسِ نو سمجھ کر چومنے والے

اکھڑتی سانس سے کہتی ہیں نعشیں اے جوانمردو
لہو سے اپنی تاریخِ عمل کو سرخرو کر دو

وہ لالہ رنگ تلواروں پہ آزادی کی تحریریں
وہ خونِ خاک سے مستقبلِ ملت کی تعمیریں

اسی مقتل سے استقلال کے چشمے ابلتے ہیں
اسی مٹی کے سانچے میں تبانِ قوم ڈھلتے ہیں

زبانِ حال سے کہتی ہیں یہ خوں آلود شمشیریں
ادھر آؤ دکھائیں خوابِ آزادی کی تعبیریں

پرورش محلوں میں پائی تھی نسیبِ جنگ نے
یا اماں پھولوں میں لی تھی حرّیت کے رنگ نے

اے سرنگاپٹم! اے مہدِ کمالِ حیدری!
ہے امانت تجھ میں تصویرِ جلالِ حیدری

وہ شہیدِ ذوقِ آزادی وہ غازی وہ جری
جو بدلنا چاہتا تھا نقشۂ ہندوستاں

جس کی نظروں میں وطن کا حال و استقبال تھا
جو دکن کی گود میں اک آتشِ سیال تھا

ہند میں جو چاہتا تھا، ہندیوں کی برتری
خود شناسی اور خودداری تھی جسکی خودسری

آہ! خود اسکے وطن نے اس سے کیں غداریاں
یاد ہیں وہ ذہنِ قومیت کی سازش کاریاں

ڈیڑھ سو سال اسکی رحلت پر ابھی گذرے نہیں
دردِ کہنہ سے وطن کی وسعتیں پھر چیخ اٹھیں

ہے یہ اس سلطانِ آزادی سے کاوش کا مآل
جورِ استبداد سے ہندوستاں ہے پائمال

یہ مصیبت اس سے غداری کی ذمہ دار ہے
یہ غلامی روحِ آزادی کی اک پھٹکار ہے

ہے ازل ہی سے تری تقدیر میں دار و رسن
ڈوب جا آفت کے طوفانوں میں، اے غیرتِ وطن

اے شہیدؒ! اے عروسِ میدانِ وفا تجھ پر سلام
تجھ پہ لاکھوں تحسین، لا انتہا، تجھ پر سلام

ہند کی قسمت ہی میں رسوائی کا ساماں تھا
ورنہ تو ہی عہدِ آزادی کا اک عنواں تھا

مصر سے تا روم پہونچی تیری آوازِ بلند
گونج اس کی آج بھی باقی ہے باانداز چند

اٹھ رہے ہیں آج جو ساحل میں سیلاب کے
یہ بھی کچھ ذرے ہیں تیری خاکِ آتش تاب کے

اپنے ہاتھوں خود تجھے اہلِ وطن نے کھو دیا
آہ کیسا باغباں شامِ چمن نے کھو دیا

آہنی پیکر ترا اب ہاتھ آسکتا نہیں ؏
لیکے مشعل بھی کوئی ڈھونڈھے تو پا سکتا نہیں

سلطان شہید حضرت ٹیپوؒ کے

مزارِ پُر انوار پر

نگاہوں کیلئے ہے یہ جگہ عبرت فروش اب تک
چلا آتا ہے یہ مظلوم مرقد سرخ پوش اب تک

شکوہ کیقبادی سطوتِ جم دفن ہے اس میں
دکن کی خاک کا فرزندِ اعظم دفن ہے اس میں

غلافِ قبر میں اسلام کی شمشیر پنہاں ہے
شہادت کی مجسم خوں چکاں تصویر پنہاں ہے

کیا ہے غسل خوں سورج نے جیسے شام میں گویا
مجاہد ہے غزا کے روضے آرام میں گویا

یہ روضہ مقبروں میں امتیازی شان رکھتا ہے
ہزاری عبرتوں کے واسطے سامان رکھتا ہے

نظر کے سامنے آئینۂ تقدیر ہے گویا
سپاہی کے سنہری خواب کی تعبیر ہے گویا

یہ مٹی قیمتی ہے بادشاہوں کے خزینوں سے
ابھی تک مالا مال اسلام ہے ایسے دفینوں سے

کہاں ہیں مرگِ آزادی کے دیوانے یہاں آئیں
چراغِ کشتۂ ملت کے پروانے یہاں آئیں

کہ ہوتی ہے یہاں کی خاک سے دل کی غذا حاصل
فنا کے منظرِ خاموش سے درسِ بقا حاصل

غمِ ملت درخشاں ہے مسلمانوں کی آہوں میں
اتر کر آسماں سے نور آتا ہے نگاہوں میں

جھلکتی ہے سمٹ کے توحید دل کے آبگینوں میں
مچلتے ہیں نماز کیلئے سجدے جبینوں میں

خدا کی شان یہ بھی طرفہ سامان ہونا تھا
دکن کے شیر کو اس خاک کا مہمان ہونا تھا

مجاہد کو خدا کی راہ میں قربان ہونا تھا
سرِ رنگا پٹم کو منبعِ عرفان ہونا تھا

اسے ایمان والوں کی زیارتگاہ بننا تھا
یہاں کے ذرے ذرے کو دلِ آگاہ دینا تھا

وہ ٹیپو! وہ مجاہد! وہ علمبردارِ آزادی — ترو تازہ ہے جسکے خون سے گلزارِ آزادی

چمکتی ہے لہو میں اس طرح دھار اسکے خنجر کی — شفق میں جیسے ہوتی ہے کرن صبحِ منور کی

برنگِ روشن یہ خوں کے مضطرب قطرے درخشاں ہیں — کہ تاریخِ جوانمردی کے اوراق پریشاں ہیں

ٹھکانا کیا ہو اسکی ہمتِ عالی کی رفعت کا
سمجھتا ہو جو تلواروں کو زینہ قصرِ ملت کا

شہیدِ قوم اے شمعِ شجاعت خانۂ ملت — ترے ہی نام سے روشن ہوا افسانۂ ملت

تری ہر موجِ نفس تھی وہ شعاعِ ماہِ آزادی — نظر آتی ہے جسکی روشنی میں راہِ آزادی

ترا حسنِ عمل آئینۂ انوارِ انسانی — ترا جوشِ شہادت جلوۂ حسنِ مسلمانی

جگا دیگا وطن والوں کو جو خوابِ ہلاکت سے
وہ شورِ زندگی اک دن اٹھیگا تیری تربت سے — مولانا اظہر امرتسری

ٹیپو شہیدؒ

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبر کی صدا — نزع کے لمحات میں بھی تو نے کی باطل سے جنگ

تو نے کی تجدیدِ پیمانِ شہیدِ کربلا — تو نے بتلایا حفاظت جان کی ہے عذرِ لنگ

جان دی اور کس قدر مسرور ہو کر جان دی — موت تھی تیرے لئے گویا نگارِ شوخ و شنگ

تیغ کی جھنکار پر کرتی تھی تیری روح وجد — تیرے گوش و قلب تھے ناآشنائے عود و چنگ

وہ تو یہ کہئے کہ اپنے ہی پرائے ہو گئے
مٹ گیا تھا ورنہ سطحِ ہند سے نقشِ فرنگ — مولانا ماہر القادری

اقتباس از نظم مجاہدینِ اسلام - مطبوعہ اخبار مدینہ بجنور - مورخہ [illegible]

وہ مجاہد ہے جو آسودۂ منزل نہ ہوا
مصلحت سے کبھی مانوس ترا دل نہ ہوا
عشق سے مرگ کے شعلوں کو بجھایا تو نے	جاودانِ ہستیٔ فانی کو بنایا تو نے

تری جرأت تھی غمِ سود و زیاں سے آزاد
تو رہا گردشِ دورانِ جہاں سے آزاد
ہے تری یاد زماں اور مکاں سے آزاد
باطل افگن ہے ترا نعرۂ آزادا بھی	ہے ترے نام سے لرزاں ستم ایجادا بھی

ہند کو محرمِ اسرارِ وفا تو نے کیا!
حق وفاداریٔ مشرق کا ادا تو نے کیا!
پرچم افشاں علمِ دینِ خدا تو نے کیا!
حلقۂ جادوئے افرنگ کو توڑا تو نے	ہند میں پنجۂ شیطاں کو مروڑا تو نے

حریت سرخیٔ نظمِ مہ و خورشید ہے پھر
انقلابات کی کچھ اور ہی تمہید ہے پھر
ہاں ترا عہدِ وفا عازمِ تجدید ہے پھر
پھر ہے بیدار جلالِ دمِ آزادی	وقت کے ہاتھ میں ہے پھر علمِ آزادی

ہند میں آج جو یہ جلوۂ بیداری ہے
سطوتِ غیر جو مجبورِ نگوں ساری ہے
یہ ترے شعلۂ ایثار کی گلکاری ہے
سرِ تکمیل ترا جذبِ تمام آ پہنچا	صبحِ آزادیٔ مشرق کا پیام آ پہنچا

ابھی تک آرہی ہے یہ صدا تربت کے سینے سے اگر ذلت کا جینا ہو تو موت اچھی ہے جینے سے

شناور ڈوب کر دنیا میں آخر پار جاتے ہیں

وہ بازی جیت لیتے ہیں جو بازی ہار جاتے ہیں حضرت فاخر ہریانوی

سلطان شہیدؒ

(مجاہد وطن ٹیپو سلطان شہید کی یاد میں)

اے شجاع ازل! اے ہند کے فرزند جلیل

زندگی خود ہے ترے ذوقِ شہادت کی قتیل

نامرادی تری آئینِ وفا کی تکمیل

رزم آرا علم جیشِ صداقت تجھ سے زندہ ہے آج بھی مشرق کی نجابت تجھ سے

لے گئی عرشِ وفا پر تجھے تقدیر تری

گونجتی ہے ابھی آفاق میں تکبیر تری

عدل کے ہاتھ میں ہے آج بھی شمشیر تری

لبِ اقوام پہ جاری ترا افسانہ ہے سوزِ آزادیٔ مشرق ترا پروانہ ہے

ہائے وہ منزلِ الفت سے گذرنا تیرا

حجلہ آرائے شہادت! وہ سنورنا تیرا

غیرتِ عشق کے آغوش میں مرنا تیرا

بزمِ امکاں پہ گراں جب تری تنہائی ہوئی موت آئی ترے آغوش میں شرمائی ہوئی

تو ہے وہ بحر جو شرمندۂ ساحل نہ ہوا

محفل تری سونی ہے اور جان محفل گم ہے — اک روح نہ ہو جیسے بے جانِ وطن ابتک

آنکھوں میں چمک جا تو آنسو سے ٹپک جا تو

الفت کی انی بنکر ہر دل میں کھٹک جا تو

وہ بھی کوئی جلوہ تھا جو طور پہ رہ جاتا — کیا شیخ کا تقویٰ تھا جو حد پہ رہ جاتا

ٹیپو کا دلِ مسلم کونین کا حامی تھا — کس طرح یہ ممکن تھا میسور پہ رہ جاتا

دنیا بھی ملی اسکو عقبیٰ کی حکومت بھی

اک وار میں حاصل کی شہرت بھی شہادت بھی

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد — اکبر وفاقانی بی اے

سرنگاپٹم

اے ہند کے سوادِ جنوبی کے رہ نورد — میسور کا فسانۂ خونیں نہ ہم سے پوچھ

گر پوچھنا ہی ہے تجھے دل سوز ماجرا — ویلور کے کھنڈر کی نوا ہائے غم سے پوچھ

کیا شے ہے جو ادھر تجھے لائی کشاں کشاں — تاثیرِ پنہ مرحلہ پیما قدم سے پوچھ

کس کی جدائی میں ہے ابھی تک وہ اشکبار — کاویری رواں کی حزیں زیر و بم سے پوچھ

غدار کس طرف تھا شیرے تھے کس کے ساتھ — یہ دل کی کے تجزیۂ کیف و کم سے پوچھ

آئیں مصیبتیں پڑیں کیوں ایک جان پر — یہ چرخ فتنہ زا کی نگاہِ کرم سے پوچھ

ہے یاد اس کی کس قدر اندوہ در کنار — انداز بے نیازیِ اہل حرم سے پوچھ

کس طرح کانپتے تھے لرزتے تھے مرہٹے — یہ شیر دل شہید کی تیغِ دو دم سے پوچھ

کیا اسکی شانِ اوج کا جبریلؑ سے سوال — اس کا بلند مرتبہ لوح و قلم سے پوچھ

ثابت قدم رہا جو مخالف ہوائیں بھی — پامردیِ مقاومت اسکے علم سے پوچھ

ٹیپو سلطان سے ہندوستان کا خطاب

اے پیکر آزادی اے روح شجاعت آ — اے قلب محبت آ، اے جان محبت آ،
ایثار و صداقت پر کی جان فدا تو نے — دکھلا دے اسیروں کو پھر وہی شوکت آ

قائم تھا ترے دم سے انداز جہانبانی
باقی تھی ترے بل پر حریت انسانی

آ دیکھ تری کھیتی برباد ہوئی کیونکر — اس باغ پہ گلچیں کی بیداد ہوئی کیونکر
تھے دل کے جو ہنگامے وہ گل کے کلیجے میں — بے سود تری بلبل فریاد ہوئی کیونکر

نالوں میں عنادل کے وہ جان نہیں باقی
اور گل کے تبسم میں وہ آن نہیں باقی

ہم دوست عدو کے ہیں اور دوست کے دشمن ہیں — غیروں کے تو رہبر ہیں اپنوں ہی کے رہزن ہیں
منجدھار میں آفت کے ہیں اہل وطن سارے — ہے غم کی گھٹا سر پہ برباد نشیمن ہیں

او روح عمل ٹیپو آ ہم کو سہارا دے
آفت کے اٹھانے کا ہر قلب کو یارا دے

آ- اور ہر اک گل میں بو ہو کے سما جا تو — غنچوں کو کھلا جا تو سوتوں کو جگا جا تو
پروانہ بنا جا تو اس دیس کی الفت کا — اس بزم کی الفت میں اک شمع جلا جا تو

حیدر کے پسر آ جا اور خون بہا کر جا
او شیر نیستانی باطل کو مٹا کر جا

ٹیپو تری ہستی پر نازاں ہے وطن ابتک — اور تیری شہادت پر نالاں ہے وطن ابتک

ناموسِ وطن شمع تو پروانہ تھا ٹیپوؒ
غیرت کی صدف میں دُرِ یکتا تھا ٹیپوؒ

یہ حکم دیا فوج کو سر جائے تو جائے — سایہ بھی مگر غیر کا قلعہ میں نہ آئے
سر اسکا نہ ہو۔ آگے جو پاؤں اٹھائے — اس خطے سے خبردار کوئی بڑھنے نہ پائے

پروا نہیں ہر گام پہ بارانِ بلا ہو
جاں ملک کی عزت کے تحفظ پہ فدا ہو

مقتول ہوئے جنگ میں مردانِ دلاور — باقی نہ رہے لشکرِ اسلام میں افسر
سچ ہے کہ قضا سے نہیں جیتا کوئی لڑکر — سلطانؒ نے پیا نزع میں آبِ دمِ خنجر

طالع کی خرابی ہو کہ تدبیر کی خامی
اس ملک کی تقدیر میں لکھی تھی غلامی

مولانا انعام اللہ خاں ناصر ایڈیٹر احسان لاہور

سرنگاپٹم

اے سرنگاپٹم اے شہرِ سلطانِ شہیدؒ — سطوتِ فاروقؓ پردے میں ترے مستور ہے
سجدہ گاہِ قدسیاں ہے گنبدِ اعلیٰ ترا — اسکا ہر ذرہ مری آنکھوں میں کوہِ طور ہے

سرنگوں جس وقت دنیا میں ہوا تیرا علم — پارہ پارہ ہو گئی بس قسمتِ میسور بھی
محوِ خوابِ استراحت ہے یہاں شیرِ دکن — ساتھ اسکے سو رہی ہے عظمتِ میسور بھی

چشمِ زائر ڈھونڈتی ہے کس مجاہد کو یہاں — کرنا گیج گرامی ان بیابانوں میں ہے
نعرہ اللہ اکبر کی صدائے بازگشت
گونجتی پھرتی ابھی تک تیرے ویرانوں میں ہے

خود بن گیا کمان کا جو آفریں خدنگ　　عزم ستیزہ و معرکہ اس کی قسم سے پوچھ

برق ان میں بے قرار ہے کس التہاب کی

(لدھیانہ)　　یہ ذرہ ہائے خاک سمند نگا بیٹم سے پوچھ　　(لطیفی)

سلطان ٹیپو کی تیغ زنی اور شہادت

تلوار میں جوہر تھے قیامت کے بلا تھی　　اغیار کی جس صف میں یہ چمکی وہ صفا تھی

وہ برق تھی یا برق کے ہنسنے کی ادا تھی　　آسیب کا سایہ تھی، چھلاوہ تھی، قضا تھی

راکب کے وہ دو کر کے ٹھہرتی نہ تھی زیں پر

مرکب کی کمر کاٹ کے جاتی تھی زمیں پر

بچ کر نہ گیا سامنے جو بد گہر آیا　　سر جس کا اٹھا خاک پہ غلطاں نظر آیا

کشتہ ہوا جو سر سے کفن باندھ کر آیا　　کھلتا تھا زباں کا کہ لہو منہ میں بھر آیا

تلوار تھی اعدا کا لہو چاٹ کے مدہوش

ہر سمت تھا ہنگامۂ تفریق سر و دوش

اک چل پڑی اعدا میں جو وہ صف شکن آیا　　جاں نذر کریں اسکے سوا کچھ نہ بن آیا

اک شور اٹھا رن میں کہ وہ تیغ زن آیا　　وہ وقت کہ ہوتے ہیں جدا جان و تن آیا

ہر بار اجل تیغ سے کہتی تھی ٹھہر جا

مسدود ہے اس بھیڑ میں رستہ ہی عدم کا

تھی شمع جو سلطان کے اقبال کی روشن　　اس نام کی ہیبت سے لرزتے تھے دشمن

فتنہ کو زمیں پر کہیں ملتا نہ تھا مسکن　　اٹھی تھی جدا دوش سے اکڑی ہوئی گردن

آہ اس سنسان ویرانے میں آبادی سے دور | قبر میں آرام فرما ہے وہ سلطانِ غیور
نوبتِ سلطان بھی باقی ہے باصد کر و فر | کج کلاہوں کے اسی دربار میں جھکتے ہیں سر

بجھ چکی تھی شمع عالمگیر ہندوستان میں | چھا چکی تھی تیرگی اسلام کے ایوان میں
پھر کیا قدرت نے پیدا وہ شہ عالی صفات | ہند میں جس نے دیا مسلم کو پیغام حیات
وہ مجاہد، مرد غازی جس کا ٹیپو نام تھا | جس کی ہیبت سے زمانہ لرزہ براندام تھا
اسکا وہ شوق شہادت۔ اس کا وہ ذوق جہاد | کربلا کے معرکہ کی جس نے تازہ کی ہے یاد
یک بیک گلشن میں پھر چلنے لگی باد خزاں | گردش ایام نے لوٹا ہمارا کارواں
حاملانِ عرش بھی چلا اٹھے یہ کیا ہوا | خونِ مسلم آب کا دریا سے بھی ارزاں ہوا
حاملِ قرآں ہوئے توحید سے جب بے نیاز | شور ناقوسِ کلیسا میں چھپی بانگِ حجاز

گو بظاہر سو رہا ہے وہ شہ عالی مقام | مسلم ہندی کو اب بھی دے رہا ہے یہ پیام
اٹھ کہ عالم میں نیا ہنگامہ اک پیدا تو کر | آبروئے شیوۂ اہل وفا پیدا تو کر
اٹھ کہ آزادی ہمیشہ شیوۂ اسلام ہے | یعنی جو آزاد ہیں نگاہی دیں اسلام ہے

گونج اٹھیں وادیاں پھر نعرۂ تکبیر سے
عقدۂ مشکل کو حل کرنا خنِ تدبیر سے (محمود مصنف کتاب)

صادق

یہ زمین قصبہ صادق کس قدر ہے سوزناک | شعلۂ آتش سے بڑھکر گرم تر ہے اسکی خاک

مجھ کو حسرت تھی کہ اس پر اس قدر کیوں ہے عتاب
روح صادق سے ملا محمود یہ مجھ کو جواب ۔

کس کے غم میں رو رہی کاویری ہے یوں سینہ فگار
بال ہیں بکھرے ہوئے ماتم میں کوئی حور ہے

کیوں فضا میں ہے غضب کی خامشی چھائی ہوئی
حسرتوں سے یہ ظفر آباد کیوں معمور ہے

تیرے ہر ذرہ میں ہے خونِ شہیداں کی جھلک
آبروئے امتِ مرحوم کا حامل ہے تو

شانِ خالد، شوکتِ حیدر کا مظہر تجھ میں ہے
عظمتِ اسلامیانِ ہند کا حاصل ہے تو

تیرے کھنڈروں پہ برستا تھا کبھی جاہ و جلال
جلوہ گر تھی تیرے ویرانوں میں شانِ حیدری

یہاں یہی ایوان تھا ایوانِ دربارِ شہیدؒ
ہاں اسی ایوان پہ اڑتا تھا نشانِ حیدری

اب بھی کانوں میں یہاں آتی ہے آوازِ شہیدؒ
قطرۂ خونِ شہیداں میں ہے بقائے زندگی

"گیدڑوں کی زندگی پر موت کو ترجیح دے
شیر بن آزاد ہو اس میں ہے شانِ زندگی" (محمود مصنف کتاب)

یادِ ظفر آباد (سرنگاپٹم)

اس ظفر آباد میں محمود جب آتا ہوں میں
اک نئے عالم میں اپنے آپ کو پاتا ہوں میں

آہ دِلّی داغ تھا اس کیلئے ماتم کناں
میری قسمت میں ظفر آباد تھا شاید نہاں

حسرتوں کی اک نئی دنیا یہاں آباد ہے
مسلمِ ہندی کا یہ اک خانہ برباد ہے

کارواں جاتا رہا پر کارواں کا نقش ہے
ذرہ ذرہ پر حیاتِ کامراں کا نقش ہے

آہ جو ٹوٹے ہوئے باقی در و دیوار ہیں
سطوتِ شاہانِ ماضی کے علمبردار ہیں

ان سے پوچھے کوئی کیا تھا حیدری جاہ و جلال!
ان سے پوچھے کوئی کیا تھا ہند کا علم و کمال!

طائرِ بامِ حرم کا آشیانہ تھا یہاں
یعنی تہذیبِ حجازی کا خزانہ تھا یہاں

ہاں یہیں لوٹی گئی ہیں ہند کی آزادیاں
ہاں یہی وہ شہر ہے جس میں ہوئیں غداریاں

خاتمۃ الکتاب

اس خدائے جل جلالہ وعم نوالہ کا ہزار ہزار شکر کہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی.

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ بھی ہوگا تیرے کرم سے ہوگا (حالیؔ)

میں ان تمام بزرگوں اور احباب کا شکر گذار ہوں. جنہوں نے اس تاریخ کے مرتب کرنے میں مجھے تصاویر، حوالجات کے انگریزی اور اردو مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب اور نظموں سے امداد فرمائی.

کتاب کا پہلا ایڈیشن دیکھکر بعض احباب نے مصنف سے شکایت کی تھی کہ لڑائیوں کا حال تفصیل سے نہیں لکھا گیا ہے. میں نے عمداً اس سے احتراز کیا تھا. اور اس ایڈیشن میں بھی میں نے اختصار سے کام لیا ہے. میرا خیال ہے کہ تفصیل سے کوئی ذہنی فائدہ مترتب نہیں ہوتا. اور طبیعت اکتا جاتی ہے. جو واقعات ہمارے موجودہ حالات سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں. وہی زیادہ اثرانداز ہوتے ہیں. اس لئے میں نے بجائے جنگوں کی تفصیل لکھنے کے اس زمانہ کی سیاسی پالیسی سے بہت زیادہ بحث کی ہے. اس زمانے میں جو پالیسی کارفرما تھی. آج بھی ہندوستان کے اندر اور باہر وہی پالیسی کام کر رہی ہے. اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میر صادق و پورنیا کی روحیں ابھی تک اپنا کام کئے جا رہی ہیں.

کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنے سے پہلے میں نے متعدد بار اس اجڑے عروس البلاد سرنگاپٹم کی چپہ چپہ زمین کو جاکر دیکھا. اور مختلف اصحاب و بزرگوں سے تبادلۂ خیالات کیا. قلمی دستاویزیں

اس کا اندیشہ ہی کیا گر قبر ہے آتش فشاں | مجھ کو غداری نے بخشی ہے حیات جاوداں

کارگاہِ دہر میں ابلیس کا مظہر ہوں میں | جس نے دی تعلیم غداری وہ پیغمبر ہوں میں

نور کی دنیا میں آخر نار بھی تو چاہیے | جس جگہ گل ہوں وہیں کچھ خار بھی تو چاہیے

میر قمر الدین، معین الدین یا سنگرا غلام (میر غلام علی) | میرے ہی اجزائے ترکیبی کے ہیں یہ چند نام

کابلی تمار ہے یا ہو وہ مکہ کا شریف | کب ہے میدان سیاست میں کوئی میرا حریف

مجھ کو قسمت نے دیا اس سلطنت پر اقتدار | جس پہ تھا اسلامیانِ ہند کا دار و مدار

میں نے اس سلطانِ آزادی سے غداری جو کی | ہل گئی بنیاد اس سے ملتِ اسلام کی

ناز تھا اسلامیوں کو جس پہ وہ جوہر گیا | سرزمینِ ہند سے آئینِ پیغمبر گیا

میرے قبضہ میں سیاست کی ہے تیغ بے نیام | مجھ کو لینا ہے ابھی اسلامیوں سے انتقام

جس کو کہتے ہیں قیامت! آنے والی تو نہیں | اس سے بڑھکر اور آفت! آنے والی تو نہیں

بھائی سے بھائی مسلمانوں میں ہے بیگانہ ہوا | ناز ہے ان کو کہ یہ اک کارِ مردانہ ہوا

مال و دولت پر ہے منعم کو بہت فخر و غرور | اور فقیروں کو نہیں کچھ بھی فقیری کا شعور

بھائی کی بھائی ترقی دیکھ سکتا ہے کہاں | اس قدر رشک و حسد ہے الحفیظ والاماں!

گو بظاہر کر رہے ہیں مجھ سے نفرت خاص و عام | ہیں مگر باطن میں وہ میرے ہی آئین کے غلام

ہاں! ابھی اک خوف ہے بیکل ہوں اسی سے ناامید | پھر کہیں بیدار ہو جائے نہ سلطانِ شہیدؒ

کارگاہِ دہر میں بگڑیگا میرا سب نظام | زادۂ توحید کا پھر سخت ہوگا انتقام

شعلۂ نارِ جہنم سے کہاں ڈرتا ہوں میں

پھر نہ ہو بیدار وہ (سلطان ٹیپو شہید) اس خوف سے مرتا ہوں میں

(محمد یوسف کتاب)

۱؎ سلطنت خداداد کے غدار اعظم ۲؎ کابل کا تمار جس نے ایرانی شہنشاہ امیر کابل سے غداری کی تھی ۳؎ شریف حسین جس نے ترکوں سے غداری کی تھی۔

تو باقی رہتی۔ اور مسلمانوں کی حالت اسقدر خراب نہ ہوتی جیسی آج ہے"

یہ نظریہ تو موت کی زندگی کیلئے ایک پیام مرگ ہے۔ تاریخ بزدلوں سے نہیں بلکہ جوانمردوں سے بنتی ہے۔ تاریخ وہی جوانمرد بناتے ہیں جو کارزار حیات میں سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں اور انہیں کے کارناموں سے قومیں زندگی حاصل کرتی ہیں۔ ہندوستان کی غلامی، افلاس اور زبوں حالی کا راز سلطان کی شہادت میں نہیں بلکہ پورنیا اور میر صادق کی غداری میں مضمر ہے۔ ہندوستان میں ابھی انکی روحیں کارفرما ہیں اور جبتک یہ زندہ رہینگی، ہندوستان اسفل و تعبد کی زندگی ہی بسر کرتا رہیگا۔

دنیا اگر اسی نظریہ کی حامل ہوتی تو آج مذہب کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ حق و صداقت کا پرستار کوئی نظر نہ آتا۔ غلامی اور آزادی میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اور وہ احساس کہ ہم غلامی سے نجات حاصل کریں کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔ تاریخیں لکھی نہیں جاسکتی تھیں۔

اندلس میں ابو عبداللہ نے اپنا بیلا اور فرڈی ننڈ کی اطاعت قبول کرلی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ ایک بے غیرت قوم ہے۔ جو اسپین کی سرزمین میں رہنے کے لائق نہیں۔ آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد جس بیدردی سے انہیں جلاوطن کیا گیا۔ شاید ہی اس سے بڑھکر عبرت انگیز منظر اور کوئی ہو۔ کیا ابو عبداللہ کی زندگی سے کوئی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے؟ کیا ابو عبداللہ کے حالات خون میں وہی گرمی پیدا کرتے ہیں جو طارق کے صرف نام سے ہی پیدا ہوتی ہے؟

آج دنیا مصطفےٰ کمال کے نام پر سر کیوں جھکاتی ہے؟ آج کیوں مسلمانوں کو اطاعت گذار ضعیف ترکی عبدالوحید کے نام سے گھن آتی ہے؟ فرانس اگر زندہ ہے تو جون آف آرک کی روح اس میں کام کر رہی ہے۔ فرانس پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ جون اسکی مخالف تھی۔ اگر وہ اطاعت کرلیتی تو شاید اسکی تن پروری کیلئے کچھ مل جاتا، لیکن جون کا مقصد زندگی کچھ اور تھا۔ اور فرانس کی زندگی اسی کی رہین منت ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ فرانس کا بچہ بچہ اسکی پرستش کر رہا ہے۔

پیدا کیں۔ فرامین دیکھے۔ حوالجات کے کتب فراہم کئے۔ میں نے اپنی دانست میں سمجھا تھا کہ مجھے مزید محنت کرنی نہ پڑیگی۔ لیکن پہلا ایڈیشن شائع ہونیکے بعد جہاں کتاب سے صد درجہ دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ وہاں مجھے توجہ بھی دلائی گئی کہ سلطان کی شخصیت اور زوال سلطنت خداداد کے اسباب کی اور زیادہ تشریح کی ضرورت ہے۔ میں نے از سر نو اس پر توجہ کی۔ یہ شاید میری خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنے کے بعد میں نے تاریخ جنوبی ہند کیلئے کتابیں فراہم کرنا شروع کیا۔ ان کتابوں میں بھی مجھے بہت سا مواد مل گیا۔ جو تاریخ سلطنت خداداد سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن موجودہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اب یہ خدائے حیّ و قیوم کے ہاتھ میں ہے کہ میری سعی کو مشکور فرمائے یہ اسی کی نوازش تھی کہ مجھ جیسے ہیچمداں ذرۂ ناچیز کو اس کتاب کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اس کو مقبول بنائے۔

مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں کوئی قادر الکلام ادیب ہوں۔ ممکن ہے کہ ادبی حیثیت سے کتاب میں بہت سی غلطیاں ہوں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اسلئے کہ اردو کے مرکزوں سے بعید دور رہکر جہاں کی روزمرہ بول چال بالکل مختلف ہے۔ میں نے اردو میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ احسان ہوگا کہ اگر احباب بجائے نکتہ چینی کے اصلاح پر توجہ فرمائیں۔

مذکورۂ بالا سطور لکھے جا رہے تھے کہ مصنف کے آگے سلطان شہیدؒ کے متعلق ایک اور نظریہ پیش ہوا ہے اور یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ اس نظریہ کے پیش کرنیوالے مسلمان ہیں۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی، افلاس اور تنگدستی کو دیکھکر یہ نظریہ پیش کیا گیا ہو۔ بہر طور وہ نظریہ یہ ہے:۔

"سلطان اگر انگریزوں کی اطاعت قبول کرلیتا تو جنوبی ہند میں مسلمانوں کی ایک ریاست

سلطان آزادی کا دلدادہ تھا اور یہ ناممکن تھا کہ وہ طاغوتی طاقتوں کے آگے سر جھکا دے۔ اسلام نے الجہاد رہبانیۃ الاسلام کی تعلیم دی ہے۔ اور وہ اس تعلیم پر عمل پیرا ہوا۔ یہ سلطان کی غیرت، حمیت اور شہادت کا جذبہ ہی ہے، جو آج ہندوستان کو آزادی کی جدوجہد کیلئے آمادہ کر رہا ہے۔ دنیا میں وہی قوم سربلند ہو سکتی ہے جو آزادی کی نعمت کو جانتی ہے۔ ورنہ وہ قوم جو غلامانہ ذہنیت کی حامل ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قعرِ ذلت میں گرفتار رہتی ہے۔ مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش ایڈیٹر شہباز لاہور لکھتے ہیں:۔

"بے آبرو کا پاس تو ہرگز نہ کر قبول — بن کر غلام تجھ کو جو عمرِ خضر ملے
جانِ عزیز دیکے بھی کر اس کی آرزو — شیری کا ایک لمحۂ شاداں اگر ملے

علتِ زوال

وہ قوم بن کے رہتی ہے اغیار کی غلام — کرتی نہیں جو اپنے شرف کی مدافعت
مسلم دیارِ ہند میں اس دن سے ہے ذلیل — جس دن سے اس سے چھن گئی تابِ مقاومت
ایسا گرا کہ گر کے پھر اٹھنا ہوا محال — گردوں نے اس کے منہ پہ لگائی ہے وہ چپت
ہے یہ زوالِ عزم کہ مقصودِ زندگی — پہلے تو سروری تھا اور اب ہے ملازمت
حقداریٔ وراثتِ آبا کی شرط ہے — اولاد میں ہو شوکتِ اجداد کی صفت

شیوہ ہے غازیوں کی نہ کی جس نے پیروی
اس قوم بد خصال کی بنتی یہی ہے گت"

محمود

بنگلور مورخہ ۸ر جولائی ۱۹۳۶ء

ملک کی موجودہ سیاست اور پانچ سو سالہ ہندو مسلم تعلقات کو بہترین طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ

تاریخِ جنوبی ہند

مصنفہ محمود خان صاحب محمود

کا مطالعہ کریں۔ جو اپنے موضوع کے لحاظ سے نہ صرف اردو زبان بلکہ ملک کی دوسری زبانوں میں بھی پہلی کتاب ہے

یہ کتاب جزیرہ نمائے جنوبی ہند کی ایک مکمل و مستند تاریخ ہے۔

تاریخ جنوبی ہند میں آپ کو ہندوستان کے عہد قدیم کے تمدن و تہذیب کے نمونے نظر آئیں گے۔

تاریخ جنوبی ہند میں آپ کو ہندو سوسائٹی کی ترکیب، آرین اور دراوڈین قوموں کی معرکہ آرائیاں نظر آئیں گی۔

تاریخ جنوبی ہند کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس ملک میں اسلام کب اور کیسے آیا۔ اور ہندو مسلم سوشیل اور تجارتی تعلقات کیسے تھے۔

تاریخ جنوبی ہند میں آپ کو ہندو مسلم پانچ سو سالہ سیاسی تعلقات کی تاریخ ملیگی۔

تاریخ جنوبی ہند میں ہندوؤں کی عظیم الشان سلطنت وجیانگر کی مفصل تاریخ ہے۔

تاریخ جنوبی ہند کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندو تمدن نے مسلمانوں کی معاشرت و مذہب پر کیا اثر ڈالا۔ اور اس ملک میں مسلمان اس درجہ اقلیت میں کیوں ہیں؟

تاریخ جنوبی ہند کا مطالعہ ملک کی موجودہ سیاست اور ہندو مسلم تعلقات کو واقعات کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اس لحاظ سے یہ کتاب "کتاب امروزہ" ہے۔

تاریخ جنوبی ہند میں متعدد تاریخی ضمیمے ہیں۔ جن سے آپ کو جنوبی ہند کے متعلق کامل واقفیت ہو سکتی ہے۔

جنوبی ہند کے مسلمان، مدراس کی اسلامی تاریخ، تاریخ میسور، جنوبی ہند اور یورپین اقوام، جنوبی ہند کا محرم، جنوبی ہند کی بعض قومیں اور ان کے رسم و رواج وغیرہ وغیرہ۔ کتاب میں متعدد فوٹو بلاک کی تصاویر ہیں۔ کاغذ سفید چکنا ۲۰ پونڈ۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحے

قیمت فی جلد چار روپیہ

کتاب پریس میں دیدی گئی ہے۔ آپ ابھی سے اپنی فرمایش بھیجدیں کہ شایع ہوتے ہی آپکی خدمت میں بھیجدیجائے

خط و کتابت بنام:- محمد سراج الدین، ڈکسن روڈ، بنگلور

CENTRAL ARCHAEOLOGICAL LIBRARY,
NEW DELHI

Issue Record.

Catalogue No.
954.54/Mah-5674

Author—
Mahmud.

Title— Tarikh-i-Khuda Dad.

Borrower No.	Date of Issue	Date of Return
Buddhgaya		
Buddhgaya	22.9.62	11/12/62
W. H. Siddiqui	10/3/89	[illegible]

"A book that is shut is but a block"

CENTRAL ARCHAEOLOGICAL LIBRARY
GOVT. OF INDIA
Department of Archaeology
NEW DELHI.

Please help us to keep the book clean and moving.

S. B., 148. N. DELHI.